مست قلندر لاہور
جولائی
دلچسپ نمبر ۵
150
انعامات
مختلف
روپے
۱۵۰
پہلا انعام
75/-
۷۵ روپے نقد
اور ساتھ ہی ساتھ
بلا فیس کوپن
قسمت آزمائی کا
نادر موقع!
قبل از وقت حل
بھیجنے والے
آخری تاریخ ۲۵ جولائی ۱۹۳۹ء
ڈاک خانہ کی مہر ہونی چاہیے
میعاد میں توسیع بالکل نہ کی جائے گی
مست قلندر کے دلچسپ چار سلسلوں میں مبلغ ۸۰۰ روپیہ نقد کے انعامات تقسیم کئے جا چکے
انعامات
دلچسپ معمہ نمبر ۵ میں شرکت فرما کر اپنی دلچسپیوں میں اضافہ کیجئے!
دلچسپ معمہ نمبر ۵ بالکل آسان ہے کیونکہ اس میں اس بات کا امکانی طور پر لحاظ رکھا گیا ہے
کہ کوئی لفظ غیر مستعمل زبان اردو استعمال نہ کیا جائے۔ آپ کوشش کیجئے محنت کبھی
رائگاں نہیں جائیگی۔ کیا عجب کہ پہلا انعام آپ ہی کی راہ دیکھ رہا ہو اسلئے آج ہی
بلکہ ابھی دلچسپ معمہ نمبر ۵ کو حل کرنا شروع کر دیجئے اشارات نیچے درج کئے جاتے ہیں
پیارے ناظر
وہ دور چوٹی پہ اک گھر وندہ دکھائی جو دے رہا ہے کچھ کچھ
وہی ہے منزل، وہی ٹھکانا، تمہاری قسمت وہیں پڑی ہے
کمند کوشش کو پھینک دیکھو، چڑھو بھی اوپر پہونچ بھی جاؤ
کہ کامیابی تمہاری راہ میں بچھائے آنکھیں وہیں کھڑی ہے
۱

دلچسپ معمہ نمبر (۵)

دلچسپ معمّہ نمبر ۵ کے اشارات

اشارات معمّہ نمبر ۵

دائیں سے بائیں جانب

اشارات معمّہ نمبر ۵

حصہ بالائی سے زیریں جانب

ماسٹر جوگندر • ماسٹر جواہر • بھوجی

بچوں کے معمہ دلچسپ نمبر ایک کے موجد

تصویر معشوقیت

اقبال احمد شمیم

آپ کے جذباتی افسانوں نے ترقی پسندی کی دنیا میں تہلکہ پیدا کر دیا ہے!

OUR FIRST PRIZE WINNER

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵
مست قلندر لاہور
رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵
ہندو ہے ایک آنکھ مسلمان دوسری
نمبر (۴)
خوش باش دمے کہ زندگانی این ست
جلد (۲)
جولائی
سنہ ۱۹۳۹ء
رسالہ مست قلندر لاہور
اردو میں اپنی قسم کا واحد باتصویر کثیر الاشاعت ماہوار رسالہ
ان زندہ دل انسانوں کے لئے جنہوں نے زندگی کا منتہائے مقصود
تلاش کیا ہے، ہمیشہ خوش رہنے اور دوسروں کو خوش کرنے میں جو خدا کی
حقیر ترین مخلوق کو بھی محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو اپنے قول یا فعل سے
کسی کی دلآزاری نہیں کرتے جن کا مذہب ہے خدا کے ہر ایک بندے
سے بلا امتیاز رنگ و قومیت محبت کرنا۔
سالانہ چندہ
ایک روپیہ پندرہ آنے
قیمت فی پرچہ ۳ آنے
ایڈیٹر ڈاکٹر پرتھی سنگھ

فہرست مضامین!

مست قلندر لاہور کا عام پرچہ اتنی نا موصفحات کا ہونے کے باوجود سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ چند آنے رکھا ہے یعنی ہندوستان بھر کے اردو رسائل کے چندہ سے کم اور پر لطف یہ کہ اس قلیل ترین چندہ میں خاص نمبروں کی قیمت بھی شامل ہے۔

مست قلندر کی تعداد اشاعت ہندوستان کے تمام اردو رسائل سے زیادہ ہے ہر ماہ کم از کم ایک لاکھ زندہ دل حضرات اس کو شوق سے پڑھتے ہیں اس لئے اشتہار دے کر فائدہ کثیر حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

پانچ سوالوں کا ایک ہی جواب

جولائی ۱۹۳۹ء

(۱)
ہندوستان بھر کے
اردو رسالوں سے سستا
کونسا رسالہ ہے
؟

(۲)
سب سے زیادہ ٹھوس اور
کارآمد مضامین ہر ماہ کون
رسالہ شائع کرتا ہے
؟

(۳)
وہ کونسا رسالہ ہے جس کی قیمت اسکی
لاگت سے بھی بہت کم ہوتی ہے یعنی جو ہر ماہ
دیتا ہے **الف** سہ رنگی رنگ کا بلاک **ب** فوٹو بلاکس
کی متعدد مگر منتخب تصاویر **ج** بڑے سائز کے
۴۸ صفحات کا ٹھوس میٹر اور اس سب کچھ کے
باوجود **بکتا ہے** صرف
تین آنے میں (۳؍)
؟

(۴)
وہ کونسا رسالہ ہے جسے ہندو
اور مسلمان یکساں ذوق و شوق اور
دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں،
؟

(۵)
دنیا جہان کی دلچسپیوں مزاحیہ
کارٹونوں بہترین افسانوں اور تڑپا دینے والے
ترانوں کا حامل کونسا رسالہ ہوتا ہے
؟

رسالہ مست قلندر لاہور

یقین نہ ہو تو اس پرچہ کا مطالعہ کرکے دیکھ لیجئے

رسالہ مست قلندر لاہور

جلد (۲۰) بابت جولائی سنہ ۱۹۳۹ء نمبر (۴)

سپرا کے کنارے ایک رات

[از نتیجۂ فکر جناب سلطان احمد صاحب صدیقی (گورکھپوری) مقیم اُجین]

اک رات کو جا نکلا میں سپرا کے کنارے
دریا بھی چلا جاتا تھا رفتار سے اپنی
وہ پانی کی چادر پہ ستاروں کا چمکنا
اک ہوک اُٹھی دل میں جو یاد آئی کسی کی
اس حال میں ماضی کی طرف دھیان جو پلٹا
اک دن تھا کہ بیٹھے تھے مرے پاس یہیں پہ
جب گیسوئے شبگوں پہ وہ چھڑکے ہوئے افشاں
وہ نازکی ۔ وہ رازکی ۔ اخلاص کی باتیں
یاد آتی ہیں اب بھی جو کبھی آہ وہ باتیں
کیسی تھیں بتا الوہ؟ دلچسپ وہ راتیں
تعدید یہ سنانی تھی محبت کے فسانے
شاید نہ اُنہیں یاد ہوں اس وقت کی باتیں
اے بادِ صبا جا کے یہ کہہ دینا تو اُن سے
بھولے سے [illegible] ہماری بھی تو کر لو

تھا چاند ضیا بار چمکتے تھے ستارے
اک لطف دلآویز تھا۔ دلکش تھے نظارے
معلوم یہ ہوتا تھا دہکتے ہیں شرارے
میں بیٹھ گیا ایک جگہ درد کے مارے
یاد آنے لگے واقعے گذرے ہوئے سارے
تم چھیڑ رہا تھا وہ تھے چپ شرم کے مارے
نکلے تو اُنہیں دیکھ کے چھپنے لگے تارے
ہے یاد یہ کہنا "نہ ہمیں بھولیو پیارے"
جو مجھ سے اور اُن سے ہوئیں دریا کے کنارے
جن راتوں میں ہوتے تھے محبت کے اشارے
تھے گرد کدورت سے بھی دل صاف ہمارے
افسانے ہیں سب نقش مگر دل پہ ہمارے
درخواست فقط ایک ہے عاشق کی تمہارے
پھر ملنے کو اک بار تو آ جاؤ اسے پیارے

اک بار جو آ جاؤ اسی جگہ پہ ملنے
[illegible] کی یہ خواہش ہے وہیں رات گزارے

{خاطر}

شام کا وقت تھا۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا، رفتہ رفتہ تاریکی بڑھ رہی تھی، ایک پُر فضا باغ میں دو دوشیزائیں چہل قدمی کر رہی تھیں، جو دیکھنے سے تعلیم یافتہ معلوم ہوتی تھیں۔

بنچ پر بیٹھا ہوا ایک نوجوان ان کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا، وہ شاید بیٹھے بیٹھے گھبرا گیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

دونوں دوشیزائیں اس نوجوان کے سامنے سے گزریں، ان کی جانب پُر شوق نظروں سے دیکھنے کے بعد نوجوان نے جیسے ہی آنکھیں نیچی کیں اس کی نگاہ ایک رومال پر پڑی، اس نے لپک کر اسے اٹھا لیا ایسنس کی خوشبو سے اس کا دماغ معطر ہو گیا۔

رومال اٹھانے کے بعد نوجوان نے عورتوں کی طرف دیکھا، ان میں سے ایک [illegible] کر اپنی کمر ٹٹول رہی تھی، نوجوان سمجھ گیا اور رومال لئے ہوئے اس کے پاس [illegible] کر بڑی تہذیب سے بولا ــــ "شاید یہ آپ ہی کا رومال ہے؟"

دوشیزہ نے ایک دلفریب تبسم کے ساتھ جواب دیا۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ"

نوجوان کچھ شرمندہ ہو کر بولا ــــ "یہ تو کوئی ایسی شکریہ کے قابل بات نہیں ــــ"

دوشیزہ سنجیدگی سے بولی ــــ "نہیں، آپ نے واقعی مجھ پر بڑی عنایت کی، مجھے اس رومال کے گم ہو جانے کا بیحد صدمہ ہوتا ــــ"

اس کے بعد دوشیزہ نے تالاب کی طرف رُخ کیا، پانی کی پُرسکون سطح پر مچھلیاں اچھل کود کر رہی تھیں، ایک چڑیا نے آکر پانی کی ساکن سطح کو متحرک کر دیا، دوشیزہ نے اپنی سہیلی سے کہا ــــ "شانتا، اس چڑیا کو دیکھو کتنی شریر ہے بھلا اسے پانی کے چھیڑنے میں کیا لطف آتا ہے؟ ــــ"

نوجوان نے جواب دیا ــــ "یہ چڑیا شکار کی غرض سے پانی پر آتی ہے"

کچھ دیر تک اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی جس میں نوجوان بھی شریک رہا۔ دوران گفتگو میں دوشیزہ کی نظر تالاب میں کھلے ہوئے نیلوفر کے پھول پر پڑی، اس نے اپنی سہیلی سے کہا ــــ "دیکھو شانتا، یہ پھول کتنا حسین ہے ــــ"

شانتا پھول کی طرف دیکھ کر بولی ــــ "ہاں بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے"

"اگر یہ پھول مجھے مل جاتا، تو میرے گلدان کی زینت ہو جاتی ــــ"

شانتا نے معترضانہ انداز میں کہا ــــ "نہیں سوشیلا، یہ تالاب میں جتنا خوبصورت معلوم ہو رہا ہے، گلدان میں نہ معلوم ہوگا"

"بہرکیف اس میں کلام نہیں کہ اس سے میرے گلدان کو خاص زینت حاصل ہو سکتی ہے، اور یہی کیا کم ہے کہ میں اسے دیر تک دیکھ سکوں گی ــــ"

سوشیلا نے نوجوان سے کہا ــــ "کیا یہ پھول کسی طرح مجھے مل سکتا ہے؟ ــــ"

نوجوان متفکر ہو کر بولا ــــ "اس کا ملنا تو مشکل معلوم ہوتا ہے، تالاب میں قدم رکھنے کی بھی ممانعت ہے ــــ"

سوشیلا نے دل شکستہ ہو کر کہا ــــ "خیر کچھ مضائقہ نہیں، شانتا اب گھر بھی چلنا چاہیئے، بہت دیر ہو گئی"

دوشیزائیں آگے بڑھ گئیں، اور نوجوان کسی خیال میں ڈوبا ہوا وہیں کھڑا رہ گیا، اس کے بعد وہ تیز تیز چل کر عورتوں کے پاس گیا اور بولا ــــ "آپ باغ کے باہر ٹھہریں، میں کوشش کرتا ہوں شاید پھول مل جائے"

سوشیلا نے خوش ہو کر کہا ــــ "بہتر ہے، آپکی بڑی عنایت، لیکن زیادہ پریشانی اٹھانے کی ضرورت نہیں"

دونوں سہیلیاں باغ سے نکل کر ٹھہر گئیں، سوشیلا نے کہا "دیکھا شانتا تماشہ؟"

شانتا بولی ــــ "میں تعجب سے تمہارے ساتھ ہوں، برابر ہی تماشہ دیکھ رہی ہوں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں ایسے مواقع کیونکر مل جاتے ہیں؟ ــ تمہارا رومال ایسے ہی موقع پر کیونکر گرا"

سوشیلا زور سے ہنسکر بولی ــــ "تم بھی کتنی سادہ لوح ہو شانتا، رومال موقع سے گرا یا میں نے خود گرا دیا"

شانتا مسکرا کر بولی ــــ "تم بھی بڑی چلتا پرزہ ہو سوشیلا"

اتنے میں نوجوان پھول لئے ہوئے آپہنچا، اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ سوشیلا بیتابی سے آگے بڑھی اور نوجوان سے پھول لیکر بولی ــــ

آپ بھی اپنی حسن کے پرستار بن چکے ہیں، آخر مجھ پر ہی آنے ۔" —— قدرے رُک کر بولی —— "کیا مجھے آپ اپنا اسم مبارک بتا سکتے ہیں؟"

"مجھے لوگ رمیش چندر کہتے ہیں۔"

"بابو رمیش چندر، مجھے آپ کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔"

یہ کہکر سوشیلا اپنی سہیلی کے ساتھ چلی گئی، اور رمیش چندر وہیں کھڑا رہ گیا، اس سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ سوشیلا سے اس کا نام و پتہ دریافت کر لیتا۔

شانتا سوشیلا سے بولی —— "سوشیلا! میں دیکھتی ہوں کہ جو بھی تمہیں دیکھتا ہے، تمہارا گرویدہ ہو جاتا ہے، حسن میں بھی عجیب سحر ہوتا ہے۔"

سوشیلا نے سنجیدگی سے کہا —— "تمہارا خیال غلط ہے، حسن میں سحر نہیں ہے، انداز میں سحر ہے، کانتی تو مجھ سے کہیں زیادہ حسین و جمیل ہے، حسن و جمال میں میرا اس سے کوئی مقابلہ نہیں، پھر بھی لوگ اس کے گرویدہ کیوں نہیں ہوتے، حسن کو لوگ دیکھتے ضرور ہیں، لوگوں کا دل بھی حسن کی جانب کھنچتا ہے لیکن کسی کو اس کے پاس جانے کی جرأت نہیں ہوتی، جرأت تو اسی وقت ہوتی ہے جب حسن حوصلہ افزائی کرتا ہے، جو لوگ میرے گرویدہ ہو جاتے ہیں، انہیں میری نگاہ اور میری مسکراہٹ میری گرویدگی کی جرأت دلاتی ہے، اگر میں ایسا نہ کروں تو کس کی مجال ہے جو میرے نزدیک آئے۔

شانتا نے کہا —— "تو آخر تم ایسا کیوں کرتی ہو؟"

"مجھے اس میں لطف آتا ہے۔"

"خود پریشان ہونے اور دوسروں کو پریشان کرنے میں لطف کی کون سی بات ہے؟" شانتا نے رُوکھے پن سے کہا۔ سوشیلا ہنسکر بولی —— "شانتا ابھی اور تماشہ دیکھو پھر اسے پوچھنا، پرسوں سنیچر ہے، شام کے وقت میری کوٹھی پر آنا۔" شانتا نے پھر اسی روکھے پن سے کہا۔ "اچھا آجاؤنگی۔"

سنیچر کا دن تھا، آفتاب غروب ہو چکا تھا، شانتا نے کپڑے بدلے، اور سوشیلا کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی، وہاں پہنچکر شانتا نے دیکھا، جلسہ جما ہوا ہے، سات آٹھ نوجوان کرسیوں پر ڈٹے ہوئے خوش گپیاں کر رہے ہیں، سوشیلا خاص انداز سے پیالیوں میں چائے انڈیل رہی تھی، جیسے ہی اسکی نظر شانتا پر پڑی، خوشی سے اس کا چہرہ شگفتہ ہو گیا، اس نے اونچی آواز میں کہا —— "آؤ شانتا تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے تو آنکھیں تھک گئیں۔"

شانتا کچھ مسکراہٹ اور کچھ جھینپ کے ساتھ بولی —— "معاف کرنا شیلا، میں تمہارے یہاں آنا بھول گئی تھی، یاد آتے ہی بھاگی چلی آ رہی ہوں ——"

سوشیلا نے مذاق و محبت کا رنگ دے کر کہا —— "تو جانے آج کل کمبخت ساغر دیکھتی رہتی ہے کہ جالیسی خاص باتیں بھی بھول جاتی ہے، خیر ادھر آکر میرے پاس بیٹھو، دوڑی آ رہی ہے تھک گئی ہوگی۔"

یہ کہکر سوشیلا زور سے ہنس پڑی، جس کی تائید میں نوجوانوں نے بھی ایک فرمائشی قہقہہ لگایا۔

شانتا جھینپی ہوئی سوشیلا کی بغل میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

چائے اور بسکٹ کے ساتھ گپوں کا دور بھی شروع ہو گیا، شانتا کے سوا سب کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی، ہر شخص کی گفتگو اور نگاہ کا مرکز سوشیلا تھی، اس کے سامنے شانتا کا کوئی وجود ہی نہ تھا، شانتا بالکل خاموش تھی، صرف سوشیلا کے پوچھنے پر کچھ "ہاں - ہوں" کر دیتی تھی۔

شانتا دیکھ رہی تھی کہ ساری مجلس کس طرح سوشیلا کے اشاروں پر رقص کر رہی ہے، وہ کوئی سنجیدہ بات کہکر بھی ہنس دیتی تو سب کو ہنسنا لازم ہو جاتا تھا، اور اگر وہ کوئی ہنسی کی بات کہکر بھی اپنی صورت متین بنا لیتی تو کسی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی نظر نہ آتی، موضوع تو بہت چھیڑے جاتے، مگر آگے وہی عنوان بڑھتا جس سے سوشیلا اپنی دلچسپی کا اظہار کرتی، سوشیلا کے ہونٹوں پر تبسم کی نشانہ انگیز لہر دیکھنے کے لئے طرح طرح کے لطیفے کہے جاتے، اگر کسی لطیفہ پر سوشیلا ذرا بھی مسکرا دیتی تو لطیفہ کہنے والے کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھتا، اور اگر وہ یونہی رہ جاتی تو لطیفہ گو صاحب کے چہرے پر افسردگی طاری ہو جاتی، کوئی اظہار قابلیت کے لئے فلسفیانہ گفتگو شروع کرتا، لیکن جیسے ہی سوشیلا اس سے اپنی غیر دلچسپی کا اظہار کرتی وہ کھسیانہ ہو کر چپ ہو جاتا، اور کہتا، "فلسفے سے تو مجھے بھی دلچسپی نہیں ہے لیکن جب کورس میں لے لیا ہے تو پڑھنا ہی پڑتا ہے۔"

ایک نوجوان نے جو کافی موقع شناس تھا سینما کی گفتگو چھیڑ دی، یہ موضوع خوب سرسبز ہوا، ہر شخص نے پوری حوصلہ مندی سے داد معلومات دی، فلم اسٹاروں پر خوب جم کر بحث و تنقید ہوئی، موقع کو مناسب دیکھکر سینما کی گفتگو چھیڑنے والے نوجوان نے کہا —— "کل بڑی اچھی فلم ہے شیلا، ضرور دیکھنے چلنا چاہیئے۔"

شیلا نے ہنسکر کہا —— "آپ جانتے ہیں میں نے کبھی اپنے دوستوں کی بات ٹالی ہے، لیکن کل شانتا کے یہاں میری دعوت ہے، اس لئے سینما جانے سے مجبور ہوں۔"

"اگر مس شانتا کے یہاں آپ کی دعوت ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے، کہ آپ دونوں سینما چلیں، صرف دعوت کے وقت میں تھوڑی سی تبدیلی ہو جائیگی۔"

سوشیلا نے شانتا کو دھکا دے کر کہا —— "یہ نہیں جائیگی، بڑی شرمیلی ہے۔"

شانتا اسی طرح خاموش تھی، شیلا نے گھڑی کی طرف دیکھا اور چونک کر کہا۔

ـــــ "اوہ آٹھ بج گئے"

اتنا اشارہ کافی تھا، سب کے سب شیلا سے رخصت ہو کر چلنے کے لئے تیار ہو گئے، سینما کے محرک نے کہا ـــــ "تم لوگ چلو میں آتا ہوں"

سب نے معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئے، شیلا نے پھر گھڑی کی طرف دیکھا، اور شانتا سے کہا ـــــ

" اوپر چلنا چاہیئے، ماں انتظار کر رہی ہونگی"

یہ سن کر نوجوان بولا ـــــ "کیا واقعی کل آپ کو فرصت نہیں ہے؟"

" ہاں کل تو چلنے سے مجبور ہوں"

نوجوان کبھی اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا کبھی شیلا کی طرف دیکھتا اور کبھی شانتا کی طرف، منہ سے کوئی بات نہ نکلتی، شیلا پھر گھڑی کی طرف دیکھ کر بولی ـــــ " اچھا تو اب چلوں، آٹھ سے اوپر ہو گیا"

نوجوان نے گلا صاف کر کے کہا ـــــ " تو اگلے اتوار کا پروگرام طے رہا"

شیلا نے کہا ـــــ " بہت بہتر"

نوجوان کے چلے جانے پر سوشیلا نے مسکرا کر شانتا سے پوچھا ـــــ " کیا سوچ رہی ہو شانتا؟" شانتا نے سنجیدہ ہو کر کہا ـــــ " میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آخر تمہارے اس طرز عمل کا مقصد کیا ہے، اور اس کا انجام کیا ہوگا؟"

سوشیلا نے ہنس کر کہا ـــــ " تمہیں اس سے کیا بحث، اگر تم دنیا کے اسٹیج پر کوئی رومانٹک پارٹ نہیں کر سکتیں تو کم از کم خاموشی کے ساتھ دوسروں کے پارٹ تو دیکھتی رہو، اور اس سے لطف اٹھاؤ"

" اگر میں اتنے دنوں تک تمہارے ساتھ نہ رہتی تو بیشک میں اس سے لطف اندوز ہوتی، لیکن اب میں علیحدہ کھڑی ہو کر تماشہ نہیں دیکھ سکتی، اچھا ایک بات بتاؤ تمہارا اتنے نوجوانوں سے ربط و ضبط ہے، لیکن کیا ان میں سے ایک کیلئے بھی تمہارے دل میں محبت نہیں ہے؟"

" میرے نزدیک تو محبت ایک لفظ بے معنی ہے، میں عشق و محبت کو ایک ڈھکوسلا سمجھتی ہوں، مجھے نہ کسی سے محبت ہے نہ میں نے کسی کے فراق و جدائی کا کبھی رنج اٹھایا"

" تو پھر ان غریبوں کو دھوکے میں کیوں رکھتی ہو؟"

" میں کسی کو دھوکا نہیں دیتی شانتا، وہ سب خود مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور مجھ پر اپنی محبت کا سکہ بٹھانا چاہتے ہیں، لیکن میں خوب جانتی ہوں کہ ان کی محبت میں سچائی کا شمہ تک بھی نہیں ہوتا، اور اصل تو یہ ہے شانتا کہ میرے نزدیک محبت کی کوئی حقیقت ہی نہیں، وہ سچی ہو یا جھوٹی"

یہ کہکر سوشیلا ہنس پڑی۔

شانتا نے اسی طرح منہ بنا کر کہا ـــــ " میں پھر یہی کہوں گی شیلا کہ اس سے کیا حاصل؟"

شیلا ـــــ مجھے حاصل اور لاحاصل سے تو بحث نہیں، میں تو ان کی آرزوؤں کو ایکبار ہمالہ کی چوٹی پر چڑھا کر وہیں سے ایک ٹھوکر مارتی ہوں تو مجھے ایک عجیب لطف آتا ہے۔

شانتا نے کسیقدر کرخت آواز میں کہا ـــــ " لیکن کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا، اس میں تمہاری کتنی رسوائی ہے"

شیلا نے کسی قدر سنجیدگی کے ساتھ کہا ـــــ " میں یہ سب کیوں کرتی ہوں شانتا، اگر تم یہ جاننے کے لئے ضد ہی کرتی ہو تو سنو مجھے مردوں سے دلی نفرت ہے، یہ عورتوں کو محض اپنی نفسانی خواہشوں کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اور جب ان کی خواہشیں پوری ہو جاتی ہیں تو انہیں عورتوں کو ذلیل و حقیر قرار دینے لگتے ہیں، تم مردوں کی ذہنیت سے واقف نہیں ہو، جو لوگ میرے پاس محبت کی بھیک مانگنے آتے ہیں اگر میں ان میں سے ایک کے گلے میں بھی اپنے ہاتھ حائل کر دوں تو وہ مجھے آوارہ اور بدچلن سمجھنے لگے، تم جانتی ہو کہ میری بدنامی کیسے ہوتی ہے، جو لوگ میرے ہاں آتے جاتے ہیں وہ اپنی ناکامی کو تو کسی پر ظاہر نہیں کرتے، اپنی نامرادی کے داغ چھپانے کیلئے کہتے پھرتے ہیں کہ میں ہی ان مرتی ہوں، اور جو لوگ میرے پاس تک نہیں پہونچ سکتے وہ رشک و حسد سے میرے خلاف پراپیگنڈا کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگ بہت کم ہیں جو سچائی کے ساتھ میرے طرز عمل کو برا کہتے اور ناپسند کرتے ہوں"

شانتا بولی ـــــ " اچھا دنیا کو چھوڑو لیکن اپنی والدہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے وہ تمہاری اس روش کو کیسا سمجھتی ہیں؟"

سوشیلا ـــــ " ہاں وہ بھی میری اس روش کو پسند نہیں کرتیں لیکن جب انہوں نے ابتدا سے مجھے آزادی دے رکھی ہے تو وہ اب مجھ پر کوئی پابندی کیسے عائد کر سکتی ہیں، تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوں اسلئے وہ ہر طرح میری خاطر کو مقدم رکھتی ہیں، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اسی طرح نوجوانوں سے راہ و رسم رہی اور کوئی شریف اور خوشحال لڑکا مل گیا تو اس سے میری شادی کر دینگی۔

یہ سنکر شانتا کسی قدر خوش ہو کر بولی ـــــ اگر تم شادی کرنا چاہو شیلا، تو اچھے سے اچھے آدمی مل سکتے ہیں۔

" میں نے تو تم سے والدہ کا خیال ظاہر کیا کہ وہ اس طرح میری شادی کر دینا چاہتی ہیں، لیکن میرے نزدیک شادی کا کوئی سوال نہیں ہے"

" کیوں اس میں نقصان ہی کیا ہے؟"

" میرے نزدیک تو شادی کرنے میں نقصان ہی نقصان ہے، جو لوگ

آج میرا تلوہ چاٹنے کو تیار رہتے ہیں، ان میں سے کسی سے میں شادی کرلوں تو خود مجھے اس کے پاؤں کی جوتی بن کر رہنا پڑے گا، میں بیٹھے بٹھائے کیوں کسی کی لونڈی بننے جاؤں "

" نہیں شیلا، یہ تمہارا وہم ہے، وہ زمانہ بدل گیا جب مرد عورتوں کو اس قدر ذلیل سمجھتے تھے "

" ہاں زمانہ کی ظاہری صورت تو بیشک بدل گئی ہے لیکن اسکی حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں جب میرے دل میں کسی مرد کیلئے گنجائش ہی نہیں ہے تو اپنی آزادی کو ضائع کرنے سے کیا حاصل، تم خود غور کرو اس بیسویں صدی میں ایسا کون آزاد خیال مرد ہوگا جو میری آزادانہ روش کو گوارا کریگا، وہ تو یہی چاہے گا کہ میں صرف اس کے اشاروں پر چلوں، اور اس کی مرضی کی پابند ہو کر رہوں، پھر مجھے تو مردوں سے عورتوں کا انتقام بھی لینا ہے، مردوں نے بہت زمانے تک عورتوں پر مظالم ڈھائے ہیں، کوئی عورت بھی تو ایسی ہونی چاہئے جو مردوں سے بدلہ لے "

شانتا نے جھنجھلا کر کہا ـــــ " یہ تکبر ہے شیلا، اور عورتوں کو اتنا تکبر زیب نہیں دیتا "

سو شیلا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی ـــــ " آخر تو ہو نہ عورت، عورتوں کی بحث کا اختتام ایسی ہی باتوں کے ساتھ ہوتا ہے، اچھا اب چلو کھانا کھا کر یہیں سو رہو، اتنی رات کو گھر کہاں جاؤگی؟"

" نہیں، بہن سے کہکر نہیں آئی ہوں، وہ پریشان ہونگی " یہ کہہ کر شانتا اُٹھ کھڑی ہوئی۔

~~~

وہی پہلے روز والا باغ تھا، شانتا اور شیلا تفریح کیلئے باغ میں گئیں، انہیں دیکھ کر بنچوں پر بیٹھے ہوئے نوجوانوں میں اشارے بازی شروع ہوگئی۔

ایک بولا ـــــ " دیکھتے کیا ہو پنجرے کی کھڑکی کھول دو "

دوسرے بنچ سے ایک نے آوازہ کسا ـــــ " ابے چپ، ذرا پر تو پھیلانے دے "

تیسرا بول اُٹھا ـــــ " کیسے نظر باز ہو، چڑیوں اور تتلیوں کا فرق بھی نہیں جانتے "

جب دونوں دوشیزائیں سامنے سے گذریں تو ایک شخص نے بیٹھے ہی بیٹھے بنچ کو ہلا کر کہا ـــــ " دیکھو یہ بنچ کتنی لچکدار ہے " اس پر اس کے تمام ساتھی قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

شانتا تو ان بیہودہ باتوں کو سن سن کر خاک ہوئی جا رہی تھی، لیکن اس قہقہہ پر سو شیلا کی نظر ہنسنے والوں کی طرف اُٹھ گئی، اس نے دیکھا دو نوجوان اس بنچ کی طرف بڑھ رہے ہیں، ان میں سے ایک جو خوب تنومند تھا، آخری پھبتی کسنے والے کے پاس جا کر بولا ـــــ " آپ نے کیا کہا، ذرا پھر تو کہئے "

وہ گھبرا کر نوجوان کا منہ دیکھنے لگا اور بولا ـــــ آپ جائیے، آپ سے کیا غرض؟"

نوجوان نے کہا ـــــ " آپکو میری غرض ابھی معلوم ہوئی جاتی ہے "

یہ کہکر نوجوان اس کے دونوں کان پکڑ کر زور سے اینٹھنے لگا، اس شخص کی گردن لمبی ہوگئی، آنکھیں سکڑ گئیں، وہ منہ ٹیڑھا کئے ہوئے کہنے لگا، ایں۔ ایں، چھوڑو، کیا کر رہے ہو؟"

نوجوان کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں ـــــ " لیجئے آپ کا دماغ ذرا چل گیا تھا نہ " یہ کہکر نوجوان نے اس کے کان چھوڑ دیئے۔

اتنے میں سامنے کی بنچ سے ایک شخص اُٹھا اور کڑک کر بولا ـــــ " بڑے فسادی معلوم ہوتے ہو جی، خواہ مخواہ لڑ رہے ہو "

شور و غل سُنکر اور لوگ بھی جمع ہوگئے، معاملے کو طول پکڑتے دیکھکر نوجوان نے شیلا سے کہا۔

" آپ لوگ باغ کے باہر چلی جائیں، میں ان لوگوں سے سمجھ لیتا ہوں "

شیلا اور شانتا پتھر کی مورت کی طرح کھڑی یہ سب حال دیکھ رہی تھیں۔ نوجوان کی بات سُنکر چونکیں اور باغ کے باہر چلی گئیں۔

کچھ دیر تک تو شرارت پسند لوگ اپنے جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے رہے لیکن جب دیکھا کہ دوسرے لوگوں کی ہمدردیاں نوجوان کے ساتھ بڑھ رہی ہیں تو خاموش ہو کر اپنی اپنی جگہوں پر جا بیٹھے۔

باہر آکر نوجوان نے دیکھا، دونوں دوشیزائیں ایک کنارے کھڑی ہیں، نوجوان ان کے پاس جا کر بولا ـــــ " آپ لوگوں کا اس طرح تنہا گھر سے نکلنا مناسب نہیں، گھر کے کسی آدمی کو ساتھ لیکر چلا کیجئے "

شانتا کی تو جیسے قوتِ گویائی ہی سلب ہوگئی تھی، لیکن شیلا نے سکوت کو توڑ کر دبی زبان سے کہا ـــــ " لوگ کام میں پھنسے رہتے ہیں، اس کے علاوہ آپس میں باتیں کرنے کی آزادی بھی نہیں رہتی "

آزادی کا نام سُنکر نوجوان کا غصہ بھڑک اُٹھا، اس نے تند لہجے میں کہا، ـــــ " یہ آزادی ہی تو سب کچھ کرا رہی ہے، آپ کے نزدیک آزادی ہی سب کچھ ہے یا عزت بھی کوئی چیز ہے، راہ چلتے آپ کی بے عزتی کی جائے اس میں آپ کوئی مضائقہ نہیں سمجھتیں "

شیلا نے اسی طرح دبی زبان سے جواب دیا ـــــ " کیا کریں ہم لوگوں کو تعلیم ہی ایسی ملی ہے "
~~~

" تعلیم کی کوئی خرابی نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگ یوروپ کی کورانہ تقلید کرنا چاہتی ہیں، اور اس کے نتیجے پر غور نہیں کرتیں، آپ لوگوں کو اس کی تو فکر ہے کہ خاندان اور سماج کی ہر قید و بند سے آزاد ہو کر رہیں، لیکن آوارہ اور بدمعاش لوگ جو قدم قدم پر آپ کی آزادی کو سلب کرنے کیلئے موجود رہتے ہیں، اسکی آپ لوگوں کو پرواہ ہی نہیں "

سوشیلا سے نوجوان کی باتوں کا کچھ جواب بن نہ پڑا، اس نے صرف اتنا کہا ——— " جہاں بہت سے آوارہ اور بدمعاش ہیں، وہاں آپ جیسے شریف لوگ بھی تو موجود ہیں "

نوجوان نے جھنجھلا کر کہا ——— " آپ کو میری بات تو پسند آئی نہیں البتہ آپ نے میری فضول تعریف شروع کردی، مجھے اپنی تعریف کی ضرورت نہیں، میں نے جو کچھ کہا آپ لوگوں کی بھلائی کے خیال سے کہا، آپ لوگوں کو اختیار ہے، میری بات مانیں یا نہ مانیں "

یہ کہکر نوجوان نے ایک طرف قدم بڑھایا۔

اس کے کچھ دور چلے جانے پر شیلا نے شانتا سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ——— " شانتا وہ مجھ سے تو ناخوش ہو گئے، تم ذرا بڑھ کر انکا نام پتہ پوچھ لو "

شانتا نے بڑھ کر نوجوان کو آواز دی، اور جب وہ رُکا تو اس نے پاس جاکر کہا ——— " اگر آپ اپنا نام و پتہ بتادیں تو بڑی مہربانی ہو "

نوجوان نے اختصار کے ساتھ جواب دیا ——— " میرا نام نریندر ہے، اور مکان محلہ .... نمبر ۳۵ -

نام و پتہ پوچھکر شانتا شیلا کے پاس آئی اور دونوں گھر کی طرف چلیں۔

دوسرے روز شیلا نے اپنے نوکر کے ہاتھ نریندر کے پاس ایک رقعہ بھیجا، جس میں لکھا تھا۔

جناب محترم !

میں نے کل کا باغ والا واقعہ اپنی ماں کو سنایا وہ آپ کے دیکھنے کے لئے بہت بے چین ہیں، انہیں کے کہنے کے مطابق آپکو یہ رقعہ لکھ رہی ہوں، اگر تکلیف نہ ہو تو تشریف لاکر انہیں خوشی کا موقع دیجئے، سواری کے لئے تانگہ بھیجا جارہا ہے۔

راقمہ ———

سوشیلا

نریندر نے کپڑے بدلے اور نوکر کے ساتھ جاکر تانگے پر بیٹھ گیا۔

سوشیلا برآمدے میں کھڑی نریندر کا انتظار کر رہی تھی، نریندر کے تانگے سے اُترتے ہی اس نے اس کا خیر مقدم کیا، اور خوش ہو کر کہا ——— " ماں کل شام ہی سے آپ کو بلانے کیلئے بار بار تقاضہ کر رہی تھیں، رات میں بھی اُنہیں آپ کے دیکھنے کا خیال لگا رہا "

نریندر نے مسکرا کر کہا ——— " آپ نے ناحق میرا تذکرہ کرکے انہیں تکلیف دی "

اندر جاکر نریندر نے شیلا کی ماں کو بڑے ادب سے پرنام کیا، اور سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا، سوشیلا کی ماں نے کہا ——— " خوش رہو بیٹا، میں نے شیلا سے کل کا سب حال سُنا، چاہا کہ میں اسی وقت تمہارے پاس پہنچوں، اور تمہیں جی بھر کر دعائیں دوں، تمہارے جیسے شریف نوجوان نہ ہوں تو بدمعاشوں سے بھلے گھر کی بہو بیٹیوں کی حفاظت کون کرے؟ "

نریندر محجوب ہو کر بولا ——— " ماتا جی، اس موقع پر جو کچھ میں نے کیا ہر شریف نوجوان وہی کرسکتا تھا، البتہ میں نے غصے میں انہیں کچھ سخت سست کہہ دیا، اس کیلئے مجھے افسوس ہے "

" بہت اچھا کیا جو تم نے انہیں ڈانٹا، میری تو یہ ایک نہیں سُنتیں، شاید تم لوگوں کی باتوں کا ان پر کچھ اثر ہو "

ہم نوجوانوں کا کچھ اخلاق ہی ایسا ہو گیا ہے کہ ہم بڑوں کی باتوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے، لیکن جب ٹھوکریں کھاتے ہیں تو دماغ درست ہو جاتا ہے "

ضعیفہ نے شیلا سے کہا ——— " کھڑی کیا ہے شیلا، ناشتہ لے آ " شیلا جلدی سے جاکر چاندی کی طشتری میں کچھ مٹھائیاں اور ایک گلاس پانی لے آئی، ماں بولی ——— " ایک میز لاکر اس پر ناشتہ رکھ، آخر تجھے کب تمیز آئیگی ؟ "

" نہیں میز کی کوئی ضرورت نہیں " یہ کہکر نریندر نے طشتری لے لی، وہ باتیں کرتا جاتا تھا اور مٹھائیاں کھاتا جاتا تھا، ضعیفہ نے سوالات کی بھرمار شروع کردی، کہاں پڑھتے ہو؟ کیا پڑھتے ہو؟ کتنے بھائی ہیں؟ کتنی بہنیں ہیں؟ کن کن کی شادی ہوئی ہے؟ وغیرہ، بات چیت کے بعد نریندر نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا ——— " اب اجازت چاہتا ہوں "

ضعیفہ نے کہا ——— " اچھا جاؤ بیٹا، لیکن کبھی کبھی چلے آیا کرو، تمہاری وجہ سے اس نادان لڑکی میں بھی کچھ سمجھ بوجھ پیدا ہو جائے گی "

نریندر اس کا کچھ جواب دیئے بغیر ہی روانہ ہو گیا، سوشیلا نریندر کے ساتھ ساتھ باہر تک آئی، اور جب نریندر دروازے کے باہر ہوا تو شیلا کواڑ پکڑ کر آہستہ سے بولی ——— " آپ نے مجھ سے تو کچھ بات چیت کی ہی نہیں "

نریندر نے مسکرا کر کہا ——— " پھر سہی، اسوقت تو مجھے فرصت نہیں "

اتوار کے روز سوشیلا کے یہاں نریندر کی دعوت تھی، بوڑھی ماں نے بڑے پیار کے ساتھ کھلایا پلایا، اور کھانے کے بعد کہا ——— " بیٹا تم

اور شیلا اس کمرے میں بیٹھ کر بات چیت کرو، میں ذرا کمر سیدھی کر لوں۔ بڑھاپا بہت بُرا ہوتا ہے نہ؟" یہ کہکر ضعیفہ ہنس پڑی۔

شیلا نے نریندر کو صوفے پر بٹھایا۔ اور خود پاس کی کرسی پر بیٹھ گئی اور کچھ دیر کے سکوت کے بعد شیلا متبسم ہو کر بولی ـــــ "اس روز آپ میری بات پر بہت خفا ہو گئے تھے؟"

"ہاں کچھ غصہ تو آگیا تھا۔"

"اس روز سے میری سہیلی شانتا بری طرح میرے سر ہو گئی ہے، وہ مجھے گھر سے باہر قدم بھی نہیں رکھنے دیتی۔ میری حالت تو ایک قیدی سی ہو رہی ہے۔" ـــــ یہ کہکر سوشیلا ہنس پڑی۔

نریندر نے پوچھا ـــــ "کیا آپ کی سہیلی بھی آپ کے ساتھ ہی رہتی ہیں؟"

"نہیں، ساتھ نہیں رہتی۔ لیکن اکثر آجاتی ہے۔ میں نے سوچا تھا آج اسے بھی بلالوں گی، مگر مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا۔" یہ کہتے ہوئے شیلا جھینپ سی گئی۔

شیلا نے سلسلۂ کلام کو طول دینے کیلئے طرح طرح کے عنوانوں سے کام لیا۔ اپنی خاندانی حالت بیان کی، نریندر کے خاندانی حالات دریافت کئے، پھر اس نے کسیقدر ہچکچاتے ہوئے سوال کیا ـــــ "شادی کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"

"نہ کرنے کا کوئی عہد تو نہیں کیا ہے۔"

"آپ پُرانے طریقے پر شادی کرنا چاہتے ہیں یا نئے؟"

"نئے اور پُرانے طریقے کا کیا مطلب؟ میں نے نہیں سمجھا۔"

"پُرانے طریقے کی شادی سے میرا مطلب یہ ہے کہ ماں باپ اپنے پسند کی لڑکی تلاش کر کے شادی کر دیں، اور نئے طریقے سے یہ مطلب کہ مرد خود اپنے پسند کی عورت سے شادی کرلے ـــــ آپ ذرا قدامت پسند معلوم ہوتے ہیں، اسی سے میں نے یہ سوال کیا۔" یہ کہکر شیلا جھینپ کے ساتھ مسکرا دی۔

"ابھی میں نے ان باتوں پر کبھی غور نہیں کیا، میں اس معاملے میں قدامت پسند تو ضرور ہوں، لیکن پُرانے طریقے سے شادی کرنے والوں کو میں نے کچھ زیادہ غیر مطمئن نہیں پایا۔"

"بہرکیف آپ کو اس سے تو اتفاق ہی ہوگا کہ اسی کے ساتھ شادی خوشگوار اور راحت بخش ہوتی ہے جس سے محبت ہو۔"

نریندر نے سیدھے ہو کر ذرا تند لہجے میں کہا ـــــ "ابھی تو مجھے اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے، اس کا صحیح جواب تو اسی وقت دے سکتا ہوں جب شادی کرلوں۔"

سوشیلا محجوب ہو کر آہستہ آواز میں بولی ـــــ "لیکن شادی سے پہلے کچھ رائے تو قائم کر لینا ضروری ہے۔"

نریندر اسی لہجے میں بولا ـــــ "شادی کا وقت آئے گا تو شادی شدہ لوگوں سے مشورہ کر لوں گا۔"

شیلا کچھ دیر خاموش رہی، پھر ہچکچاتے ہوئے گلا صاف کر کے بولی۔ "آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھئے۔"

"آپ نے کسی سے محبت کی ہے؟"

"بہتوں سے محبت کی ہے، ماں سے، باپ سے، بہن سے، بھائی سے، بھتیجے سے۔"

"میرا مطلب یہ نہیں ہے، میرا مطلب عشقی محبت سے ہے۔"

"میرے نزدیک یہ پرائیویٹ مسئلہ ہے، میں اسے عام بنانا نہیں چاہتا۔"

سوشیلا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، نریندر نے ایک دفعہ اسکی طرف دیکھکر کہا ـــــ "تو میں اب چلوں، مجھے ایک ادبی مجلس میں شرکت کرنی ہے۔"

سوشیلا کو ایک سہارا سا مل گیا، وہ بول اُٹھی ـــــ "آپ شاعر بھی ہیں؟"

"نہیں، کبھی کبھی فسانہ لکھ لیتا ہوں۔"

"فسانوں سے تو مجھے بڑی دلچسپی ہے، کیا آپ کے فسانوں کا کوئی مجموعہ بھی نکلا ہے؟"

"ہاں ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔"

شیلا نے بڑے اشتیاق سے کہا ـــــ "کیا از راہ کرم اسکی ایک جلد مجھے عنایت فرمائیں گے؟"

"بھیج دونگا۔ اچھا تو میں چلتا ہوں۔" یہ کہکر نریندر اُٹھ کھڑا ہوا۔

شیلا نرم لہجے میں بولی ـــــ "میں آپ کے ساتھ نوکر بھیجتی ہوں، آپ کتاب اسے دیدیجئے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

شیلا نے نوکر کو نریندر کے ساتھ کر دیا اور خود مضمحل ہو کر صوفے پر پڑ رہی۔

~~~~~~~~

سوشیلا نے کئی بار نریندر کو لکھا کہ ماں آپ کو بہت یاد کر رہی ہیں، لیکن نریندر نے کچھ جواب تک نہ دیا، ایکبار شیلا نے لکھا، کہ شانتا آپ سے ملنے کے لئے بیچین ہے، پھر بھی نریندر نہ آیا۔

ایک روز نریندر شیلا کے مکان کی طرف سے گزر رہا تھا۔ یکایک اسے یاد آیا کہ شیلا نے ابھی تک کتاب واپس نہیں کی، وہ شیلا کی کوٹھی میں چلا گیا،
~~~~~~~~

وہاں ڈرائنگ روم میں شیلا کے دوستوں کا جلسہ جما ہوا تھا، نریندر نے حیرانی کیساتھ جلسے کو دیکھا، لوگ بھی کچھ گھبراہٹ کے ساتھ نریندر کو دیکھنے لگے، شیلا بڑے تپاک سے اُٹھی اور بولی ــــ "آیئے نریندر بابو، بہت دنوں کے بعد زحمت فرمائی"

پھر اپنی کرسی نریندر کی طرف کھسکا کر بولی ــــ "تشریف رکھیئے"

"نہیں، بیٹھنے کی ضرورت نہیں، اپنے فسانے کا مجموعہ لینے آیا ہوں"

شیلا افسردہ ہوکر بولی ــــ "آپ تشریف تو رکھیئے، آپ کی کتاب لائے دیتی ہوں"

شیلا کتاب لینے گئی تو نریندر کرسی پر بیٹھ گیا، لوگ چوچپ ہوگئے تھے پھر آپس میں بات چیت کرنے لگے۔ نریندر خاموش سب کی باتیں سنتا رہا۔

تھوڑی دیر میں شیلا نے کتاب لاکر نریندر کو دی اور مسکرا کر کہا ــــ "آپ کے فسانے تو مجھے بہت پسند آئے۔ سب کے سب دلچسپ اور بلند پایہ ہیں"

"میرے فسانوں کے متعلق پسندیدگی کا اظہار تو سبھی نے کیا ہے۔ اگر آپ ناپسندیدگی ظاہر کرتیں تو البتہ آپکی رائے کو میرے نزدیک کچھ خصوصیت حاصل ہوتی"

سوشیلا کچھ کھسیانی ہوکر بولی ــــ "ان فسانوں کے دیکھنے سے تو معلوم ہوا کہ آپ بہت سنیٹی منٹل ہیں" ــــ یہ کہکر وہ ایک خشک ہنسی ہنس دی۔

نریندر نے بھی ایک طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ــــ "اس رائے کے لئے آپ کا شکریہ"

نریندر چلا گیا، سوشیلا اداس ہوکر کرسی پر جا بیٹھی، نوجوانوں کی ٹولی میں ہمدردی کا جذبہ اُمنڈ آیا، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، ایک نے کہا ــــ "بڑا بدتہذیب آدمی معلوم ہوتا ہے جی"

شیلا نریندر کی اس توہین کو برداشت نہ کرسکی، غصے سے اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا، وہ کرسی پر تن کر بیٹھ گئی، اور کرخت لہجے میں بولی ــــ

"آپ لوگ ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں"

مجلس پر ایک سناٹا سا چھا گیا، کسی کو بولنے کا یارا نہ رہا۔

اتفاق سے اسی وقت شانتا آگئی، شیلا اپنی کبیدگی کے اثر کو زائل کرنے کیلئے اس سے مخاطب ہوگئی، موقع پاکر سب نوجوان کھسک گئے۔

تنہائی کے بعد شیلا نے مغموم ہوکر شانتا سے کہا ــــ "شانتا آج ان لوگوں کی وجہ سے مجھے سخت صدمہ پہنچا"

شانتا نے گھبرا کر پوچھا ــــ "کیوں کیا ہوا"

"تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں نے نریندر بابو کے پاس کتنے خطوط بھیجے پھر بھی انہوں نے ادھر کا رُخ نہیں کیا، آج یکایک نہ جانے کیسے خود بخود چلے آئے تھے، مگر ان سب کی صورت دیکھتے ہی ان کا مزاج برہم ہوگیا اور وہ مجھ سے دو چار .... اکھڑی اکھڑی باتیں کرکے ...... اسی وقت واپس چلے گئے" یہ کہتے ہوئے شیلا کی آواز گلوگیر ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

شانتا افسردہ ہوکر بولی ــــ "دوسروں پر الزام رکھنا فضول ہے شیلا، یہ سب اپنے کئے کا نتیجہ ہے"

"ہاں شانتا، تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں نے اپنے ہاتھ سے جو جال بُنا تھا اس میں خود پھنس گئی ہوں، رہائی کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی نہیں تو معلوم ہے کہ باغ والے واقعہ کے بعد سے میرے اندر کس قدر تبدیلی ہو گئی ہے، ان سب کو بھگا نے کیلئے میں نے چائے کا سلسلہ بند کیا، اسکے بعد ان سے تند و تلخ باتیں کیں، اس پر بھی انہوں نے میرا پیچھا نہ چھوڑا، تو بدکلامی سے پیش آئی، اب بھی یہ آنا نہیں چھوڑتے تو مجھے نوکروں سے دھکے دیکر انہیں نکلوا دینا پڑے گا، مصیبت تو یہ ہے: یہ سب میری ہر بدسلوکی و بے اعتنائی کو میرے ناز و ادا پر محمول کرکے رنجیدہ اور ناخوش ہونے کے بجائے اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں" یہ کہتے ہوئے سوشیلا کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔

شانتا نے اس کے غصّہ کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ــــ "نہیں اس حد تک نوبت نہیں آئیگی، آخر بے حمیتی اور بےحیائی کی بھی حد ہوتی ہے"

اس کے بعد تھوڑی دیر تک دونوں خاموش رہیں۔ پھر سوشیلا بھرائی ہوئی آواز میں بولی ــــ "میں تو سمجھتی تھی میرے پہلو میں دل نہیں پتھر ہے۔ لیکن اب یہ اسقدر گداز کیوں ہوتا جارہا ہے شانتا"

شانتا نے کچھ جواب نہیں دیا۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی، شیلا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

یہ حال دیکھ کر شانتا بولی ــــ "یہاں کبتک بیٹھی رہوگی، سونے کے کمرے میں چلو"

دونوں اُٹھ کر اوپر چلی گئیں۔

شانتا کے سوا اور کسی کو نہیں معلوم کہ سوشیلا نے نریندر کو کن کن مضامین کے اور کتنے خطوط لکھے اور نریندر نے کس طرح ان سب کو ٹھکرا دیا۔ ایک خط میں لکھا تھا ــــ

"آپکو میرے متعلق غلط فہمی ہوگئی ہے، غلط فہمی کی بات ہی تھی، اس روز کے بعد میں نے اپنے دروازے پر کسی کو قدم نہیں رکھنے دیا،

کئی ایک کو توبے عزتی کے ساتھ نکال دیا۔ آپ جسطرح چاہیں اپنا اطمینان کرلیں۔"

دوسرے خط میں لکھا تھا ـــــ

"میں اپنے جذبات کو پوشیدہ کیوں رکھوں، آپ کے دیکھنے سے پہلے میں نے محبت کا نام ہی سُنا تھا، لیکن اس کی حقیقت سے آشنا نہ تھی، نہ جانے اس کا سرچشمہ دل کے کس گوشہ میں پوشیدہ تھا، جو آپ کو ایک نظر دیکھتے ہی اُبل پڑا، میں آپکو کیسے بتاؤں کہ آپ کے دیکھے بغیر میں کسطرح تڑپ رہی ہوں، اور آپ کو دیکھکر میرے قلب کو کسقدر سکون و سرور حاصل ہوگا۔"

ایک اور خط میں تحریر تھا ـــــ

"مجھ سے ایک خطا سرزد ہوگئی ہے، امید ہے کہ میری بے اختیاری کو مدِنظر رکھکر آپ معاف کرینگے، اس روز آپ کو ایک نظر دیکھنے کی غرض سے جلسے میں چلی گئی تھی، اور چھپ کر دیکھا بھی، خیال تھا کہ آپکو دیکھکر دل کو کچھ تسکین حاصل ہوجائیگی، لیکن آپ کے دیکھنے سے تو دل کی لگی اور بھڑک اٹھی۔"

نرمیندر نے ان میں سے ایک خط کا بھی جواب نہیں دیا، شیلا نے دل سے مجبور ہوکر پھر لکھا ـــــ

"اب مجھ میں طاقت ضبط باقی نہیں رہی، اور کچھ نہیں اگر آپ مجھے بُرا بھلا لکھتے جب بھی میرے دل کو ایک گونہ تسلی ہوتی، لیکن آپ کی خاموشی تو میرے لئے وبالِ جان ہو رہی ہے۔"

پھر لکھا ـــــ

"آپ اتنے سنگدل کیوں ہورہے ہیں؟ آپ کو درد دل سے تڑپتی ہوئی ایک مجبور عورت پہ ذرا بھی رحم نہیں آتا، آپکو عورتوں سے اتنی نفرت کیوں ہے؟ کیا ایک آن کیلئے میرا سایہ پڑنے سے ہی آپکا دامن سیاہ ہوجائیگا؟"

ایک خط میں لکھا تھا ـــــ

"رہ رہ کر سینے میں جذبات کا طوفان اُٹھ رہا ہے، جی چاہتا ہے، خودکشی کرلوں لیکن کوئی تمنا ہے جو اس اقدام سے بھی مجھے روک دیتی ہے۔"

پھر لکھا ـــــ

"اگر آپ نہیں آتے تو مجھی کو آنے کی اجازت دیجئے اور کچھ نہیں صرف آپ سے چند باتیں کرکے واپس چلی آؤنگی۔"

اس خط کا جواب آیا ـــــ

"آپ آنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، اگر آپ آئیں تو مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

سو شیلا نے آخری بار لکھا ـــــ

"اب میں اپنے کو قابو میں رکھنے سے مجبور ہوں، میں نے دل میں اُٹھتے ہوئے طوفان کے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن بالآخر طاقت صبر و ضبط نے جواب دیدیا، اب میں آؤنگی اور ضرور آؤنگی، آپ کو اختیار ہے کہ مجھے دھکے دے کر نکلوا دیں۔"

صبح ہوتے ہی شیلا پاگلوں کی طرح اپنی کوٹھی سے نکلی، اور تیز تیز چلکر نرمیندر کے مکان پر پہنچی، ابھی تک دروازہ نہیں کھُلا تھا، شیلا نے آہستہ آہستہ کواڑ کو کھٹکھٹایا، ایک بوڑھے نوکر نے دروازہ کھول کر پوچھا ـــــ

"کہئے کیا کام ہے؟"

"میں نرمیندر بابو سے ملنا چاہتی ہوں۔"

نوکر اندر گیا اور واپس آکر بولا ـــــ "بابو کو ابھی فرصت نہیں۔"

شیلا نے چیخ کر کہا ـــــ "بابو سے جاکر کہو میں ان سے ملے بغیر یہاں سے ٹلنے کی نہیں۔"

نوکر کانپ اُٹھا اور فوراً اندر واپس چلا گیا، نوکر کے دوبارہ آنے تک سو شیلا صبر نہ کرسکی، اور بے اختیار اندر گھس گئی، نرمیندر اپنے کمرے میں بیٹھا تھا، شیلا اس کے پاس پہونچی، شیلا کی مجنونانہ صورت دیکھکر پہلے تو نرمیندر گھبرا سا گیا، پھر اپنے کو سنبھال کر بولا ـــــ "کسی کے گھر میں اس طرح گھستے ہوئے آپ کو شرم نہیں آتی؟"

شیلا ـــــ "نہیں مجھے، شرم نہیں آتی، میں تو کبھی شرم کے نام سے بھی آشنا نہیں ہوئی، میں پہلے بھی بے شرم تھی اور اب بھی بے شرم ہوں، فرق صرف اسقدر ہوگیا ہے کہ میں پہلے بے شرمی سے اوروں کے دل پامال کرتی تھی اور اب بے شرمی ہی سے اپنا دل آپ کے قدموں میں پیش کرنے آئی ہوں، چاہے آپ اسے نوازیں یا پامال کر ڈالیں۔"

یہ کہکر شیلا نرمیندر کے قدموں میں بیٹھ گئی، نرمیندر ہٹ کر الگ جا کھڑا ہوُا اور تند لہجے میں بولا ـــــ "یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟"

شیلا جھپٹ کر اُٹھی اور یہ کہتے ہوئے کہ میں "پگلی ہوں" اپنے دونوں بازو پھیلائے ہوئے نرمیندر کی طرف بڑھی، وہ نرمیندر سے لپٹنا ہی چاہتی تھی کہ نرمیندر نے اس کے دونوں بازو پکڑکر بزور کرسی پر بٹھادیا، اور ڈانٹ کر کہا ـــــ "رہنے دو اس ڈرامے کو۔"

شیلا بے جان سی کرسی پر لڑھک پڑی، زور زور سے سانس چلنے لگا، اس نے آہستہ سے کہا ـــــ "یہ ڈرامہ نہیں ہے نرمیندر بابو۔" اس کی مضمحل سُرخ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

نرمیندر تعجب اور حیرانی سے اسے دیکھتا رہا، شیلا اسی طرح کرسی پر پڑی ہوئی کہنے لگی ـــــ "نرمیندر بابو مجھ سے شادی کرلیجئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"اچھا مجھے یونہی گھر میں ڈال لیجئے۔"

" یہ کہتے ہوئے آپکی زبان نہیں جل جاتی۔ شریف گھروں کی لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے ؟"

" اچھا تو مجھے خادمہ بناکر رکھ لیجیئے "

" یہ بھی نہیں ہو سکتا "

" یہ بھی نہیں ہو سکتا، تو دور ہی سے مجھ پر محبت کی نظر رکھا کیجیئے "

" میں آپ سے نفرت کرتا ہوں "

" محبت نہیں کرتے، نفرت کرتے ہیں، میرے لئے یہ بھی خوشی کی بات ہے "

شیلا مایوس نگاہوں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگی، اسکی نظر ایک تصویر پر پڑی، جسے دیکھتے ہی اس کا چہرہ بشاش ہو گیا، وہ نریندر کی طرف دیکھکر بولی ـــــ " وہ تصویر مجھے دیدیجئے "

" وہ تصویر آپ کے کام کی نہیں ہے "

" اس سے بھی انکار ہے ؟"

" کہا تو کہ وہ آپ کے کام کی نہیں ہے "

" آپ نہ دینگے تو میں اسے خود اتار لوں گی، اور اگر آپ روکینگے تو اس سے بھی مجھے ایک طرح کی خوشی ہی حاصل ہو گی "

یہ کہکر شیلا کرسی سے اٹھی اور لپک کر نریندر کی تصویر اتار لی، نریندر کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے، شیلا تصویر کو سینے سے لگا کر بولی ـــــ

" ایشور آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے "

نریندر خاموش دیکھتا رہا، اور شیلا اسکی تصویر سینے سے لگائے چلی گئی۔

میز پر نریندر کی تصویر رکھی تھی، اور شیلا کرسی پر بیٹھی کچھ لکھ رہی تھی، شیلا کا اب دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہا، اس کی زندگی کا صرف ایک مشغلہ ہے، وہ ہر وقت نریندر کی تصویر کے سامنے بیٹھی اس کے نام خط لکھتی رہتی ہے لیکن وہ خطوط نریندر کو بھیجے نہیں جاتے، سب پوری حفاظت سے رکھے جاتے ہیں، خط لکھتے لکھتے نہ شیلا کا ہاتھ دکھتا ہے اور نہ دل گھبراتا ہے، وہ اپنی عادت کے مطابق اس وقت بھی بیٹھی خط ہی لکھ رہی تھی، اسی حالت میں شانتا آئی اور شیلا کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی، اس نے مسکرا کر سوشیلا سے کہا ـــــ " تمہاری پوجا کا بھی عجب انداز ہے شیلا "

شیلا بھی اسی طرح مسکراتے ہوئے بولی ـــــ " ہاں پوجا کا کوئی ایک طریقہ تو ہے نہیں، جس طرح کوئی چاہے کرے "

" یہ تو بتاؤ، یہ پوجا کب تک جاری رہے گی ؟"

" جب تک انگلیوں میں قوت، آنکھوں میں بصارت، اور جسم میں جان ہے "

شانتا نے پوچھا ـــــ " آج کیا لکھا ہے، ذرا میں بھی سنوں "

" سنو، لیکن ہنسنا مت " یہ کہکر شیلا خط پڑھنے لگی ـــــ

" مجھے اس کی شکایت نہیں کہ تم نے میری توہین و تحقیر کی، میری جیسی عورت کے ساتھ تمہارا یہ سلوک ہر طرح مناسب تھا، تمہارا یہی احسان کیا کم ہے کہ تم نے میری کایا پلٹ کر دی۔ اور مجھ کو شیلا سے اہلیہ بنا دیا "

اتنا پڑھ کر شیلا نے کہا ـــــ " روز کی طرح یہی سب باتیں لکھی ہیں، پہلے پورا خط سنکر کیا کرو گی ؟"

شانتا نے مسکرا کر کہا ـــــ " اچھا اگر میں اس خط کا جواب لا دوں تو تم خفا تو نہ ہو گی ؟"

سوشیلا نے افسردہ ہو کر جواب دیا ـــــ " مجھے جواب کی ضرورت نہیں "

" اگر لا دوں تو ؟"

" تو پھینک بھی نہ دوں گی "

" اچھا تو لو اسے پڑھ کر دیکھو کیا لکھا ہے ؟"

یہ کہکر شانتا نے ایک خط سوشیلا کے ہاتھ میں رکھدیا، شیلا خط لیکر پڑھنے لگی، شیلا نے خط کو شروع سے آخر تک کئی بار پڑھکر کانپتی ہوئی آواز میں کہا ـــــ " میری تو سمجھ میں نہیں آتا، شانتا کیا لکھا ہے "

" میں سمجھا دیتی ہوں، لکھا ہے ـــــ " میں آپ کی بات سمجھ گیا واقعی میں نے آپ کی سہیلی سوشیلا پر بڑا ظلم کیا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس منہ سے شیلا کا سامنا کروں، میں انگلستان جا رہا ہوں، دو تین سال میں واپس آؤنگا، اگر اس وقت بھی آپ نے اپنی سہیلی کے قابل سمجھا تو میں بسر و چشم آپ کے حکم کی تعمیل کرونگا " سمجھیں خط کا مطلب ؟"

" ہاں کچھ تو سمجھی " یہ کہکر شیلا کمرے میں ٹہلنے لگی، ایکبار نریندر کی تصویر کے پاس جاکر اسے دیکھا، پھر خطوں کے انبار کے پاس جاکر ان کو گننا شروع کیا، پھر اپنی کرسی پر بیٹھ کر شانتا کی طرف مشتبہ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی ـــــ " اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آیا، شانتا "

" کیا سمجھ میں نہیں آیا ؟ لکھا تو ہے کہ وہ انگلستان جا رہے ہیں، دو تین سال میں واپس آئینگے اسوقت بھی اگر تمہاری خواہش ہوئی تو وہ تم سے شادی کر لینگے "

اسدفعہ شیلا کا چہرہ خوشی سے شگفتہ ہو گیا، اس نے کہا ـــــ " کیا واقعی ـــــ انہوں نے یہ لکھا ہے ؟" ـــــ " ہاں ہاں اس میں ابھی کچھ شک ہے ؟"

شیلا شانتا کے گلے سے لپٹ کر بولی ـــــ " تو یہ تمہاری محبت و ہمدردی کا نتیجہ ہے شانتا " یہ کہتے ہوئے شیلا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

شانتا نے ہنستے ہوئے کہا ـــــ " اب کیا روتی ہے دیوانی ؟ ـــــ نریندر بابو کے واپس آنے پر میری کارگذاریوں کو ان سے دریافت کر کے مجھے پورا انعام دینا، ابھی چپ چاپ پوجا کئے جا " ـــــ سوشیلا مطمئن لہجے میں بولی ـــــ " اب وہ ولایت سے واپس آکر میرے ساتھ شادی نہ کریں جب بھی مضائقہ نہیں، میرے دل کی خلش دور ہو گئی "

رنگین مشاہدہ

خاص مست قلندر کیلئے!

از حضرت ماہر القادری

اُن پھول سے ہونٹوں پہ ہنسی دیکھ رہا ہوں، | جذبات کی فردوس گری دیکھ رہا ہوں
بوتل میں فروغِ مئے گلرنگ نہ پوچھو | جیسے کہ میں شیشہ میں پری دیکھ رہا ہوں
چلتے ہیں مرے ساتھ وہ کس ناز و ادا سے | رفتارِ نسیمِ سحری دیکھ رہا ہوں
پیروں میں ہیں پازیب تو کانوں میں کرن پھول | اُس شوخ کی ہر چیز نئی دیکھ رہا ہوں

کیا آپ کو سچ مچ مری حالت کی خبر ہے
میں آپ کی آنکھوں میں نمی دیکھ رہا ہوں

اُس شوخ کو مائل بہ کرم دیکھ رہا ہوں، | رنگینیٔ اندازِ ستم دیکھ رہا ہوں
یہ کون گلستاں میں ہے سرگرم تماشا | پھولوں کی جبینوں کو بھی خم دیکھ رہا ہوں

اب آپ نظر مجھ سے چرا ہی نہیں سکتے
میں آپ کو سرتا بہ قدم دیکھ رہا ہوں

دل اور کہیں پر ہے، کہیں دیکھ رہا ہوں | یوں دیکھ رہا ہوں کہ نہیں دیکھ رہا ہوں

یہ چاندنی رات اور یہ پھولوں کی سجاوٹ
اِک منظرِ فردوس بریں دیکھ رہا ہوں

بکھرے ہوئے گلہائے سمن دیکھ رہا ہوں | تا حدِ نظر رنگِ چمن دیکھ رہا ہوں
اتنی سی خوشی بھی نہیں دُنیا کو گوارا | تاروں کی جبینوں پہ شکن دیکھ رہا ہوں

نظروں کو سزا وار مری نخوت و تمکیں
مَیں آپ کا بیساختہ پن دیکھ رہا ہوں،

نئے پڑھنے والے یہاں سے شروع کریں ۔ ایک آبرو باختہ ماں کی بدچال لڑکی جس کی تعلیم و تربیت ایسے ماحول میں ہوئی کہ سوائے ماں کے نقش قدم پر چلنے کے اس کے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا کسی دوکاندار کی چیزیں چرانے کے جرم میں ½ ۲ برس کیلئے ایک صنعتی اسکول میں بھیج دی جاتی ہے ، اس وقت اس کی عمر ½ ۱۳ سال کی تھی ۔ وہ لکھتی ہے کہ جب مجسٹریٹ نے فیصلہ سُنا دیا تو مجھے سپاہیوں کی ایک موٹر بس میں بٹھا دیا گیا اور اس کے بعد ———

(باب ۳)

ایک سخت آواز آئی ۔ "میری بچی بیٹھ جاؤ ، تم اب اسے فی الحال نہیں دیکھ سکتیں " اس آواز نے میری ماں کے اور میرے قربت کے نازک رشتہ کو ختم کر دیا ۔ میں جفاکار ہاتھوں میں بے مددگار تھی ، مجبوری گاڑی کے ایک کونہ میں اپنی اشک افشاں آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے میں نے سر جھکا لیا ۔ میرے سامنے کی نشست پر ایک سیاہ لباس پہنے ہوئے زنانہ افسر اور اسکے قریب ہی ایک خوفناک قسم کا جانور یعنی جاسوس بیٹھا تھا ۔ میرا یہ سفر باعتبار مسافت اسقدر پریشان کن نہ تھا جتنا کہ اذیتہائے ذہنی و دماغی کا حامل ۔ جسوقت کہ مجھے بیٹھنے کا حکم دیا گیا ۔ میں عالمِ لاچارگی میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ دنیوی کسی ہستی کو میرے آنسوؤں کی پرواہ نہیں ہے ۔ بہت زور سے چلائی ۔ ماضی حال اور مستقبل سب کچھ میری نظروں میں تاریک ہو گیا ۔ اور صفحۂ ماضیہ پر نظر کرتے ہوئے میں خود اپنے آپ کو دنیا کی ایک بدترین ہستی سمجھنے لگی ۔ آہ میں کیا تھی اور کیا ہو گئی ۔ ایک قیدی ۔ یہ لفظ دائرہ تخیل میں آتے ہی میرے ہاتھ پیر سنسنا گئے ۔ دماغ اور دل کی عجیب حالت ہو گئی ۔ موسم بہار کا آفتاب اُسی تابناکی سے چمک رہا تھا ۔ سڑکوں پر لوگوں کے پُرشور قہقہوں کی آوازیں بدستور تھیں ۔ کاروباری حیثیت سے شہر میں وہی گرماگرمی تھی ۔ سودے والے اپنی اُسی شان سے خریداروں کو اپنی جانب مائل کر رہے تھے ۔ دُنیا وہی تھی مگر آہ میں وہ نہ تھی ۔ کیونکہ ان تمام باتوں سے دلچسپی لینے والی قوت ہی قیدی کے تخیل سے فنا ہو چکی تھی ۔

ہماری گاڑی چراگاہوں ، اور جنگلوں سے ہوتی ہوئی سُرے کے علاقے میں پہونچی اور ایک بھاری پھاٹک سے گذر کر پھولوں کی شاداب کیاریوں سے ہوتی ہوئی عمارت اسکول کے سامنے کھڑی ہو گئی ۔ مجھکو سپرنٹنڈنٹ اسکول کے سپرد کیا گیا ۔ سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے چند سوالات کئے ۔ مگر میرے پاس اس کے ہر سوال کے جواب میں نہ تھمنے والے آنسو اور نہ رکنے والی سسکیاں تھیں ۔ اس کے بعد میں میٹرن کے پاس پہونچا دی گئی جو کہ آئرلینڈ کی باشندہ تھی ۔ اس کے چہرے کی خشونت اس کی سخت دلی کی شاہد تھی ۔ میٹرن نے کچھ معمولی کھانا میرے سامنے رکھا اور یہ دیکھتے ہوئے کہ میں بجائے کھانے کی طرف راغب ہونے کے آہ وزاری میں مشغول ہوں ۔ اس نے ہیڈ گرل سیلی کو پکار کر حکم دیا کہ وہ مجھے سمجھا بجھا کر کھانا کھلائے ۔ اور بجائے کسی کمرہ میں علیحدہ رکھنے کے وہ آج کی رات مجھے اپنے کمرہ میں رکھے ۔ سیلی ایک نیک دل لڑکی تھی ۔ اُس نے میرے اضطرارِ دماغی کو سکون میں تبدیل کرنے کی بہت کچھ کوشش کی اور وہ تھوڑی بہت کامیاب بھی ہو گئی ۔

دوسری صبح ایک مہیب آواز گھنٹی کی مدد سے ۵ بجے صبح جگائی گئی ۔ بیدار ہونے پر پھر وہی تفکرات کے بادل میرے دماغ آسمان پر چھانے لگے ۔

میں اپنے تعلیمی اسکول میں موجودہ عمر سے زیادہ صغرسنی کی حالت میں تنہا رہی ہوں ۔ مگر آج کی ایسی تنہائی میں نے کبھی محسوس نہیں کی ۔ منہ ہاتھ دھونے کے مقام پر ایک " بیسن " کے چاروں طرف لڑکیوں کے برہنہ سُرخ بازوؤں سے ایک سُرخ دائرہ بنا ہوا تھا ۔ جسمیں کمسن بچیاں ، باوجود زیادہ عمر ہونے کے چھوٹی معلوم ہونے والی لڑکیاں اور چودہ برس کی عمر میں نمایاں طور پر ظاہری جسمانی حالت سے جوان معلوم ہونے والی لڑکیاں موجود تھیں ۔ جنکا طرز تکلم ، لہجہ ، اور بعض اوقات زبان مجھ سے بالکل مختلف ہوتی تھی ، مگر اب تقدیر نے مجھے انکا ساتھی بنایا تھا ۔ اور اختتام میعاد مقررہ تک مجھے خوشی یا رنج سے انہیں میں رہ کر زندگی کے دن کاٹنا تھے ۔

یہاں جتنی بھی لڑکیاں تھیں یا تو اپنی بداخلاقیوں کی پاداش میں یہاں بھیجی گئی تھیں یا اپنے والدین کی اخلاقی کمزوریوں کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے یہاں لائی گئی تھیں۔ اور کچھ اپنی کم عمری کی بدچلنی کی وجہ سے یہاں بند کردی گئی تھیں مثال کے طور پر "جیسی" کو لیجئے۔ کہ تیرہ برس ہی کی عمر میں کیوپڈ کے بے پناہ تیر کی نخچیر ہوگئی۔ اور ایک معمولی سپاہی کو دل دے بیٹھی۔ کچھ دنوں تک تو صرف ملاقاتوں ہی پر اکتفا ہوئی۔ مگر اس کے بعد محبت کی چنگاریاں زمانہ کی ہوا پاتے ہی شعلوں میں تبدیل ہوگئیں۔ پابندیاں نگاہوں میں کھٹکنے لگیں۔ جذبات کے ماتحت آزادانہ گوشۂ تنہائی کی جستجو ہونے لگی۔ اور آخر کار سپاہی کی عیارانہ باتیں رنگ لائیں۔ یعنی ایک شب کو "جیسی" اپنے ماں باپ بھائی اور بہن کو چھوڑ کر سپاہی کے ساتھ فرار ہوگئی۔ ہوٹلوں اور دیہاتوں میں عارضی قیام کیا۔ دل میں بھرے ہوئے ارمان فراخدلی کے ساتھ نکالے گئے مگر باوجود کوشش کے دنیا والوں نے "جیسی" اور سپاہی کو میاں بیوی نہ سمجھا۔ اور پولیس کے آہنی پنجہ نے آخر کار "جیسی" کو پکڑ لیا۔ خوش قسمتی سے سپاہی اس وقت موجود نہ تھا۔ اس واقعہ کی خبر پاتے ہی اس کا سارا نشۂ شباب اُتر گیا۔ اور وہ قریب شام آفتاب کی سنہری کرنوں کی طرح عارضی مدت کیلئے غائب ہوگیا۔ "جیسی" اس چھوٹی سی عمر میں ہر لحاظ سے پوری عورت معلوم ہونے لگی تھی۔ وہ یہاں پر کسی لڑکی سے بات نہ کرتی تھی۔ ہر وقت مغموم و اداس بیٹھی رہتی تھی۔ اور یقین کرتی تھی کہ ایک نہ ایک دن اس کا بانکا سپاہی آکر اسکو ان مصائب سے نجات دلائیگا۔

ہم کو یہاں پر ہر قسم کی جسمانی مشقت کرنا پڑتی تھی۔ خواہ موسم گرما ہو یا سرما ہم کو ہمیشہ ۵ بجے صبح گھنٹی کی آواز پر اُٹھ کر جلد از جلد تمامی ضروریات سے فارغ ہوکر ناشتہ کی میز پر بیٹھنا پڑتا تھا۔ جس کے اختتام کے بعد ہی عبادتخانہ میں داخل ہونا پڑتا تھا۔ اور اس کے بعد اور کاموں میں مصروف ہونا پڑتا تھا۔ جن میں امور خانہ داری کے علاوہ تعلیم بھی شامل تھی۔ ہم کو صرف اوقات فرصت میں ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔ ورنہ دوران کام میں ہمکو ایک مشین کی طرح اپنے کاموں میں مشغول رہنا پڑتا تھا۔ میں ایسی زندگی سے تنگ آگئی تھی۔ اور فرار ہوجانے کے منصوبے سوچتی تھی۔ میں نے "پالی" نامی ایک لڑکی کو جو میرے مزاج کے موافق تھی، اپنا شریک کار بنایا۔ ہم روزانہ فرصت کے وقت اپنی تجاویز پر غور کرتیں۔ اور کوئی نہ کوئی نقص پاکر موجودہ تدبیر کو ناکارہ سمجھ کر دوسری پر غور کرنے لگتیں۔ ہم یہ باتیں بہت خاموشی سے کرتی تھیں۔ مگر ایکدن ایک چھوٹی شیطان لڑکی نے ہماری باتیں سُن لیں اور میٹرن سے تمام واقعہ بیان کردیا جس نے تادیباً ہم دونوں کو علیحدہ علیحدہ وارڈ میں بھیجدیا۔ اکثر لڑکیاں جن کے والدین یا سرپرست ان کے مصارف کیلئے رقوم بھیجدیتے تھے۔ موسم گرما میں ساحل سمندر پر بغرض تفریح جاتی تھیں جن کے ساتھ حسب ضرورت اسکول کا عملہ ہوتا تھا۔ وہاں پر ان لڑکیوں کے لئے ایک عمارت "ہالی ڈے ہوم" کے نام سے تھی جو کسی امیر نے بنوادی تھی۔ مگر یہ بات تعجب خیز تھی کہ باوجود اسقدر نگرانی اور اخلاقی تعلیم کے ساحل سمندر پر اکثر شرمناک حرکتیں بھی ہوتی تھیں۔ میری بھی ایک جانی پہچانی لڑکی ساحل سمندر پر گئی۔ لیکن وہاں سے واپسی پر کچھ عرصہ گذرنے پر وہ کچھ بیمار سی معلوم ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ زمانہ گذرتا گیا۔ اکثر تجربہ کار لڑکیاں اس کی حالت پر چپکے چپکے اپنی رائے کا اظہار کرتی تھیں۔ مگر آخر کار جب ایکدن وہ کام پر نہ دکھائی دی۔ تو یہ راز ظاہر ہو ہی گیا۔ کہ وہ اب لڑکی سے ترقی کرکے ماں کا درجہ حاصل کرنے والی ہے۔ اور ۴۸ گھنٹے کے اندر وہ کسی نامعلوم مقام پر بھیج دی گئی۔

میں ہمیشہ سے سمجھتی تھی کہ میری ماں مجھے بالکل بھلادیگی۔ چنانچہ ایک دن سپرنٹنڈنٹ کے بنگلہ کے کمرۂ ملاقات میں وہ مجھ سے ملی۔ وہ اپنے انہیں سابقہ رازدارانہ انداز میں گفتگو کرنے لگی جسکی وہ عادی تھی۔ کئی مرتبہ اس نے مجھے آنکھیں ماریں۔ اور متعدد بار مختلف طریقوں سے اشارات کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ہم کچھ دیر کے لئے تنہا ہوئے۔ اس نے مجھ پر ظاہر کیا کہ اس نے اپنے موجودہ زیورات کو بیچکر اور اس رقم کو ایک ٹیکسی ڈرائیور کے حوالہ کرکے اسے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ وہ مجھے یہاں سے لے جائے۔ میں نے اس پر ظاہر کردیا کہ ایسی تادیب گاہ سے اس طرح میرا لے جانا خلاف قانون ہے اور راز ظاہر ہونے پر اسے اس کی سزا ملے گی۔ مگر وہ اپنے ارادہ پر قائم رہی۔ وقت مقررہ ختم ہوا۔ وہ رخصت ہوگئی۔ دوسرے دن میں اس کے بتائے ہوئے مقام پر پہونچی۔ اور کچھ تلاش کے بعد ماں کا خوشی وغم کے ماتحت پژمردہ و شگفتہ چہرہ دکھائی دیا جس مقام پر ٹیکسی تھی۔ اس طرف ہم نہایت تیز قدمی سے بڑھے۔ مگر ہماری امیدوں کی کوئی انتہا نہ رہی جب یہ دیکھا کہ قانون کے خوفناک دیو نے ٹیکسی ڈرائیور کو بھاگ جانے پر مجبور کردیا۔ اور وہ ٹائر کے نشانات ہم کو اپنی قسمت پر افسوس کرنے کیلئے چھوڑ گیا ہے۔ اب سوائے روتے ہوئے واپس ہونے کے ہمارے پاس اور چارہ کار ہی کیا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ پھر آئی اور بے سروپا افسانے سُناکر چلی گئی جس سے مجھے بجائے خوشی کے تکلیف پہونچی۔ اس کے بعد اس کے خطوط آتے رہے لیکن تھوڑے دن گذرنے پر اس کی آمد تو کیا اس کے خطوط میں بھی ناقابل برداشت فصل ہوگیا جس کی وجہ بعد کو یہ ظاہر ہوئی کہ "کیرس" نامی ایک انیس بیس برس کے نوجوان لڑکے کی محبت میں وہ مبتلا ہوگئی۔ بزمانۂ تعلیم اسٹیج میری ماں اس لڑکے کے سڈول جسم اور سرخ و سفید رنگ پر ایک للچائی

نظر ڈالتی تھی۔ مگر تعلیم اسٹیج ترک ہونے پر دوسری دلچسپیوں میں مشغول ہوکر وہ اسے بھلا چکی تھی۔ میرے زمانۂ قید میں ایک دن "کیرس" کچھ سامان آرائش بیچتا ہوا میری ماں کے دروازہ پر آیا۔ اس زمانہ میں اُڈالف میری ماں کے باغ حسن وجوانی سے سیر ہوچکا تھا۔ حسن پرست ماں کو اس لڑکے کی اٹھتی ہوئی جوانی دیکھکر بھولا ہوا افسانہ پھر یاد آگیا۔ نظروں سے نظریں ملیں۔ دل میں تلاطم پیدا ہوا۔ جذبات برانگیختہ ہوگئے۔ اور کیرس میری ماں کے ساتھ رہنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس نے میری ماں پر یہ ظاہر کیا کہ کسی غیر معروف جگہ پر تجارت کرنے میں بڑا فائدہ ہوگا۔ میری جوانی پسند ماں اپنے بڑھتے ہوئے جذبات سے مغلوب ہوکر "کیرس" کی ہر خواہش کو پورا کرنے پر مجبور ہوگئی۔ اور اس کے ہمراہ جزیرہ نما کینو سے چلی گئی۔ اس نے "کیرس" کے لئے ایک گاڑی اور ایک گھوڑا خریدا۔ مگر تجارت میں نقصان ہوا۔ اور ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ حقیقت میں میری ماں کسی چیز کی تجارت نہیں کررہی تھی۔ بلکہ اس نے تو اپنے حسن پرست دل کا سودا کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ، دلِ خالی ہاتھ پھیرنے کے بعد "کیرس" نے اپنے گلے کی خشکی کو تری میں تبدیل کرنے کی غرض سے گھوڑا اور گاڑی بھی فروخت کردی۔ پھر ماں کے چاندی کے برتنوں کو شراب کے بلوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں منتقل کردیا۔ جب یہ بھی ختم ہوچکا تو ماں کے جعلی دستخط چیکوں پر بنائے۔ آخرکار میری ماں کو دھمکی دی کہ اگر وہ اسکے قرضہ کی رقوم کو ادا نہ کریگی تو وہ اُسے قتل کردیگا۔ جب اس سے زیادہ فائدہ نہ پہونچا۔ تو جو کچھ بھی وصول ہوسکا۔ اس نے لڑکر ماں سے وصول کیا اور ماں کو اکیلا چھوڑکر انگلینڈ روانہ ہوگیا۔ اس نے اپنا ایک راز ہمیشہ پوشیدہ رکھا تھا۔ یعنی یہ کہ وہ ایک فوج کا بھاگا ہوا مفرور سپاہی ہے۔ انگلینڈ پہنچتے ہی مصائب کی گھٹا اس پر چھاگئی۔ اور قدرتاً حال کے گناہ اور دنیوی اعتبار سے سابقہ فرار کے سلسلہ میں اذیتہائے پیہم کا مقابلہ کرنے کیلئے جیل بھیجدیا گیا اور اس طرح میری ماں کی اس محبت کا بھی حسرتناک انجام ہوا۔

اسکول میں گوکہ ہماری تفریحات کے لئے متعدد کھیل کے سامان تھے۔ مگر بدقسمتی سے مجھے کسی کھیل سے دلچسپی نہ تھی۔ اسلئے اور زیادہ کلفت ہوتی تھی اس عرصہ میں اکثر لڑکیوں سے میرے تعلقات ہوگئے تھے۔ اور ہم ایک دوسرے کی سابقہ زندگی کے حالات سن سن کر لطف اندوز ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ میری قید یا تادیب کے آخری سال میں اسکول میرے لئے حد درجہ دلچسپ ہوگیا تھا اتفاق سے ہماری میٹرن بیمار ہوکر بغرض علاج چلی گئی اور چونکہ میرے وارڈ کی تمام لڑکیاں میرے کہنے پر چلتی اور مجھ سے محبت کرتی تھیں۔ اسلئے عارضی طور پر ان سب کی نگرانی میرے سپرد کردی گئی۔ میں نے اس خدمت کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ یہاں تک کہ نئی میٹرن جو حد درجہ سرد مزاج تھی آگئی مگر میرے اثرات کو دیکھتے ہوئے اس نے اکثر کاموں میں میری امداد چاہی۔ میں نے بہ فراخ دلی اس کی مدد کی۔ اور اس طرح میری حسن خدمات سے وہ میری گرویدہ ہوگئی۔ اور یہ اسی کی سفارش کا نتیجہ تھا کہ میں اسکول بھر کی کپتان مقرر کردی گئی۔ مجھے اپنی اس کامیابی پر خود حد درجہ تعجب تھا۔ اس اعزاز کے سلسلہ میں میں اب زیادہ دلچسپی سے اسکول کے کاموں میں حصہ لیتی تھی۔

اکثر امراء ومعزز خواتین بھی ہم سے ملنے آتی تھیں۔ جو رسمی طور پر ہم سے دریافت کرتی تھیں۔ کہ ہم کس طرح یہاں زندگی بسر کررہے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی امید ظاہر کرتی تھیں۔ کہ یقیناً ہم یہاں نہایت مسرور ہونگے اس کا جواب بھی انہیں رسمی طور پر "جی ہاں" دیا جاتا تھا۔ اور اس کے بعد ہم لوگوں کو خوش مزہ مٹھائیاں اور طرح طرح کے پھل ملتے تھے۔ اسی سال میں اپنی مہربان میٹرن کے اصرار پر وظیفہ کے امتحان میں شریک ہوئی۔ جس میں میں اپنی ریاضی کی کمزوری کی وجہ سے ناکامیاب ہوئی۔ اب میری زندگی حد درجہ سکون بخش تھی۔ کہ ایک دن مجھے سلائی کے کمرے میں طلب کیا گیا۔ اور اس پوشاک کی ناپ لی گئی۔ جو اختتام میعاد قید پر مجھے پہن کر آزادانہ اسکول سے اس جگہ کام کرنے کے لئے جانا تھا۔ جہاں پر میری آئندہ زندگی بسر کرنے کے لئے کارکنان اسکول نے انتظام کیا تھا یہ پوشاک نیلی فراک۔ خاکی جمپر اور اسکرٹ۔ خاکی ٹوپی۔ بھورے اونی موزے اور نیلے رنگ کا کوٹ تھا۔ اور آخرکار ایک دن وہ آگیا۔ جب میں اپنی ہمجولیوں اور مہربان میٹرن کی جدائی اور آزادی کی ہوا میں سانس لینے کے زیر اثر نشاط وغم کو محسوس کرتی ہوئی۔ پھر ایک مرتبہ لندن روانہ ہوئی۔ اب میں خاصی جوان ہوچکی تھی۔ میری شبابی رعنائیاں پھٹی پڑتی تھیں۔ میری رفتار میں لچک، اور گفتار میں ترنم پیدا ہوچکا تھا۔ محسوسات شباب کی غلاکو اسکول کی اکثر آبرو باختہ لڑکیاں اپنے حالات اور دوسروں کے شرمناک افسانے بیان کرکے ایک حد تک پورا کرچکی تھیں۔ لندن ایسے عشرت پسند شہر کے حسن پرست طبقہ نے میرے حسن معصوم کا کس طرح استقبال کیا اور مجھے کیسے کیسے سنسنی خیز واقعات سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ سب معلوم کرنے کے لئے قسط ماہ آئندہ ملاحظہ فرمایئے۔ (تیسری قسط ختم)

شاعر کا نامۂ محبت

نوجوان شاعر وادیب حضرت عزیز مسعودی صاحب گورکھپوری کے ادبی خطوط کا مجموعہ جو مست قلندر میں شائع ہوتا رہا ہے اور بے حد پسند کیا گیا ہے عنقریب مست قلندر بک ڈپو کی طرف سے کتابی صورت میں شائع ہوگا۔ منیجر۔

غمگین سہاگ

از جناب جمیل احمد خاں صاحب سلطان پوری (بہار)

اُف یہ وحشت زا گھٹا یہ رات کی تاریکیاں
قلب پر کرتی ہیں طاری خوف کی پرچھائیاں

آسماں پہ بادلوں کے اُف گرجنے کی صدا
جس کو سنکر کانپ اُٹھتا ہے کلیجہ شیر کا

اُف اندھیری رات سے بجلی کا ہونا ہم کنار
زورِ طوفاں سے فضا میں اک مسلسل خلفشار

اُف درختوں کے اُکھڑنے کی صدائے دلخراش
سورماؤں کے جگر ہوتے ہیں سُنکر پاش پاش

اُف یہ جنگل کی سیاہی یہ مناظر خوفناک
یہ ہواؤں کا تصادم یہ بیابانوں کی خاک

خوف کی آغوش میں سوئی ہوئی ہے کائنات
موت تو مسرور ہے لیکن ہراساں ہے حیات

ایک دیوی آہ اس طوفان کی آغوش میں
مادرانہ اُلفتوں کے انتہائی جوش میں

شادمانی، عیش، ایوانِ مسرت چھوڑ کر
نوجواں شوہر کا فردوسِ محبت چھوڑ کر

کیفِ صہبائے نگاہِ شوق سے رُوٹھی ہوئی
جلوہ زارِ زندگی کی راہ سے بھٹکی ہوئی

دامنِ ہستی میں ظالم موت کی ہستی لئے
اور سینے میں کسی کی یاد کی مستی لئے

آرہی ہے ہر قدم پہ ٹھوکریں کھاتی ہوئی
راہ میں بکھری ہوئی شاخوں سے ٹکراتی ہوئی

اس کے بچے کو کیا ہے موت نے جنت مکیں
لیکن اس دیوی کو ہے کچھ اسکے جینے کا یقیں

اے خدائے حسن و مستی اے جواں پروردِ بہار
اے تبسم کی مہارانی! مگر اب سوگوار

تاجدارِ شوخی و رعنائی موجِ صبا
اے شبستانِ ادا و ناز کی دلکش فضا

نوشگفتہ عمر تیری یہ ترا حسن و شباب
یہ خمار انگیز نکہت یہ نگاہوں کی شراب

دامنِ ہستی میں تیرے جلوۂ صد رنگ ہے
پیکرِ زیبا سے تیرے حسنِ فطرت دنگ ہے

تیرے اندازِ وفا میں عیش کا پیغام ہے
زندگی تیری تمناؤں کا پہلا نام ہے

تیرے جلوے کیف کی لہروں میں ہیں ڈوبے ہوئے
تیرے نغمے جنتی شبنم سے ہیں بھیگے ہوئے

تجھ سے زندہ ہے محبت تجھ سے قائم کائنات
تیرے ہی دم سے ہے رنگین یہ شبِ تارِ حیات

تیرے ہی پہلو میں دل ہے اور دل میں ہے گداز
ہے تری معصوم فطرت میں نہاں اُلفت کا راز

اے مرے خوابوں کی رانی اے مری جانِ حیات
تیری بیتابی سے ہے بیتاب دل کی کائنات

(قاسمی)

ہمارے دوست خاں صاحب کو میلوں ٹھیلوں میں جانے کا بہت شوق تھا۔ مگر وہ جو کسی نے کہا ہے کہ "ملّا کی دوڑ مسجد تک" تو ہمارے خاں صاحب بھی اپنے گاؤں کے آس پاس کے میلوں، تماشوں اور بازاروں میں جا کر دل بہلاتے تھے۔ سال میں ایک دفعہ راج گھاٹ میں کاتکی اشنان کا میلہ لگتا تھا، اور یہ میلہ خاں صاحب کے ذوقِ سیاحت کی معراج تھی۔ خاں صاحب کی "بارگاہِ حماقت" میں ہم بہت زیادہ بے تکلف ہو گئے تھے، اسلئے ہم نے علی گڑھ کی نمائش میں چلنے کیلئے خانصاحب کو ابھارا۔

—— یہ "نمائش" کیا چیز ہوتی ہے۔ خاں صاحب نے مونچھوں کو تاؤ دے کر فرمایا۔

—— بھئی خاں صاحب! آپ جیسا جہاندیدہ شخص ایسی بات —— دریافت کرتا ہے، "نمائش" کا نام کیا آپ نے آج ہی سنا ہے —— ہم نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

اس پر خاں صاحب نے سر ہلا کر، بالارادہ کئی مرتبہ کھانسا، ہم نے خاں صاحب کی دکھتی ہوئی رگ پر نشتر لگایا تھا، اور اب خاں صاحب کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، کہ وہ "نمائش" کے متعلق زیادہ استفسارات نہ فرمائیں اسلئے کہ "نمائش" کے متعلق پوچھنے گچھنے میں، خاں صاحب کی "ہمہ گیری، جامعیت، جہاں دیدگی" اور ان کے ہرفن مولا ہونے کی خصوصیت پر حرف آتا تھا۔

—— ہمیں سب معلوم ہے! ہم نے تو یہ دیکھنے کے لئے کہ دیکھیں تم کتنے پانی میں ہو، —— یوں ہی پوچھ لیا تھا، مگر ہاں! بھئی یہ تو بتاؤ کہ اس میں خرچ کتنا ہوگا —— خاں صاحب نے کہا۔

—— خاں صاحب! آپ خرچ ورچ کی طرف سے بالکل مطمئن رہیں، جتنے روپوں کا آپ آسانی کے ساتھ انتظام فرما سکیں فرمالیں، باقی کا اللہ مالک ہے —— ہم نے جواب دیا۔

ہماری اس گفتگو کے بعد خاں صاحب نے "ہامی" بھر لی، اور علی گڑھ جانے کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

خاں صاحب نے تمام گاؤں میں اس خبر کو پھیلایا کہ وہ نمائش دیکھنے کیلئے علی گڑھ جا رہے ہیں۔ خاں صاحب نے اپنے تمام کاروبار نمائش دیکھ کر آنے تک کیلئے ملتوی کر دئے تھے۔ زمیندار کا کارندہ لگان وصول کرنے کیلئے آیا۔ خاں صاحب نے اس سے کہہ دیا، کہ بھئی! علی گڑھ کی نمائش ختم ہو جانے کے بعد آنا۔ بیوی نے کہا کہ مکان کی بہت دن سے مرمت نہیں ہوئی، پچھلی برسات میں تو جیسے تیسے گزر ہو گئی تھی، مگر اگلی برسات میں خدا ہی حافظ ہے۔ اس پر خاں صاحب نے کہا کہ اب جو کچھ بھی کام ہوگا علی گڑھ کی نمائش کے بعد ہوگا۔ خاں صاحب کی جائیداد کا بٹوارہ ہونے والا تھا، حصہ داروں نے کہا کہ ہم بٹوارے کے امین کو بلا کر لاتے ہیں، خاں صاحب نے فرمایا کہ بھئی! نمائش سے واپس آنے تک میں کچھ نہیں کر سکتا، میں ہر کام اطمینان اور جمعیت خاطر کے ساتھ کرتا ہوں۔ میرا دل تو نمائش میں پڑا ہوا ہے، ایسی حالت میں زمین اور جائیداد کے معاملات میرے بس کے نہیں!

خاں صاحب گاؤں کی جس چوپال اور بیٹھک میں جاتے، نمائش کا ذکر ضرور نکالتے۔ لوگوں کو ایک نیا مذاق ہاتھ آگیا تھا، وہ خاں صاحب کو زیادہ الّو بنانے کیلئے نمائش کے متعلق سوالات کرتے، اور خاں صاحب اس طرح جواب دیتے، جیسے نمائش ان ہی کے حکم سے منعقد ہوئی ہے، اور یہ اس کی ایک ایک بات سے واقف ہیں۔ خاں صاحب نے درزی کو کپڑے سلنے کیلئے دیدیئے تھے، اور دن میں کئی کئی مرتبہ درزی سے جا کر کہتے۔

—— بھیّا کستوری! بس اب علی گڑھ جانے میں پانچ چھ دن باقی رہ گئے ہیں، کپڑے جلدی تیار کر دو، بھیا معاف کرنا، درزیوں اور سناروں کے وعدے قیامت کے وعدے ہوتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ تم وقت پر کہہ دو کہ خاں صاحب! بس ذرا شیروانی کے کاج اور کرتہ کا گریبان باقی رہ گیا ہے۔

خاں صاحب کی نمائش کی تیاری نے بیچارے گھر والوں کا ناک میں دم کر دیا تھا، دن میں کئی کئی مرتبہ ٹرنک میں کپڑے لگائے جاتے، بستر باندھا جاتا، اس "ری ہرسل" (پیش مشقی) نے گھر کے لوگوں کو بیٹھے بٹھائے جنجال میں ڈال دیا تھا۔ صبح کو روزانہ، سفر کے ناشتہ کیلئے گفتگو ہوتی اور

خاں صاحب عجیب عجیب طرح سے پینترے بدل بدل کر تنقید فرماتے ۔

—— بیسنی روٹی تو قبض کرتی ہے، گھی کا ہاتھ لگاکر خمیری روٹیاں پکادینا ۔ اور ہاں آلو کا بھرتا، خوب چٹپٹا ہونا چاہیئے، ہرا دھنیہ چھوڑ لینا، شامی کباب ضرور ہونے چاہئیں، سرکہ کا آچار بھی رکھ دینا ۔

—— دہی کی بھی کوئی چیز ضرور تیار کرنا، دیکھو اس بات کا خیال رہے، ریل کا سفر ہے، ثقیل چیزوں سے قبض ہو جاتا ہے، پردیس کا معاملہ ہے، کوئی نیچ اونچ ہو گئی، تو مصیبت آجائیگی ——

خاں صاحب نے علی گڑھ چلنے سے ایک دن قبل خضاب لگایا اور دن بھر گھر میں بیٹھے رہتے، علی گڑھ کو گاڑی دن کے ساڑھے نو بجے جاتی تھی، مگر خاں صاحب صبح چار بجے میرے یہاں پہونچے، اور دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا ۔ میں خوب گہری نیند سو رہا تھا، بیوی نے جگایا کہ کوئی بطر بطر دروازے کو پیٹ رہا ہے، خدا خیر کرے، نہ جانے کیا معاملہ ہے ۔ میں آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا، اور دروازہ کھول کر جو دیکھتا ہوں تو خاں صاحب کھڑے ہوئے ہیں

—— خاں صاحب! خیر تو ہے —— میں نے گھبرا کر پوچھا ۔

—— خدا کا فضل ہے، آپ کی دعا ہے، میں تو میاں منظور! تم کو جگانے کے لئے آیا ہوں، آج علی گڑھ چلنا ہے ——

خاں صاحب نے فرمایا ۔

—— مگر خاں صاحب! ٹرین تو نو بجے کے بعد چھوٹتی ہے ۔ اتنے سویرے اُٹھنے کی کیا ضرورت ہے —— میں نے کہا ۔

—— ارے میاں! یہ بیل گاڑی نہیں ہے، ریل گاڑی ہے ریل گاڑی، کبھی ریل کا سفر بھی کیا ہے، آپ نے! نہانا دھونا ہے، سامان باندھنا ہے، ناشتہ تیار ہوگا، پھر ریل پر پہونچکر ٹکٹ لینا ہے، اتنے بہت سے کاموں کیلئے، آخر کچھ وقت تو چاہئے ——

خاں صاحب نے تن کر جواب دیا ۔

خاں صاحب کی حماقت پر مجھے بہت غصہ آیا کہ خدا کے بندے نے بلاوجہ اُٹھا دیا، مگر غصہ کیا تھا ہی فوراً خیال آیا کہ اگر ایک لفظ بھی ہم نے خاں صاحب کی شان میں سخت کہہ دیا تو پھر اس "ابوالہول" کو منانا مشکل ہو جائیگا ۔ اس لئے خفگی کو چھپاتے ہوئے، میں نے خاں صاحب سے کہا کہ آپ اطمینان رکھئے، آٹھ بجے تک میں بالکل تیار ہو جاؤنگا ۔ آپ بھی تیار رہئے، اس پر خاں صاحب نے فرمایا ۔

—— میں تیار ہوں، خوب! بھئی! میں تو کئی دن سے تیار ہوں، بستر بندھا ہوا رکھا ہے، گھر کی عورتوں کو میں نے ایک بجے اُٹھا دیا ہے، وہ ناشتہ تیار کر رہی ہیں، ابھی ابھی شامی کباب اور پراٹھوں کی بانگی دیکھ کر آیا ہوں، بس ذرا کپڑوں کا ٹرنک درست ہونا باقی ہے، اس درزی کے بچے کشوری نے کرتہ کا گریبان اُلٹا لگا دیا ۔ آج صبح اُس نے کرتہ دینے کا وعدہ کیا ہے، میں یہاں سے اُسی کے یہاں جا رہا ہوں ۔

میں پھر بستر پر جا کر لیٹ گیا، اور آنکھیں بند کر کے، بہت کچھ سونے کی کوشش کی مگر نیند نہ آئی، میں دل ہی دل میں خاں صاحب کو بُرا بھلا کہتا رہا ۔ میں کروٹیں بدل ہی رہا تھا کہ قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی، اور میں اُٹھ بیٹھا ۔ دھوپ پھیلنے تک میں تمام ضروریات سے فارغ ہو گیا ۔ علی گڑھ میرے گاؤں سے، تیس میل کے فاصلہ پر تھا، ایک گھنٹہ کا سفر تھا، اور وہاں زیادہ سے زیادہ تین چار دن رہنا تھا، اتنے مختصر سے سفر کیلئے کسی خاص تیاری کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے بستر لپیٹا، بیوی نے دو تین جوڑے کپڑے ٹرنک میں رکھ دئے، اور ماما نے ناشتہ پکا دیا ۔ خاں صاحب نے اس عرصہ میں دو چکر تو میرے مکان کے خود کئے اور کئی مرتبہ اپنے لڑکے کی معرفت کہلا بھیجا —— "سامان لے کر —— میرے مکان پر آجاؤ، وہاں سے اسٹیشن چلیں گے "

خاں صاحب کے تقاضوں نے پریشان کر دیا تھا، میرا ارادہ نو بجے سیدھا اسٹیشن پہونچنے کا تھا، مگر اُس بندۂ خدا کے تقاضوں سے تنگ آ کر، آٹھ بجے کے بعد اُس کے یہاں پہونچ گیا ۔ میں خاں صاحب کے دیوانخانہ میں جا کر بیٹھ گیا، جہاں خاں صاحب کی باتوں کی صاف آواز آ رہی تھی ۔ خاں صاحب گل افشانی فرما رہے تھے : ——

—— بھئی!! ان عورتوں کو خدا سمجھے، ہر کام میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کرتی ہیں، میں نے کہا تھا کہ تمباکو کا خمیرہ، کاغذ میں لپیٹ کر ٹرنک میں رکھ دینا، اور اُنہوں نے خُرجی میں رکھ دیا ۔ اور ہاں! پان تو اب لگائے جا رہے ہیں، جیسے ہمیں شام کی گاڑی سے جانا ہے، اگر تھوڑی دیر میں پانوں کی ڈبیہ تیار نہ ہو گئی تو قسم کلام مجید کی پاندان اُٹھا کر پھینک دونگا ۔ کئی دن سے کہہ رہا ہوں کہ دیکھو! ہر چیز تیار کر رکھو، یہ نہ ہو کہ وقت کے وقت کام شروع ہو اور جلدی میں کچھ کا کچھ ہو جائے، مگر یہ عورتیں کسی کی سننے والی ہیں!

—— ساجدہ بیٹی! منجن کی ڈبیہ تو میری اچکن کی جیب میں ہی ڈال دینا، یہ تیری ماں تو سٹھیا گئی ہے، ہم کچھ کہتے ہیں وہ کچھ کرتی ہے! اور ہاں! کھانے کا تمباکو، بٹوے کی دونوں تہوں میں بھر دینا، میرے مُنہ کو بھی تمباکو لگا ہوا ہے، علی گڑھ میں یہ تمباکو نہ جانے ملے یا نہ ملے! ارے! یہ بستر اکس بگھڑ نے باندھا ہے ۔ لاحول ولا قوۃ،

اور ہاں! حقے کے کوئلے، اتنے ذرا سے! یہ تو چار چلموں ہی میں ختم ہو جائیں گے۔ اچھا! میری پتلی رضائی بھی لپیٹ دی، اور ہاں! سوزنی تو دھوبی کے یہاں سے کسی نے منگائی ہی نہیں ———

عورتوں کا کام ہمیشہ خراب ہوتا ہے، لاکھ سمجھاؤ، تاکید کرو، مگر کسی مردود کی سننے والی ہیں ——! ان کو تو دن رات بکری کی طرح پان چبانے سے کام ہے، تمام دیواریں پیک تھوک تھوک کر لال کر دی ہیں ———

——— ناشتہ دان تو دیکھو! سبحان اللہ! سکندر کے زمانہ کا معلوم ہوتا ہے، یہ ناشتہ دان! کسی خدا کے بندے کو دو پورے لگانے کی توفیق نہیں ہوئی ———

میں دیوان خانہ میں بیٹھا ہوا خاں صاحب کی باتیں سُن رہا تھا، اتنے میں خاں صاحب کی ماما کا لڑکا نیم کی دو تین شاخیں ہاتھ میں لئے ہوئے مکان میں داخل ہوا۔

——— اب لایا ہے، مردود نیم کے خلال ——— !

یہ کہتے ہوئے خاں صاحب نے لڑکے کو دھم دھم پیٹنا شروع کیا، خاں صاحب کی لڑکیوں نے نیم کی ڈالیوں سے سینکیں توڑ کر، ململ کے ایک ٹکڑے میں لپیٹ کر خاں صاحب کی اچکن کی جیب میں ڈال دیں۔ اب خاں صاحب نے گھر والوں کو نصیحت کرنی شروع کی ———

——— حامد! دیکھو تم میرے پیچھے روزانہ مدرسہ جانا، یہ نہ ہو کہ دوستوں کے ساتھ جنگلوں میں مارے مارے پھرو، میں تمہارے لئے بنیائن اور موزے لے کر آؤں گا۔

——— ساجد! تمہارا بخار ابھی پوری طرح نہیں اُترا، دیکھو بد پرہیزی نہ کرنا، حکیم صاحب سے میں نے کہہ دیا ہے، وہ تم کو روز گھر آکر دیکھ جایا کریں گے، بیٹا! میں تمہارے لئے بہت سی چیزیں لیکر آؤں گا۔

——— ماجدہ! میرے پیچھے تم کسی کے یہاں آنا جانا نہیں! اپنی ماں کا کام میں ہاتھ بٹانا۔ تمہاری چھوٹی بہن کے دانت نکل رہے ہیں، تم اس کی ٹہل کرنا، تمہارے پیر کا ناپ میں نے لے لیا ہے، سلیم شاہی جوتیاں لاؤں گا! تم دیکھ کر خوش ہو جاؤ گی۔

——— اور ہاں! ماجدہ کی ماں! (اپنی بیوی سے) دیکھو! بچوں کی خیر خبر رکھنا، مغرب کے بعد کسی کو باہر نہ جانے دینا، زمانہ خراب ہے، میں نے تمہارے بھائی سے کہہ دیا ہے، وہ روزانہ گھر میں آکر سو جایا کریگا، کچہری دربار کا کوئی آدمی آئے تو کہہ دینا کہ خاں صاحب نمائش دیکھنے کیلئے علی گڑھ گئے ہیں۔ میں علی گڑھ پہنچتے ہی خیریت کا خط بھیجوں گا، گھبرانا نہیں! آج منگل ہے، میں جمعہ کو نہیں تو سنیچر کو شام کی گاڑی سے ضرور بالضرور آجاؤنگا، چار پانچ دن آنکھ میچتے گزر جاتے ہیں۔

یہ کہہ کر خاں صاحب نے بچوں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور بہت دیر تک دُعا پڑھتے رہے، جب ہمارے خاں صاحب باہر آئے ہیں تو ان کی سُرمہ بھری آنکھیں آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ گھر سے اس طرح رُخصت ہوئے، جیسے یہ میدانِ جنگ کو جا رہے ہیں، خاں صاحب نے چلتے وقت، اپنے مکان کو کئی مرتبہ مُڑ کر دیکھا، خاں صاحب کا سامان دو آدمی اُٹھائے ہوئے تھے، میں اپنا سامان، اسٹیشن بھیج چکا تھا۔ خاں صاحب گاؤں کی گلیوں میں اس طرح تن تن کر چل رہے تھے، جیسے یہ کسی قلعہ کو فتح کرنے کیلئے جا رہے ہیں، خاں صاحب کے ساتھ گاؤں کے بہت سے لڑکے ہو لئے، لڑکے اشاروں ہی اشاروں میں، خاں صاحب پر پھبتیاں کس رہے تھے، اور خاں صاحب یہ سمجھ رہے تھے، کہ اُن کی شخصیت سے مرعوب ہو کر اتنے بہت سے آدمی، اُن کو اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے جا رہے ہیں۔ راستہ میں جو شخص بھی ملتا، خاں صاحب اس کو ایک خاص انداز کے ساتھ سلام کرتے اور ساتھ ہی ایک آدھ جملہ بھی ارشاد فرماتے۔

——— قاضی جی! بھئی! ہمارے گھر کی خیر خبر رکھنا، تم ہی لوگوں کے اوپر گھر چھوڑ کر سفر کر رہا ہوں۔

——— میاں علیم الدین! تم سیدزادے ہو، میرے لئے دُعا کرو کہ خدا مجھے خیریت کیساتھ گھر واپس لائے۔

——— پنڈت جی! نمائش میں ضلع کے حکام بھی آتے ہیں، تمہارے مقدمہ میں ڈپٹی صاحب سے سفارش کروں گا۔ گھبرانا نہیں، بس ذرا میرے علی گڑھ پہونچنے کی دیر ہے، پھر تو یہ حاکم لوگ اپنی مٹھی میں ہیں۔

——— بھائیو! زمانہ خراب ہے، میرے پیچھے گاؤں میں کوئی جھگڑا نہ ہو جائے۔ آجکل کے نوجوان مفت کی لڑائی مول لیتے پھرتے ہیں۔

——— مہتاب خاں! ہمارے کھیتوں کی بھیّا! رکھوالی کرتے رہنا، یہ ہمارے گاؤں کے قصائیوں اور گڈریوں کی بکریاں اگر کھیت میں پہونچ گئیں تو فصل کو تباہ کر دیں گی۔

گاؤں کے ختم پر، گاؤں کے مکھیا کی چوپال تھی، بہت سے لوگ چوپال پر بیٹھے ہوئے حقہ پی رہے تھے، خاں صاحب کو دیکھ کر، مکھیا نے آواز دی کہ خاں صاحب!! ابھی تو ریل گاڑی کے چھوٹنے میں دیر ہے، دو چار کش حقہ کے لگاتے جائیے۔ خاں صاحب یہ سُنکر چوپال پر پہونچے، مکھیا نے خاں صاحب کے سامنے حقہ پیش کیا اور، خاں صاحب نے

دو چار کشوں میں دھوئیں اڑا دیئے۔

——— ہمارے خاں صاحب اس عمر میں بھی ماشا اللہ! کتنے سجیلے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے قدرے مسکرا کر کہا۔

یا تو خاں صاحب اسٹیشن پہونچنے کے لئے جلدی کر رہے تھے، اور اب اپنے حسن و جمال کی تعریف سُننے کے بعد، چارپائی پر جم کر بیٹھ گئے، اور فرمانے لگے:———

——— ارے! تم تو میرے سامنے پیدا ہوتے ہو، تم نے میری جوانی کہاں دیکھی ہے، ان (مُکھیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) سے پوچھئے میری جوانی کا حال، پورے ضلع میں، مجھ سے زیادہ خوبصورت اور دیدارُو جوان ایک بھی نہ تھا، اب تو بھیّا! ڈھلی ہوئی جوانی ہے۔

یار لوگوں نے خاں صاحب کی باتوں سے لُطف اُٹھانے کیلئے، بات میں بات نکالنی شروع کی۔ اور خاں صاحب نے بڑھ بڑھ کر جواب دیئے۔ میں نے جیسے تیسے خاں صاحب کو اُٹھایا، اسٹیشن، مکھیا کی چوپال سے تھوڑی دور تھا۔ چند منٹ میں ہم وہاں پہنچ گئے۔ ہم جیسے ہی اسٹیشن پر پہونچے، لائن کلیر کی گھنٹی بجنے لگی، میں نے خاں صاحب سے کہا کہ آپ سامان کو دیکھتے رہئے۔ میں ٹکٹ لینے جاتا ہوں، خاں صاحب نے ازاربند میں روپے خوب کس کر باندھ لئے تھے، اب گھبراہٹ میں ازاربند کی گرہ نہ کھلتی تھی، خاں صاحب پسینہ پسینہ ہو رہے تھے، اور اب ہاتھوں کے بجائے دانتوں کی باری آگئی تھی، بڑی مشکل سے جیسے تیسے ازاربند کی گرہ کھلی، خاں صاحب نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے، ایک روپیہ ہمارے حوالہ کیا اور بیسیوں گالیاں اپنے گھروالوں کو سُنا ڈالیں۔

میں نے اس خیال سے کہ خاں صاحب اُول جلُول آدمی ہیں، ریل کا ٹکٹ ممکن ہے کہ گھبراہٹ میں کہیں کا کہیں رکھ دیں، خاں صاحب کا اور اپنا ٹکٹ، اپنے پاس ہی رکھ لیا، جب میں بکنگ آفس سے واپس ہٹا تو خاں صاحب نے ٹکٹ کا تقاضا کیا، میں نے کہا کہ آپ کا ٹکٹ میرے پاس ہے، آپ گھبرائیں نہیں۔ اطمینان رکھیں، اس پر خاں صاحب نے فرمایا کہ:

——— میاں منظور! میرا ٹکٹ میرے حوالے کیجئے، میں اپنا ٹکٹ اپنے قبضہ میں کئے بغیر، ریل گاڑی پر قدم بھی نہ رکھوں گا۔ مجھے تمہارا ہر طرح اطمینان ہے۔ مگر بھائی! یہ ریل کے سفر کا معاملہ ہے، ذراسی دیر میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔

میں نے دیکھا کہ خاں صاحب کسی طرح مانتے ہی نہیں، اور ان کی کٹ حجتی کا انداز تدریجاً تیز ہوتا جا رہا ہے، تو میں نے ان کا ٹکٹ ان کے حوالے کر دیا۔ خاں صاحب نے اپنے ٹرنک کو کھولا، اور شیروانی کی جیب میں ٹکٹ کو رکھ دیا۔ گاڑی کی آمد آمد کی خبر پاکر بہت سے گنوار مسافر بہت دیر پہلے تیار ہو کر کھڑے ہو گئے، خاں صاحب نے بھی ان لوگوں کا ساتھ دیا، اور مجھے نصیحت فرمانے لگے:———

——— اس اسٹیشن پر گاڑی بہت کم دیر ٹھیرتی ہے، بھائی، بیٹھنے میں جلدی کرنا اور ہاں اسباب اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا، ریل کے چور بڑے دیدہ دلیر اور ہوشیار ہوتے ہیں، ذرا نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا! اور ہاں! بھیّا پہلے مجھے گاڑی میں بٹھا دینا، اُس کے بعد تم بیٹھنا۔ اور دیکھو! ایک مرتبہ اسباب کو گن لو، دونوں کے سات عدد ہیں ———

تھوڑی دیر میں گاڑی آگئی، میں اور خاں صاحب ایک ڈبہ پر پہونچے، جو مسافروں سے بھرا ہوا تھا: مسافروں نے ہمکو دیکھتے ہی چلانا شروع کیا۔

یہاں بالکل جگہ نہیں ہے، کسی اور ڈبہ میں جائیے، انجن کے پاس کے ڈبے خالی ہیں۔

اس پر خاں صاحب نے نہایت عاجزی کے ساتھ کہنا شروع کیا:—

——— بھیّا! ہم تمہارے ڈبہ میں بیٹھیں گے نہیں، علی گڑھ تک کھڑے ملیں گے، خدا کے لئے ہمیں جگہ دیدو، ہم کل دو آدمی ہی تو ہیں۔

مگر ریل کے مسافروں کے دل ایسی باتوں سے کب پسیجتے ہیں خیر! کئی ڈبوں کے بعد ایک ڈبہ میں جگہ ملی، خاں صاحب جلدی سے ڈبہ میں چڑھ گئے، میں نے آدمیوں سے سامان لے کر، ڈبہ میں رکھا، خاں صاحب پر پوری طرح گھبراہٹ طاری تھی۔ اُنہوں نے بیچ کی سیٹ کو پھلانگ کر، دوسری طرف جانے کی کوشش کی کہ اُن کا پیر پھنس گیا، اور دھڑام سے گر پڑے، ڈبہ کے ایک گوشہ سے آواز آئی:———

"مُرغا ہے مُرغا———!"

میں نے جھپٹ کر خاں صاحب کو اُٹھایا، اور خاں صاحب نے ریل کے ڈبوں کی ساخت پر ایک طویل لیکچر دے ڈالا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ خاں صاحب نے کس طرح نمائش دیکھی؟ اس کے لئے کسی دوسری اشاعت کا انتظار فرمائیے———!

فریبِ دنیا

از رئیس الشعراء حضرت ضمیر عمادی مجیبی عظیم آبادی

بنگاہِ کیف ہیں گو لالہ زار ہے دنیا / مگر یہ حرص و ہوا کی بہار ہے دنیا
نہ آؤ دام میں بے اعتبار ہے دنیا / گلوں کے پردے میں اک مشتِ خار ہے دنیا
سکوں بھی اسکا نہیں اضطراب سی خالی / ثبات اس کو نہیں بے قرار ہے دنیا
ہزاروں داغ ہیں سینے میں اسکے پوشیدہ / نہ جانیں کس کے لئے دلفگار ہے دنیا
دغا فریب کا بازار گرم ہے اس میں / سمجھ رہے ہو عبث مالدار ہے دنیا
فریب نکہتِ گل سے تو مست ہر نادان / یہ تیری فکر میں لیل و نہار ہے دنیا
شمیم اس کی لبھاتی ہے حرص والوں کو / سمجھ رہا ہے کہ ہاں مشکبار ہے دنیا
جو راہ حق میں مٹاتے ہیں اپنی ہستی کو / نظر میں اُن کی فقط اک غبار ہے دنیا
پھنسائے لیتے ہیں خاروں میں اسکے جو دامن / نظر میں اُن کی گلِ نو بہار ہے دنیا
کسی کو چین سے رہنے دیا نہ تا بہ حیات / قرار اس کو نہیں بے قرار ہے دنیا

ضمیر دیکھو لگاؤ نہ دل کبھی اس سے!
خزاں رسیدہ چمن کی بہار ہے دنیا

انسان کی قیمت چھ روپیہ

انسان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ جان ہی کو بہت قیمتی چیز سمجھا جاتا ہے اور اس کے لئے انسان اپنی تمام مال و دولت قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ مگر علم کیمسٹری کے ماہروں اور سائنس والوں نے انسانی بدن کے اجزا کی تحلیل و ترکیب کرکے بتایا ہے کہ وہ کن کن اجزا سے بنا ہے اور وہ چیزیں کس مقدار میں ہیں وہ سب ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) چربی ایک اوسط آدمی میں جس کا وزن ۱۴۰ پونڈ ہے اتنی مقدار میں ہوتی ہے کہ اس سے صابون کی دس ٹکیہ بہ آسانی بنائی جاسکتی ہیں۔

(۲) لوہا اتنا کافی ہوتا ہے کہ جس سے ایک درمیانی درجہ کا آنکڑا یا ٹکھہ بنایا جاسکتا ہے۔

(۳) شکر اتنی کافی مقدار میں ہوتی ہے کہ جس سے ایک شکر دانی بھر جائے۔

(۴) چونا اتنا کافی ہوتا ہے کہ اس سے ایک مرغابی دھوئی جاسکے

(۵) فاسفورس اسقدر کہ اس سے ایک ہزار دیاسلائیاں (کاڑی) بنائی جاسکیں۔

(۶) میگنیزم اتنا کہ ایک خوراک ملک کیلئے کافی ہوسکے۔

(۷) گندھک اس قدر کہ جس سے ایک چھوٹے کتے کے پسو مر جائیں۔

یہ سب چیزیں اسی مقدار میں بدن میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ان سب چیزوں کو علیحدہ علیحدہ بازار میں خرید ا جائے تو ان کی مجموعی قیمت کسی طرح چھ روپیہ سے زیادہ نہیں ہوسکتی

سلطان احمد صدیقی

ایک گنہگار انسان خدا کے حضور میں

از جناب شاہزادہ ابان

پیشِ نظر مضمون میں بندہ و آقا کے مابین گفتگو ہے، جسے آپ ایک ٹھوس حقیقت کہئے تو بیجا نہیں اور جسے آپ کسی اعتبار سے گستاخی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ اپنے خالق سے چند سوال و جواب ہیں جو اصولی اعتبار سے درست ہیں جبکہ خود اس نے کہا ہے کہ جو کچھ تمہیں کہنا ہے مجھ سے کہو۔ میں تمہارے نزدیک ہوں سنونگا بشرطیکہ تم میں اتنی جسارت ہو کہ مجھے مخاطب کر سکو۔ میرے پیشِ نظر محشر کا وہ منظر ہے جہاں شاید ہر عقیدہ کے اعتبار سے پروردگار عیب و ثواب کی سزا و جزا دیگا۔ اگر یہ حقیقت سے اور اسے محض ہمارے گرد و پیش کے ماحول کو ہموار اور خوشگوار بنانے کیلئے ایک نوعیت کی افسانہ گوئی سے کام نہیں لیا گیا تو ہمیں حق ہے کہ ہم اپنے مالک سے ہر سوال کا جواب دیں ———

منظر:

ایک لامحدود میدان میں انسانوں کا سمندر موجزن ہے۔ دور بہت بلند دھندلکے میں ایک درخت دکھائی دے رہا ہے جسکی شاخیں جھک کر زمین میدان کو بوسہ دے رہی ہیں یا یوں کہئے کہ وہ بھی سربسجود ہیں۔ ہر شخص کی نظریں اسی درخت کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ شاید یہ وہی مقام ہے جہاں سے پروردگار عالم خالقِ دوجہاں کرسئ عدل پر بیٹھ کر عیب و ثواب کی سزا و جزا دیگا ———

تھوڑی دیر کے بعد ایک پُرجلال آواز نے سکوت کو توڑا۔ یعنی پروردگار عالم نے فرشتۂ خصوصی کو حکم دیا کہ میرے انسانوں کو حاضر کرو۔ فرشتہ حسبِ حکم مختلف لوگوں کو لے آیا اور خدا نے ان کے گناہ و ثواب کے ماتحت جہنم و جنت کے دروازے کھول دیئے۔ بعض شاداں انتہائی مسرت میں اپنی زندگی کی کامیابی پر نازاں جنت میں داخل ہوئے جہاں ان کے لئے وہ سب کچھ موجود تھا جس کا وعدہ خدا نے روزِ ازل سے کیا تھا یا یوں کہئے کہ جس وعدہ فردا کی خاطر انہوں نے اپنی تمام زندگی زہد و تقوٰی میں گذار دی۔ یا خیالِ حور میں بظاہر معبود کو اور باطن میں اپنی خواہشاتِ نفسانی کو سجدہ کرتے رہتے، جس کی شاہد ان کی وہ جبیں ہے جس پر ان کے گناہ آلود دل کی سیاہی سمٹ کر ان کی حالتِ دل کی آئینہ دار ہے ——— اور بعض مغموم و افسردہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے آخری بار اشک ریز نظروں سے پروردگار عالم کو دیکھتے ہوئے پابجولاں درِ جہنم کی طرف بڑھ رہے تھے جس میں کبھی نہ ٹھنڈی ہونے والی آگ کے فلک گیر شعلے ان کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ اس جہنم میں بھی وہ سب کچھ موجود تھا جس کے متعلق خالقِ اکبر نے ابتدا سے انتہا تک بتایا تھا۔ اس میں جانے والے وہ غم نصیب انسان تھے جو قدرت کی ودلیت کردہ قوتوں کا ہمیشہ جائز استعمال کرتے رہے۔ جنہوں نے شب و روز کی تگ و دو مسلسل جدوجہد اور مکمل سعی سے حقیقتاً خالق کی بخشی ہوئی حیات، قوت، دماغ، عقل، دل، ارادے، استقلال اور ہمت کو بامِ ارتقا پر پہنچایا نہ کہ ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر، رات دن اپنے پیدا کرنیوالے کو فریبِ عبادات دیکر اپنے زہد و تقوٰی کو عالم میں پھیلانے کی سعی ناتمام کی ———

اصولی طور پر معبود کو اپنی شانِ عدل دکھانا منظور تھی۔ اس نے انکی ریائی عبادت کو بھی بنظرِ استحسان دیکھا اور اس کے بدلے ان پر جنت کے دروازے وا کر دیئے، مگر شانِ جباریت دکھانے کیلئے ان جدوجہد کرنے والے انسانوں، منزل کی جانب بڑھنے والے اولوالعزموں۔ ملک و قوم کے بہادر سپوتوں اور اس کی صحیح شانِ خداوندی کو عالم آشکار کرنے والوں کو محض اسلئے جہنم میں دھکیل دیا کہ تبدیلئ اوقات کے ساتھ وہ بھی اپنا لائحہ عمل بدلتے رہے۔ شاید خدا نے فیصلہ سناتے وقت اپنی رحمتِ تمام کو نظر انداز کر دیا گو اسوقت وعدۂ خالق کے ایفاء ہونے کا بھی وقت تھا کہ وہ اپنے گنہگاروں کو اپنے دامنِ رحمت میں چھپا لیگا۔ مگر قوتِ رحمت پر زورِ جباریت غالب آیا، اور پروردگار عالم نے اپنے وعدے کے مطابق ان لکھوکھہا انسانوں میں سے ایک کو بھی نگاہ بندہ نواز سے نہ نوازا یعنی اپنی رحمتِ تمام کے زیرِ سایہ کسی ایک پر بھی درِ جنت وا نہ کیا ———

جب فرشتے حسبِ حکم باری تعالٰی سب کو جنت و جہنم میں پہنچا چکے تو دور خرابے کے پاس ایک نحیف و ناتوان انسان کو دیکھ کر حضورِ باری تعالٰی میں آکر اس انسان کے حاضر کرنے کے متعلق اجازت طلب کی پروردگار عالم کی نظریں اس خرابے کی جانب اٹھیں ——— دیکھا ——— اور حکم دیا ——— کہ حاضر کرو ——— فرشتے چشم زدن میں اس پریشان حال انسان کو خدا کے حضور میں لائے۔ پروردگار عالم نے پوچھا۔

خدا ۔ تم جانتے ہو کہ تم کس کے حضور میں کھڑے ہو۔

انسان ۔ کسی کے حضور میں نہیں ۔

خدا ۔ گستاخ ، تو اپنے خالق کے سامنے ہے ۔

انسان ۔ خالق ـــــ اور ـــــ محدود ـــــ

خدا ۔ وہ لامحدود ہے ۔ دُنیا کے ہر ذرے ذرے میں اور ہر جگہ پر اس کا مقام ہے ۔ وہ تمام عالم پر چھایا ہوا ہے ۔

انسان ۔ لامحدود ہستی کسی ایک جگہ محدود ہو کر مصروفِ تکلم نہیں ہو سکتی ۔ شاید خالق نے اس درخت کو قوتِ گویائی بخشی ہے جو انسانوں سے حسابِ عیب و ثواب طلب کر رہا ہے ۔

خدا ۔ گستاخ ، تیرا پروردگار اپنے وعدۂ ازلی کے ماتحت اپنی ایک قوتِ خاص سے تجھے عیب و ثواب کی سزا و جزا دینا چاہتا ہے ۔

انسان ۔ خدا معاف ، اگر سزا و جزا ہی دینا منظور تھی ۔ تو خدا ابتدا سے انتہا تک بہتر جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ۔ وہ سب کچھ تیری ودیعت کردہ فطرت کا مرہونِ منت ہے ۔ اے جان و دل کے مالک ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے زندگی میں جو کچھ کیا وہ تیرے ایما سے کیا ۔ خیر و شر ۔ عقل و تمیز سب تیرے پیدا کردہ ہیں ۔ اگر میں گنہگار ہوں تو تُو نے کیوں نہ قوتِ امتیاز بخشی ۔

خدا ۔ ہم نے تمہیں جو کچھ بخشا تھا ۔ اس کا امتحان تمہیں دُنیا میں بھیجکر لینا مقصود تھا ـــــ بتاؤ ـــــ کہ تم نے زندگی میں ایک بار بھی اپنے معبود کو سجدہ کیا ۔ کسی حالت میں بھی اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا ۔ اگر نہیں تو بتاؤ تمہیں یہ جرأتِ سوال و جواب کیوں ـــــ

انسان ۔ میرے مالک اگر تجھے عبادت کی ضرورت تھی تو تیری دنیا میں اور سینکڑوں اقسام کی مخلوق تھی ۔ کیا یہ ضروری تھا کہ انسان کو پیدا کر کے اسے اپنے معبود ہونے کا اس طرح جبری ثبوت دیتے ۔ خدا کو ایسی تمام پابندیوں اور قیود سے بے نیاز ہونا چاہیئے ـــــ

خدا ۔ تمہارے نامۂ اعمال میں ہمارے سامنے ایک بھی ایسی نیکی نہیں جس سے تمہاری بخشش ہو سکے ۔

انسان ۔ میرے پروردگار ۔ نیکی پر بخشش تمہارا کوئی احسان نہیں ۔ وہ ہماری جنسِ عمل کی قیمت ہے ۔ اگر ان گناہوں اور اس فردِ عصیان پر بخشو تو معلوم ہو کہ تم رحیم ہو تاکہ ہمیں تمہاری بخشش اور گناہوں کا اندازہ ہو جائے ۔

خدا ۔ ایسا گستاخ انسان جسے اپنے معبود سے بات کرنے کا سلیقہ نہ ہو ، کسی صورت میں قابلِ بخشش نہیں ۔

انسان ۔ پروردگار مجھے بخشش کی آرزو نہیں ۔ صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ تمہارے نظامِ عالم کے ماتحت تمہاری ودیعت کردہ فطرت کے تقاضا کے زیرِ اثر اگر میں نے کوئی کام کیا تو اس میں میری کوئی خطا نہیں ۔ میرے نزدیک وہ اقدام صحیح اور قطعی جائز ہے لیکن تمہارے نزدیک گناہ ـــــ ایسے گناہ ریزہ تقاضوں سے مجبور و لاچار کرنا ہی تیری شانِ خداوندی ہے تو میں ہر سزا کیلئے تیار ہوں ـــــ

خدا ۔ گستاخ ہم نے تمہیں زندگی عطا کی اور زندگی کو دولتِ احساس بخشی پھر بھی تمہیں اپنے خالق کے سامنے ایسی گفتگو سے شرم نہیں آتی ۔

انسان ۔ پروردگار یہ سب کچھ تسلیم ، لیکن تیری عطا کردہ زندگی کو اسی ضیائے دل کی روشنی میں عدم کی منزل پر لے آیا جو تیرا مسکن ہے تیرا پرتوِ نور ہے ۔ جو دل نے کہا کیا ۔ پھر اس میں میری کیا خطا ـــــ

~~~~~~~~~~~~~~~~~

پروردگار کو اسکی حاضر جوابی پر رحم آیا اور فوراً فرشتۂ خصوصی کو طلب کر کے کہا ۔

خدا ۔ اسے جنت کے بہترین حصہ میں لیجاؤ جہاں اسے ہر لذت میسر ہو سکے ۔ پھر انسان کی جانب مخاطب ہو کر

~~~~~~~~~~~~~~~~~

خدا ۔ جاؤ ہماری شانِ بندہ نواز نے تمہیں بخش دیا ۔

انسان ۔ اس کا شکریہ ۔ لیکن میرے مالک مجھے جنت کی خواہش نہیں ۔

خدا ۔ تو لے جاؤ اسے جہنم میں ڈال دو ۔

انسان ۔ نہیں پروردگار مجھے اسی میدان کے اس خرابے میں چھوڑ دیا جائے ۔ میری جنت یہی ہے ۔

خدا ۔ کیوں ۔

انسان ۔ پروردگار تمہاری عطا کردہ زندگی دنیا میں ہمیشہ ہنگاموں سے دوچار رہی ۔ اسے سکون کبھی میسر نہیں ہوا ۔ مجھے تنہائی کی ضرورت ہے ۔

شانِ بندہ نواز مسکرائی ۔ آغوشِ رحمت وا ہوئی اور اس گستاخ انسان کو اسکی طلب کردہ جگہ پر بھیج دیا جہاں پروردگار کے حکم سے ہر وقت ایک فرشتہ اس انسان کی خدمت کیلئے کھڑا رہتا ۔

اسی وقت تمام مخلوق کو پھر میدانِ حشر میں طلب کیا گیا اور پروردگار نے سب کو مخاطب کر کے کہا ۔

خدا ۔ ہماری عزیز مخلوق تمہیں اپنے عیب و ثواب کے مطابق سزا و جزا ملی لیکن دیکھو اس انسان کو جسکی تمام عمر عجیب ہنگاموں میں گذاری لیکن اس نے اپنے مالک سے طلبئی حقوق کیلئے اس جسارت سے کام لیا جو تم میں موجود نہ تھی ہمیں اس چیز کی ضرورت تھی ہمیں یہی دیکھنا تھا کہ ہماری مخلوق میں کوئی انسان بھی ایسا ہے جو ہمیں اپنے قریب پا کر اپنے من مانے حقوق طلب کرے ۔ یہی عین زندگی ہے ۔ یہی صحیح شعور ہے ۔ مانگو ـــــ ہم سے طلب کرو ۔ ـــ ہماری رحمتیں ہر وقت * تمہارے لئے وقف ہیں لیکن مانگنے کی صلاحیت پیدا کرو ۔ کہنے کی جرأت پیدا کرو ۔ ہماری بخشش کے دروازے تمہارے لئے ہر وقت وا ہیں *

آہ میں کس طرح کہہ دوں۔ کہ میں تیری جانب نہیں دیکھ رہا۔ تو میری دزدیدہ نگاہوں کو اپنے حسن سے آسودہ ہوتے دیکھتی ہے اور جانتی ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں پھر میں کس طرح کہدوں کہ یہ غلط ہے۔

تیرے دروازے کی طرف ٹکٹکی لگائے گھنٹوں بیٹھا رہتا ہوں۔ تاآنکہ تو اپنی شرر باریوں کو شعلہ ریز کرتی ہوئی۔ قیامت بداماں۔ خراماں خراماں۔ ساڑھی کا پلو حنائی انگلیوں میں تھامے آجاتی ہے۔ تیرا ہر قدم ایک موسیقی ہے جسکی جھنکار اور زیروبم کے ساتھ میری رگ رگ میں خون بجلی کی طرح کوندنے لگتا ہے میں بدحواس ہو کر نہیں جانتا کہ اس موسیقی سے روح کو آسودہ کروں۔ یا تیرے برف پوش حسن سے اپنی پیاس کو بجھاؤں۔ آہ! مگر یہ تشنگی دور نہیں ہو سکتی۔ میں جلتا ہوں اور بجھتا ہوں۔ مٹتا ہوں اور تباہ ہوتا ہوں۔ مگر ایک امید ——— تجھ سے ملنے کی امید۔ میری ناکام آرزوؤں کو سہارا دیتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا تجھ سے ملنا ناممکن ہے۔ اور پھر بھی مٹتا ہوں۔ تیری ہر جنبش پہ تباہ ہوتا ہوں۔ اور تو سب کچھ جانتے ہوئے بھی آنکھ چرا کر گزر جاتی ہے۔

تو جانتی ہے کہ میں تیرے ہی انتظار میں باغ کے دروازے پر تجھ سے پہروں پہلے موجود رہتا ہوں۔ کہ شاید بے خبری میں تو بے حجابانہ اسطرف آنکلے۔ اور وہ حیا جو مجھ کو تیرے جلووں سے محروم رکھتی ہے۔ دامنگیر ہونے سے پہلے تجھے اپنی روح میں جذب کر لینے دے۔ مگر تو آنکھیں جھکائے پاس سے گزر جاتی ہے۔ اور میں دل کو تھام کر رہ جاتا ہوں۔ تو نہیں جانتی کہ جب تو اپنی شبنمی آنکھوں کو اپنی گھنی پلکوں کے پردہ میں پوشیدہ کر لیتی ہے۔ تو تیرا حسن صبیح اک غنچۂ خوابیدہ کی طرح مسکرانے پر تیار ہو جاتا ہے۔ آہ! فقط یہ ایک کیفیت ہی۔ میرے تباہ کر دینے کو کافی ہے۔ مگر تو لاپرواہی سے منہ پھرائے گزر جاتی ہے۔ تجھے خیال تک نہیں آتا۔ کہ ایک بے قرار دل تیرے قدموں میں تڑپنے کے لئے بے چین اور مضطرب ہو رہا ہے ——— میں دیکھتا ہوں اور برباد ہوتا ہوں ——— تو جانتی ہے اور خاموش رہتی ہے۔ پھر کسطرح کہدوں کہ تجھے اس کا علم نہیں۔

میں جانتا ہوں کہ میں تجھے حاصل کرنے کا کبھی خیال تک بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ تو ایک عظیم المرتبت ہستی ہے۔ اور میں ایک نادار سائل۔ اور پھر بھی میں ہاتھ پھیلاتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ یہ روگ لادوا ہے۔ اور پھر بھی اس پر زندگی لٹائے دیتا ہوں۔ آہ! میں جانتا ہوں۔ کہ میں اپنے تخیلات میں گم تجھے اپنے حسین خوابوں کی ملکہ سمجھ رہا ہوں۔ جس کی تعبیر محض یاس ہوگی ——— اور پھر بھی مدہوش ہو رہا ہوں۔ میں یہ سب کچھ دیکھتا ہوں۔ اور محسوس کرتا ہوں۔ لیکن پھر بھی مٹتا ہوں اور تباہ ہوتا ہوں۔ جلتا ہوں اور برباد ہوتا ہوں کہ میری زندگی اسی میں ہے۔

میں نے اپنے دل کا راز کبھی تیرے سامنے بیان نہیں کیا۔ لیکن پھر بھی میں جانتا ہوں کہ تو اس بھید سے آگاہ ہے۔ تو نے کبھی مجھ سے بات نہیں کی۔ لیکن مجھے علم ہے کہ تیری آواز موسیقی سے زیادہ خوش آہنگ اور نغمہ سے زیادہ جاں نواز ہے۔ میں نے کبھی تجھے بے حجاب نہیں دیکھا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ایک شعلۂ جوالہ تیرے نقاب کے پردے میں لرز رہا ہے ——— آہ! لیکن اگر کبھی تو مجھے اپنا حالِ دل سنانے کی اجازت دے دے۔ اگر تو مجھ سے ہم گفتار ہو جائے۔ اگر میرا بخت واژگوں کبھی تجھ کو بے نقاب دیکھ لے۔ تو تو جان لے کہ وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا ——— کہ ان تمام صاعقوں کو عریاں دیکھ کر ان کی تاب لانا سخت دشوار ہے۔

آہ! سوادِ بمبئی تجھے واپس بلا رہا ہے۔ اور تو چند دن تک وہاں چلی جائے گی۔ وہ حسن و عشق کا گہوارہ تیرے لئے منتظر آغوش کھولے کھڑا ہے۔ کراچی کی بے رونق فضائیں تیرے رہنے کے قابل نہیں ——— جا! تیری نزہتوں سے ساحل آسودہ ہو۔ تیری رنگینیاں شاداب مرغزاروں میں طوفانِ رنگ و بو پیدا کریں ——— مگر ایک غریب بھکاری کی خالی جھولی میں صرف اتنی خیرات ڈالتی جا کہ ایک مرتبہ ——— ہاں بس ایک مرتبہ، آخری مرتبہ ——— اس سے دو باتیں کر لے ——— کہ میں زندگی کے اس آخری سانس کے لئے دنیا کی سب آسائشیں قربان کر دینے کو تیار ہوں۔

——— تیرا

اقبال ———

کیا سمجھا تھا میں!

خاص مست قلندر کیلئے

از حاجی نبی احمد صاحب بریلوی

دل کو محفوظِ بلا سے دو جہاں سمجھا تھا میں
غم سے ہوگا پارہ پارہ یہ کہاں سمجھا تھا میں

اے زہے قسمت کہ ضبطِ عشق کام آہی گیا
ہر نفس کو اپنے مجبورِ فغاں سمجھا تھا میں

اس نے خود ہی کر دیا آمادہ عرضِ حال پہ
ورنہ اُس محفل میں خود کو بے زباں سمجھا تھا میں

ہوگئی حاصل حیاتِ جاوداں بعدِ فنا
زندگی کو اپنی بے نام و نشاں سمجھا تھا میں

کیا خبر تھی جلوہ فرما ہیں وہ میری رُوح میں
جستجو کو اپنی مطلق رائگاں سمجھا تھا میں

یہ نہ تھا معلوم کر جائیں گی خاکستر مجھے
بجلیوں کو بھی بہارِ آشیاں سمجھا تھا میں

آہ یہ گردش کہ میں ہوں پھر شکارِ بیکسی
مہربانی کو تمہاری جاوداں سمجھا تھا میں

برہمی کی نذر ہو کر رہ گئی ھر آرزو
تیری نظروں کو انیس قلب جاں سمجھا تھا میں

جانے دنیا بھر میں کس نے کر دیا رُسوا مجھے
دو جہاں کو اپنے غم کا رازداں سمجھا تھا میں

خوبصورت بنو اور خوبصورتی قائم رکھو

جناب سُلطان احمد صاحب صدیقی گورکھپوری

وٹیامن اے (A) جو سبز ترکاریوں فواکہات پھلوں - دُودھ اور مکھن میں پایا جاتا ہے اسکے استعمال سے آنکھیں چمکدار اور خوبصورت رہتی ہیں - گیہوں انڈے اور خمیر میں وٹیامن بی (B) پایا جاتا ہے اس کے استعمال سے چہرہ کی رنگت صاف ہوتی ہے - ٹماٹر نارنگی - لیموں - انگور اور پھلوں میں وٹیامن سی (C) کثیر مقدار میں پایا جاتا ہے - ان کا استعمال چہرہ میں چمک اور خوبصورتی پیدا کرتا ہے مکھن انڈے اور اس کی زردی میں وٹیامن ڈی (D) ہوتا ہے جو کہ بالوں اور دانتوں کو گرنے اور ٹوٹنے سے محفوظ رکھتا ہے - پالک کا ساگ - کاہو کے سلاد میں وٹیامن ای (E) دل و دماغ کو تراوٹ اور تازگی بخشتا ہے - وٹیامن ایف (F) جسمانی اعضا کو دیگر بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے اور یہ کثیر مقدار میں گیہوں تازہ دودھ اور ـــــــ مکھن ـــــــ میں ہوتا ہے۔

میرے خاندان کے دو نایاب نسخے!

ان بیش قیمت نسخہ جات کو میں نے ایک تارک الدنیا سنیاسی سے حاصل کیا تھا جب سے لے کر اب تک بنا بنا کر کئی لوگوں کو فائدہ پہنچا چکا ہوں اب پہلی مرتبہ لکھو کھا بندگان خدا کی بھلائی کے لئے مست قلندر میں شائع کرا رہا ہوں - جو صاحب ان انمول موتیوں سے مستفیض ہوں وہ بندہ کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں - وہ نسخہ جات یہ ہیں

(۱) ہیضہ کیلئے جادُو اثر نسخہ :- نشاستہ ۲ ماشہ - کھریا مٹی ۲ ماشہ کتھ سفید ۳ ماشہ - بنانے کا طریقہ - مندرجہ بالا دواؤں کو خوب اچھی طرح باریک پیس کر اور اسکے بعد کپڑے میں چھان کر سفوف بنا کر ۲ رتی لعاب اسغول میں صبح اور ۳ رتی دوپہر اور ۲ رتی شام استعمال کریں۔

(۲) ہاتھ پاؤں پھٹنا اور ان کا علاج!

اکثر موسم سرما میں ہاتھ پاؤں پھٹ جایا کرتے ہیں ان کا علاج یہ ہے کہ مہندی کو پانی میں گھوٹ کر لگائیں اور تھوڑی دیر بعد اسکو دھو کر ارنڈی کا تیل لگا دیں - بہت جلد فائدہ ہوگا ۔ (ہری لال سنگھ)

تبت میں لاشوں کو دفنانے کی رسم ہے نہ جلانے کی۔ بلکہ چیر پھاڑ کر گوشت جنگلی پرندوں کو کھلا دیتے ہیں۔ یہی نظارہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو حیران رہ گیا، وہ ایسا کیوں کرتے ہیں، یہ دریافت کرنے پر انہوں نے مجھ کو بتایا کہ اگر لاشوں کو اس طرح چیرا پھاڑا نہ جائے تو ڈر ہے کہ شاید ارواحِ بد ان میں داخل ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے نہایت اعلیٰ درجہ کے مقدس لاماؤں کی لاشوں کے بھگتان کا یہی طریقہ اس ملک میں رائج ہے ان لاماؤں کی لاشوں پر البتہ پگھلے ہوئے مکھن کی مالش کرنے کے بعد ان کو سالم کا سالم دفن کر دیتے ہیں اس کی وجہ یہ سننے میں آئی ہے کہ ان مقدس لوگوں کے بدن میں ارواح بد کسی حال میں داخل نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ ان کے سامنے بے بس ہوتی ہیں اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لاماؤں کی لاشیں خانقاہوں کے اندر دفن کی جاتی ہیں اور اس جگہ چونکہ بار بار منتر پڑھے جاتے ہیں اس لئے ارواحِ بد خانقاہوں کی حدود میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ معمولی شخصوں کی حالت میں چونکہ اس قسم کی احتیاط عمل میں لائی جانی ناممکن ہے اسلئے اگر ان کی لاشوں کو معمولی طور پر دفن کیا جائے تو نتیجہ خطرناک ہو۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ جادوگر بد ارواح پر غیر معمولی اختیارات رکھتے ہیں۔ اور کبھی کبھی کسی بد روح کو اس مطلب کے لئے بھیج دیتے ہیں کہ وہ کسی مرے ہوئے آدمی کی لاش میں داخل ہو جائے اس عمل کو روکنے کا واحد ذریعہ ان لوگوں کے نزدیک یہی ہے کہ لاش کو اس کی صحیح حالت میں رہنے ہی نہ دیا جائے نہ روح بد کے سمانے کی جگہ ہوگی نہ وہ اس میں گھر بنا سکے گی۔ وہی موٹی مثل ہے نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری۔

مخفی نہ رہے کہ یہ خیال فقط اہلِ تبت میں ہی نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ہیٹی کے جزیرہ میں بھی جہاں کے لوگ لاش کو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر پہ بھری ہوئی بندوقیں لیکر پہرہ دیتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو لاش کے گلنے سڑنے کا عمل شروع ہونے سے پیشتر کوئی جادوگر اس پر قابو پاکر اس میں روحِ بد داخل کرنے کی کوشش کرے۔

میں نے دیکھا ہے کہ تبت میں انسانی ہڈیاں بھی کارآمد گنی جاتی ہیں ان کی بہ سے مالائیں دھوپ دان اور کبھی کبھی گلے میں پہننے کے ہار بنالئے جاتے ہیں بعض اوقات جادوگروں کے پاس ایسی لکڑیاں دیکھی جاتی ہیں جن پہ ایک یا کئی انسانی کھوپڑیاں لگی ہوئی ہوں۔

اسقدر حالات پڑھنے کے بعد کوئی صاحب یہ خیال نہ کریں کہ اہل تبت اپنے آپ کو یا اپنے ملک کو غیر مہذب خیال کرتے ہیں بالکل نہیں، دنیا کی دوسری قوموں کی طرح وہ بھی اپنے بارہ میں نہایت اچھی رائے رکھتے ہیں جتنا کم کسی شخص کا علم ہو اتنا ہی زیادہ دانا وہ اپنے آپ کو تصور کرتا ہے۔

کئی تبتی ایسے بھی ہیں جن کی رائے ہیں ان کا ملک دنیا بھر میں سب سے زیادہ مہذب ہے اس سے ایک مشہور فرانسیسی مصنف کا قول یاد آتا ہے جس نے تہذیب کی تعریف کرتے ہوئے اس سے ملتے جلتے خیالات ظاہر کئے ہیں۔

بعض تبتی خیال کرتے ہیں کہ ان کا غریب بنجر ملک دنیا بھر میں سب سے زیادہ زرخیز بلکہ گلزار عالم ہے اور محض اس وجہ سے ان کے بد باطن ہمسائے گاہ بگاہ تبت پر حریصانہ نظریں ڈالا کرتے ہیں کئی باشندگان تبت کی رائے میں ان کا ملک اتنا ہی طاقتور ہے جتنا مثال کے طور پہ انگلستان یا روس ایک چھوٹی سی تجارتی مہم جو سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کی سرکردگی میں تبت بھیجی گئی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک لاما نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ تبت اور ہندوستان کی ایک بڑی بھاری جنگ تھی۔

لیکن ان چند مستثنیات کے علاوہ عام اہل تبت اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ دنیا میں ان کے ملک کی صحیح حیثیت کیا ہے ان کے نزدیک طاقت کا تعلق زندگی کے مادی پہلو سے ہے اور مادی باتوں کو وہ بالکل خاطر میں نہیں لاتے۔ یہی باعث ہے کہ وہ اپنے حالات کو مادی سود پر بہتر بنانے کے معاملہ میں لاپروا ہیں۔ اور صحیح معنوں میں ترقی کرنے کا خیال ان کے ذہن میں نہیں آسکتا۔

ہندوستان کی ۳/۲ آبادی کی طرح تمام اہلِ تبت تناسخ یا آواگون کے قائل

لوگ ان کا عقیدہ ہے کہ ہم پیشتر دوسرے اجسام میں کسی زمین پر رہ چکے ہیں اور آئندہ پھر کئی بار اور دوسرے جسموں میں اس جگہ آئیں گے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ہستی انسانی لکھوکھا سال کی طوالت رکھتی ہے اور اس عرصہ دراز میں انسان کی اوسط عمر محض ایک دن کی صبح ہے۔ روح کبھی مرتی نہیں، البتہ ایک آدمی کے مرنے پر اس کے جسم سے نکل کر کچھ عرصہ آرام کرتی ہے۔ پھر کسی نئے پیدا ہونے والے بچے کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔

اہلِ تبت کا خیال ہے کہ جو بالغ آدمی مرتے ہیں انہوں نے اپنی زندگی میں جیسے اچھے یا برے کام کئے ہوں ان کے مطابق کئی سو سال تک دوزخ یا جنت میں رہتے ہیں اور اس طریقہ پر راحت و آرام یا دکھ تکلیف جھیل کر اپنے اگلے کرموں کا حساب صاف کرتے ہیں جب ایسا ہو چکتا ہے تب روح کسی نومولود بچہ کے جسم میں آتی ہے بچوں کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ اگر چھوٹی عمر میں مر جائیں تو انہوں نے چونکہ زندگی میں کسی طرح کے اچھے یا برے کرم نہیں کئے اس لئے انہیں دوزخ یا جنت میں رہ کر اپنا حساب پورا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اور وہ دوبارہ فوراً ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ تبت کے رہنے والوں کا خیال ہے کہ ایسی ارواح گذشتہ جنم کی یادداشت جنم میں لے جاتی ہیں بلکہ ان کا خیال یہ بھی ہے کہ بہت چھوٹا بچہ اچھی طرح جانتا ہوتا ہے کہ وہ اگلے جنم میں کس گاؤں میں پیدا ہوا تھا اور اگر اس کو پھر اسی مقام پر لے جائیں جہاں وہ پیشتر رہ چکا ہے تو وہ اپنے ماں باپ اپنے کھلونوں گھر کے برتنوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کو فوراً پہچان لے گا۔ اور اس کے اگلے جنم کے ماں باپ بھی اس کے بیان کی تصدیق کر دیں گے۔ واضح رہے کہ اس قسم کے واقعات تبت میں بکثرت ہوتے رہتے ہیں اس لئے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ کچھ لوگ ایک دوسرے سے مل کر محض اس لئے سازش کرتے ہیں کہ آس پاس ان کا چرچا ہونے لگے۔

اہلِ تبت کا عقیدہ ہے کہ جتنا زیادہ کوئی آدمی پاک ہو۔ اتنا ہی زیادہ وہ اپنے سابقہ جنم کی تفصیلات یاد رکھ سکتا ہے۔ اور اگر مابعد کی زندگی میں سابقہ زندگیوں کی یاد ذہن سے خارج ہی ہو جائے تو کم از کم اُن ارواح کی صورت میں جو ارتقا کا کافی اونچا درجہ حاصل کر چکی ہوں اس قسم کی یاد سات سال کی عمر میں ضرور موجود و قائم ہوتی ہے۔

اس قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے نیز یہ جانتے ہوئے کہ وہ ہر طرح پاک ہیں تبت کے سبھی لامے اس بات کے دعوے دار ہیں کہ انہیں اپنے تمام سابقوں جنموں کا حال پوری طرح یاد ہے۔ لیکن دوسری جانب تبت کے دانا لوگوں کو جو زیادہ تر خانقاہوں سے باہر رہتے ہیں میں نے کبھی اس بات کا دعوےٰ کرتے نہیں سنا کہ وہ اپنے سابقہ جنم کے حالات سے واقف ہیں۔ اگر کسی کو ایسے حالات معلوم بھی ہوں تو وہ ان کا ذکر کرتے ہوئے جھجکتا ہے ایسے لوگ درحقیقت پاکباز ہوتے ہیں۔ ان کو اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ اپنے آپ کو پاکباز ظاہر کریں اور اس پاکبازی کی تصدیق کے لئے گذشتہ جنم کی باتوں کا حال سچا جھوٹا جیسا اُن کو معلوم ہو بیان کرتے پھریں۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہلِ مشرق میں تناسخ کا جو مشہور عقیدہ پھیلا ہوا ہے اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ کیا منطق کی رو سے اس عقیدہ کو صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟

میں نے یہی سوال تبت کے دانا راہبوں میں سے ایک سے پوچھا تھا اس نے اسکا نہایت واضح اور صاف جواب اس طرح پر دیا۔ کہنے لگا۔

کیا زندگی اس چیز سے پیدا ہو سکتی ہے جو پیشتر زندگی نہ ہو؟"

میں نے جواب دیا "نہیں!"

"اچھا تو اگر آدمی کی روح نفی سے پیدا ہوتی ہے۔ تو ضرور وہ اسکے مرنے پر نفی میں شامل ہو جائے گی" شخص مذکور نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

اس پر اس کا ایک اور ساتھی کہنے لگا "اگر ہمیں آئندہ ہمیشہ زندہ رہنا ہے تو لازمی طور پر ہم زمانہ گذشتہ میں بھی زندہ رہ چکے ہوں گے"

اس میں شک نہیں کہ زندگی کی وحدانیت کا ایک نہایت اونچا نشان مسئلہ تناسخ کی صورت میں ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص کھلے دل کے ساتھ مسئلہ تناسخ پر غور کرے تو انانیت کو غیر انانیت سے جدا کرنے کا دھوکا فوراً مٹ جاتا ہے درحقیقت یہ دونوں چیزیں ایک ہی ہستی کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ اس لئے ایک کے ساتھ دوسرے کی نسبت جداگانہ سلوک کرنا اس طرح کا احمقانہ عمل ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بائیں بازو کے ساتھ دائیں سے مختلف سلوک کرے۔

لیکن انانیت کی بیداری مشکل سے انسان کا پیچھا چھوڑتی ہے۔ انسان کے اندر "میں" کا جو جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہ اپنی مرکزیت کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے ہر ایک چیز پر خواہ وہ گھاس کا تیرتا ہوا ایک تنکا ہی کیوں نہ ہو قابو پانے کی کوشش کرتا ہے مسئلہ تناسخ کا خیال انانیت کی غلط بیداری کو قوی بنا دیتا ہے۔ اور اس طریقہ پر بے خبری کی سی حالت میں دونوں حالتوں کا درمیانی فرق بڑھ جاتا ہے۔ اگر مسئلہ تناسخ پہ کھلے دل سے غور نہ کیا جائے اور ہم مرنے کے بعد پھر زندہ رہنے کا خیال سامنے رکھ کر من کو تسکین دینے کی کوشش کریں۔ تو دونوں حالتوں یعنی انانیت و غیر انانیت میں جو فرق ہے وہ اور بھی زیادہ

مضبوط ہو جاتا ہے ۔ صرف اُس حالت میں کہ نفع یا فائدہ کا ہر ایک خیال نظر انداز کر دیا جائے اور تناسخ کو محض ایک بلند و ارفع نشان سمجھتے ہوئے اس کو اپنی ذاتِ واحد کے لئے ذریعۂ حفاظت خیال نہ کیا جائے تو صرف اس صورت میں زندگی کی نسبت خود غرضانہ خیال باطل کا ازالہ ممکن ہے ۔

مختصر یہ کہ تناسخ ایک بلند و ارفع نشان ہونا چاہئے ۔ حالانکہ در حقیقت بیشتر حالات میں اس کو فقط اپنی ذات واحد کے لئے ذریعہ حفاظت بنایا جاتا ہے ۔ اگر کوئی فردِ خاص دوسروں کو اس لئے تکلیف پہنچانے سے گریز کرے ۔ کہ ایسا کرتے ہوئے وہ اگلے جنم میں اچھا درجہ حاصل کرے گا ۔ تو اس طریقہ پر وہ طبقہ روحانیت میں منفعت ذاتی کا مادی پہلو و آمل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے ۔ اس کو ہم خالص روحانیت نہیں بلکہ مادیت آمیز روحانیت یا روحانیت آمیز مادیت کہہ سکتے ہیں جو اصلی روحانیت سے ایک بالکل ہی جدا اور علیحدہ چیز ہے ۔

مخفی نہ رہے کہ تناسخ کا متعصبانہ و غرض مندانہ خیال بنیادی طور پر مذہب کے متعلق کسی دوسرے متعصبانہ خیال سے بالکل ملتا جلتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو آدمی دوزخ کے ڈر سے کسی فعل بد کا مرتکب نہیں ہوتا اس میں اور اس آدمی میں کیا فرق ہے جو اس ڈر سے فعل بد کرنے ہوئے جھجکتا ہے کہ اس کو اگلے جنم میں اونچا درجہ نہ ملیگا ۔ بہت سے لوگ جنہوں نے زندگی کے متعلق راسخ الاعتقاد طریقہ پر تصرف کے خیالات قائم کر لئے ہیں اُن کی رائے ہے کہ وہ ان لوگوں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ یا زیادہ پابندِ مذہب ہیں جو بعض پابند رسوم مذاہب پر راسخ اعتقاد رکھتے ہیں لیکن در حقیقت یہ اُن کی غلط فہمی ہے ۔ کیونکہ غور سے دیکھا جائے تو فقط صورت بدل گئی ہے ۔ ورنہ حقیقت میں کچھ بھی فرق نہیں آیا بنیادی طور پر اُن کے عقائد اب بھی وہی ہیں جو پیشتر تھے فقط صورتیں جداگانہ ہیں ۔

زمانہ قدیم کے ہندو مذہب کی بلند تعلیم میں اُس نجاتِ حقیقی کا ذکر آتا ہے جو قائم و دائم ہے ۔ جس کو سارے برہمانڈ کی ناقابل حرکت روح سمجھا جا سکتا ہے جو فہم و ذکاوت سے بالاتر ہے ۔ جس کو ہم دائمی و عمدہ اصول کی حیثیت میں تو بیشک سمجھ سکتے ہیں ۔ لیکن ظہورات کے طوفانِ عظیم کی صورت میں بالکل نہیں ۔

در حقیقت اس قسم کی تعلیم میں بنیادی غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں ۔ مسئلہ تناسخ ایک بلند و ارفع نشان کی حیثیت میں زندگی کی وقعت ظاہر کرتا ہے

اس کو تنگ نظری و متعصبانہ خیال کی صورت میں تسلیم کیا جاتا اور عملی طور پر اس خیال کو اپنی ذات واحد کے لئے ذریعہ حفاظت بنایا جاتا ہے ۔

اغلب بات یہ ہے کہ مسئلہ تناسخ کے متعلق یہ غلط و متعصبانہ خیال ہی تبت کی تمام اور ہندوستان کی بیشتر غیر مسلم آبادی کو مادی معاملات میں کوشش کرنے کے متعلق کاہل و لاپروا بنا دیتا ہے ۔ اُن کے پاس ہر ایک کام کے لئے بے حساب وقت موجود ہے لیکن وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر سمجھا لیتے ہیں کہ جو کام اس جنم میں ٹھیک نہیں ہوئے وہ اگلے میں خود بخود ہو جائیں گے ان کے سامنے مسائل زندگی کے حل کے لئے نہ ختم ہونیوالا زمانہ موجود ہے ۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وہ مستقبل کے خواب دیکھتے ہوئے زمانہ حاضر کو بالکل ہی خاطر میں ......

فہرست قوانین رسالہ مست قلندر لاہور

(۱) مست قلندر ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور دو تین بار پتوں کا مقابلہ کر کے ڈاک میں ڈالا جاتا ہے، اسلئے اگر کسی صاحب کے پاس ۱۰ تاریخ تک پرچہ نہ پہنچے تو اسکی شکایت مقامی ڈاکخانہ میں کی جائے اور ہمیں بھی لکھا جائے پرچہ نہ ملنے کی شکایت کا خط ۱۵ تاریخ تک پہنچ جانا چاہئے ۔ اس کے جواب میں آنے کے ٹکٹ لفافہ میں آنے چاہئیں ۔

(۲) مست قلندر کا مقصد صرف فلاسفی روحانیت اور عام دلچسپی کے مضامین کی اشاعت کرنا ہے ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے ذاتیات پر بحث ہو یا سیاسی پہلو لئے ہوئے ہوں درج رسالہ نہیں ہو سکتے

(۳) لائق اور قابل مضمون نگاروں کو معقول معاوضے دیئے جاتے ہیں ہندی گجراتی ۔ مرہٹی بنگالی اور انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنیوالوں کی خاص ضرورت ہے

(۴) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آنے چاہئیں ۔

(۵) مست قلندر کے متعلق جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام ڈاکٹر میر پتی سنگھ صاحب ایڈیٹر و مالک رسالہ مذکور ہونی چاہیئے ۔

(۶) مست قلندر کی توسیع اشاعت میں حصہ لینے والے خاص طور پر شکریہ کے مستحق سمجھے جائیں گے ۔

(۷) رسالہ کا سالانہ چندہ ایک روپیہ پندرہ آنے (عہ/۱) ممالک غیر سے ۵ شلنگ اور انعامی اشیا ہمراہ لینے والوں سے دو روپیہ بارہ آنے (۲/۱۲) اور ممالک غیر سے ۹ شلنگ ہے ۔ چندہ برائے برما تین روپے آٹھ آنہ (دیجئے)

مینیجر مست قلندر لاہور

ایک تڑپا دینے والا افسانہ

گنہگار جوانی

از جناب ثناء اللہ خاں صاحب شیدا

"پریما" اندر نے کمرہ میں سے آواز دی۔ "میں تھالی صاف کر رہی ہوں۔ کچھ کام ہے بابو؟" میں نے اپنی خوبصورت لٹوں کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ضروری کام!" اندر نے نرم آواز سے کہا۔ میں چھم سے اٹھکر کمرہ میں داخل ہوئی۔ اس حالت میں کہ میرے لمبے بال میری کمر اور شانوں پر بکھرے پڑے تھے۔

"کیا کام ہے" میں نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"ذرا اس شیشہ میں دیکھنا یہ چھائیاں سی کیسی پڑ گئیں" ایک قدآدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہوکر اندر نے مجھ سے کہا۔ میں ہوے ہوے سے قدم آئینہ دیکھے اندر میرے پیچھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ آئینہ میں کیا دیکھتی ہوں کہ مجھ پر حسن کا دیوتا پھول برسا رہا ہے۔ جیسے میری رگ رگ سے حسن و شباب کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔ شانوں پر بکھری ہوئی لٹیں کیسی دلکش کیسی دلآویز کیسی پیاری لگتی تھیں ...... میں کچھ بیخود سی ہوگئی

کیا میں حقیقت میں اس قدر حسین ہوں۔ یہ خیال اسوقت میرے دماغ میں تھا۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ مجھ سی حسین اور نازک بدن لڑکیاں اسی طرح تھالیاں صاف کرتی ہیں۔ اس خیال نے میرے ننھے کلیجہ کو پکڑ پکڑ کر ہلا دیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ مجھے غش آجائیگا۔ اور میں زمین پر دھڑام سے گر پڑونگی۔ اس حالت سے یکایک مجھے اندر کے بلند قہقہہ نے چونکا دیا۔ اُف مجھے اندر کی موجودگی کا بھی خیال نہ رہا تھا۔ شریر نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے۔

"کہو پریما چھائیاں نظر آئیں"

"بھلا اس شرارت سے فائدہ" میں نے مڑ کر کہا "میں تھالی صاف کر رہی ہوں"

"کہیں تھالیوں میں کسی کا دل بھی صاف نہ کر دینا" اندر نے اس بھولے انداز سے کہا جیسے یہ الفاظ اس کے منہ سے اتفاقیہ نکل گئے ہوں۔

"تمہیں نوکروں سے ایسا مذاق نہ کرنا چاہئیے ...... یہ کہتے ہوئے میں تھالی صاف کرنے آبیٹھی۔ مجھے ابھی دو منٹ ہی ہوئے ہونگے کہ پھر آواز آئی۔

"پریما۔ پریما!"

کام بھی کرنے دوگے یا نہیں"

"بھاگ کر آؤ پریما" میں جلدی سے ہاتھ دھو کر اندر گئی۔ بڑے پلنگ کے قریب بابو جھکے ہوئے کھڑے تھے "کیا ہوا" میں نے حیرانی سے پوچھا سانپ تھا۔ گز بھر کا سانپ۔ ابھی چھت سے گر کر یہاں کو بھاگا ہے

"کہاں کو" میں نے بھی جھک کر دریافت کیا۔ جواب میں اس کا ہاتھ میری نازک۔ سڈول اور نازنین کلائی پر تھا۔ میں تڑپ سی گئی۔ جب نوجوان اندر کا ہاتھ میری کلائی پر پڑا۔ چوڑیوں کی نرم اور مترنم جھنکار نے میری روح میں ایک تھرتھری سی پیدا کردی اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ نبض تیز تھی۔ شاید سانپ کے خوف سے ہو۔

"کہاں ہے۔ آخر وہ سانپ" میں نے جھکی ہوئی شرمیلی آنکھوں کو اوپر اٹھا کر دریافت کیا۔

"سانپ ہے! اندر نے دھیمی آواز سے کہا۔ اب مسکراہٹ اس کے لبوں پر دوڑ رہی تھی۔

"مذاق کر رہے ہو تم" کلائی کو چھوڑتے ہوئے میں ہلکی سی آواز سے بولی۔

"کمال ہے۔ تم مذاق ہی سمجھ رہی ہو" میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اندر نے جواب دیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ اپنی نگاہوں کو میرے دل میں اتارنا چاہتا ہے ——— "کیا سچ کہہ رہے ہو بھلا۔ ایسی شیشہ سی صاف و شفاف چھتوں سے کہیں سانپ گرتے سنے ہیں"

"سنے ہیں" میری طرف بڑھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔ میں دو قدم اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ پھر آگے بڑھ کر نہایت دھیمی آواز سے بولا "پریما" میں اچھل کر باہر آگئی۔ اور وہ خاموش۔ بے حرکت بت کی طرح وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا ———

بجلی کی مانند کڑکنے والا اندر۔ آج ساز کی مانند دھیما کیوں ہے۔ میں یہ برتن صاف کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ آئینہ میں یوا پرچھائیوں کا پڑنا۔ اور چھت سے سانپوں کا گرنا کچھ معنی رکھتا ہے جسے میں سمجھ نہیں سکتی۔ یا شاید ابھی سمجھتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ دن بھر اسی عقدہ کو حل کرتی رہی۔ مگر کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔ شاید میری عمر ابھی چھوٹی ہو۔ شاید میری عقل ابھی کمسن ہو۔ اندر کی ماتا کل ہی کہہ رہی تھی۔ پریما اب جوان ہوگئی ہے کیسی پیاری اور دلکش لڑکی ہے اگر اس شکل اور صورت کے ساتھ دولتمند بھی ہوتی تو میں اپنے اندر کی شادی پریما سے کر دیتی۔ مجھے اس وقت یہ معلوم ہوا کہ مفلسی۔ غریبی اور بے زری دنیا کی سب سے بڑی ذلت ہے۔ آہ یہ الفاظ اسوقت کیسے تلخ۔ کیسے تکلیف دہ تھے کہ میں ان کے تصور ہی سے کانپ گئی۔

"تم بہت خوبصورت ہو۔" اِندر میری نازک کلائیاں پکڑے کہہ رہا تھا۔
"پھر تمہیں کیا؟" میں نے پاؤں بنتے ہوئے جواب دیا۔
"مجھے کیا۔ پریما تم کچھ سمجھتی ہی نہیں ہو۔ نظریں تو اوپر اُٹھاؤ۔ میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں۔"

"بابو یہ کیا کر رہے ہو۔ میری کلائیاں چھوڑ دو اگر ماتا دیکھ لینگی تو کیا کہینگی۔"
"کیا کہینگی۔" میری کمر میں بازو ڈالتے ہوئے اُس نے کہا۔ میں مچل کر اس کے بازوؤں سے نکل گئی۔

"کلائی چھوڑ دو۔ میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتی۔"
"پریما۔" اس نے جھک کر میرے کان میں کچھ ایسے میٹھے۔ ایسے شیریں۔ ایسے ملائم انداز میں کہا۔ کہ میں گھل سی گئی۔ نظر اُٹھا کر میں نے دیکھا تو کچھ عجب قسم کی بےچینی اور اُداسی اس کے چہرہ سے برس رہی تھی۔ وہ اس وقت کتنا مغموم، کیسا ہراساں تھا۔ کہ میں بےچین سی ہوگئی ...... اس نوجوان کے لئے میرے دل میں ہمدردی پیدا ہو رہی تھی۔
"کیا کہنا چاہتے ہو تم۔" میں نے مدہم آواز سے پوچھا۔ وہ آنکھوں میں ایک نئی قسم کی چمک پیدا کر کے بولا ــــ "پریما۔" اس کی یہ آواز میرے دل میں اُتر گئی ــــ پریما۔ یہ لفظ میری رُوح میں گشت لگا رہا تھا۔ میں خاموش سی ہوگئی۔ بےخودی اور محویت نے میرے منہ پر ایک تالا لگا دیا۔
"پریما۔" وہ پھر اس جادو بھرے انداز سے بولا۔ اور اب اس کی مضبوط کلائیاں میرے گلے میں تھیں ــــ "تمہیں سینہ میں اُتار لوں۔" لیکن میں مُسکراتی ہوئی بل کھا کر اس کے بازوؤں سے نکل بھاگی ....

"ذرا اوپر جانا پریما۔" اِندر کی ماتا نے مجھے آواز دیکر کہا ــــ "کیا کہا جی۔" میں نے دانستہ طور پر پوچھا۔
"اِندر کے سر میں سخت درد ہو رہا ہے۔ ذرا اوپر جا کر دبا دو۔" ــــ
"بہت اچھا۔" کہتے ہوئے میں اُٹھی۔ میرے بال کھلے تھے۔ کیونکہ میں ابھی نہا کر آئی تھی۔ سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے میں نے سوچا۔ کہ اِندر نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرنے کو تو یہ بہانہ نہیں تراشا۔ بھلا میرے گلے میں باہیں ڈالکر اسے کیا مزہ آتا ہے۔ وہ کیا لُطف ہے جس کیلئے وہ میری نازک کلائیوں کو پکڑ کر میری خاموش چوڑیوں سے نرم موسیقی بھری جھنکار پیدا کرتا ہے۔ وہ کیا لذت ہے جس کیلئے وہ تنہائی میں مجھے اپنے سینہ سے لپٹا لینا چاہتا ہے۔ شاید وہ میرے خوشنما رسیلے لبوں کو چومنا چاہتا ہو۔ شاید وہ میرے لانبے لانبے سیاہ بالوں میں سر ڈال کر سو جانا چاہتا ہو .... اس خیال کے ساتھ میرے نرم سینہ میں ایک گدگدی سی پیدا ہوئی۔ اور مجھے وہ وقت یاد آگیا۔ جب اِندر نے میرے گلے میں باہیں ڈال کر مجھے زبردستی اپنے سینہ سے لگا لیا تھا۔ اس وقت تمام جسم میں بجلیاں سی دوڑ رہی تھیں۔ مجھے ایک ناقابل فہم لذت و مسرت حاصل ہو رہی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتی۔ کہ میں کیوں مچل کر اس کے لُطف آفریں آغوش سے نکل گئی تھی۔ شاید میری معصومیت اس کا کچھ جواب دے سکے۔

کمرہ میں میں ذرا حیا کانہ مسکراہٹ کے ساتھ داخل ہوئی۔ وہ پلنگ پر سے اُٹھ بیٹھا۔
"ماتا کہاں ہے۔" اس نے مجھے شوق اور للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"نیچے بیٹھی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔
"اُوپر تو نہیں آئیں گی۔"
"نہیں!" میں نے کہنے کو تو کہہ دیا۔ مگر میرا کلیجہ کانپ گیا۔ جب میں نے اِندر کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔
"یہاں پلنگ پر آجاؤ تم۔" وہ میری خوبصورت کلائی پکڑ کر بولا۔
"تم لیٹ جاؤ۔ میں سر دباتی ہوں۔" میں نے کانپتی ہوئی آواز سے کہا۔
"یہ تم بدحواس سی کیوں ہو پریما۔"
"میں بدحواس نہیں ہوں۔ تم لیٹ جاؤ۔" میں نے شرمیلی اور جھکی ہوئی نظروں سے جواب دیا۔
"مگر یہ پیاری شیشہ سی نازک کلائیاں ـ نہیں دبا سکتیں۔" اِندر نے میری کلائی کو اپنے لبوں سے چومتے ہوئے کہا۔ جیسے کسی نے ایک دہکتا ہوا انگارہ میری نُورانی کلائی پر دھر دیا ہو۔ میں کپکپا کر رہ گئی۔
جب اس کے خشک کانپتے ہوئے لبوں نے میری کلائی کو چوما میری مست آہ وہ روتی ہوئی اُونچے آسمانوں پر چڑھ رہی تھی۔
"کیا جنون ہے یہ۔" میں نے بازو چھڑاتے ہوئے اِندر سے سخت آواز سے کہا۔ ایک گنہگار مجرم کی مانند عاجز۔ بےبس اور مظلوم نگاہوں سے دیکھتا ہوا وہ میرے پاؤں پر گر پڑا ــــ ایک حسین اور زرنگار تاج میرے قدموں پر پڑا تھا ــــ
"پریما۔ مجھے مار ڈالو۔ پریما۔" وہ کیسے انکسار اور کیسے دردمندانہ لہجہ میں کہہ رہا تھا۔ کہ میں چپ نہ رہ سکی۔ اُسے بسٹ میں بازوؤں میں اُٹھا لیا۔
"پریما۔ جوانی بار بار نہیں آتی۔" اب وہ میرے گلے میں بازو ڈالے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"تو پھر۔" جواب میں وہ میری پتلی کمر میں بازو ڈال کر مجھے پلنگ پر لے گیا۔ کیا کہیگا یہ مجھے۔ میں یہ بےخودی کی سی حالت میں سوچ رہی تھی۔
"پریما۔ تم میری پریما ہو۔ میں تم سے پیار کرتا ہوں۔" یہ الفاظ کیسے حلاوت بھرے، کیسے شیریں، کیسے رس دار تھے۔ کہ میں بےہوش سی ہوگئی۔ یہ سحر انگیز الفاظ۔ شاید عورت کے کان انہیں الفاظ کے رس کو پینا چاہتے ہیں

شاید حسین کمسن لڑکیاں اسی رسیلی اور دلفریب آواز کو سننے کیلئے جوان ہوتی ہیں۔ میری سیاہ چوڑیوں کی مترنم جھنکار سے ایک شیریں نغمہ سا اُٹھتا ہوا معلوم ہوا ——— کیا تم بھی مجھے اس طرح ہی بیتابانہ چاہتی ہو۔ کیا تم بھی مجھے اسی طرح پیار کرتی ہو؟" وہ میرے رخساروں پہ جھکتے ہوئے کہنے لگا۔ "کیا خدا نے ہمیں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالنے کے لئے ہی پیدا کیا ہے؟" ~~~~

میں یہ سوچ ہی رہی تھی۔ اب اسے کیا جواب دوں۔ ایک نیم جان بے بس شکار کی طرح بال بکھرے ہوئے میں اِندر کے آغوش میں پڑی تھی۔

"پریما! جواب تو دو؟" رومال سے اُس نے میرے حسین رخساروں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ جو حیرت اور بے چینی کے جذبات سے بے حد رنگین اور دلآویز معلوم ہوتے تھے۔ ~~~~

"گناہ ہیں یہ باتیں؟" میرے کانپتے ہوئے لبوں سے یہ الفاظ نکلے۔ اور پھر میں نیم باز نگاہوں سے بولی۔ کون ہوں میں میری طرف تو دیکھو؟

"تم پریما ہو، وہ جذبات بھری آواز میں بولا" تمہاری ملازمہ، تمہارے پاؤں میں اپنے سر کے بال ڈال د۔ نے والی؟" ~~~~

"کون۔ تم۔ ہرگز نہیں۔ تم میرے دل کے مندر کی ایک خوبصورت دیوی ہو۔ میں تمہارا پجاری ہوں۔ میں تمہاری پوجا کرتا ہوں؟"

"میری پوجا؟" میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا اور اس نے جوشیلے انداز سے اپنے لب میرے معصوم رسیلے لبوں سے ملا دیئے ....

میں اب لیڈی بن جاؤں گی۔ اِندر کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر جب میں بازار جاؤنگی۔ تو اس وقت خوشی کے مارے میری کیا حالت ہوگی تنہا بیٹھی ہوئی میں اس بے پایاں خوشی کا تصور کر رہی تھی۔ کہ اندر کی ماتا نے آکر کہا۔ "پریما منہ کھولو۔ تمہارے منہ میں مٹھائی ڈال دوں؟"

"کیسی مٹھائی! ماتا جی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کرشنا کے ساتھ اِندر کی نسبت پختہ ہوگئی ہے اور اسی ماہ میں شادی...!

مجھ پر ایک بجلی سی گر پڑی۔ میری آرزوؤں کے حسین محل آہ!

اس عورت نے اپنی کرخت آواز کی چوٹ سے چور چور کر دیئے۔

"میں اندر سے مٹھائی لاتی ہوں"۔ یہ سرد آواز سے بولی۔ اور اُٹھ کر ہوا کی مانند اِندر کے بالائی کمرہ میں گئی۔ وہ پلنگ پر پڑا تھا۔ اُسی پلنگ پر جہاں آج سے چند دن پہلے میرے رنگین مستقبل کا مرمریں محل تیار ہوا تھا۔ ~~~~

"اندر! کیا تم کرشنا سے شادی کرو گے؟" میں نے پائینتی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!" اس نے نگاہیں جھکا کر جواب دیا۔ ~~~~

"اور وہ واقعہ یاد ہے تمہیں کچھ" ~~~~

"کون سا واقعہ!" ..... ~~~~

"آج سے ایک ماہ پہلے اسی جگہ" ..... میں آگے کچھ نہ بول سکی۔

"اچھا!" اس نے ہلکے قہقہہ سے جواب دیا۔ ~~~~

"پریما! تمہیں تو اس کا خیال بھی نہ کرنا چاہئے۔ عہد شباب میں ایسے واقعات تو ہو ہی جاتے ہیں" ~~~~

"مگر ان کی قیمت!" ~~~~

اس نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ اور کمال اطمینان سے بولا۔ "وہ تو جوانی کی ایک موج تھی ——" ~~~~

اور میں "اُف سنگدل اور جفا کار مرد"۔ کہہ کر تڑپتی ہوئی فرش پہ گر پڑی۔ ~~~~

~~~~ ناظرین کرام! ~~~~

خط و کتابت کے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔

نسوانی دنیا! مرد عورتوں کو کس طرح بیوقوف بناتے ہیں؟

ایک گمنام خاتون کے قلم سے

عورتیں صرف محبت کی خاطر محبت کرتی ہیں۔ ان کا ــــ محبت کے سوا کوئی سبب نہیں ہوتا لیکن مرد بلا سبب محبت کرنا گناہ خیال کرتا ہے۔ چنانچہ مرد صرف اس وقت تک عورت سے محبت کرتا ہے جب تک وہ جوان رہتی ہے یا کوئی غرض عورت سے اٹکی ہوئی ہوتی ہے۔ جب محبت کرنے کا کوئی سبب باقی نہیں رہتا تو مرد کہتا ہے کہ اب میں گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہتا ہوں۔

~~~~~~~~~~

جو مرد اظہار محبت میں جتنا ماہر ہوتا ہے۔ وہ اتنا ہی زیادہ عورتوں کو بیوقوف بنا سکتا ہے۔ یاد رکھو مرد محبت کا پارٹ کرنے میں بہترین ایکٹر ہے۔ لیکن جب اس کا پارٹ ختم ہوجاتا ہے۔ تو اس کا راستہ بالکل الگ ہوتا ہے۔ اکثر اوقات تو وہ عورت کو پہچانتا تک نہیں۔

~~~~~~~~~~

عورتوں نے مردوں کی جھوٹی تعریف کرکے ان کو اس دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ وہ بہت بہادر اور مستقل مزاج ہیں۔ حالانکہ مرد سے زیادہ بزدل اور تلون مزاج کوئی نہیں ہے۔ جب پریشانی اور مصیبت میں کوئی مرد گھر جائے تو تم دیکھوگی کہ اس کا دماغ پاگلوں جیسا ہوجاتا ہے لیکن اس کے برعکس عورت بڑی سے بڑی مصیبت کو پورے استقلال کے ساتھ برداشت کرلیتی ہے۔

اگر شوہر سے کوئی ایسی غلطی ہوجاتی ہے جو اس کے خاندان کے لئے پریشانی کا باعث بن جائے تو بیوی کو اس سے ہمدردی بڑھ جاتی ہے اور وہ تسلی دیتی ہے کہ دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے لیکن اگر بیوی سے کوئی ایسی غلطی ہوجائے تو مرد سارے گھر کو سر پر اٹھا لیتا ہے۔

مرد خواہ زبان سے عورت کے لئے کتنے ہی عمدہ الفاظ کیوں نہ نکالے لیکن وہ دل میں اپنی شریک حیات کے لئے جو رائے رکھتا ہے وہ بالکل برعکس ہوتی ہے۔ جوانی میں وہ اس کو اپنے عیش کا کھلونا سمجھتا ہے۔ عمر ڈھلنے کے بعد اپنی خادمہ اور بڑھاپے میں ایک پرانا ساتھی خیال کرتا ہے۔ مرد مرتے دم تک عورت سے اپنی اغراض پوری کرنے کے ذرائع ڈھونڈتا رہتا ہے۔

~~~~~~~~~~

یہ زندگی اور زندگی کے تغیرات کتنے عجیب ہیں شادی کے بعد تو مرد کا جی رفتہ رفتہ عورت سے بھر جاتا ہے اور اس کی گرمی محبت ختم ہوجاتی ہے لیکن عورت ــ شادی کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا ہے اس کی محبت مرد کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔

~~~~~~~~~~

تم سمجھتی ہو کہ تم جس طرح مرد کی محبت کی بھوکی ہو اسی طرح مرد بھی تمہاری محبت کا بھوکا ہے۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ مرد کو تمہاری محبت کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں۔ وہ تو صرف تمہاری رضامندی چاہتا ہے۔ اسے تمہارے دل کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بس تمہارے جسم کا مالک بننا پسند کرتا ہے اور تم کو بیوقوف بنا کر اپنا مطلب نکالتا ہے۔

~~~~~~~~~~

مرد صرف ان عورتوں سے بیتابانہ محبت کرتا ہے۔ جو اس کے قابو سے باہر ہوں۔ لیکن جوں ہی کوئی عورت اس کے قابو میں آجاتی ہے تو اس کی محبت ختم ہوجاتی ہے۔ برخلاف اس کے عورت صرف ایک مرد سے محبت کرتی ہے جو اس کے قابو میں ہو اور وہ ہمیشہ کوشش کرتی ہے کہ اسکا محبوب یا شوہر اس کے قابو میں رہے مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

~~~~~~~~~~

دنیا میں اچھے مرد بھی موجود ہیں اور برے بھی۔ لیکن اچھے مرد کی تلاش اور حصول بڑا ہی دشوار ہے۔ کیونکہ دنیا کی نایاب سے نایاب چیز کا آسانی کے ساتھ ملنا آسان ہے۔ مگر اچھے مرد کا ملنا بڑا مشکل ہے جس عورت کو اچھا مرد مل جائے سمجھ لو کہ باغ بہشت کے صدر دروازہ کی کنجی اس کے ہاتھ آگئی۔

~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~

ہنسو اور موٹے ہو جاؤ

مریض - ایک ہفتہ ہوا آپ نے مجھے دردوں کی جگہ پر لگانے کے لئے ایک پلاسٹر دیا تھا - تاکہ درد سے نجات ہو،
ڈاکٹر - ہاں -
مریض - تو کوئی ایسی دوا دیجئے کہ پلاسٹر سے نجات حاصل ہو -

اُستاد (شاگرد سے) جب تمہارے والد نے سُنا کہ تمہیں تقریر کرنے میں اوّل درجہ کا انعام ملا تو کیا بولے ؟
شاگرد - بہت خفا ہوئے -
اُستاد - کیوں
شاگرد - ابا نے کہا کہ میں نے اماں کا رویہ اختیار کر لیا ہے -

ایک وکیل نے بیماری کی حالت میں اپنا سب مال و متاع پاگل اور دیوانوں کے شفاخانے کے نام لکھدیا - لوگوں نے پوچھا یہ کیا کیا - تو اس نے جواب دیا کہ ایسے ہی لوگوں سے مجھے یہ سب پیسہ ملا تھا

کسی امیر نے خفگی میں اپنے نوکر کو "سور کا بچہ" کہا -
نوکر بولا حضور ماں باپ ہیں - جو چاہیں کہیں -

بیگم - چاندی کا سامان صاف ہو گیا -
ملازم - جی ہاں آپ کچھ فکر نہ کیجئے - جو کچھ سامان باقی ہے - وہ بھی میرے ہاتے جاتے صاف ہو جائیگا -

---

دوا فروش (اپنی فربہ اندام بیوی سے) تم آج کل دواخانہ میں نہ آیا کرو - میرے پاس موٹاپا کم کرنے کی دوا کی چھ شیشیاں ہیں اور میں ان کو بیچنا چاہتا ہوں -

---

میاں - تم اپنی پچھلی شکائتیں بھول بھی سکتی ہو
بیوی - ہاں تم مجھے اچھا سا جوڑا سلوا دو -

وکیل (اپنے موکل سے) تو میں یقین کر لوں کہ آپ نے غبن وغیرہ کچھ نہیں کیا -
موکل - اگر میں غبن وغیرہ نہ کرتا تو آپ کو اتنی فیس کیوں دیتا -

---

ایک جاہل لڑکی کی شادی ہوئی - جس وقت دولہا پالکی سے اُتار کر گود میں اُٹھا کر اندر لے جانے لگا تو دلہن کی جوتی پاؤں سے نکل گئی تو جاہل دلہن صاحبہ فرماتی ہیں "دولہا بھائی میری جوتی گر گئی -

---

ایک شخص نے شادی سے پیشتر اپنی بیوی سے عہد کیا کہ میں جو کام کروں گا اُس میں تمہارا حصہ اور نام ضرور ہو گا - کچھ عرصہ بعد اُس نے انڈوں کی دوکان کھولی اور اپنے وعدے کے مطابق بورڈ لگوایا "اس دوکان میں اور میری بیوی تازہ انڈے دیتے ہیں -

---

کسی نے مویشی خانہ کے منشی سے پوچھا "اجی آپ کون ہیں ؟
گھبراہٹ میں منشی جی نے جواب دیا - منشی خانے کا مویشی"

آج تمہیں پھانسی کی سزا دی جائے گی -
اس سے مر جانا بہتر ہے -

کرنل نے سپاہی سے کہا - یہ میڈل تمہارے سینہ پر لگایا جاتا ہے - اور بنک میں تمہارے نام پر پانچ پونڈ جمع کروا دیئے گئے ہیں -
سپاہی نے جواب دیا - جناب کا بہت شکریہ لیکن بڑی عنایت ہوتی اگر پانچ پونڈ میرے سینہ پر لگا دیئے جاتے اور میڈل میرے نام سے بنک میں جمع ہو جاتا -

---

قرضخواہ - میں آپ سے آخری مرتبہ کہتا ہوں کہ وہ پانچ پونڈ مرحمت فرما دیں - جو آپ نے قرضہ لیا تھا
قرضدار - شکر ہے خدا کا کہ آج اس بیہودہ سوال کا خاتمہ کر دیا -

غزل (محمد نور خاں۔ چاند میاں۔ قمر جاورہ)

میں نقشِ لاجواب بنا اور بگڑ گیا
جیسے کہ نقشِ آب بنا اور بگڑ گیا

مستِ مئے شباب بنا اور بگڑ گیا
گویا کہ نقشِ آب بنا اور بگڑ گیا

زلفوں میں پھنستے پھنستے دلِ زار رہ گیا
کچھ ان میں پیچ و تاب بنا اور بگڑ گیا

کس کس طرح سے اُن کی حیا کا شبِ وصال
ایک پردۂ حجاب بنا اور بگڑ گیا

دل میں رہا تصورِ جاناں تمام رات
لیکن وہ مثلِ خواب بنا اور بگڑ گیا

ہم پی سکے نہ بادۂ الفت کا ایک جام
یہ ساغرِ شراب بنا اور بگڑ گیا

ہستی تلاش کی نہ پتا چل سکا۔ مگر
نقشہ مثالِ خواب بنا اور بگڑ گیا

دل کو پسند بھی کیا اور پھیر بھی دیا
کچھ اُن کا انتخاب بنا اور بگڑ گیا

کچھ کام کار کھا نہ حسینانِ دہر نے
یہ عالمِ شباب بنا اور بگڑ گیا

دیکھا نہ کوئی لطف بیاں آئے چل دئے
جیسے کہ ایک حباب بنا اور بگڑ گیا

اس طرح سے گیا بُتِ بے مہر کا شباب
جیسے کہ اک حباب بنا اور بگڑ گیا

میں ضبط کر سکا نہ محبت کو آپ کی
اس دل کا کیا حساب بنا اور بگڑ گیا

آرام پایا کوئی نہ اس رہ گزرِ عشق میں
میں خانہ خراب بنا اور بگڑ گیا

اُن سے ہوئی نہ ایک ملاقات بھی نصیب
آخر مرا شباب بنا اور بگڑ گیا

مارا کبھی جلا دیا اس عشق نے قمر
دن رات یہ عذاب بنا اور بگڑ گیا

غزل

ایم۔ اے صابر نائب صدر سیماب لٹریری سوسائٹی بمبئی۔

موسیٰ کی طرح میں بھی ترا جاں نثار ہوں
افسردہ و ملول ہوں اور اشکبار ہوں
تو ہے کریم اور میں تقصیر وار ہوں

کیا پوچھتا ہے مجھ سے مری داستانِ غم
یہ بھی نہیں ہے یاد وہ کب آئے تھے یہاں

کس کے فراق میں ہوا جینا مجھے وبال
یوں مجھ سے احتراز مناسب نہیں مجھے

میرے دلِ شکستہ کا کچھ پاس چاہئے
اس کی گلی سے مجھ کو جدا کر نہ اے صبا

جس کی طرف نظر بھی اُٹھاتا نہیں کوئی
میرا وجود خاک سہی ہم نشیں مگر

یہ آرزوئے دل ہے کہ مل جاؤ تم مجھے
گرتی ہیں میرے دل پہ تبسم کی بجلیاں

یہ انقلابِ عشق ہے کچھ اسکا غم نہیں
رنج و الم کا تھا جو زمانہ گذر گیا

اُجڑے ہوئے چمن کا میں دھندلا سا نقش ہوں
صابر یہ راز میری سمجھ میں نہ آسکا

بس اک جھلک دکھا دے بہت بیقرار ہوں
اک دوست کے فراق میں زار و نزار ہوں
عفو خطا کا تجھ سے میں اُمیدوار ہوں
میں سوگوارِ عیش ہوں غم کا شکار ہوں
مدت ہوئی کہ وقفِ غمِ انتظار ہوں
یہ بھی خبر نہیں ہے میں کس پہ نثار ہوں
تیرے حریمِ ناز کا میں رازدار ہوں
دستِ کرم بڑھائیے کہ اُمیدوار ہوں
میں اک طرف پڑا ہوا مشتِ غبار ہوں
صد حیف میں وہ آئینۂ پُر غبار ہوں
فطرت کا لاجواب میں اک شاہکار ہوں
میں بھی خدا کرے کہ شریکِ بہار ہوں
جانِ بہار جب سے میں تجھ پر نثار ہوں
نظروں میں آج آپکی جو بے وقار ہوں
شکرِ خدا خوشی سے میں اب ہمکنار ہوں
گذری ہوئی بہار کی اک یادگار ہوں
کیوں میں ہی وقفِ گردشِ لیل و نہار ہوں

"نہ تو نہیں اور نہ ہاں" ——— (از حضرت نواب دہلوی)

آپ جب پہلو میں ہوں تو درد کا کیا کام ہے
سینہ ہم تانے ہوئے ہیں تم لگاؤ تیغِ ناز
میکدے میں چشمِ ساقی کی کرامت دیکھئے
میرے اظہارِ تمنا پہ "نہیں" ہے اور نہ "ہاں"
غیر سے جو مل چکی وہ آنکھ ہم سے کیوں ملے
خاک سے پیدا ہوئے اور خاک تہ میں مل گئے
آنکھ اس سے ملتے ہی نواب یہ کیا ہو گیا

مضطرب دل کو بس اب آرام ہی آرام ہے
یہ ہمارا کام ہے اور وہ تمہارا کام ہے
رقص میں ہر رند ہے گردش میں ہر اک جام ہے
یہ پہیلی بوجھنا بھی ایک مشکل کام ہے
ہم نہیں پینے کے بس ہے یہ تو جھوٹا جام ہے
خاک ہی آغاز تھا اور خاک ہی انجام ہے
ہوش کھو بیٹھے ابھی سے یہ تو پہلا جام ہے

غزل ——— نتیجہ فکر جناب حیدر علی صاحب حیدر دربھنگوی

اسیرِ دامِ گیسو کو سزا الفت میں ملتی ہے
ہوئے برباد لاکھوں عاشقِ ناشاد الفت میں
محبت ہی نجاتِ دائمی اور شانِ رحمت ہے
محبت ہی بصیرت ہے محبت ہی حقیقت ہے

پڑے جلتے ہیں فرقت میں جاں جلدی نکلتی ہے
سزا عشق و محبت کی بہت جاں سوز ملتی ہے
محبت ہی نہیں دل میں تو وہ ویران بستی ہے
محبت کی بدولت حسن کی آباد بستی ہے

بیخودی عشق (از سید محمد خیرات علی صاحب حیاتؔ)

رضائے یار کا جویا رہا ہوں
اُمیدِ خام پہ جیتا رہا ہوں

فدائے جلوۂ زیبا رہا ہوں
ازل سے آپ کا شیدا رہا ہوں

ترانہ عشق کا میں گا رہا ہوں
دلِ بیتاب کو سمجھا رہا ہوں

جبیں رکھ کر بہ پائے حسن برہم
گرہ اُلجھی ہوئی سلجھا رہا ہوں

یقینِ وعدۂ فردا کے صدقے
رہینِ منتِ فردا رہا ہوں

کھلا یہ راز بند ہوتے ہی آنکھیں
کہ ساری عمر میں سوتا رہا ہوں

جگر میں آگ سی کچھ لگ رہی ہے
کسی کی یاد سے گھبرا رہا ہوں

شبِ فرقت حدیثِ حسن کہہ کر
دلِ بیتاب کو بہلا رہا ہوں

زبانِ عشق سے برسوں مسلسل
حدیثِ حسن بھی سنتا رہا ہوں

ہوا احساس ہی دل کو نہ اسکا
کسی کے جور کو سہتا رہا ہوں

کسی کے نور کی ایسی جھلک ہے
اسیرِ جلوۂ دنیا رہا ہوں

دلِ بیتاب کے ہاتھوں ہمیشہ
کسی کے عشق میں رسوا رہا ہوں

تجدیدِ شوق (از حضرت ساغر نظامی)

اُڑ کر گردوں میں وہ بادل دل دو
پریم جھولا جن کا اصلی نام ہے
پھر نگاہِ مست سے دیکھو مجھے
پھر مجھے فکرِ شکستِ جام ہے
پھر پلاؤ دستِ رنگیں سے شراب
پھر مجھے اندیشۂ انجام ہے
پھر گرا دو میرے دل پہ بجلیاں
بجلیاں جن کا تبسم نام ہے
پھر ہے پھولوں اور ستاروں میں خرام
پھر وہی ٹھنڈی ہوا وہ شام ہے

غزل (از جناب محمد یوسف علی خان صاحب یوسفؔ اورنگ آبادی زنانہ پڑ دکن)

دل جس کو سمجھتے ہیں ایوانِ محبت ہے
آباد اسی گھر میں ارمانِ محبت ہے

کیوں آج قدم اپنے صحرا کی طرف اُٹھے
کانٹوں کا جنوں سے کیا پیمانِ محبت ہے

جب دل کا لہو ہو کے سمجھو وہ ہے افسانہ
آنسو کا ہر ایک قطرہ عنوانِ محبت ہے

انسان کو مشکل ہے تا زیست نجات اس سے
ہر سانس سے وابستہ دامانِ محبت ہے

آباد خدا رکھے اس میرے بھرے گھر کو
درد و غم و سوزِ دل سامانِ محبت ہے

قسمت ہی سے یہ رتبہ حاصل ہوا مجنوں کو
سب کہتے ہیں دیوانہ کیا شانِ محبت ہے

یوسف ہو سکوں تم کو ہے ایک علاج اس کا
خود سے نہ خبر رکھنا درمانِ محبت ہے

یادِ ایامِ عشرتِ فانی (از ظفر یعقوب علی صاحب حسرتؔ عزیزی شاہجہانپوری)

بہت یاد آ رہی ہیں قسمتِ بیدار کی راتیں
بڑی مشکل سے کٹتی ہیں دلِ بیمار کی راتیں

بھلاؤں کس طرح وہ لذتِ لطفِ ہم آغوشی
وہ ذوق و شوق کی باتیں وہ رنگیں پیار کی راتیں

خبر بھی ہے تجھے اے بے خبر درد بے پروا
گذرتی کس طرح ہیں طالبِ دیدار کی راتیں

نہ پھولوں میں وہ نکہت ہے نہ تاروں میں وہ تابانی
بہت بے کیف ہیں ساقی ترے سرشار کی راتیں

وہ تیرا روٹھنا رہ رہ کے میرا منتیں کرنا
بسر ہوتی تھیں کتنے لطف سے تکرار کی راتیں

مجھے تو آہ وہ باتیں نہ بھولی ہیں نہ بھولیں گی
تجھے بھی یاد آتی ہیں کبھی وہ پیار کی راتیں

کہاں یہ کنجِ تنہائی کہاں وہ خلوتِ عشرت
یہ ہیں حسرت کی راتیں وہ تھیں وصلِ یار کی راتیں

غزل (از خالد بخش صاحب انورؔ ڈھولی ضلع بدایوں)

جان کھوتا ہے کوئی در پہ اگر کھونے دو
یہ بھی دلچسپ تماشا ہے ذرا ہونے دو

حشر والو نہ کرو شور مری تربت پہ
مدتوں ہجر میں جاگا ہوں ذرا سونے دو

بزمِ دشمن میں کرو عیش کی باتیں جا کر
کوئی روتا ہے سرِ بسترِ غم رونے دو

ایک دشنام سے تم نے جو کبھی یاد کیا
دیں دعائیں ہیں بدلے میں دعا گو ہونے دو

دیکھوں کس طرح سے دھل جائیگا پھر دل کا غبار
سامنے بیٹھ کے اشکوں سے مجھے دھونے دو

جادوئے چشم نے دل ناوکِ مژگاں نے جگر
واہ کس شان سے تسخیر کئے دونے دو

چھوڑنے پھلنے کی امید تو انور کو نہیں
کم سے کم بیج ہی الفت کا اسے بونے دو

غزل (از حشرتؔ سہسرامی)

سانس کی بنیاد پر اس زیست کی تعمیر ہے
اک ہوا کی سطح پر قائم مری تصویر ہے

محوِ نظارہ کبھی تھا اب ہوں محوِ بیخودی
خواب تھا دراصل وہ، یہ خواب کی تعبیر ہے

پوچھتے کیا ہو ہمارے دیدۂ خونبار سے
دل کا سارا حال اک اک اشک میں تحریر ہے

دہر میں رسوا نہ ہوتی داستانِ حسن و عشق
کچھ تو میری ہے خطا کچھ آپ کی تقصیر ہے

اے صبا کیوں اس طرح برباد کرتی ہے اسے
خاکِ پامالِ رہِ محبوب کی اکسیر ہے

کامیابی کا مرقع ہے مری دیوانگی
اب تو میں ہوں اک بیاں ہر تری تصویر ہے

عارضی رنگینیوں کا رنگ پھیکا پڑ گیا
جب سے آنکھوں میں کسی کا حسنِ عالمگیر ہے

وہ قدم چلنا ترے کوچے میں مشکل ہو گیا
خود نگاہِ شوق میرے پاؤں کی زنجیر ہے

حشر جس کا ہے مقصد دیدۂ مشتاق کا
آج دامانِ نظر جلووں سے پُر تنویر ہے

جاپان میں عورتوں کی خرید و فروخت کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ جو ماں باپ بھوکے مرتے ہیں وہ اپنی حسین لڑکیوں کو مالکانِ چکلہ کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ عموماً وعدہ یہ ہوتا ہے کہ خریدار کو لڑکی اس وقت واپس کرنے میں عذر نہ ہوگا جب وہ اس سے اپنا اصل مع سود کما لے گا۔ لیکن چکلے والا اس ترکیب سے کام کرتا ہے کہ اس کا روپیہ بیباق ہی نہیں ہوتا۔ وہ بیچاری ہمیشہ کے لئے اس کی غلام ہو جاتی ہے۔ وہ اس سے خوب پیشہ کراتا ہے۔ خود روپیہ کماتا ہے اور مزے کرتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اسکی جوانی ڈھل چکی۔ شباب نہیں رہا تو یا تو اسے کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے یا اپنے یہاں خدمت کرنے اور نئی نئی لڑکیوں کی دیکھ بھال اور بناؤ سنگار کرنے کے لئے تعینات کر دیتا ہے بہرحال وہ کہیں جا نہیں سکتی۔

کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ لڑکیوں نے پیشہ کمانا اچھا نہیں سمجھا یا چکلہ کی سختیوں اور پابندیوں کو برداشت نہیں کر سکیں اور چھپ کر بھاگنے کی تدبیر سوچ نکالی۔ تو مالکوں نے ان کو اپنا مال بتا کر گرفتار تک کرا لیا ہے۔ بھاگی ہوئی لڑکیوں کو باہر سے پکڑ کر لائے ہیں اور پھر ان کے ساتھ سخت برتاؤ کیا گیا۔ مالک کو اپنے پورے حق ملکیت حاصل ہوتے ہیں۔ وہ جو چاہے سو کرے۔ نوجوان عورتوں کو مالک کی غلامی میں رہنا پڑتا ہے۔ اس کی خدمت کرنا پڑتی ہے۔ اور اس کے گاہکوں کو خوش کرنا ان کا فرض منصبی ہوتا ہے۔ اگر خدمت میں کسی طرح کی کمی ہو جائے یا گاہک کو کوئی بات ناگوار خاطر گذرے تو بس بیچاری کی آفت آ گئی کئی بار مار تک پڑتی ہے اور سخت سزا ملتی ہے دو ایک تھپڑوں کا گننا تو معمولی بات ہے۔

بعض مالکانِ چکلہ تو آپس میں ایسا معاہدہ کر لیتے ہیں کہ کچھ مہینوں کے بعد ایک دوسرے سے مال بدل لیتے ہیں۔ اپنے یہاں کی دو چار کسبیاں کسی دوسرے مالک کے یہاں بھیج دیں اور اس کے یہاں سے اپنی دوکان میں منگا لیں۔ اس طرح سے چکلے کے گاہک خوش رہتے ہیں کہ ان کو نیا مال ملتا رہتا ہے اور مالکوں کی آمدنی بھی خوب ہوتی ہے۔

تقریباً ۰ سال ہوئے سرکار جاپان نے ایسی غلام عورتوں کی آزادی کا فرمان جاری کر دیا تھا۔ اس حکم کے بموجب عورتوں کی خرید و فروخت کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ لیکن وہ فرمان صرف لفظی ثابت ہوا۔ اس میں صرف الفاظ کی بھرمار تھی۔ اور کچھ نہیں تھا۔ بازاری عورتوں کی حالت بدستور وہی رہی۔ وہ بیچاری غلام ہی بنی رہیں۔ فرمان ضرورتمندان کے مفاد اور بہتری کیلئے بنایا گیا۔ لیکن بنانے والوں کی تعریف کیجئے کہ لفظوں کو اس ترکیب سے ترتیب دیا کہ ان کی حالت میں ذرا بھی ردوبدل نہ ہو سکا بلکہ وہ ابھی تک غلام ہیں۔ اور کہیں کہیں تو ان کی حالت غلاموں سے بھی بدتر ہے۔

قانونی الفاظ جن کی وجہ سے عورتیں مجبور تھیں بدل دئے گئے۔ جیسے چکلہ کی جگہ مکان کرایہ کو خالی ہے کر دیا۔ بازاری عورت کے بجائے وہ عورت جو لائسنس شدہ مکان میں کام کرتی ہو بنا دیا۔ لیکن اس تبدیلی کا اثر عورتوں کی حالت اور رہنے سہنے کے طریقہ پر نہیں پڑا۔

لوگ برابر چکلوں میں جاتے اور عیاشی سے دن گذارتے ہیں۔ اگر کوئی شریف یہ پوچھے بھی کہ یہ کیا بات ہے تو مالکان کہہ دیتے ہیں یہ کام کرنے والیاں ہیں اول تو چکلہ جگہ ہی ایسی ہے جہاں کوئی جا کر ایسا سوال ہی کیوں کریگا۔ اُسے تو اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے سے مطلب ہوگا۔ اور اگر جرأت کرے بھی تو دھکے مار کر باہر نکال دیا جائے۔ چکلوں کے مالک قانون سے خوب واقف ہیں اور قانونی جواب تیار رکھتے ہیں۔ جواب رکھنے کی ضرورت بھی نہیں۔ قانون ہی ان کے فائدہ کی خاطر ہے۔

۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء سے پہلے کوئی شہادت یا ثبوت اس امر کا نہیں ملتا کہ جاپانی بازاری عورتوں نے اپنی بہبودی اور نجات کیلئے کوئی تحریک کی ہو۔ وہ تو بے زبان مویشیوں کی طرح تھیں۔ مالکان چاہے جو کچھ کریں ان کو سر آنکھوں منظور۔ ان کے زبان ہی نہیں تھی جو مالکان چکلہ کے خلاف ایک لفظ بھی کہہ سکتیں۔ اسی اثنا میں سیلویشن آرمی Salvation Army نے جاپان میں کام شروع کیا اور ان عورتوں کی حالت سدھارنے کی جدوجہد کی۔

پادری یو۔جی مرفی نے ان کی قانونی رکاوٹوں کو ہٹانے کا بیڑا اٹھایا اُنہوں نے عدالت دیوانی میں ایک دعویٰ دائر کیا۔ اور اس امر کا فیصلہ چاہا کہ مالکان چکلہ کو کوئی قانونی حق حاصل نہیں کہ وہ عورتوں پر کسی طرح کی رکاوٹ کر سکیں۔ عورتوں کو چکلوں میں رکھنا خلاف قانون اور ناجائز ہے۔ مقدمہ نے سارے جاپان میں سنسنی پھیلا دی۔ لوگ دلچسپی سے انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ چکلے والے گھبرا گئے۔ انہی دنوں ایک نیا قانون پاس ہوا تھا اور اس کے بموجب کوئی بھی کام جو تہذیب اور انسانیت کے خلاف ہو قانوناً ناجائز مانا جائے۔ پادری صاحب کو اُسی قانون نے مدد دی اور وہ سخت مخالفت ہوتے ہوئے بھی مقدمہ جیت گئے اور عدالت نے صاف لفظوں میں یہ طے کر دیا کہ لائسنس یافتہ اڈے یا مکان خلاف تہذیب اور خلاف اخلاق ہیں اور عدالت میں یہ بھی طے ہو گیا کہ کوئی بھی لڑکی یا عورت اپنے مالک کی زرخرید غلام نہیں چاہے روپیہ کی ادائگی کا معاہدہ عورت نے کیا ہو یا اس کے والدین نے اور وہ عورت اپنی آزادی حاصل کر سکتی ہے۔ قابل جج نے فیصلہ میں یہ بھی تحریر کر دیا کہ چکلیدار کو کوئی قانونی حق حاصل نہیں کہ وہ اُن سے بلا رضامندی جبراً کام کرائے۔

اس فیصلہ سے مالکان میں ایک کھلبلی مچ گئی اور وہ سیلویشن آرمی سے بُری طرح ڈرنے لگے۔ اب وہ اپنے گاہکوں کو دیکھ بھال کر لڑکیوں اور عورتوں سے ملنے دیتے تھے۔ ان کو ہر وقت اندیشہ رہنے لگا۔ کہ مبادا کوئی آدمی ان لڑکیوں سے ہمارے خلاف شکایت کرا دے اور ہمارا ذریعہ روزگار بند ہو جائے کسبیوں کی بھی خوب خاطر مدارات کرنے لگے کہ کہیں یہ ہمارے خلاف علم بغاوت بلند نہ کر دیں اور چکلہ کا کام چوپٹ ہو جائے۔

ادھر سیلویشن آرمی نے بھی زوروں سے کام شروع کر دیا اور چکلے داروں کا خوب مقابلہ کرنے لگے۔ کئی مالکوں پر مقدمے چلائے۔ کئی عورتوں کو ان کے چنگل سے نجات دلوائی۔ ان کے ظلم و جور کی داستان کو من و عن پبلک کے روبرو رکھا۔ مثلاً چکلے والے عورتوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں اور کیا کیا حرکات ان کی خلاف قانون ہیں۔ سیلویشن آرمی کی اس تحریک کا بہت زبردست اثر ہوا سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک نیا قانون بنایا گیا اور اس کے بموجب جاپان بھر میں لائسنس کی شرائط طے کر دی گئیں۔ اب تک تو کہیں پر کچھ شرطیں تھیں اور کہیں پر کچھ۔ لیکن سنہ ۱۹۰۰ء سے سارے جاپان پر لائسنس کا ایک ہی قانون ہو گیا۔

اس قانون نے کسبیوں کو آزادی دلانے میں بہت مدد دی۔ پہلے ہر جگہ تھانے کے ایک رجسٹر میں بازاری عورتوں کے نام درج رہتے تھے۔ اب نئے قانون کے بموجب جو کوئی بھی عورت اپنا نام رجسٹر سے کٹوانا چاہتی وہ زبانی یا تحریری ایک درخواست پیش کرتی۔

جب رجسٹرڈ کسبیوں کو اس نئے قانون کا علم ہوا۔ تو ہزاروں نے درخواستیں دیں اور نجات پانے کے لئے ہاتھ پیر مارے۔ لیکن ان کی حرکات ناجائز نے انہیں پھر شکنجے میں بند کر دیا اور وہ بدستور سابق اپنے مالکوں کی غلام بنی رہیں۔ وجہ کیا کہ بعض عورتوں نے یہ سوچکر کہ اب ہم کو نجات ملنے والی ہے۔ مالکان چکلہ کو دھوکہ دینے کی غرض سے کچھ روپیہ پیشگی ارادتاً بطور قرض لے لیا۔ اور یہ سمجھتی رہیں جب ہم بری ہو جائیں گی تو ادائگی روپیہ کا معاہدہ بھی منسوخ سمجھا جائیگا کیونکہ قانون میں روپیہ کی ادائگی کا کوئی ذکر نہ تھا۔

لیکن اخیر میں جب مقدمہ بازی کی نوبت آئی تو عدالت نے یہ طے کیا کہ جب کوئی رجسٹرڈ عورت نجات یا رخصت حاصل کرے تو ضروری ہے کہ اس کے مالک کو بھی بلایا جائے اور اس کے عذرات سُنے جائیں۔ عدالت کے اس حکم نے قانون پر پانی پھیر دیا۔ مالکوں کی بھر بن آئی۔ اور انہوں نے کبھی کسی عورت کو چھوڑنے کی رضامندی ظاہر نہ کی بلکہ اپنے روپے کی واپسی پر زور دیتے رہے۔ اس طرح وہ قانون الماری میں بند ہو کر رہ گیا۔ اور چکلیدار پھر اپنا کاروبار کرنے لگے۔

قانون قانون ہے یہ سب کو ماننا پڑتا ہے لیکن قانون سازان جاپان نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ اس قانون میں کسطرح انصاف کا خون کیا گیا ہے جیسن نوجوان عورت بذات خود کوئی روپیہ ادھار مالک چکلہ سے نہیں لیتی۔ اور نہ وہ خود اپنی رضامندی سے چکلہ میں داخل ہوتی ہے لیکن قانون کی رُو سے ادائگی اسی کو ذریعہ ہو یہ کیوں جب ماں باپ بھائی یا گھر کے کسی بڑے کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور روپیہ ملنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تو وہ اپنی لڑکی یا بہن کو کچھ روپوں میں مالک چکلہ کے حوالہ کر جاتے ہیں۔ اور پھر وہ اُن سے پیشہ کروا کر اپنا روپیہ وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سعادت مندی اور فرمانبرداری عورت کا ذاتی وصف ہے۔ وہ اپنے ماں باپ کی امداد کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اور نہ صرف غلامی اپنے سر آنکھوں پر قبول کرتی ہے بلکہ عصمت کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

ایک ایک چکلیدار ۲۰۰ اور ۳۰۰ عورتیں رکھتا تھا۔ بڑی بڑی عالیشان سجی سجائی عمارتیں ہوتی تھیں۔ ہر قسم کے آرام و آسائش کے سامان موجود ہوتے شراب کا دور چلتا۔ ناچ اور گانے ہوتے۔ قہقہے اُڑتے۔ قمار بازی ہوتی اور یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ کھلم کھلا لائسنس یافتہ عورتوں کے ساتھ۔ ایک ایک عورت کو کئی کئی شخصوں کی مہمان نوازی کرنا پڑتی تھی۔ اور گاہک کو خوش کرنے اور لوٹنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ اگر اس دوران میں عورت کی طرف سے کوئی نازیبا بات ہو گئی تو مالک جرمانہ اور قید کی سزا بھی دے سکتا تھا۔

سنہ ۱۹۲۳ء تک جاپانی برابر سوتے رہے اور کبھی کسی نے بازاری عورتوں کو بچانے اور اس پیشہ سے نجات دلانے کا خیال تک نہیں کیا۔ لیکن جب پہلی ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء کو بھونچال اور آتش فشانی نے جاپان کا ستیاناس کر دیا۔

آدمی سے زیادہ مخلوق لقمۂ اجل ہوگئی۔ ٹوکیو شہر کی دو تہائی آبادی ایکدم نیست نابود ہوگئی۔ تو اسوقت یہ بھی معلوم ہوا کہ ہزاروں لائسنس یافتہ عورتیں مکانوں میں جل گئیں۔ اور مالکوں نے کچھ بھی پرواہ نہ کی۔

ٹوکیو شہر کے اس حصے میں جس میں چکلے تھے یہ عورتیں بُری طرح مریں۔ مالکوں نے ان کو تالوں میں بند کر رکھا تھا جہاں یہ خاک ہوگئیں۔ اور اب یہ کبھی بھی پتہ نہیں لگ سکتا کہ کتنی تعداد تھی۔ حکام کئی ہزار کا تخمینہ لگاتے ہیں۔ ایک جگہ ۲۵۰ لاشیں ان عورتوں کی برآمد ہوئی تھیں۔ ایک تالاب کے پاس کچھ عورتیں مری ہوئی ملیں۔ جو بھاگ کر کسی طرح جان بچانے کیلئے وہاں پہنچ گئی تھیں۔ اس واقعہ سے لوگوں میں تہلکہ مچ گیا۔

سنہ ۱۹۲۰ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں پر چکلوں میں ۵۱۱۷۳ عورتیں تھیں۔ اور ۲۷۴۵۶۰۵۳ عیاش لوگ تفریح کیلئے اُن کے پاس گئے اوسطاً فی عورت نے ۵۳۷ اشخاص کی مہمان نوازی ایک سال میں کی یعنی ایک مہینہ میں صرف ۴۵ آدمی اور ایک آدمی کا خرچہ تقریباً چھ روپے ہوا۔

عورتوں کے ذریعہ سے جو کچھ فیس آتی ہے۔ اس میں سے آدھی تو مالک چکلہ رکھ لیتا ہے۔ اور ایک چوتھائی دام عورت کے کھانے اور رہنے کے خرچے میں کاٹے جاتے ہیں اور بقیہ ¼ اس کی اپنی ذاتی آمدنی سمجھی جاتی ہے۔ اس ¼ آمدنی میں سے اسکو اپنا ذاتی خرچ اور متفرق اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ جو کسی طرح بھی اس کی آمدنی سے کم نہیں ہوتے۔ آمدنی ہمیشہ کم ہوتی ہے اور اسکو قرضہ لینا پڑتا ہے۔ اس طرح سے اس کا قرضہ بڑھتا ہی رہتا ہے۔ اور وہ اپنی جوانی تباہ کرانے کے باوجود بھی قرضہ سے سبکدوش نہیں ہوتی۔

اب جاپان میں ایک ابولیشن لیگ Abolition League بھی قائم ہوگئی ہے۔ جوان عورتوں کی نجات کی کوشش میں ہے۔ اس لیگ کی سنہ ۱۹۳۰ء کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس سال ۴۸۰۰۰ لڑکیاں چکلوں میں تھیں۔ اور سالانہ تقریباً ۲۲۰۰۰۰۰ عیاش طبع اشخاص آتے رہے۔ جاپان کے کئی صوبوں میں اسکے خلاف سوسائٹیاں بھی قائم ہوگئی ہیں۔ ایک دو جگہ تو ایسی بھی ہیں جہاں اب ایک بھی چکلہ نہیں رہا۔ ابھی حال میں اسکے خلاف ایک بل بھی کونسل میں پیش ہوا تھا۔

مجھے کس کی تلاش ہے

آہ! ان نفس پرست انسانوں کو کیا معلوم کہ مجھے ..... تیرے معصوم حُسن میں ..... کس نور کا تبسم لہراتا ..... نظر آتا ہے ..... یہ حاسد لوگ ..... تو بدنام و رسوا ہی کرنا جانتے ہیں ..... معصوموں اور مخلصوں کو ستانا ان کا ..... شیوہ ہے ..... وہ زخمِ دل پر بجائے مرہم ..... رکھنے کے نمک پاشیاں کرتے ہیں ..... کسی کی تمناؤں ..... اور اُمیدوں کی اجڑتی ہوئی ..... بستی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں ..... افسوس! اس بے ثبات دنیا کے فانی انسان ..... کس قدر ظالم اور سنگدل ہیں ..... میں نے انتہائی کوشش کی ..... کہ اس پاک عشق میں کسی طرح کی رخنہ اندازی ..... نہ ہو ..... سوائے ہم دونوں کے ..... کوئی بھی اس راز سے آگاہ نہ ہو ..... لیکن آہ کسی کا قول زریں ..... میرے خیالِ خام میں بھی نہ تھا ..... کہ ؎

"چھپ نہیں سکتی چھپانے سے محبت کی نظر"

دیدۂ تر ..... سوزِ جگر ..... اور دل کی تپش ..... نے سب کچھ عیاں کردیا۔ گھر گھر اور گلی گلی ..... ہمارے عشق کے چرچے ہونے لگے ..... میرے جذبات پاؤں تلے ..... روندے گئے ..... اور مجھے دنیا میں بدترین انسان ٹھہرایا گیا ..... کاش وہ جان سکیں ..... کہ میں تیری اس موہنی مورت ..... کے جلوے میں ..... کس سورت کا متلاشی ہوں .....

جذبات

از حبیب بخش صاحب۔ مڈھولی ضلع بدایوں

عشق صادق کا اثر ہوتا ہے دونوں جانب
ہے یہی عشق جہانگیر یہی ہے مجنوں
کیوں نہ قاصد کے قدم چوموں بلائیں بھی لوں
جب سُنا جس نے سنا رو دیا سنتے ہی حبیب

شمع بھی جلتی ہے اور جلتا ہے پروانہ بھی
وضع شاہی بھی ہے اور ٹھاٹھ فقیرانہ بھی
یار بھی پیارا ہے مجھے یار کا پروانہ بھی
کسقدر درد بھرا ہے ترا افسانہ بھی

میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہوں اور میں نے انسانی ہستی سے متعلق نہایت اونچا معیار قائم کر رکھا تھا۔ ایک زمانہ میں میرا خیال تھا کہ زندگی ایک بڑی خوشنما اور خوشگوار چیز ہے۔ بنی نوع انسان کے متعلق میں اپنے سینہ میں محبت اور فیاضی کے خیالات رکھا کرتا تھا۔ ہر چند میں غریب ماں باپ کا بیٹا تھا تو بھی مجھ کو شروع سے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ دنیا میں مجھ سے بھی نچلے درجہ کے کئی اور لوگ ہیں جن پر قسمت اتنی مہربان نہیں جتنی مجھ پر تھی۔

مختصر یہ ہے کہ شروع سے ہی میرے دل میں مبتلائے تکلیف نسل انسانی کے لئے مخیرانہ جذبات رہے ہیں۔ اور میری واحد آرزو یہ رہی ہے کہ اس دنیا میں جتنی بھی ناانصافی پائی جاتی ہے اس کو رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش عمل میں لانی چاہئے۔ کبھی کبھی یہ خیال بھی میرے دل میں پیدا ہوتا تھا کہ خدا نے اسی لئے مجھ کو پیدا کیا ہے۔ کہ میں مبتلائے مصیبت انسانوں کے لئے کچھ نہ کچھ کر سکوں بنی نوع انسان کا مستقبل میرے اُس زمانہ کے خیالات کے مطابق میرے اپنے ہاتھوں میں تھا اور میں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ اس بارہ میں اپنے فرائض کو ادا کرنے سے کبھی کوتاہی نہ کروں گا۔ لیکن آج ان سب باتوں کے متعلق میرے خیالات بالکل ہی مختلف ہو گئے ہیں۔ زندگی کے عملی تجربات نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں نے جس خیال کو مدنظر رکھ کر تعلیم حاصل کرنی شروع کی تھی۔ اور جس مقصد کو لیکر ایک ہندوستانی یونیورسٹی کا گریجویٹ بنا تھا۔ عملی زندگی کی بے رحم ٹھوکروں نے مجھے اُس راہ سے بالکل ہی ایک طرف ہٹا دیا ہے۔

میں بی۔اے پاس ہوں اور میں نے یہ ڈگری آنرز کے ساتھ حاصل کی تھی۔ بعض فیاض سرپرستوں نے دورانِ تعلیم میں میری مالی امداد کی جس کے لئے میں ان کا ممنونِ احسان ہوں مگر باطن میں میں انکی اس خیرات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا رہا ہوں۔ بہر حال اس کو لئے بغیر میرے لئے کوئی چارۂ کار نہ تھا صرف اسی خیال سے کہ میں دوسروں کی نظروں میں اونچا درجہ حاصل کر سکوں۔ مجھے اپنے آپ کو اپنی نظروں میں گرانے سے بھی تامل نہ ہوا۔ میرا خیال تھا کہ ڈگری حاصل کرنے کے بعد میں کوئی ملازمت حاصل کر لونگا۔ اور جب ملازمت مل گئی تو مجھے اپنے دلی جذبات کے اظہار کا موقعہ حاصل ہو جائے گا۔ جو آرزوئیں میرے دل میں ہیں۔ میں ان کو پورا کر کے دکھاؤں گا اور اس وقت کے بعد زندگی میرے لئے ہر طرح صاف اور سہل ہو گی۔

جس وقت میں ٹوپی لئے، گون اوڑھے، گردن جھکائے کھڑا تھا اور یونیورسٹی کا چانسلر مجھ کو بی اے کی ڈگری عطا کر رہا تھا۔ تو میں نے اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو گہری توجہ سے سُنا۔ میں نے اسکو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ہر ایک طالب علم کو اپنی زندگی میں اس اعزاز کے قابل ہو کر دکھانا چاہیئے جو آج عطا کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد جس وقت میں کئی اور نوجوانوں کے ساتھ قطار باندھکر گذرا تو میں نے ایک گہری آہ کھینچی۔ اور یہ سوچکر اپنے دل کو اطمینان دیا کہ میں نے اپنی زندگی کا ایک دور تو کامیابی کے ساتھ ختم کر لیا اب اگلا قدم اتنا دشوار ثابت نہ ہوگا۔ مجھکو کیا معلوم تھا کہ زندگی کی عملی جدوجہد ابھی شروع ہونیوالی ہے۔

بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد میں نے مختلف کمپنیوں کے ڈائرکٹروں کے دفتروں اور سرکاری عمارتوں کا پھیرا کرنا شروع کیا۔ میں اپنی سندات ہر وقت اپنے کوٹ کی جیب میں ڈالے رہتا تھا حتیٰ کہ عرصہ دراز تک اسجگہ پڑے رہنے سے کاغذ میلا اور گھِسا سا ہو گیا۔ جب کبھی کسی نئے کام کی تلاش میں جاتا تو پورا الیقین لیکر جاتا تھا کہ یہ آسامی بلازمی طور پر مجھ کو حاصل ہو جائے گی۔ لیکن یہ آرزو بر نہ آنی تھی نہ آئی۔ رفتہ رفتہ مجھے اپنے باپ کے مکان پر رہنے اور کھانا کھانے سے بھی شرم محسوس ہونے لگی کیونکہ میں دیکھتا تھا کہ میری شکم پُری کیلئے میرے رشتہ داروں کو کتنا ایثار کرنا پڑتا ہے۔

میں اچھی طرح محسوس کرتا تھا کہ ایک جوان اور مضبوط آدمی کی حیثیت میں مجھ کو وہ کام کرنا چاہیئے جو میری بجائے میرے بڈھے اور کمزور رشتہ داروں کو کرنا پڑتے ہیں۔ لیکن جس موقعہ کی مجھ کو تلاش تھی وہ کبھی نہ ملتا تھا کوئی شخص ایسا نظر نہ آیا جو گذارے لائق تنخواہ دے یا میری قابلیت کی پورے طور پر قدر کرے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص اپنی دولت میں مزید اضافہ کرنے کی غرض سے میرے وجود سے شباب اور طاقت کو برقرار رکھنے والے خون کی ایک ایک بوند کو زبردستی کشید کر لینا چاہتا ہے۔

میں بازار میں کھڑا ہو کر دیکھتا کہ بیشمار آدمی جو کسی نہ کسی طریقہ پر جدوجہد کی دلدل

سے نکل کر آسودہ حالی کی چوٹی پر پہنچ چکے ہیں۔ نئے نئے فیشنوں کی موٹروں میں بیٹھے بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے دفتروں سے گھروں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ ہر ایک کے منہ میں ایک اس قسم کا مہنگا سگار دکھائی دیتا جسکی قیمت میرے دو دن کے گذر اوقات کے لئے کافی ہوتی۔ غروب آفتاب کے بعد میں پھر اُن کو دیکھتا۔ اپنی موٹروں پر سوار اپنی عالیشان کلبوں کی طرف جاتے تھے جن کا حال فقط میرے سننے میں آیا ہے کبھی اُن کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بیویاں ان کے پہلو میں بیٹھی ہوئی ہنس ہنس کر باتیں کرتیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا دنیا کی کوئی فکر و تشویش۔ یوم فردا کا کوئی خیال۔ عاقبت کے متعلق کسی طرح کے اندیشے قطعاً ان کو دامنگیر نہیں ہیں۔

جب میں ان لوگوں کو اس قسم کے بیش قیمت ریشمی پارچات میں ملبوس ہوا میں اُڑتی ہوئی موٹروں پر سیر کرتے دیکھتا اور اس کے ساتھ ہی خیال کرتا کہ ان ہی کے بھائی بند ان سے ملتے جلتے مرد اور عورتیں سڑکوں کے دو رویہ مختلف مقامات پر بھوکے پڑے سسکتے ہیں اور ان کے کھانے کو اپنے گوشت و پوست کے سوا کوئی چیز موجود نہیں تو میرا دل ..... بے اختیار ٹوٹنے لگتا تھا۔ میں حیران ہو کر سوچتا تھا۔ کیا اسی کا نام دنیا ہے؟ کیا اسی کو انصاف خداوندی کہا جاتا ہے؟ سچ کہتا ہوں ان حالات کو دیکھ کر آدمی کی آدمیت، بلکہ اس سے زیادہ خدا کی خدائی پر میرے دل میں شکوک پیدا ہونے لگتے تھے۔

میں ان لوگوں کے ہاتھوں میں جنہیں حالات نے برسر اقتدار کر رکھا ہے۔ مٹی کے ایک ڈھیلے کی طرح ہوں اور ایک مجھ پر کیا موقوف ہے نہ جانے میری طرح اور کتنے بدنصیب اُسی کشتی پر سوار ہیں جس پر میں دنیا کے بحر بے پایاں کو عبور کرنے پر مجبور ہوں۔ یہ مالدار لوگ جنہیں اپنی غیر معمولی دولت پر اس سے زیادہ کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اتفاقیہ اُن کے قبضہ میں آگئی اپنی مرضی اور اپنی خوشی کے مطابق ہم سے سلوک کرتے ہیں۔ وہ ہمیں ایک طرح پر سامان تفریح خیال کرتے ہیں۔ جب اُن کے چربیلے رخساروں پر تبسم پیدا نہیں ہوتا تو وہ ہمارے حرکات و سکنات کو اپنے لئے باعث مسرت بنا لیتے ہیں۔ انہیں اور اُن کی حالت دیکھ کر مجھے اس ہندوستانی راجہ کا قصہ یاد آتا ہے جو اپنے مہمانوں اور دوستوں کی تفریح کے لئے اپنے نوکر کو مجبور کیا کرتا تھا کہ بجلی کے کھلے پلگ میں اپنی انگلیاں داخل کرے۔ ہاں میں جھوٹ نہیں کہتا یہ ہمارے بزرگ۔ یہ ہماری سوسائٹی کے لیڈر۔ یہ ہماری قوم کے رہبر ٹھیک ویسا ہی سلوک ہم سے کر رہے ہیں جسکی مثال میں نے اوپر درج کی ہے۔

بازاروں سے گزرتے ہوئے میں وہ بت اور یادگاریں دیکھتا ہوں جو تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر رفتہ و گزشتہ اکابر قوم کی یاد برقرار رکھنے کے لئے ایستادہ کی گئی ہیں۔ جب تک یہ پتھر کی مورتیں قائم ہیں۔ لوگ اُنہیں دیکھ کر اُن کی یاد کرتے رہیں گے جو کبھی اس دُنیا میں ہوئے تھے لیکن میں پوچھتا ہوں۔ میں ان سے جنہوں نے ان مُردہ اشخاص کی یادگاریں قائم کی ہیں، سوال کرتا ہوں کہ مرے ہُوؤں کا اتنا فکر کرتے ہوئے کبھی تم نے زندوں کے متعلق بھی کوئی بات سوچی ہے؟ ہم اپنے کمروں کی زیبائش کیلئے اسلاف قوم کی تصویریں آویزاں کرتے ہیں مگر اُن بچوں، ان ہونہار نوجوانوں، قوم کے اُن جگر پاروں کا کیا کبھی کسی کو خیال آیا ہے جنکو اگر موقعہ نصیب ہوتا تو عین ممکن ہے کہ ان کے برابر یا شاید اُن سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر دنیا میں نام پیدا کرتے۔ افسوس جہاں ہم مردہ شخصوں کی لاشوں کو سلام کرتے ہیں وہاں نومولود بچہ کو حقیر سمجھکر بالکل ہی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور اس کا نام دُنیا نے قانون اخلاق رکھا ہُوا ہے۔

میں بھی اس قانون اخلاق کا ایک شکار ہوں میں ان بدنصیبوں میں سے ایک ہوں۔ جن کا شباب گذرا جاتا ہے مگر اُنہیں کرنے کو کام نہیں ملتا میرے اندر کام کرنے کا شوق ہے، مستعدی ہے، توانائی ہے۔ میں دن رات سنتا ہوں کہ ہر شخص اس دُنیا میں کام کرنے کے لئے آیا ہے لیکن وہ کام جس کی مجھ کو تلاش ہے نہیں ملتا۔ لوگ میری قابلیت کی آزمائش کے بغیر ہی حقارت سے میری شخصیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ مجھے اس قسم کا موقعہ دینا نہیں چاہتے جسکی مجھ کو تلاش ہے اور جس کے بغیر انسان کی پنہاں خوبیاں کبھی ظاہر نہیں ہو سکتیں اور یہ سب کس لئے؟ ان ساری خرابیوں کی وجہ صرف ایک ہے کہ میں غریب آدمی کا بیٹا ہوں۔ میرے پاس سفارش کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اسلئے میری تعلیم، میرا شوق محنت، میری قابلیت سب خاک میں مل جاتی ہیں۔

میں نے دن رات محنت کر کے جو کتابیں یاد کی تھیں جو سبق اُن کتابوں سے سیکھے تھے جو نصیحتیں اُن سے حاصل کی تھیں ان کا عملی نتیجہ کیا ہے؟ کچھ نہیں! میں نے راتیں آنکھوں میں گذاری تھیں۔ میں نے اپنا آرام و چین حرام کر کے کتابوں کے اوراق کو دیمک کی طرح چاٹا تھا مگر وہ علم جو میں نے حاصل کیا میرے کس کام کا؟ یہ غلط ہے کہ اس دنیا میں علم قابلیت یا محنت کی قدر ہوتی ہے۔ اگر کسی زمانہ میں ہوتی تھی تو وہ وقت اب باقی نہیں رہا۔ اب تو دنیا تین چیزوں پر مرتی ہے: (۱) چالاکی اور عیاری (۲) سفارش اور آخر (۳) خاندانی نام اور عزت اور یہ تینوں میرے پاس نہیں ہیں لیکن اس میں میرا کیا قصور؟ قصور ان تمدنی اور اقتصادی حالات کا ہے جو مجھے اپنی قابلیت کے اظہار کا موقعہ دینا نہیں چاہتے جو میرا کام دیکھے بغیر ہی مجھ کو ناقابل سمجھ لیتے ہیں۔ دولت راحت انسانی زندگی میں بڑا حصہ لیتی ہیں۔ علم کی دولت نہیں۔ نیکی کی دولت نہیں شرافت کی نام نہاد دولت بھی نہیں کیونکہ اس زمانے میں کوئی اسکو نہیں پوچھتا میرا مطلب اس دولت سے ہے جس کا اندازہ ٹھوس سکوں سے کیا جاتا ہے

خواہ وہ روپے ہوں یا پونڈ، ڈالر یا فرانک یا ان سکوں کی وہ فرحت افزا کاغذی صورت جو نوٹ کہلاتی ہے دنیا کے سبھی حصوں میں یہی ایک بات دیکھی جاتی ہے کہ دولت ہی اس جہاں میں سب کچھ ہے اور دولت کے بغیر کچھ نہیں۔

لوگ کہتے ہیں۔ شباب اس عالم میں سب سے بڑی طاقت ہے۔ میں کہتا ہوں غلط! شباب انسان کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اگر اس کے ہاتھ میں دولت نہ ہو۔

دنیا نے کام کرنے والوں کے لئے قدیم سے جتنے معیار قائم کئے تھے میں ان سب میں پورا اترا لیکن پھر بھی میرا کوئی قدردان نہیں۔ اور یہ صرف اسلئے کہ ایک ایسی چیز میرے پاس نہیں ہے جسکو حاصل کرنا میرے اختیار سے باہر ہے میں جب پیدا ہوا تو میرے منہ میں چاندی کا چمچہ نہیں تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ میرے لئے ایک ہی طرح کی کولھو کے بیل کی سی زندگی ہے ایک ایسی زندگی جس میں خوشنما یوم فردا موجود نہیں جس میں حال بھی اتنا ہی بھیانک ہے جتنا ماضی تھا یا جتنا مستقبل ہو سکتا ہے۔

لیکن میں اس حالت کو گوارا نہیں کر سکتا، اسی غلامانہ ذہنیت سے مجھ کو نفرت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے سالہا سال پیشتر اس دنیا سے جسمانی غلامی کا خاتمہ کیا تھا۔ کیا آج خدا کا کوئی نیک بندہ ایسا نہیں ہے جو اس ذہنی غلامی کا خاتمہ کر سکے جسے ہم اپنے گرد و نواح میں ہر طرف دیکھ رہے ہیں؟ ایک آدمی میرے حال پر رحم کر کے مجھ کو تھوڑا سا گزارہ دیتا ہے مگر میں حقارت کے ساتھ اسے لینے سے انکار کر دیتا ہوں کیونکہ میں کسی کی خیرات پر پلنا نہیں چاہتا قدرت نے مجھے ..... اس لئے بھیجا ہے کہ اپنی محنت سے کمائی کروں اور میں اسی طرح کرنا چاہتا ہوں لیکن حالات میرے مزاحم ہیں۔ انہی حالات نے رکاوٹ کی ایک اونچی دیوار میرے چاروں طرف بنا رکھی ہے جسکو پھاندنا میرے لئے اس وجہ سے دشوار ہے کہ میں اپنے پاس دولت کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہو سکتا ہے کوئی آدمی کسی طریقہ پر میری قابلیت سے آگاہ ہو کر وہ کام مجھے دے جسے پانا میرا حق ہے لیکن خدا جانے وہ وقت کب آئیگا عہد شباب میں آئیگا یا بڑھاپے میں جب میں کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔ اور آئے گا بھی یا نہیں؟

میرے جیسے نوجوان کے لئے اپنی زندگی کے بہترین ایام بیکاری میں بسر کرنا سخت ہی مصیبت کا باعث ہے۔ یہ دن رات کا انتظار۔ اس چیز کے لئے جو کبھی حاصل نہیں ہوتی۔ جان لیوا، روح فرسا ثابت ہو رہا ہے جوں جوں دن گذرتے چلے جاتے ہیں میں حیران ہو کر سوچتا ہوں کیا اس دنیا کے نظام میں میرے لئے کوئی جگہ ہے بھی یا نہیں؟ میں جس بھول بھلیاں میں پڑا ہوں کیا کبھی اس سے باہر قدم رکھ سکوں گا یا نہیں؟ فی الحال تو میری ہر ایک امید تلف ہو چکی ہے۔ میری ہر ایک کوشش اس اندھی گلی سے باہر نکلنے کیلئے جس کے اندر میں محصور ہوں ناکامی کی صورت اختیار کر رہی ہے آج تنگ آ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر دنیا کو میری ضرورت نہیں تو مجھے اس کے ساتھ کسی طرح کی دلچسپی کیوں ہو؟ کیوں نہ میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں؟ میں نے سنا ہے کسی نہ کسی موقعہ پر ہر ایک آدمی باہر نکلنے کی یہ راہ ضرور ڈھونڈا کرتا ہے۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ میرے لئے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں ہے۔ زندگی بیشک بڑی خوشنما فرحت افزا چیز ہے لیکن اس کی فرحتیں اور مسرتیں جب ہی حاصل ہو سکتی ہیں کہ آدمی کو آرام و اطمینان میسر ہو اور اسکو ان باتوں کے حاصل کرنے کا موقعہ مل سکے۔ جب مجھے اس دنیا میں کرنے کے لئے وہ کام ہی نہیں ملتا جس کیلئے مجھ کو یہاں بھیجا گیا تھا تو کیا تکلیف و اذیت کے عالم میں میرے لئے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار باقی ہے؟ میں سنتا ہوں یہ بزدلوں کا طریقہ ہے۔ کوئی بہادر آدمی، کوئی عزت دار شریف آدمی زندگی کے اس مقررہ عرصہ کو جس کیلئے اسے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے قطع کرنا منظور نہیں کرتا۔ وہ ہر قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں جھیلتا ہے لیکن امید کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ ممکن ہے اسی طرح ہوتا ہو لیکن مجھ کو اس راستہ پر چلنے میں جو قدرت اپنی انگلی سے اپنے آپ مجھ کو دکھاتی ہے۔ کوئی برائی۔ کوئی خرابی۔ کسی طرح کی بزدلی نظر نہیں آتی۔ میں جانتا ہوں کہ میرے بعد چند آدمی میری زندگی کے حالات پر غور کرنے کے لئے بیٹھیں گے اور وہ تھوڑے فکر اور مشورہ کے بعد میری نسبت یہی فتوٰے صادر کریں گے کہ عارضی دیوانگی کے عالم میں اس نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ یہ فتوٰی ہے جو کاروبز لوگ اس طرح کے حالات میں دیتے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ دیتے چلے جائینگے۔ مگر کوئی خدا کا بندہ یہ نہ سوچے گا کہ اس عارضی دیوانگی کے حالات پیدا کیونکر ہوئے اور آئندہ کے لئے ان کا سدباب کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ میں ہر طرح صحیح الحواس ہوں۔ میرے دماغ میں فتور نہیں۔ میرے ذہن میں بھی فتور نہیں۔ اب بھی اگر مجھکو کام کرنے، زندہ رہنے اور خوشی حاصل کرنے کا موقعہ دیا جائے تو میں اس موقعہ کو ہاتھ سے دینا پسند نہیں کرتا اگر اس حالت میں مرنا جب دنیا تم کو زندہ رہنے دینا نہیں چاہتی۔ اس کا نام دیوانگی ہے تو پھر میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ہم میں سے بہتوں کیلئے ایک نہایت شاندار جائے پناہ ہے۔

بارہا میں سوچتا ہوں کہ اس دنیا کے نظام میں کوئی فتور پیدا ہو گیا ہے۔ یا خدا ہی زندہ نہیں رہا اور اس کی عدم موجودگی میں یہ ساری برہمی پیدا ہو رہی ہے ورنہ کیا باعث کہ جن چیزوں کی تلقین قدیم سے مذہب کرتا چلا آیا ہے

وہ آج سب جھوٹی اور بے بنیاد ثابت ہو رہی ہیں۔ میں نے فارسی میں ایک شعر سُنا تھا ؎

کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما ⁂ فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

لیکن میں حیران ہو کر سوچتا ہوں۔ وہ کیسا کارساز ہوگا اور اسکو ہمارے کاموں کے متعلق کیونکر فکر دامنگیر ہوسکتا ہے۔ جب وہ ایک ایسے آدمی کے لئے جو کام کرنے کیلئے مستعد و آمادہ ہے کوئی رستہ آگے قدم اُٹھانے کا پیش نہیں کرتا۔

خیر اسقدر لکھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر بنی نوع انسان کو میری ضرورت نہیں تو زبردستی اس پر بار ہونا میرے لئے موجبِ شرم ہے۔ اگر دُنیا کے کام میرے بغیر چل سکتے ہیں تو پھر نظامِ کائنات میں میری ہستی کی ضرورت کیا ہے؟ میں خوب جانتا ہوں کہ دنیا غلط رستہ پر چل رہی ہے۔ اور اگر میں اپنے خیالات کا پوری طرح پرچار کرسکوں تو کئی خرابیوں کا انسداد ممکن ہے۔ لیکن مجھے اپنے خیالات کے پرچار کا موقع بھی تو ملے۔ محض دل میں سوچتے رہنے اور کسی کی رہبری نہ کرنے سے میں کیونکر دنیا کی بھلائی کرسکتا ہوں؟

ہم نوجوان آدمی شروع میں اپنے لئے بڑے بڑے آدرش قائم کرتے ہیں لیکن اُن کا خاتمہ ہمیشہ مایوسی اور افسردگی پر ہوتا ہے۔ دُنیا کی بیرحمی دیکھئے کہ وہ اپنے حال پر چلی جاتی ہے اور ایک منٹ بھی اس مطلب کے لئے نہیں ٹھہرتی کہ ہم جیسوں کے حالات پر نگاہ کرے۔ دن کے وقت جب ہم تھکے ماندے اعضاء کو گھسیٹتے کام کی نہ ختم ہونے والی تلاش میں سڑکوں اور بازاروں کا گشت کرتے پھرتے ہیں یا رات کے اندھیرے میں جب بھوک فاقہ کشی اور مفلسی کے سایے ہمارے سروں پر چھائے ہوتے ہیں اور ہماری ڈگریاں اور ڈپلومے ایک دو پیسے کی تصویر کی مانند محض دیواروں کی آرائش کا کام دیتے ہیں دنیا اپنے نہ ختم ہونے والے سفر پر برابر چلی جاتی ہے۔

زمانہ گذشتہ میں بیشمار لوگ عزت کی خاطر جان سے گزر گئے لیکن بیشمار آدمی ایسے بھی موجود ہیں جو فقط عزت کی خاطر جیتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ میں اس دنیا سے رخصت ہونے کا مصمم ارادہ کرنے کے باوجود ابھی تک زندہ ہوں یعنی میرے دل میں یہ خیال ہر اس پیدا کرتا ہے کہ مجھ پر جو بیتے گی وہ تو سہ لونگا لیکن اگر میں نے خودکشی کی مثال قائم کرکے دکھائی تو نہ جانے میرے جیسے کتنے اور میری پیروی پر آمادہ ہوں۔ اگر میں زندہ رہا تو میری طرح سینکڑوں نوجوان میری مثال کو دیکھ کر ہر طرح کی مشکلات کے باوجود زندہ رہ سکینگے اور عین ممکن ہے اس بھولی ہوئی دُنیا میں کبھی کسی کا خیال اُن میں سے کسی کی طرف چلا جائے اور وہ اس منزلِ مقصود تک پہنچ سکے جو قدرت نے اس کیلئے قائم کی تھی ہیں اور تو کسی طرح کی خدمت اپنے بھائی بندوں کی نہ کرسکا۔ اگر اس ذریعہ سے چند قیمتی جانیں بچانے میں کامیاب ہوگیا تو سمجھوں گا کہ میری ہستی سپھل ہوئی۔

صرف اسی خیال کو جی میں لیکر ہر طرح کی مشکلات کے باوجود مجھ ایسے بدنصیب دنیا میں زندہ رہنے اور حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ میں دن بھر کی ساری مصیبتوں کے بعد یومِ فردا کا انتظار کرنے کی طاقت رکھے چلا جاتا ہوں ●

مُلاقات کی رات

اسلم سعید پوری

چھٹکی ہوئی تھی چاندنی، تارے تھے ضوفشاں
ماتھے پہ بندی، ہاتھ میں کنگن، گلے میں ہار
دل مائلِ جمالِ رُخِ نو بہار تھا
تھے سُرخ سُرخ گال، تو زلفیں تھیں مشکبار
برپا تھا "حُسن و عشق" کی دُنیا میں انقلاب
جذبات کی شرابِ محبت کے خُم میں تھی
ہاتھوں میں اُن کے ہاتھ تھا، سحر نگاہ تھا
کچھ ان کی تھیں حکائتیں، میری شکائتیں
چمٹا رہے تھے سینے سے اُن کے شباب کو
باہوں میں باہیں ڈال کے تھی محو گفتگو!

پہلو میں مست نازنیں، نوخیز، نوجواں
اُٹھتی ہوئی جوانی ہیں، نکھری ہوئی بہار
جلوہ فگن وہ حُسن، لبِ جوئے بار تھا
جھک جھک کے ہو رہی تھی، چمن کی فضا نثار
منت پذیر دل مرا، حائل وہاں حجاب
کیا ہی گذر رہی تھی مسرت کی زندگی
فصلِ بہار تھی، کہ زمانہ گناہ کا!
تھیں مختلف کتابِ محبت کی آئتیں
چھیڑا تھا میرے ہاتھوں نے تارِ رباب کو
میں اُسکے روبرو تھا۔ وہ تھی میرے روبرو

مستی و قلندری

لڑکیوں کو آزادی کی تعلیم دینے اور سرکاری مدارس میں انگریزی پڑھانے اور مخلوط طریقۂ تعلیم کی حمایت میں دھواں دار تقریریں کرنے والے ذرا سبزی منڈی دہلی کے اس تازہ واقعہ کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پندرہ سالہ لڑکی شمشاد بیگم آٹھویں جماعت میں تعلیم پاتی تھی۔ دوران تعلیم ہی میں اس میں اور ایک نوجوان میں پیار و محبت بھری خط و کتابت شروع ہوگئی اور رفتہ رفتہ شادی نکاح کا وعدہ بھی پختہ ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ لڑکی کے عزیزوں کو جو پتہ چلا تو اُنہوں نے ان دونوں کو منظوری دینے سے انکار کردیا۔ لڑکی نے اس صدمہ کو خاموشی سے برداشت کرکے نہایت حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے اپنے محبوب کو لکھ بھیجا کہ تم فلاں روز ترکمان دروازہ پر ملو چنانچہ اسکول سے لاری میں آتے ہوئے وقت مقررہ پر وہ ترکمان دروازہ پر اتر گئی۔ اور دونوں نے سبزی منڈی کی ایک مسجد میں پہونچکر اپنا نکاح پڑھوالیا۔ اس کے بعد کئی روز تک لڑکی اپنے سسرال میں بھی رہی۔ اور دونوں نے تھانہ میں جاکر تمام واقعہ بھی بیان کردیا۔ اب سُنا ہے لڑکی کے اقربا شکایت کر رہے ہیں کہ آزاد مزاج لڑکی نے نکاح کے چھوہارون تک سے عزیزوں کو محروم رکھا۔

انبالہ کی ایک سنسنی خیز خبر ہے کہ یہاں ایک حسین و جمیل عورت نے اپنے شوہر محترم کی ناک اس صفائی سے غائب کردی کہ شوہر صاحب دیکھتے ہی رہ گئے۔ مسماۃ کا بیان ہے کہ اس کا شوہر نہایت بدچلن اور آوارہ ہے۔ وہ بیوی کی موجودگی میں دوسری عورتوں سے لگاوٹ رکھتا تھا میں اسکی اس بدچلنی کو گوارا نہیں کرسکتی تھی۔ اسلئے کہ میں خود کسی غیر مرد سے تعلق نہیں رکھتی تھی آخرکار میں نے یہ کیا کہ اس کی ناک کاٹ ڈالی تاکہ اس کی سورت مسخ ہو جائے اور دوسری عورتیں اس سے محبت نہ کریں۔

لیکن مجھے اب بھی اپنے شوہر سے محبت ہے اور میں اس نکٹے شوہر سے محبت کرتی رہوں گی۔ اسلئے کہ اب وہ دوسری عورتوں سے تعلق نہ رکھ سکیگا۔

واللہ اس عورت کی جرأت کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاتا۔ ساتھ ہی اب تمام شوہروں کو چاہیئے کہ اپنی اپنی ناکوں سے ہوشیار رہیں یا ناکوں کے بیمہ کرادیں کیونکہ اب زمانہ بدل گیا ہے کسی زمانہ میں بدچلنی کے باعث عورتوں کی ناکیں صاف کی جاتی تھیں لیکن اب عورتوں نے انتقاماً مردوں کی ناکوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ ہے خدا خیر کرے۔

آبرو ز عصمت دری: سائنس کی نئی نئی ایجادیں ہو رہی ہیں۔ زمانہ ترقی کرتا جارہا ہے۔ زمانے کے ساتھ ہی ساتھ بدمعاش بھی ترقی کر رہے ہیں اور بدمعاشی میں عجیب عجیب ایجادات کر رہے ہیں۔ حال ہی میں بمبئی گرگام پولیس نے ایک بدمعاش کا اسلئے چالان کیا ہے کہ جب وہ چوپاٹی کے قریب سمندر میں تیر رہا تھا تو اس سے کچھ فاصلے پر چند نوجوان لڑکیاں بھی نہا رہی تھیں چنانچہ مجرم آہستہ آہستہ تیر کر ان کے نزدیک پہنچ گیا اور اندر ہی اندر ایک لڑکی کو گھسیٹ کر پانی کے اندر ہی اس کی عصمت دری کی کوشش کی معلوم نہیں۔ اس سلسلہ میں اسے کہاں تک کامیابی ہوئی لیکن اسمیں شک نہیں کہ آدمی تھا جدت پسند۔

آپ نے مٹنجن کھایا ہوگا۔ بریانی کھائی ہوگی اور بہترین غذاؤں سے اپنے کام و دہن کو لطف یاب کیا ہوگا لیکن آپ نے "پاسوپونا" کبھی نہیں کھایا ہوگا۔ "پاسوپونا" آجکل وائنا کی نوجوان عورتوں کی مرغوب ترین غذا ہے جو بلی کے گوشت سے تیار کی جاتی ہے۔ اگر آپ وائنا کی رہنے والی کسی عورت کی دعوت کریں اور اسے "پاسوپونا" یعنی بلی کا گوشت نہ کھلائیں تو آپ کو حد درجہ غیر مہذب خیال کیا جائے گا۔ "پاسوپونا" کے متعلق وائنا کی عورتوں کی رائے ہے کہ اس سے جوانی اور حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے وائنا کی گربۂ مسکین پر مصیبت نازل ہوگئی ہے۔ آج وائنا میں کسی قیمت پر بھی بلی کا دستیاب ہونا مشکل ہے۔ اسلئے اگر اہل ہند بلیاں بھیجنے کا کام شروع کردیں تو اس تجارت میں بہت نفع ہے۔ یہ ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا کہ طبی لحاظ سے یہ غذائے لطیف کیسی ہے۔ ممکن ہے کہ اطبائے بلی ماراں دہلی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔

وائنا میں تو بلیوں پر مصیبت نازل ہوئی ہے اور آسٹریا پر حضرت ہٹلر کے حیلوں یعنی نازیوں کے مسلط ہو جانے کے باوجود بھی گربۂ مسکین کی مصیبت میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے بلکہ یہودیوں سے بھی زیادہ وہ اپنے آپ کو نوجوان عورتوں کی دست و برد سے بچانے کی تدابیر سوچنے میں مصروف ہیں لیکن امریکہ میں مینڈکوں کے خلاف بھی جہاد برپا ہے۔ امریکہ کی ایکٹرسوں سے کسی مسخرہ ڈاکٹر نے یہ کہہ دیا ہے کہ ایکٹرس کے لئے مینڈک بہترین غذا ہے۔ جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جسم میں غیر معمولی قوت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ عورتوں کو موٹا نہیں ہونے دیتا ڈاکٹر کے اس عجیب و غریب فرمان کے

(بقیہ صفحہ ۵۵ پر ملاحظہ فرمائیے)

دو تصویریں

امیر

ریشمیں پردے دروں کی بیل پر ہلتے ہوئے
مخملی قالین کیا ہیں پھول ہیں کھلتے ہوئے

شربتی فانوس، رنگیں جھاڑ، بجلی کے کنول
روشنی اتنی، کہ جیسے دھوپ آئی ہے نکل

جگمگاتے قمقمے ہیں کہکشاں در کہکشاں
قد آدم آئینوں میں کوندتی ہیں بجلیاں

خوشنما گلدان، رنگیں جام، چاندی کے گلاس
کی گئی ہے صرف، آرایش پہ دولت بے قیاس

نقرئی سوفوں کے گل بوٹے ہیں فردوس نظر
دعوتِ نظارہ دیتے ہیں مطلا بام و در

مرمریں میزوں پہ گلدستے قطار اندر قطار
کس قرینے سے ہیں آویزاں مرقع زرنگار

رنگ و روغن سے ہیں دیواروں کے سینے جلوہ گر
اس مکاں کو عیش منزل کہئے یا آرام گھر

نرم بستر کی مسہری، خوشنما الماریاں
دہر فانی میں سدا رہنے کی ہیں تیاریاں

سرخ پردوں میں ٹکی ہیں موتیوں کی جھالریں
رات کو دن کر رہی ہیں قمقموں کی تابشیں

فرشیاں رکھی ہوئی ہیں اور سگرٹ کیس بھی
اک نرالی شان ہے اپنی جگہ ہر چیز کی

چاندنی پر ایک سلوٹ بھی نظر آتی نہیں
اس مکاں کا فرش ہے، یا چاند تاروں کی زمیں

جھلملاتے ہیں سنہرے عطر دانوں کے غلاف
قابل نظارہ ہیں مرمر کے جالی کے شگاف

گا رہی ہے گیت سے بجلی کے پنکھے کی ہوا
پھول کے گجروں سے کس درجہ معطر ہے فضا

مغربی تہذیب بھی ہے، مشرقی انداز بھی
تمکنت بھی، سادگی بھی، سوز بھی ہے ساز بھی

دیدنی ہیں نوکروں کی جگمگاتی وردیاں
کس تکلف سے چمکتی ہیں سنہری پیٹیاں

کس قرینے سے صف آرا ہیں کمربستہ غلام
اللہ اللہ! اس مکاں کا طمطراق و اہتمام

دست بستہ، سر جھکائے ایستادہ ہیں ندیم
یعنی وہ وابستگانِ دامنِ فیضِ عمیم

جن کا مذہب زر پرستی، جن کی دنیا جی حضور
جن کے سایہ سے بھی رہنا چاہیے انسان کو دور

جن کی باتوں کی گھلاوٹ، جن کے ہونٹوں کی ہنسی
سحرکارانہ بناوٹ، ایک جھوٹی زندگی

جو بنا سکتے ہیں اک انسان کو پروردگار
جن کی روزی کا جہاں میں چاپلوسی پر مدار

جمع ہیں کچھ بندگانِ زر پرست و بے ضمیر
جمگھٹے میں ان کے بیٹھا ہے امیر ابن امیر

جس کے نتھنوں سے نکلتے ہیں تکبر کے شرار
جس کے تیور اسکی فطرت کے ہیں خود آئینہ دار

جس کے ماتھے کی شکن سے کپکپا جاتے ہیں لوگ
جس کی محفل میں بڑی تعظیم سے آتے ہیں لوگ

جسکو لوگوں نے دیا ہے "ان داتا" کا خطاب
جس کی باتوں پر نہیں ہوتی مجال احتساب

جس سے کہہ سکتا نہیں کوئی سر مو اختلاف
جس کی آنکھوں پہ چڑھائے ہیں خوشامد نے غلاف

بند ہیں جس کے خزانے بدنصیبوں کے لئے
ٹھوکریں ملتی ہیں جس کے ہاں غریبوں کے لئے

غریب

مونج کی رسی یہاں بانسوں پہ ہے لپٹی ہوئی
پست دیواروں پہ اک بودی سی چھت رکھی ہوئی

فرش ناہموار، بوسیدہ ہیں چھپر کے ستوں
شرم آتی ہے، اسے میں کس زباں سے گھر کہوں

طاق میں رکھا ہوا ہے ٹمٹماتا سا چراغ
اس مکاں کی ہے فضا، نا واقفِ عیش و فراغ

بکریوں کے پاس ہی رکھی ہوئی ہے ایک کھاٹ
چند برتن چھاج، چھلنی، اور لوہے کی پرات
بیچ کے کوٹھے کی کھونٹی پر لٹکی ہے دوچھی
ایک کونے میں رکھا ہے پھاوڑا، کھرپا، کدال
چند مٹی کے سکورے، چند پانی کے گھڑے
اک پھٹی دوہر ذرا اُجلی سی آتی ہے نظر،
ایک مٹی کا گھڑا رکھا ہے چولھے کے قریب
راکھ پر اوندھی پڑی ہے ایک ٹوٹی سی چلم

جس کے سرہانے بچھا ہے ایک بوسیدہ سا ٹاٹ
بس یہی لے دیکھئے اس گھر کی ہے ساری کائنات
ہر طرف چھائی ہوئی ہے مفلسی ہی مفلسی
جا بجا بکھرا ہوا ہے، پھونس سینکیں اور پیال
صحن میں ٹوٹی ہوئی اینٹوں پہ ہیں رکھے ہوئے
ورنہ سچ یہ ہے دھوئیں میں رچ گیا ہے گھر کا گھر
اس مکاں کے رہنے والوں کا جسے کہئے نصیب
ذرہ ذرہ پر یہاں کے یہ عبارت ہے رقم

این سیہ خانہ شعاعِ نیرِ عشرت نہ دید
کس دریں آبادیِ ویراں، گلِ راحت نہ چید

ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا ہے کھاٹ پر
وائے محرومی! کہ ہے کل کائنات اُسکی یہی
جھریاں چہرے پہ پنڈلی کی نسیں اُبھری ہوئیں
ڈالتا ہے گھر کے ساماں پر نگاہیں بار بار
بیاہنے کے واسطے بیٹھی ہیں گھر میں بیٹیاں
رہ گئی ہے گھٹ کے سینوں ہی میں جوانی کی اُمنگ
بجھ چکا ہے خود بخود جن کی مسرت کا چراغ
غم کے ہاتھوں جن کا اس دنیا میں رہنا پاپ ہے
جو بہاتا ہے پسینہ چلچلاتی دھوپ میں
اس بڑھاپے میں بھی جس کو چین مل سکتا نہیں
یہ تمدن جسکو ٹھکراتا ہے اِک اک گام پر

ہاتھ میں رسّی کے ٹکڑے بکریوں پر ہے نظر
ایک میلا سا انگوچھا، اک پھٹی سی مرزئی،
زرد چہرہ، جسم لاغر، ہڈیاں نکلی ہوئیں
سوچتا ہے کس طرح نپٹے گا، بنئے کا اُدھار
جن کی قسمت میں لکھا ہے چھاج، چولھا، چکیاں
جن کی اُمیدوں پہ یہ دُنیائے آب و گل ہے تنگ
رنج و کلفت کے اثر سے جن کے دل ہیں داغ داغ
یہ انہی مفلس کنواری لڑکیوں کا باپ ہے
موت جس پر ہنس رہی ہے، زندگی کے روپ میں
جس کی دُنیا کھیت، تھوڑا سا نمک نانِ جویں
بھیک بھی ملتی نہیں جسکو خدا کے نام پر

اے خداوندِ کہ و مہ، اے خدائے ذوالجلال
چھا رہا ہے دہر پر سرمایہ داری کا غرور
زندگی فریاد و ماتم ہے غریبوں کے لئے
تیرے بندے آج بھی پامال ہیں، برباد ہیں
اہلِ دولت یعنی وہ نادار بندوں کے خدا
ہو گئے ہیں سخت پتھر سے سوا جن کے ضمیر
جن کے مذہب میں کسی پر رحم کھانا ہے گناہ
جن کے در پر جبہ سا ہوتے ہیں نادار و ضعیف
جوش میں آئے گی آخر کب تری شانِ جلال
راس آئی ہے یہ دُنیا دولتِ بے سود کو،
ابرِ رحمت میں رہے گی تا بکے برقِ عتاب
تجھ کو کہتا ہے زمانہ مالداروں کا خدا
لوگ کہتے ہیں خدا اب دخل دے سکتا نہیں
قہر کے پُرشور طوفاں کس لئے آتے نہیں

اہلِ دولت کر رہے ہیں مفلسوں کو پائمال
اس جہاں میں رہ نہیں سکتا کوئی مردِ غیور
یہ تری دنیا جہنم ہے غریبوں کے لئے
اس جہاں میں سیکڑوں نمرود اور شداد ہیں
بندھ رہی ہے دہر میں جن کے تکبر کی ہوا
جو سمجھتے ہیں غریبوں، زیر دستوں کو حقیر،
مُسکرا دیتے ہیں، جو سنکر غریبوں کی کراہ،
جن کی نخوت بن گئی، تیری خدائی کی حریف
تا بکے یہ بے نیازی اور اظہارِ جمال،
ڈھیل دیجائے گی کب تک طاقتِ نمرود کو
نخوتِ دولت کو کب دے گی تری غیرت جواب
ہے تلاطم میں تری [illegible] خدائی کی فضا،
سرکشوں کے ظلم سے بدلہ بھی لے سکتا نہیں۔
میرے مولا! مجھ سے یہ طعنے سُنے جاتے نہیں

ماہر القادری

پروفیسر کا خواب

ایک بہت اونچے درجے کا افسانہ

از جناب جمیل صاحب موتیہاری

میں پاگل ہوں۔ صرف اسلئے کہ لوگ مجھے پاگل خیال کرتے ہیں اور مجھے پاگلوں کے ہمراہ پاگلخانہ کی چہار دیواری میں رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں خود کو کبھی پاگل نہیں سمجھ سکتا۔ لوگ مجھ سے دیوانوں کا سلوک کریں۔ مجھے خبطی متصور کریں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اُنہیں ایکدن اپنی غلطی کا احساس ہوگا۔ اور پھر میں ہوں گا اور شہرت۔

دُنیا کتنی بیوقوف ہے۔ کیا ایک پروفیسر بھی پاگل ہو سکتا ہے؟ اور وہ پروفیسر بھی کون۔ جس نے سائنس کی اعلیٰ ترین ڈگریاں حاصل کی ہوں۔ جس نے یوروپ کے سائنسدانوں پر اپنی قابلیت کا سکہ جما دیا ہو؟ مجھے دیوانہ و سودائی کہنے والا خود دیوانہ و سودائی ہے۔ میں نے جو کچھ دعویٰ کیا ہے وہ کرکے دکھا دونگا۔ میں دنیا کو بتا دونگا کہ کس طرح انسان بجلی، ہوا، بھاپ اور پانی کی طرح وقت پر بھی حکمرانی کر سکتا ہے۔

مجھے پاگل خانے میں رہنے کا ذرا غم نہیں۔ میں خوش ہوں کہ یہاں مجھے تنہائی نصیب ہے۔ میرے دوست یہاں مجھے تنگ کرنے نہیں آتے۔ میرے احباب یہاں مجھے چہلقدمی یا ورزش کرنے کی تلقین نہیں کرتے۔ میری بیگم صاحبہ یہاں آکر مجھے بار بار داڑھی صاف کرانے پر مجبور نہیں کرتیں۔ اور میرے بچے......

ارے معاذ اللہ! اُن کے درمیان رہ کر تو چند مہینوں میں میں یقیناً پاگل ہو جاتا۔ مجھے یہاں رہ کر اُن نوکروں سے بھی چھٹکارا حاصل ہے جو مجھے ہمیشہ کپڑے پہنتے وقت اور کھانا کھانے کے درمیان ہدائتیں دیا کرتے تھے۔ "صاحب آپ نے ہیٹ کے بدلے بیگم صاحبہ کا لیڈی شو سر پر رکھ لیا ہے۔" "صاحب آپ نے پیر میں موزہ کے بدلے رومال باندھ لیا ہے۔" "صاحب آپ تو بجائے چمچہ کے چھری سے چاول تناول فرما رہے ہیں۔" "صاحب یہ، صاحب وہ۔" الغرض پاگل خانے میں آکر مجھے ہر طرح کا آرام ہے۔ اگر میرے ہمسائے پاگل شب کو زیادہ شور مچایا نہ کریں تو یہ جگہ میرے لئے جنت کا نمونہ بن جائے۔ اب بھی پاگل خانہ ہی میرے لئے سب سے زیادہ موزوں جگہ ہے اور یہیں رہکر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گا۔

ایک سائنسدان نے ہوائی جہاز ایجاد کرکے ثابت کر دیا کہ ہوا پر حکومت کی جا سکتی ہے۔ دوسرے نے ریڈیو بنا کر اس کے ثبوت کو اور بھی مستحکم کر دیا۔ الیکٹریسٹی کے موجد نے دکھا دیا کہ کس طرح بجلی کو محکوم کیا جا سکتا ہے اور جہاز کے موجد نے پانی پر حکمرانی کرنا سکھا دیا۔ اب میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ہوا، پانی اور بجلی کی طرح وقت کو بھی محکوم کیا جا سکتا ہے۔ میں بہت جلد اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ایک مشین دُنیا کے سامنے پیش کر دونگا۔ دنیا میرے کارنامہ پر محو حیرت ہو جائیگی یقیناً اور ...... اور پھر شہرت میرے قدم چومیگی۔

لوگ کہتے ہیں کہ علی الصبح جو خواب نظر آتے ہیں وہ اکثر اور بیشتر سچے ہوتے ہیں۔ میں نے بھی آج سویرے ایک خواب دیکھا ہے۔ ایسا خواب جس سے مجھے اور بھی یقین ہو گیا ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤنگا۔ میں وہ خواب آپکو سناؤنگا تاکہ آپ بھی اس مشین کا حال سن لیں۔ جس کی ایجاد میری زندگی کو حد درجہ خوشگوار بنا دینے والی ہے۔

میں نے دیکھا۔ میں انتہائی محنت و مشقت سے مشین بنانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ یہ مشین میری لیبارٹری کے بڑے ٹیبل پر رکھی ہوئی ہے۔ دُنیا کے چار بڑے بڑے سائنسدان حیرت سے منہ کھولے مشین پر جھکے ہوئے ہیں اور اسے بغور دیکھ رہے ہیں۔ میں انہیں مشین کا طریقۂ استعمال بتا رہا ہوں۔

"اور یہ" میں نے مشین کے گول ہینڈل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہینڈل جسدم آگے کی جانب گھمایا جائے تو یہ ریڈیم کی سوئی بائیں جانب کو ہٹنے لگے گی۔ اور یہاں دیکھئے۔ اِس شیشے پر سنہ ۱۹۲۲۱ء قبل مسیح سے لیکر سنہ ۲۲۰۰ء بعد مسیح تک تحریر ہے۔ ہینڈل گھمانے سے ریڈیم کی سوئی کو حرکت ہوگی۔ اور جس سنہ کی طرف یہ سوئی اشارہ کرتی ہوگی۔ وہی زمانہ سارے زمانے پر قائم ہوگا۔ مثلاً اگر اسوقت آپ چاہیں کہ وہ زمانہ دیکھیں جو ۲۱۳۹ء میں آنے والا ہے تو اس ہینڈل کو آگے کی جانب گردش دیں اور اسوقت تک گردش دیتے رہیں۔ جبتک یہ ریڈیم کی سوئی بائیں جانب کو ہٹتے ہٹتے اس جگہ نہ آ جائے جہاں سنہ ۲۱۳۹ء تحریر ہے۔ جسوقت سوئی جائے مقصود پر پہنچ جائیگی تو ساری دُنیا پر وہی زمانہ طاری ہوگا جو سنہ ۲۱۳۹ء میں آنیوالا ہے۔ اسی طرح اگر آپ گزشتہ زمانے کی ایک جھلک دیکھنا چاہیں تو ہینڈل کو الٹا گردش دیجئے۔ ایسا کرنے سے ریڈیم والی سوئی دائیں جانب کو ہٹیگی۔ اور دُنیا پر گزشتہ زمانہ طاری ہوگا۔ گویا گزرا وقت پھر واپس آ جائیگا۔

چاروں سائنسدان حیرت سے میری جانب دیکھ رہے تھے۔ ان کے بُشرے سے پتہ چلتا تھا کہ اُنہیں میری باتوں پر یقین کرنے میں ذرا تامّل ہے۔ مجھے اُن کے بے اعتمادی اور تحیّر سے پُر چہروں کو دیکھ کر ہنسی آگئی۔ میں نے اُنہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا "حضرات! ممکن ہے کہ آپ کو میری باتیں بعید از اعتبار معلوم ہوتی ہوں۔ لیکن ذرا سا تجربہ آپ کو بتا دے گا کہ میرا قول کہاں تک صحیح ہے۔"

بوڑھا امریکی سائنسدان اپنی گول گول آنکھیں نکالے مجھے حیرت سے تک رہا تھا۔ جرمنی کے نوجوان سائنسدان کی نظریں کھڑکی سے باہر نکل کر کہیں بہت دور کسی شے کی متلاشی معلوم ہو رہی تھیں۔ باقی دونوں انگریز سائنسدان بھی منہ کھولے ہوئے گم سُم مجھے دیکھ رہے تھے کسی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔

میں نے بوڑھے امریکی کو جھنجوڑتے ہوئے کہا "کیا آپ تجربہ نہیں کرنا چاہتے؟"

"ضرور ضرور" چاروں ایک ساتھ بول اُٹھے "ہم آئندہ زمانے کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"غالباً ۲۰۳۹ء کا زمانہ دیکھنے کے قابل ہوگا" بوڑھا امریکی بولا۔

"بہتر" میں نے جواب دیا "آپ لوگ ذرا اور نزدیک آجائیے۔ میں اپنا عمل شروع کرتا ہوں" چاروں سائنسدان ٹیبل کے نزدیک آکر کھڑے ہوگئے سبھوں کا چہرہ حیرت سے فق ہو رہا تھا۔ ہر ایک کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ آواز بآسانی سُنی جا سکتی تھی۔ بوڑھے نے اپنی عینک چہرے سے اُتار کر صاف کی اور پھر پہنتے ہوئے بولا "ہاں آپ شروع کیجئے اپنا کام۔ ہم سب مشتاق ہیں۔"

"۲۰۳۹ء" میں نے کہا اور ہینڈل کو آگے کی جانب گردش دی۔ ریڈیم کی سوئی اپنی جگہ لرزنے لگی۔ میں نے ہینڈل کو زور دیکر گھمایا۔ کھڑ کھڑ کھٹ۔ کھڑ کھڑ کھٹ کی آواز کے ساتھ ہینڈل گھومنے لگا۔ ریڈیم کی سوئی بائیں جانب کو ہٹنے لگی۔ دس سیکنڈ کے اندر سوئی اس جگہ پہنچ گئی۔ جہاں ۲۰۳۹ء تحریر تھا۔ میں نے ہینڈل کو روک لیا۔ سب سے پہلی جو بات ہم نے محسوس کی وہ یہ کہ ہم پانچوں کے دلوں کی دھڑکن موقوف ہوگئی اور ہم نے خود میں ایک قسم کی لطافت محسوس کی۔ بجائے زمین کے ہم پانچوں کے پیر ہوا پر قائم تھے۔ بوڑھا امریکی حد درجہ خوفزدہ ہو رہا تھا۔ باقی تین سائنسدان بھی میری جانب مستفسرانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے اُنہیں بتایا کہ ہم لوگوں پر یہ کیفیت اسلئے طاری ہے کہ ہم زندہ نہیں ہیں۔ بلکہ ۲۰۳۹ء میں ہم لوگوں کی روحیں اسی طرح پھرتی ہونگی۔ بوڑھے امریکی کی آنکھیں پتھرا گئیں "تو گویا ہم لوگ مر چکے ہیں" اس نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا "نہیں نہیں مجھے ایسا زمانہ نہیں چاہیئے۔ جلد سے جلد تم مجھے اُسی زمانے میں لے چلو۔ جس میں ابھی ہم سب تھے ..... اوہ میری طبیعت سخت پریشان ہے میری سانس کیوں رُکی ہوئی ہے؟ میں تو واقعی مر جاؤں گا" (گویا وہ اسے حقیقی موت نہیں سمجھ رہا تھا)

میں نے بڑھے کو تسلّی دی۔ "آپ گھبرا کیوں رہے ہیں۔ یہ دیکھئے مشین تو میرے پاس ہے۔ جب چاہونگا سبھوں کو اصلی حالت پر لے آؤنگا لیکن سردست ۲۰۳۹ء کی سیر تو کرلیں" بڑی مشکلوں سے بڑھے کی روح سیر کرنے پر آمادہ ہوئی۔ اور ہم سب ہوا میں تیرتے ہوئے آگے بڑھے۔

ہم نے کیا دیکھا اگر اسے لکھوں تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں مختصراً کہے دیتا ہوں کہ ۲۰۳۹ء سائنس کی انتہائی بلندی کا زمانہ ہے۔ انسان بغیر جہاز یا کسی دوسری مشین کی مدد کے سمندروں پر چلتے ہوئے گزر رہے تھے سمندروں پر مکانات تعمیر تھے۔ کچھ عمارتیں ہوا میں بھی معلق تھیں۔

Television کی قسم کا ایک آلہ نظر آیا جسے Tele four کہتے تھے۔ اس کی مدد سے انسان جہاں چاہے ایک سیکنڈ میں پہنچ سکتا تھا۔ بے حیائی کی تو انتہا تھی۔ عورتیں۔ مرد۔ بچے۔ بوڑھے سبھی ننگے پھر رہے تھے۔ لباس جیسی کوئی شے ہمیں اُس زمانے میں نظر نہیں آئی۔

بوڑھے امریکی کی روح حد درجہ مشتعل ہو رہی تھی "توبہ توبہ" اس نے کہا۔ "کسقدر بے حیا لوگ ہیں اس زمانے کے۔ چھی چھی۔ مجھے تو ان لوگوں سے سخت نفرت ہو رہی ہے۔ وہ دیکھو اُس لڑکے نے باپ کو چانٹے جمادئے اور باپ خاموش کھڑا رہا۔ نہیں نہیں۔ میں اس زمانے کو بالکل ناپسند کرتا ہوں۔ ایک سیکنڈ بھی اب میں یہاں نہ ٹھہروں گا۔ پاک مریم کی قسم میرا دم گھبرا رہا ہے۔ میں اپنی اصلی حالت پر آنا چاہتا ہوں" دوسری روحوں نے بھی بیزاری کا اظہار کیا اور میں نے اپنی مشین کے ہینڈل کو گھمانا شروع کیا۔ پھر اُسی قسم کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ اور آخر سوئی ۱۹۳۹ء کے سامنے آکر رُک گئی۔ ہم پانچوں اپنی اپنی اصلی حالتوں پر آگئے تھے۔ وہی لیبارٹری تھی۔ وہی ٹیبل اور وہی ساز و سامان مشین ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی اور ہم پانچوں اس کے گرد کھڑے ہوئے تھے۔ بوڑھا امریکی اب بھی خوفزدہ ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے چاروں طرف حیرت سے نگاہ ڈالی اور اپنا ہاتھ اپنے دل کے پاس اُس کی دھڑکن محسوس کرنے کیلئے رکھا۔ وہ خود کو پھر زندہ پاکر محظوظ ہو رہا تھا۔

"امید ہے کہ اب آپکو میری باتوں پر یقین آگیا ہوگا" میں نے دریافت کیا۔ "اگر آپ کہیں تو گزشتہ زمانے کی سیر کرادوں"

"۱۹۱۴ء" بوڑھے امریکی نے تجویز کیا "اس وقت میں جوان تھا

اور میں چاہتا ہوں کہ چند لمحوں کیلئے جوانی کا لطف اکیبار پھر حاصل کرلوں۔"

"کیا کہا ۱۹۱۴ء ؟" بوڑھے انگریز سائنسدان نے اپنی عینک ناک پر کھسکاتے ہوئے کہا۔ اس کی ایک ٹانگ جنگ عظیم میں ضائع ہوچکی تھی۔ "کیا کہا ۱۹۱۴ء ؟ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری جوانی کے لئے جنگ عظیم پھر چھڑ جائے۔ نہیں نہیں ایسا ہو نہیں سکتا۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھے اکیبار پھر اپنی ٹانگ کٹانے کی ضرورت پیش آئے۔ میرے لئے تو ۱۹۱۹ء سب سے بہتر ہے۔ اس وقت میں جوان تھا اور میریا کے عشق میں دیوانہ۔ ہم دونوں ناٹنگھم کے قریب ایک دیہات میں اپنی زندگی کے پرسکون لمحے خوشی کے گہوارے میں گذارتے تھے۔ آہ کیسا اچھا تھا وہ زمانہ۔ آپ ۱۹۱۹ء کا زمانہ پھر واپس منگادیں تو عین مہربانی ہوگی۔ کاش میں آپکی مشین کے طفیل میں اپنی گذری ہوئی محبت سے لطف اندوز ہوسکوں۔" اتنا کہہ کر بوڑھا انگریز خاموش ہوگیا۔

"اوں ہوں۔" جوان جرمن سائنسدان نے کہا۔ "میں ۱۹۰۹ء کا زمانہ ہرگز واپس آنے نہ دونگا۔ میں اسوقت پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھے اپنی ماں کے پیٹ میں پھر داخل ہونا پڑے اور میری مرحومہ ماں کو اکیبار پھر میرے جننے کی تکلیف سے دوچار ہونا پڑے۔ میرے لئے تو یہی زمانہ سب سے بہتر ہے۔ برلن میں میں حد درجہ مشہور ہوں۔ میں دولتمند ہوں اور میری بیوی بیحد حسین۔ ۱۹۰۹ء پر اللہ کی مار ہو۔"

چوتھا سائنسدان غور سے ان باتوں کو سن رہا تھا۔ میرے خیال میں اس نے کہنا شروع کیا۔ بہتر یہ ہے کہ تجربہ کرنے کے لئے ایک سال قبل کا زمانہ ملاحظہ کریں۔ اس میں کسی کو اعتراض بھی نہ ہوگا اور......"

"بالکل درست ہے۔" سبھوں نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "۱۹۳۸ء کا زمانہ قائم کرنا سب سے بہتر ہے۔"

میں نے ہینڈل کو پیچھے کی جانب گھمایا۔ ایک دھما کے کے ساتھ مشین غائب ہوگئی۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مشین بنی بھی نہ تھی۔ میں نے چاروں جانب نگاہ ڈالی۔ کُل سائنسدان غائب تھے۔ میں بازار میں کھڑا تھا۔ ۱۹۳۸ء کا زمانہ واپس آچکا تھا۔

مجھے یک بیک وہ واقعہ یاد آگیا جب ۱۹۳۸ء میں میں اسی طرح بازار میں کھڑا تھا کہ ایک موٹر سے میری ٹکر ہوگئی تھی اور میری پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ میں نے موقعہ کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے سڑک پر نگاہ ڈالی۔ وہی موٹر آرہا تھا۔ میں نے بچنا چاہا۔ لیکن بچ نہ سکا۔ موٹر مجھ پر سے گذر گیا۔ ایک چیخ کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی۔ وہی پاگل خانہ۔ وہی پاگل خانے کا کمرہ۔ میرے ساتھی دیوانے چیخ پکار رہے تھے۔ کمبخت میری نیند میں اکثر خلل انداز ہوتے ہیں۔ یہ لیجئے پاگلخانے کا نوکر مجھے غسل دینے کیلئے آرہا ہے۔ مجھے پاگلوں کی طرح غسل دیا جاتا ہے حالانکہ میں پاگل نہیں ہوں۔ خیر اسوقت تو میں غسل کرنے جارہا ہوں لیکن آپ یاد رکھیں کہ آپ بہت جلد سُنینگے کہ ایک پاگل سائنسدان نے ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جس کی مدد سے انسان وقت کو اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے۔ فقط۔

بقیہ صفحہ ۵ **مستی و قلندری** فوراً بعد ہر ایکٹرس کی میز پر بھنا ہوا مینڈک آگیا۔ چنانچہ امریکہ کی مشہور ایکٹرس مس کانیٹش بینٹ کی حالت یہ ہے کہ بغیر مینڈک کے اس کے حلق سے نوالہ اترنا ناممکن ہے۔ اگر غذا کے معاملہ میں ایسی جدت آفرینیاں جاری رہیں تو حشرات الارض کو یہ ایکٹریسیں پکا کر کھا جائینگی۔ علاوہ امریکہ کی عورتوں کی خوش مذاقی تو آپ نے ملاحظہ فرمائی اب کیلیفورنیا کے باشندوں کے ذوق کے بارے میں بھی کچھ معلومات حاصل کرلیجئے۔ ان خوش مذاق حضرات کے نزدیک دنیا کی بہترین غذا کوا ہے۔ اگر آپ کیلیفورنیا کے کسی نوجوان کو کوا کھلادیں تو وہ عمر بھر آپ کی مہمان نوازی کا مداح رہیگا۔ چنانچہ کیلیفورنیا میں "کوے کی دعوت" کے معنی ہی یہ ہیں کہ "بڑی دعوت" گویا جس دعوت میں حضرت کوے کا گوشت نہ ہو وہ دعوت ایک بے معنی دعوت ہے۔ واقعًا۔ امریکہ اور کیلیفورنیا میں تو ان نعمتوں کو قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ہماری بدمذاقی کا یہ عالم ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ کوئی مہ پارہ بلّی یا مینڈک کھانے کی عادی ہے تو ہمیں اسکی شکل سے نفرت ہوجائے گی۔ لیکن آزاد ملکوں کے باشندے ان مینڈکوں اور بلیوں کو چٹ کرجانے والے لبوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ بس اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ مشرق اور مغرب کے مذاق میں کس قدر فرق ہے۔

خاص مست قلندر کے لئے — انگریزی سے ماخوذ

جس طرح لندن دنیا کا سب سے بڑا شہر ہے اسی طرح اس میں دنیا بھر سے زیادہ عیار اور شاطر لیٹرے بھی موجود ہیں ایک اخباری بیان کے مطابق یہاں کے عیار اپنے کام کے لئے ایک خاص دن مقرر کر لیتے ہیں دن کے تعین کے بعد ایک حسین دوشیزہ کا انتخاب کیا جاتا ہے، اسے اس طرح کی قیمتی اور شاندار پوشاک پہنائی جاتی ہے کہ وہ ایک لکھ پتی امیرزادی معلوم ہوتی ہے، اس کے پاس ایک منی بیگ بھی ہوتا ہے جس میں دس پندرہ ہزار کے کرنسی نوٹ بھرے ہوتے ہیں۔ ایک اعلےٰ درجے کی رئیسانہ کار کرائے پر لی جاتی ہے، وہ دوشیزہ اس کار پر سوار ہو کر بازار میں جاتی ہے اور کسی دکان میں پہونچکر چیزیں دکھانے کی فرمائش کرتی ہے، دکان کا نوکر مال کا ڈھیر اس کے سامنے لگا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ کسی دور رکھی ہوئی خاص چیز کی فرمائش کرتی ہے، نوکر اسے لانے کے لئے چلا جاتا ہے اور اس عرصے میں دوشیزہ کچھ چیزیں اُٹھا کر اپنی جیب اور چھتری میں بھر لیتی ہے اور اپنی امارت جتلانے کے لئے درمیان درمیان میں اپنے منی بیگ کو کھولکر اس میں سے رومال بھی نکالتی رہتی ہے اور نوٹوں کے پلندے کو دکھانے کی کوشش کرتی ہے،

اتنے میں کچھ اور لڑکیاں آجاتی ہیں اور اس طرح مال کی فرمائش شروع کر دیتی ہیں جیسے انہیں پہلی لڑکی کی موجودگی کا علم ہی نہیں، ملازم ان نئی آئی ہوئی لڑکیوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اور دوشیزہ کو اپنا کام کرنے میں اور آسانی ہو جاتی ہے۔ درحقیقت وہ لڑکیاں بھی اسی دوشیزہ کے گروہ کی ہوتی ہیں، جو حتی الامکان دوشیزہ کو مدد پہونچانے کی کوشش کرتی ہیں، تھوڑی دیر کے بعد دوشیزہ کچھ سامان خرید کر دکاندار سے اسکی تکلیف کا شکریہ ادا کر کے چلی جاتی ہے، راستے میں کسی مقررہ مقام پر کار رک جاتی ہے، اور اسکے گروہ کے آدمی آکر وہ تمام سامان اُٹھا لے جاتے ہیں۔ اور کار پھر کسی دکان پہ جاکر ٹھہرتی ہے، اس طرح دن بھر یہ اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور شام کو کار والے کو کرایہ دیکر رخصت کر دیتی ہیں؛

جواہرات کی چوری کرنے والے شاطر اور بھی تیز ہوتے ہیں، وہ پہلے سے طے کر لیتے ہیں کہ ہیرے کی کونسی انگوٹھی غائب کرنی ہے۔ یہ طے کر لینے کے بعد وہ نقلی انگوٹھی بنانے والے کو وہ اصلی انگوٹھی دیکھنے کے بہانے سے دکھا دی جاتی ہے۔ جب نقلی انگوٹھی بن جاتی ہے تو ایک شخص جاکر دیکھتا ہے کہ نقلی انگوٹھی اصل کے مطابق ہے یا نہیں، جب انگوٹھی کے یکساں ہونے کا یقین کر لیا جاتا ہے تو ایک تاریخ مقرر کی جاتی ہے، اور جس روز طے ہوتا ہے۔ تو ایک حسین لڑکی کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کام زیادہ تر لڑکیاں ہی انجام دیتی ہیں۔ اور ان کی خوبصورتی کی وجہ سے دوکاندار اکثر ان کے چہرے ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر ان کا خیال بہت کم رہتا ہے، جو اس مقررہ تاریخ کو ٹیکسی کار میں بیٹھ کر رئیسانہ انداز سے دکان میں پہونچتی ہے، وہاں پہنچتے ہی سب کی نظریں حسینہ کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔ حسینہ مختلف زیورات دیکھنے کے بعد مقررہ انگوٹھی کو اپنی انگلی میں پہنکر دیکھتی ہے، وہ اس قدر پھرتی اور چالاکی سے نقلی انگوٹھی نکال کر اصلی کی جگہ رکھتی ہے کہ کسی کو ذرا بھی شک نہیں ہوتا اس کے بعد وہ نوٹوں سے بھرے ہوئے منی بیگ کو کھولکر انگوٹھی کی قیمت کا کچھ تھوڑا حصہ جمع کر کے کہتی ہے "میری انگوٹھی آپ فروخت نہ کریں میں ابھی اپنے شوہر کو لے آتی ہوں" دکان کے کام کرنے والے مطمئن ہو جاتے ہیں، اور وہ انگوٹھی کو لے کر نو دو گیارہ ہو جاتی ہے،

نئے پڑھنے والے یہاں سے شروع کریں ۔ جعفری سپنسر انگلستان کا مشہور بدمعاش اس وقت جیل میں ہے ۔ اس کو پادری فبسن کے قتل کی پاداش میں پھانسی کا حکم مل چکا ہے ۔ صرف چند دن کی میعاد باقی ہے ۔ اس کی خواہش ہے کہ مرنے سے قبل اپنے حالات زندگی کو دنیا والوں کیلئے چھوڑ جائے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ میرے والد نے مجھے جس اسکول میں بھیجا وہاں کے انچارج پادری فبسن کی صحبت میں رہکر میرے چلن حد سے زیادہ خراب ہوگئے جس کے نتیجہ کے طور پر میں نہ صرف بورڈنگ ہاؤس اور اسکول سے نکال دیا گیا ۔ بلکہ پرنسپل نے میری آوارگی کا کچا چٹھا میرے والد کو لکھ بھیجا ۔ چونکہ گھر میں بھی میرے لئے کوئی ٹھکانا نہ تھا اسلئے میں نے جہازی نوکری اختیار کرلی ۔ بونوایرس شہر میں ایک پری جمال لڑکی ڈوروتھی کی جان بچانے کے صلہ میں اس کا باپ سٹین ہوپ بسلسلۂ ملازمت مجھے اپنی اسٹیٹ میں لے گیا ۔ مگر وہاں میری شیطانی سیرت رنگ لائی اور ایک رات ڈوروتھی کے دامن عصمت کو تار تار کرکے میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا ۔ اور ونگٹن پہنچکر ایک تھیٹریکل کمپنی میں ملازم ہوگیا جو چند دن بعد سڈنی جارہی تھی ۔ سڈنی میں پہلی مرتبہ اس ملکۂ حسن سے میری ملاقات ہوئی جس کا نام کلیرس تھا ۔ کلیرس عورت نہیں ، آسمانی حور تھی ، وفا کی پتلی تھی ۔ آنکھیں چار ہوتے ہی تیر عشق دونوں کے دل میں ترازو ہوگیا ۔ کلیرس کی شادی کو اگرچہ ۲ سال ہوچکے تھے مگر اس کا شوہر فریزنامرد شرابی اور خود نما انسان تھا ۔ اس نے کلیرس کے ساتھ شوہروں کا سا سلوک یا اظہار محبت کبھی نہ کیا ۔ کلیرس کو پاکر مجھے گویا کھوئی ہوئی دولت مل گئی ۔ میں نے کوشش کرکے اپنی کمپنی میں بطور رقاصہ اس کو ملازم کرادیا ۔ چونکہ کمپنی دوسرے شہر جارہی تھی ۔ اسلئے وہ برائے نام شوہر سے اجازت لے کر میرے ساتھ چلی آئی ۔ اور اگلے چند مہینے ہم نے بڑی مسرت سے بسر کئے مگر حمل گرجانے کے باعث کلیرس جانبر نہ ہوسکی ۔ اور چند دن بیمار رہ کر اس نے داعئ اجل کو لبیک کہا ۔ کلیرس کی ناگہانی موت کا صدمہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا اور عین ممکن تھا کہ میں پاگل ہوجاتا ۔ مگر خوبئ تقدیر سے انہی دنوں ایک عجیب و غریب شخص جیمسن سے میری ملاقات ہوگئی جو ہاتھ کی صفائی سے جوا کے بہانہ دوسروں کی جیبیں خالی کرانے کے فن میں مشاق تھا ۔ اس نے مجھے شریک کار بناکر میرا غم غلط کردیا ۔ ایک مرتبہ جہازی سفر کے دوران میں جبکہ جیمسن کنڈی میں میرا منتظر تھا ۔ ایک حسین و جمیل عورت ایڈنا سے میری ملاقات ہوئی جو گھر سے فرار ہوکر تن تنہا سفر کر رہی تھی ۔ میں نے محبت کا رنگ دیکر اپنے فریب کا جال اس پر پھینکا تو وہ جھٹ پھنس گئی ۔ اور اپنی خوشی سے میرے ساتھ رہنے کو آمادہ ہوگئی ۔ جیمسن ایڈنا اور میں پہلے چین گئے اور وہاں کے سب سے بڑے قمار خانہ میں ایک ہی رات میں دو لاکھ ڈالر ہم نے جیت لئے ۔ اس کے بعد مانٹی کارلو کے قرب و جوار میں پہنچے اور لاٹربی کے دامن میں ایک کوٹھی کرائے پر لیکر رہنے لگے ۔ شدہ شدہ ایڈنا کی بدولت اچھے اچھے گھرانوں سے ہمارا میل جول ہوگیا ۔ اور دعوتوں کے بہانہ جوا بھی چلنے لگا ۔ لاٹربی کی سب سے بڑی ٹریجڈی مشہور خاتون میڈم ڈابران کی ایڈنا کے ہاتھ سے اتفاقیہ موت اور سنسنی خیز واقعہ پیرس وان برہل کے بیش قیمت الماس کے سیٹ کی چوری کا تھا ۔ اول الذکر کی لاش کو ہم نے اس خوبی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچایا کہ پولیس کو کبھی بھی اصل مجرم کا پتہ نہ لگ سکا اور مؤخر الذکر کو چوری کا مال خرید کرنے والے جوہری پیری شیرٹین کے ہاتھ فروخت کرکے میں نے معقول رقم حاصل کرلی تھی ۔ ریوا اور لاٹربی کے قیام میں ہم میں سے ہر ایک نے کم و بیش ستر ہزار پونڈ کی زرِ نقد حاصل کرلی تھی ۔ اسلئے روپے پیسے کی تنگی کسی کو نہ تھی ۔ جیمسن آسٹریا چلا گیا اور میں اور ایڈنا جنیوا کو روانہ ہوگئے ۔ مگر کچھ عرصہ سے ایڈنا کو بدخلقی کی شکایت رہنے لگی تھی اور میں رات رات بھر گھر سے غائب رہ کر داد عیش و نشاط دیا کرتا تھا ۔ ایک دن گھر آیا تو ایڈنا کو اسباب سفر باندھے ہوئے بالکل تیار پایا ۔ وہ میرے طرز زندگی سے دل برداشتہ اور بیزار ہوکر میکے جارہی تھی ۔ میں نے اسے ریل پر سوار کرادیا ۔ ایڈنا کا آخری خط مجھے پیرس میں ملا جو جنیوا سے ہوکر آیا تھا ۔ وہ شادی کی خواہشمند تھی ۔ بشرطیکہ میں اپنی موجودہ طرز زندگی کو خیرباد کہہ کر شریفوں کی طرح رہنے لگوں ۔ مگر یہ بات میرے بس کی نہ رہی تھی ۔ اس لئے خاموش ہو رہا ۔ پیرس آنے سے قبل میں چند یوم کے لئے چوری کے زیورات کی فروختگی کے لئے مارسیلز گیا تھا ۔ وہاں پیری شیرٹین سے ملا اور ۲۵ ہزار پونڈ پر معاملہ طے ہوا ۔ اس نے ۷ لاکھ ۲۵ ہزار فرانک کے مالیتی نوٹ میرے حوالے کردیئے نیز اپنے ایک کارکن

ساکن پیرس کا نام و پتہ بھی زبانی حفظ کرا دیا۔ جو اتفاق سے وہاں آیا ہوا تھا۔ پیرس پہنچکر میں نے اپنا زرِ نقد تین مختلف بنکوں میں جمع کرا دیا۔ اور حسن کی تلاش میں وہاں کے گلی کوچوں کی خاک پھانتے لگا۔ چونکہ میرا حسنِ انتخاب پہلے کی نسبت بہت بلند ہو گیا تھا (ورنہ پیرس میں عورتوں کی کمی نہ تھی) اسلئے "خاص چیز" کی تلاش میں مجھے کئی دن لگ گئے مگر آخر کار وہ گوہرِ نایاب رشکِ حور مہ جبین واٹلے کی شکل میں مجھے دستیاب ہو گیا اور جبین کے ساتھ بڑے مزے سے زندگی کے دن کٹنے لگے۔ ہر دن ہمارے لئے یومِ عید ہوتا تھا اور ہر شب شبِ برات۔ یہاں تک کہ ایک دن تماشہ گاہ کے درجۂ خاص میں میں نے جبین کو ایک غیر مرد کی ہمراہی میں دیکھا اور جوشِ رقابت کی آگ میرے تن بدن میں لگ گئی۔ اختتامِ تماشہ پر میں نے ایک ٹیکسی کے ذریعہ اُن کا ہوٹل تک تعاقب کیا۔ اسوقت میں سخت نشہ کی حالت میں تھا۔ ہوٹل میں دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ جبین کا نیا عاشق کونٹ ریمینڈ ڈی کیسلس نام کا کوئی امیر زادہ ہے۔ میں نشہ کی حالت میں بلاتکلف اُن کے کمرے میں گھس گیا۔ اور جبین کو گھر چلنے کے لئے کہا۔ لیکن کونٹ نے بڑی ملائمت سے جواب دیا۔ صاحب! آپ کو مغالطہ ہوا یہ تو میری منگیتر ہے۔ میں نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ تمہاری منگیتر؟ یہ عورت جسے تم اپنی منگیتر بیان کرتے ہو۔ میری چھوٹی رکابی میں چپاتی جیسی پڑی ہے۔ اتنا سُنکر کونٹ نے جوشِ غضب میں دو مکّے میرے منہ پر اس زور سے مارے کہ میں دھڑام سے فرش زمین پر گر پڑا۔ دو ماہ کے عرصہ میں ۵ ہزار پونڈ علاوہ جبین پر ضائع کر کے میں نے جو ثمر حاصل کیا وہ رقیب روسیاہ کے دو مکّے اور ہوٹل سے میرا نکالا جانا تھا۔ گھر پہنچکر میں نے طے کیا کہ اس طرح کی عورت ڈھونڈنے کی بجائے آئندہ کوئی مستی آسامی تلاش کرونگا۔ جب کرایہ ہی ادا کرنا ہے تو کفایت کیوں نہ کی جائے اس کے بعد میں نے سوسائٹی کے لوگوں سے میل جول بڑھانے کی ٹھانی۔ میں ناٹک دیکھنے جاتا۔ گھوڑ دوڑ میں حصہ لیتا اور اس طرح پیرس کی سوسائٹی میں کافی مشہور ہو گیا۔ مگر جہاں کہیں جاتا میری نگاہ لیڈیوں کے زیورات پر اکثر لگی رہتی۔ یہاں تک کہ ایک رات کسی جلسۂ رقص میں میڈم لادیئو سے ملنے کا اتفاق ہوا جس کے زیورات نہایت ہی قیمتی اور نایاب تھے۔ علاوہ ازیں اس رات اس نے ایک لمبو ترے موتیوں کی مالا پہن رکھی تھی جس کی قیمت کا صحیح اندازہ شاید کوئی ماہرِ فن جوہری ہی کر سکتا۔ میرا دل اس مالا کو اُڑانے کیلئے بیتاب ہو گیا۔ میڈم لادیئو کھائی کھیلی عورت تھی۔ جب میں نے اس کے ساتھ ناچنے کی درخواست کی تو وہ فوراً رضامند ہو گئی۔ ہم نے مل کر جلسۂ رقص میں تین مرتبہ ناچ کیا اور تینوں مرتبہ اس نے بعض ایسی حرکات کیں جن سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مجھ پر بے طرح عاشق ہو گئی ہے۔ میرا اس کے گھر آنا جانا ہو گیا اور ہوتے ہوتے اتنی بے تکلفی بڑھی کہ اس کی محبت میں وہ گنج محبت کے قفل مجھ پر کھل گئے آخر وہ موقعہ بھی آ گیا جس کی مجھ کو تلاش تھی۔ اس روز اس نے ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا اور مجھ کو پیش از وقت آنے کی تاکید کی تھی۔ چنانچہ میں آدھ گھنٹہ پہلے پہنچ گیا۔ وہ مجھے اپنی جلوہ گاہِ خاص میں لے گئی۔ کمرہ کی دیوار میں اس نے چھوٹی سی آہنی تجوری لگوا رکھی تھی۔ میری موجودگی میں اس نے اُسے کھولا۔ زیورات کے ڈبہ میں سے کچھ نئے زیورات نکالے اور وہ موتیوں کی مالا معہ دیگر زیورات کے وہیں رکھدی۔ پھر کنجیوں کو سرسری طور پر میز پر ڈال دینے کے بعد اور کاموں میں مشغول ہو گئی۔ میں بظاہر اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس کی آڑ میں کمال صفائی سے میڈم لادیئو کی آنکھ بچا کر میں نے کنجیوں کا گچھا اپنی طرف سرکا لیا اور تجوری کی کنجی چپکے سے باہر نکال کر جوں کا توں رکھ دیا۔ عین اسوقت جبکہ میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں اور فتح کے امکانات پر مسرور تھا ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس سے میرے دل کو بھاری صدمہ پہنچا کیونکہ اس موقعہ پر دار وغہ نے آ کر اطلاع دی کہ کونٹ ریمینڈ ڈی کیسلس اور میڈم واٹلے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ کونٹ ریمینڈ ڈی کیسلس اور میڈم واٹلے سے میری ملاقات ہوئی گو رسمی طور پر ہم نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ اُدھر کونٹ مجھ سے کشیدہ تھا اِدھر جبین واٹلے کو اس کے ساتھ دیکھ کر میرے سینہ پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ کھانا بڑی دیر میں ختم ہوا۔ اس دوران میں ایک مُسن صورت آدمی جس کے سر کے بال سفید اور چھوٹی چھوٹی نیلی داڑھی تھی۔ میرے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ آخر ایک گھنٹے کے بعد مجھ کو وہ موقع نصیب ہوا جس کا میں سرِ شام ہی سے منتظر تھا۔ میں لاپرواہی سے ٹہلتا ہوا ہال کی طرف جا نکلا۔ پھر جب دیکھا کہ آس پاس کوئی متنفس نہیں ہے تو بعجلت چلتا ہوا میڈم لادیئو کے خوابگاہ کے دروازہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اندر جا کر تجوری کو کھولنا چند لمحوں کا کام تھا۔ موتیوں کی مالا جس کی خاطر میں نے یہ دردِ سر خریدا تھا۔ سب سے پہلے میری جیب میں پہنچی۔ اس کے بعد کوئی آدھی درجن کے قریب مختلف چیزیں۔ باقی کے زیورات جوں کے توں رکھ کر میں نے تجوری کو تالا لگایا اور بلا تامل چلتا دروازہ کے پاس پہنچا۔ اور اُسے کھولا۔ مگر یہ کیا میں دیکھتا ہوں میرے اللہ! ایک آدمی تیز چلتا میری سمت کو آ رہا تھا اور وہ کونٹ ڈی کیسلس تھا پہلے تو مجھے شک گزرا کہ اُس نے مجھے دیکھ لیا ہوگا۔ اور اب پکڑ کر حوالہ پولیس کر دے گا۔ میں فوراً چھپ گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سیدھا تجوری کی طرف گیا اور اس کا قفل کھولنے کی تیاری کرنے لگا۔ عین اس وقت جبکہ کونٹ ریمینڈ ڈی کیسلس (جو کہ دراصل پیشہ ور چور تھا) کے ایک ہاتھ میں ڈبہ اور دوسرے میں زیورات تھے ایک کرخت آواز سُنائی دی "خبردار ہاتھ کھڑے کر دو ورنہ گولی مار دونگا" اور کمرے میں ایک دم روشنی ہو گئی۔ وہ آواز اسی سپید مُو شریف صورت مُسن آدمی کی تھی جو کھانے کے دوران میں مجھ سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اتنے میں اور لوگ بھی جمع ہو گئے۔ ریمنڈ گرفتار کر لیا گیا۔ لافودر نے باآوازِ بلند کہا۔ صاحبو! آپ تشریف لے جائیں۔ میں کونٹ اور جبین واٹلے سے تخلیہ میں بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ دیگر مہمانوں کے ساتھ رخصت ہونے سے پیشتر میں نے جبین کے قریب جا کر دبی آواز میں اس سے کہا "اب تم نے دیکھ لیا کہ مجھ کو چھوڑ کر اس مردِ ناہنجار کے پاس جانے سے کیا حاصل ہوا۔ کاش تم اتنی بے وفا ثابت نہ ہوتیں"

مکان سے رخصت ہو کر میں ہوٹل پہنچا مگر پھر خیال ہوا کہ جو کھوں کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے اگر اسی وقت انشائن بروئن کے پاس لے جاؤں اور اسے دکھا دوں اور پورے دام کھرے کر لوں تو کوئی فکر باقی نہ رہیگا۔ میں نے ٹیکسی کرایہ پر لی اور اسے دوکان سے کافی دُور پرے ہی چھوڑ دیا اور پیدل چلکر وہاں پہنچا اس کے تھوڑی دیر بعد جب میں دوکان سے رخصت ہوا تو دو لاکھ فرانک مالیت کے نوٹ میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں پڑے تھے مگر ہوٹل پہنچکر ایک نیا اچنبھا دیکھنے میں آیا فلیٹ کا دروازہ کھلا اور برقی لیمپ روشن تھا۔ ایک آدمی مجھے اندر آتا دیکھکر کرسی سے اٹھا۔ میری آنکھیں اس سے چار ہوئیں۔ نظروں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہوٹل کی عمارت میرے سمیت تحت الثریٰ میں گری جاتی ہے۔ یہ آدمی موسیو لافودر تھا۔ وہ میری آمد پر اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ موسیو لادینو کے مکان پر جو افسوسناک واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں کچھ دریافت کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔" میں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے بیٹھنے کو کہا اور خود سوڈا ملی ہوئی وسکی کا گلاس غٹاغٹ پڑھا گیا۔ میں اپنی پریشانی کو چہرہ کی سنجیدگی میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ موسیو لافودر نے مجھ سے کئی سوالات پوچھے جن سے ظاہر ہوا کہ مجھے بھی وہ کونٹ ڈی کسالس اور جین واٹلے کا ساتھی سمجھتا ہے کیونکہ رخصت ہونے سے قبل میں جین واٹلے کے پاس گیا تھا اور میری روانگی کے بعد جب ان کی جامہ تلاشی لی گئی تو موتیوں کی مالا برآمد نہ ہوئی تھی۔ اس وجہ سے پولیس مجھ پر شک کرنے میں حق بجانب تھی تو کیا پولیس کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ میں انشائن بروئن کے مکان پر گیا تھا۔ عین ممکن ہے کہ پولیس پہلے سے ہی اس آدمی کو جانتی ہو کہ وہ چوری کا مال خریدا کرتا ہے۔ میرے خدا اگر موتیوں کی مالا اس سے برآمد ہو گئی ہو تو موسیو لافودر کے رخصت ہونے پر میں نے تمام رات انہی وسوسوں میں نہایت بے چینی سے بسر کی کبھی خیال ہوتا تھا کہ میں راتوں رات کہیں فرار ہو جاؤں۔ لیکن پھر یہ سوچکر کہ فرار کی کوشش میرے خلاف بدترین شبہات پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ نتیجہ خواہ کچھ ہو مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ یہیں مقیم رہوں اور کہیں نہ جاؤں۔ اگلے دن جین واٹلے نقاب پہن کر مجھ سے ملاقات کرنے آئی۔ اس کی حرکات و سکنات اس کا لب لہجہ اور انداز تکلم مجھ سے اس کی نفرت و بیزاری کے مظہر تھے۔ دوران بات چیت میں ایک مرتبہ ایسا معلوم ہوا کہ اگر بس چلے تو وہ میری جان لینے سے بھی دریغ نہ کرے گی۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ میری مخبری سے موسیو لافودر نے اس کے عاشق کو گرفتار کیا تھا۔ میں یہیں تک سوچنے پایا تھا کہ ظالم نے پستول نکال کر مجھ پر فائر کر دیا کئی دن تک زندگی اور موت کے درمیان لٹکتے رہنے کے بعد قابل سمجھا گیا کہ موسیو لافودر کے سوالات کا جواب دے سکوں مگر میں نے قاتلہ کا نام صرف اس وعدہ پر بتایا کہ اس کے خلاف کسی قسم کی قانونی کارروائی نہیں کی جائیگی۔ جین واٹلے کا نام سنکر موسیو لافودر کے منہ سے کلمۂ حیرت نکل گیا کیونکہ اسے دوسرے جُرم کی پاداش میں پیرس کی پولیس ملک بدر کر کے واپس امریکہ بھیج چکی تھی اور اب وہ اس کی دسترس سے باہر تھی۔ میری خوش قسمتی سے موسیو اور میڈم لادینو بخیال ہمدردی مجھے اپنی دیہاتی کوٹھی اور وانچز میں لے گئے۔ میڈم لادینو کے دل میں میری محبت ذرہ برابر بھی کم نہ ہوئی تھی۔ میڈم لادینو کی صحبت میں کچھ دن میں نے کمال عیش و آرام کے ساتھ بسر کئے یہاں تک کہ جنگ عظیم شروع ہو گئی اور موسیو لادینو کو بھی رجمنٹ سے بلاوا آ گیا۔ ان دنوں ملکی خدمت کا جذبہ زوروں پر تھا میں نے اسی خیال کے زیر اثر اپنا نام بھی بھرتی کرا لیا۔ لگاتار دنوں ہفتوں، بلکہ مہینوں مجھ کو فوجی قواعد کی کڑی آزمائش سے گزرنا پڑا اور اس کے بعد میدان جنگ میں بھیجا گیا۔ میدان جنگ میں میں نے جو کارہائے نمایاں کئے تھے ان کی بدولت مجھے اعلیٰ فوجی درجہ دیا گیا۔ گرماں کے انتقال کی خبر سن کر میں بالکل ہی دل برداشتہ ہو گیا۔ اس لئے چند یوم کی رخصت لیکر میڈم لادینو کے یہاں اور وانچز چلا گیا۔ وہاں چند دن تو بڑے لُطف سے کٹے۔ مگر روانگی سے ایک دن قبل خلاف امید اس کا شوہر واپس آ گیا۔ اور ظالم نے ہمیں خلوت میں محو اختلاط دیکھ لیا بس پھر کیا تھا ہمارے تعلقات ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گئے۔ لنڈہرسٹ کے مقام پر بم پھینکنے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں دوبارہ میدان جنگ میں بھیجا گیا۔ (گذشتہ اشاعت سے آگے)

ستائیسواں باب ۲۷

رفتہ رفتہ موسم سرما نے بہار کی صورت اختیار کرنی شروع کی اور اس وقت یہ حقیقت ہم سب پر واضح ہونے لگی کہ گو اب تک ہمارا کام فقط دشمن کے حملوں کی مدافعت تک محدود تھا تاہم اب ایک عظیم جارحانہ حملہ کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اس عرصہ میں جبری فوجی بھرتی شروع ہو چکی تھی اور قدرتی طور پر عوام جن کا حافظہ ایسے موقعوں پر بہت کمزور ہوا کرتا ہے ان لوگوں کے ایثار کو فراموش کر چکے تھے جنہوں نے خود بخود اپنی مرضی سے اپنے آپ کو فوجی بھرتی کے لئے پیش کیا تھا۔ میرے دل کو سب سے زیادہ حیرت انگیز اور مؤثر واقعہ یہی معلوم ہوا ہے کہ جنگ چھڑتے ہی لاکھوں نوجوانوں نے جن میں ہر طبقہ زندگی اور ہر درجہ معاش کے لوگ شامل تھے۔ اپنے معمولی طریق زندگی کو خیرباد کہہ کر فوجی تربیت کی تکالیف اور بے آرامیاں جھیلنے۔ میدان جنگ کی خندقوں کے مصائب برداشت کرنے اور اپنی مرضی سے موت کے منہ میں جانے کے لئے آمادہ و تیار ہو گئے حقیقی جذبہ شرافت و ایثار یہی تھا ورنہ لازمی بھرتی میں

جو قانونی جبر سے تعلق رکھتی ہے کوئی پہلو قابل تعریف نظر نہیں آتا۔ ایسے لوگوں کی حالت میں خواہش اور مرضی کو کچھ بھی دخل نہ تھا خواہ وہ فوجی زندگی پسند کرتے یا نہ کرتے۔ انہیں مجبوراً بھرتی ہونا پڑتا تھا۔ پس میں جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر کبھی برطانیہ نے ان لوگوں کے ایثار کو فراموش کیا جنہوں نے اپنی مرضی و خوشی سے فوجی زندگی قبول کی تھی تو یہ اسکے ناشکرے پن کی انتہا ہوگی۔ میرے خیال میں وہ نوجوان اور شریف مرد ملک کے گلزار عظیم کے چنے ہوئے پھول تھے انہی کی بنا پر لارڈ کچنر کی فوج تیار ہوئی تھی اور میں کہہ سکتا ہوں کہ میدان جنگ میں جو شاندار خدمات اس جماعت نے سرانجام دیں ان کی مثال ڈھونڈے سے نہ ملے گی۔ یہ میں اپنی تعریف کے لئے نہیں کہتا۔ فی الحقیقت میں اپنے آپ کو ان مستثنیات میں داخل سمجھتا ہوں جو محض وقتی جوش یا کسی ترغیب کے بس ہو کر شامل ہوئے تھے لیکن ایسے شخصوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی تعداد کثیر ان ضابطہ اور ایثار پسند نوجوانوں کی تھی جن کی بے غرضانہ قربانی اور عظیم حب الوطنی آنے والی نسلوں کیلئے ایک روشن مثال کا کام دے گی۔

سب لوگ متعجب ہونگے کہ مجھ ایسے ادنیٰ خیالات کا آدمی ایسے شاندار خیالات کا اظہار کر رہا ہے لیکن میرا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی صحبت میں رہتے ہوئے ان کے حالات دیکھنے اور خیالات جانچنے کا جو موقعہ مجھ کو ملا وہی میرے لئے اپنے خیالات کی اصلاح کا ذریعہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ انسان لاکھ گیا گزرا ہو شرافت کا جوہر بالکل ہی اس کے اندر سے مٹ نہیں جاتا۔ انقلابات زمانہ کے باوجود اس کا تھوڑا بہت حصہ پھر بھی مجھ میں باقی تھا۔

نئے جنگل میں جہاں لنڈہرسٹ کا سکول واقع تھا۔ رہتے ہوئے ہماری زندگی حالات پُرسکون میں بسر ہوتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ ان اوقات کے سوا جب ہم عملی تربیت حاصل کرنے میں مشغول ہوتے تھے۔ باقی عرصہ میں یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ دنیا کے ایک ایسے قریبی حصہ میں اتنی خونریز جنگ جاری ہے۔ جس زمانے کا یہ ذکر ہے اس وقت لنڈہرسٹ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اور گو اس کے ایک ہی بڑے بازار میں جو اس کی واحد ملکیت ہے۔ خاکی پوش نوجوان عموماً پھرتے نظر آتے تھے تو بھی یہ امر واقعہ ہے ان کی موجودگی قصبہ کی فضا میں فوجی عنصر پیدا نہ کر سکتی تھی۔ فی زمانہ اسکی دلفریبیاں اور خاموشیاں موٹروں اور موٹر بسوں کی کثرت سے بہت کچھ زائل ہوگئی ہیں اور جن لوگوں نے اس کی سابقہ شان سادگی نہیں دیکھی۔ وہ اس کو موجودہ حالت میں رامز گیٹ یا مارگیٹ سے ممیز کرنا مشکل خیال کرتے ہیں۔ تاہم میں جس زمانے کا ذکر کر رہا ہوں وہ سنہ ۱۹۱۶ء سے تعلق رکھتا ہے جبکہ موٹر گاڑیاں ابھی چلنی شروع نہ ہوئی تھیں نہ ان کی پُرشور آوازیں اس قصبہ کے سکون کو منقطع کرنے لگی تھیں۔ یہاں پر میری دوستی کئی ایک نوجوانوں کے ساتھ ہوگئی

اور ایک مرتبہ ایک نہایت اچھا موقعہ ایسا بھی پیش آیا کہ میں اگر چاہتا تو ایک خاتون کا بہت سا قیمتی زیور کسی خطرہ میں پڑنے کے بغیر بڑی آسانی سے اڑا لیتا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے جس کا حال اب مجھ کو یاد نہیں رہا میں نے اپنی تحریص کو روکا۔ اس زمانہ میں میں عورتوں سے میل جول رکھتے ہوئے زیادہ محتاط رہنے لگا تھا۔ اور کسی ایک سے خاص عشق و محبت کا سلسلہ قائم نہ تھا۔ اس بارہ میں مجھے اپنے فوجی عہدہ کی بڑائی بھی ایک طرح کی رکاوٹ معلوم ہونے لگی تھی کیونکہ عادی گنہگار ہونے کے باوجود میں اس حقیقت کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا کہ کسی فوجی افسر کی وردی پہننے والے آدمی کو اپنے جذبات شہوانی کا کھلم کھلا اظہار قطعاً زیب نہیں دیتا۔ اس کے باوجود ایک نوجوان عورت ایسی تھی جو میری فوجی زندگی کی ہم آہنگی کو وقتی رنگینیوں میں تبدیل کرنے میں کچھ نہ کچھ مدد دے دیا کرتی تھی۔ ایک موقعہ پر جب مجھ کو معلوم ہوا کہ اس کے خیالات رفتہ رفتہ مسئلہ شادی کی طرف مبذول ہوتے جا رہے ہیں تو میں نے اس بارہ میں اپنے عزم کا اظہار کر کے اس فرضی قصر راحت کو جو اس نے اپنے لئے تعمیر کیا تھا شکست و ریخت کر دیا۔ ظاہرا اس نے مجھ سے اتفاق رائے کیا لیکن خیال ہے کہ میری باتیں سنکر اسکے دل کو بھاری صدمہ پہنچا ہوگا۔

والد نے مرتے وقت کچھ جائداد چھوڑی تھی جس کی آمدنی ماں کی حیات تک اُسکے نام رہی اور بعد میں میرے نام منتقل ہوگئی۔ مگر اس کو حاصل کرنے سے پیشتر بعض قانونی مراسم کو پورا کرنا ضروری تھا۔ اس مطلب کے لئے مجھے بارہا شہر جانا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ کئی ایسے رشتہ داروں سے بھی ملاقات کرنا ہوتی تھی۔ جن کا میں صورت آشنا نہ تھا۔ وہ مجھ سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے پر مُصر تھے اور اس طرح میرے احباب کا حلقہ کچھ زیادہ وسیع ہوگیا تھا۔ آمدنی گو بہت زیادہ نہ تھی تاہم اتنی ضرور تھی کہ اگر میرے دل میں ایمانداری کی زندگی بسر کرنے اور سوسائٹی کے ایک رکن شریف کی مانند کسی مقام پر جا کر رہنے کی خواہش ہوتی نیز وہ روپیہ جو میرے نام سے مختلف مقامات پر جمع تھا خرچ نہ ہوتا تو میں اسی آمدنی پر ہی جو والد نے اس طریقہ پر چھوڑی تھی آرام و اطمینان کی زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن شریفانہ زندگی گزارنے کا خیال اوّل تو کبھی میرے دل میں پیدا ہوتا ہی نہ تھا اور کبھی ہوا تو میں نے اس کو نفرت اور حقارت کے ساتھ فوراً خارج کر دیا۔

جولائی کے مہینے میں میں پھر فرانس پہنچا اب کی مرتبہ جس پلٹن سے میرا تعلق تھا وہ سوم کے شمال میں متعین تھی۔ میں نے دیکھا کہ عظیم جارحانہ کوچ کے لئے سرگرمی کے ساتھ تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ جا بجا کیمپ لگ رہے تھے دیہات میں فوجی سپاہیوں کی چہل پہل نظر آتی تھی۔ اور تازہ وارد لشکر کے جوانوں کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا۔ میدانی توپوں کیلئے گولہ بارود

کی آمد جاری تھی اور خندقوں تک لیجانے والی سڑکوں پر بار برداری کی کثرت سے تل دھرنے کو جگہ باقی نہ تھی۔ جس طرح چیونٹیاں گڑھا کھودنے کے وقت بے حد مصروف دکھائی دیا کرتی ہیں اسی طرح مرد ہر وقت مصروف کار رہتے تھے۔ جا بجا توپوں کے استحکام کئے جا رہے تھے اور گولوں کے ڈھیر کے ڈھیر موقعہ پر لے جا کر اس وقت کے انتظار میں کہ ان کی ضرورت محسوس ہو۔ زیر زمین دفن کئے جاتے تھے۔ جب میں اول اول اس مقام پر پہونچا تو کچھ فرانسیسی بھی موجود تھے لیکن جب انگریزی سپاہ کثیر تعداد میں جمع ہو گئی تو سارے محاذ پر انہی کا قبضہ جم گیا۔

جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا فوج کے جوانوں کی بھرتی اور مستعدی بھی بڑھتی جا رہی تھی ہر روز ہزارہا تیز پھرتیلے جوان جن کے چہروں پر شوق خدمت گزاری کے آثار نمایاں تھے گاتے ہنستے ایک دوسرے سے ٹھٹھا کرتے اسی طرح چلے آتے تھے گویا آنے والا معرکہ ان کے لئے کسی میلے کا درجہ رکھتا تھا۔ اس اثنا میں توپوں کے چلنے کی دلدوز آوازیں دن رات سنائی دیتی تھیں۔ گویا اپنی تیاریاں مکمل کرتے ہوئے ہم لوگ دشمن کو گولہ باری کی روزانہ خوراک سے محروم نہ رکھنا چاہتے تھے تاہم جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے یہ گولہ باری آنے والے معرکہ کی عظمت و شدت کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہ رکھتی تھی۔ ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جب ان توپوں سے ہیبتناک طریقہ پر کام لیا جائے گا لیکن جو کچھ بعد ازاں عملی طور پر ہوا اس کا بعید تر اندازہ ہم لوگ نہ کر سکتے تھے۔ حملہ کے آغاز سے چند روز پیشتر شروع ہو کر یہ سلسلہ دن رات غیر معمولی شدت کے ساتھ جاری رہا اور اسقدر شور قیامت برپا ہوا کہ کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ زمین اس طرح ہلتی معلوم ہوتی تھی گویا ایک نہ ختم ہونے والا بھونچال ہر وقت چلا آتا ہے یا دنیا بھر کی تمام کلیں اس ایک مقام پر جمع ہو کر اس قسم کا شور پیدا کر رہی ہیں جس سے بدن کی نسیں تک متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں حالت ٹھیک اسی قسم کی تھی کہ جو شخص اول مرتبہ اسکو دیکھتا اس کے اعضا میں رعشہ پیدا ہونا یا حواس میں انقلاب آنا قدرتی سمجھا جاتا لیکن انسان کو قدرت نے عجیب توفیق عطا کی ہے۔ دنیا کی بری سے بری اور اچھی سے اچھی چیز کا یہ بڑی آسانی کے ساتھ خوگر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی بات ہماری حالت میں بھی ہوئی۔

آخرکار وہ دن آیا جو اپنی انقلابی کیفیت کے لئے یادگار ثابت ہونا تھا اور عرصہ قلیل کے لئے گولہ باری کی شدت گھٹ گئی لیکن جب سفر کا گھنٹہ قریب آنے لگا تو جس طرح بجھتا ہوا چراغ آخری جھکورا لینے سے پیشتر بڑی تیزی سے روشن ہوا کرتا ہے گولہ باری کی آوازوں نے بھی پہلے ہیبتناک شدت اختیار کی۔ پھر دفعتاً ایک لمحہ کے لئے حیرت انگیز خاموشی چھا گئی۔ اس موقعہ پر پیادہ فوج کی پہلی لہر آگے بڑھی۔ ناگاہ بڑی پر شور آواز کے ساتھ ایک سرنگ پھٹی اور اس کے ساتھ ہی اس طریقہ پر گویا توپوں کو اس بات کا رنج تھا کہ شور پیدا کرنے میں کوئی دوسرا ان کے مقابلہ کی جرأت کرتا ہے انہوں نے از سر نو شور قیامت برپا کرنا شروع کر دیا۔

میری پلٹن اسی جماعت میں شامل تھی جو سب سے پہلے آگے بڑھی اور جس وقت میں حالت انتظار میں گھڑی پر آنکھیں لگائے منٹ کی سوئی کو اسکی حیرت انگیز سستی رفتار سے چلتا دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ ساڑھے سات کسی وقت بجینگے بھی یا نہیں۔ میرے بدن کے اندر ہر ایک نس شکست و ریخت ہوتی معلوم ہوتی تھی اس کی وجہ دہشت نہ تھی۔ کم از کم اس وقت کے بعد کہ میں پہلی مرتبہ معرکہ رزم میں شامل ہوا۔ خوف کا صحیح احساس میرے دل کو قطعاً نہ ہوا تھا۔ تو بھی کوئی خاص بات جس کے اندر جسمانی عنصر کم اور ذہنی حصہ اغلب تھا مجھے اپنی ذات پر مسلط معلوم ہوتا تھا مجھے اس بات کا احساس ہونے لگا تھا کہ جب تک یہ ہولناک گولہ باری قائم رہیگی عملی طور پر کوئی کام نہ ہو سکیگا۔ کیونکہ وہ شور جو اس طریقہ پر پیدا ہوتا تھا حرکات کو معطل کرنے اور اعضا میں رعشہ ڈالنے والا تھا۔ میں یہ بات محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ سوچنے اور غور کرنے کی طاقت مجھ سے یکسر رخصت ہو چکی ہے۔ چھوٹی چھوٹی احمقانہ باتیں میرے دماغ پر مسلط تھیں جنکی موجودگی حقیقی مسئلہ کی اہمیت کو پس پردہ ڈال رہی تھی اور اس کے بعد ناگہاں وہ اشارہ دیکھنے میں آیا جس کا انتظار تھا۔ اعصاب کو شکست و ریخت کرنے والا انتظار ختم ہو گیا۔ اور میں ظاہرا پُر سکون انداز کے ساتھ خندقوں سے باہر نکلا اب نہ فوری خاموشی۔ نہ کسی سرنگ کے پھٹنے کا شور۔ نہ توپوں کی گرجدار آوازیں جو دشمن کی گولہ باری کے آغاز کے ساتھ دوگونہ شدت اختیار کر چکی تھیں۔ میری دماغی قوت میں خلل انداز ہوتی تھیں۔ میرا ذہن پوری طرح روشن تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس میں حیرت انگیز صفائی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ جس وقت میں آگے بڑھنے لگا تو اس حقیقت سے پورے طور پر آشنا تھا کہ اس معرکہ عظیم کا آغاز ہونے لگا ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی اور میں خود اس میں حصہ لے رہا ہوں میرے چاروں طرف بیشمار آدمی سب کے سب خاکی پوش سنگینیں چڑھائے۔ کچھ ان میں توپچی۔ کچھ گولہ انداز۔ کچھ اور۔ ادھر سے ادھر حرکت کرتے پھر رہے تھے۔ اتنے میں کچھ لوگ ان میں سے گرنے بھی شروع ہو گئے ایک یا دو جو میرے بالکل قریب زمین پر گرے ان کے منہ سے نکلی ہوئی کراہنے یا آہ سرد کھینچنے کی ہولناک آوازیں ایسی تھیں جنہیں کان ایک مرتبہ سنکر کبھی فراموش نہیں کر سکتا ہر طرف دھواں اور آگ .... آگ اور دھواں نظر آتا تھا۔ سروں پر گولیاں سنسناتی ہوئی آواز سے گزر رہی

تھیں۔ کلدار توپیں پھٹ پھٹ کی نہ ختم ہونے والی آواز سے ملتی تھیں اوران کی آہنگ دار آواز کو قطع کرتے ہوئے شیل کے گولے وہ شور قیامت برپا کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا دوزخ دوسری دنیا سے اتر کر اسی جہان میں آگیا ہے۔ اس دود و آتش کے بحر ناپیدا کنار کی زد میں آتی ہوئی کوئی چیز زندہ بچتی نظر نہ آتی تھی۔ لیکن یہ سلسلہ قائم چلا جاتا تھا اور بیشمار آدمی پھٹی ہوئی سیاہ زمین پر تڑپتے۔ سسکتے۔ لڑکھنیاں کھاتے نظر آتے تھے۔ بیشمار اور تھے جو پانی کی نہ تھمنے والی موج کی طرح آگے ہی آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔ اوران شگافوں کے قریب تر پہنچتے جاتے تھے جو گولہ باری کی وجہ سے زنگ آلود خاردار تاروں میں پیدا ہو چکے تھے۔ حُب وطن۔ وفاداری۔ تربیت اور ضبط انتظام کی فتح کی ایسی شاندار مثال جو اُس وقت میرے دیکھنے میں آئی بہت کم نظروں سے گزری ہوگی۔

اسی رو میں بہتا ہوا میں بھی تاروں کے وسط میں جا پہنچا اور اس کے ساتھ ایسا معلوم ہوا کہ میرے بالکل سامنے کوئی کلدار توپ بڑھتی ہوئی تیز رفتار سے پھٹ پھٹ کی آواز پیدا کرتی گولیاں چلا رہی ہے۔ ان گولیوں کے اثر سے فوجی سپاہیوں کی ایک جماعت جو چند قدم مجھ سے آگے تھی اس طرح فرشِ زمین پر گر پڑی جیسے فصل کاٹنے کی مشین گیہوں کے پختہ بالوں کو گرا دیتی ہے۔ میں نے پیچھے مڑ کر باقیوں کو آگے بڑھنے کا زوردار اشارہ کیا اور چیختی ہوئی آواز میں کسی قسم کے احکام صادر کئے جن کا ماحصل خود مجھ کو معلوم نہ تھا لیکن اُنہوں نے اس کا مطلب کچھ نہ کچھ ضرور سمجھ لیا ہوگا۔ پھر ایک بار وہی بھیانک آواز کانوں میں آنی شروع ہوگئی۔ گولیاں اس طرح سنسناتی ہوئی میرے کانوں کے پاس سے گزر رہی تھیں گویا کسی نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہو اور وہ غصہ اور جوش کی حالت میں حملہ کرنے کے لئے چلی آتی ہوں۔ کوئی چیز میرے خود میں ٹکر لگی۔ اور اس زور سے لگی کہ وہ گرتے گرتے بچا لیکن میں پھر بھی محفوظ رہا۔ اس کے ایک ہی منٹ بعد دو بم کے گولے ایک ساتھ بڑی پُرشور آواز کے ساتھ پھٹے۔ اس کے بعد میں شکستہ زمین کے اوپر سے گذر کر دشمن کی خندق میں جا پہنچا اور مجھے اپنے پس پشت سپاہیوں کے تالیاں بجانے اور چیخیں دینے کی آوازیں سُنائی دیں۔ بیشتر جرمن سپاہی گولہ باری کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹ گئے تھے لیکن اُنہوں نے جلدی ہی ازسرنو تیاری کر لی۔ اور توپوں کی آواز تھمتے ہی وہ پھر حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگئے لیکن اُن کی خندقوں کی سب سے اگلی لائن قریباً مسٹ چکی تھی۔ دشمن کے سپاہی کبھی کسی گڑھے میں چھپ جاتے کبھی باہر نکل کر پھر مقابلہ کرنے لگتے تھے۔ میرے چاروں طرف برطانوی سپاہی بم پھینکتے۔ توپیں چلاتے۔ گولوں کے پیدا کردہ سوراخوں میں گھستے اور دشمن کے سپاہیوں سے مہلک جدوجہد کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ایک بار میرا اپنا زوردار مقابلہ تین جرمنوں کے ساتھ ہوا۔ اب وہ میرے ساتھ لڑ رہے تھے مگر اس کے ایک ہی منٹ بعد خاک و خون میں غلطاں نظر آنے لگے۔ اور دس بارہ گورا بھی لڑکھڑاتے ہوئے پاس سے آگے نکل گئے۔ اس اثنا میں کلدار توپوں کی نہ ختم ہونے والی آوازیں تمام اطراف سے لگاتار کانوں میں چلی آتی تھیں۔ خاکی پوش صورتیں لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھتیں کچھ اُن میں سے گر جاتیں۔ کچھ پھر آگے قدم بڑھاتیں اور تھوڑی دیر کے بعد گرتی نظر آتی تھیں۔ کئی بار میرے منہ سے بے اختیاری کی حالت میں نکل جاتا "میرے خدا بس اب خاتمہ قریب ہے اب اور کون باقی رہا ہوگا" لیکن سپاہ کا ہجوم سمندر کی نہ ختم ہونے والی لہروں کی مانند بدستور آگے بڑھا چلا آتا تھا یہ لوگ شکستہ خندقوں کی راہ سے گرتے پڑتے مشکل سے چلتے ٹھوکریں کھاتے اس مقام کی طرف بڑھتے چلے جاتے تھے جس پر انہیں عارضی قبضہ کرنا منظور تھا۔

اس کے بعد ناگہاں خاموشی چھا گئی۔ میں نے جو پیچھے نظر ڈالی تو دیکھا ہر طرف بربادی اور تباہی کے ہیبت ناک آثار پھیلے ہوئے تھے۔ اور میرے ساتھیوں میں سے فقط مٹھی بھر جوان باقی رہے تھے۔ میں نے اُن کو کمپنی کے باقی نوجوانوں کی فراہمی کیلئے حکم دیا۔ اس اثنا میں میرے سوا صرف ایک افسر بچا تھا باقی سب کے سب مختلف اوقات میں میری نظروں کے سامنے فرشِ زمین پر ڈھیر ہو چکے تھے۔ میرے سپاہی دو دو تین تین کر کے فراہم ہونے شروع ہوئے۔ دیکھا تو سب ملا کے پچاس کے قریب آدمی تھے لیکن اتنی تعداد بھی میرے اندازہ سے بڑھ کر تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھ کو بتایا گیا کہ لفٹنٹ بیلی بھی مارے جا چکے ہیں۔ اب گویا اس کمپنی کا واحد افسر میں تھا۔ جتنے بھی آدمی اس وقت بچے تھے۔ سب کے چہرے ارواح دوزخ کی مانند دھوئیں سے کالے اور اُن پر ہوائیاں سی چھوٹ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اُن کی طاقت اور تاب و تواں سب یکسر جواب دے گئے ہیں۔ میں نے ایک مقام پناہ میں اُن کو تھوڑی دیر کے لئے ٹھیرایا۔ پھر جب وہ دم لے چکے تو اکٹھے ہم اس مقام کی طرف بڑھے۔ جو ہماری جائے مقصود تھا۔

کم و بیش تیس گز ہم چپ چاپ آگے چلتے گئے۔ کسی نے ہماری مزاحمت نہ کی لیکن عین اس وقت جب میں خیال کرنے لگا تھا کہ شاید دشمن کچھ فاصلہ پیچھے ہٹ گیا ہے۔ ناگہاں ایک ساتھ تین طرف سے مشین گن کی گولیاں بوچھاڑ کی مانند برسنے لگیں۔ میں جلدی سے ایک گڑھے کے اندر کود گیا

جو کسی شیل کے گرنے سے پیدا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی چیختی ہوئی آواز میں ساتھیوں کو اس طرح کرنے کا حکم دیا۔ تین آدمی ایک مورٹر توپ لئے میرے ساتھ تھے میں نے ان کو سمجھایا کہ ذرا دشمن کا جائزہ لے لوں۔ پھر تم نے اس کو جما دینا بڑی احتیاط کے ساتھ ہیں۔ نے اپنے سر کو اونچا اٹھایا کہ خندق کے اوپر سے باہر کی طرف دیکھ سکوں۔ چاروں طرف گولیاں اولوں کی مانند برس رہی تھیں تاہم میں نے اتنے ہی سے معلوم کر لیا کہ وہ کس مقام سے آتی ہیں۔ اور توپ چلانے کو اسی طرف کا رُخ کرنے کا حکم دیا۔ گولا چلنے کی آواز پیدا ہوئی اور ہمیں یہ دیکھ کر بھاری اطمینان ہوا کہ گولا ٹھیک نشانہ پر بیٹھا اور پرشور آواز کے ساتھ پھٹا دشمن کا ایک آدمی ہماری طرف کو آنا چاہتا تھا لیکن میری کلدار توپوں نے اس کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ یہی عمل ایک اور توپ کے ذریعہ سے کیا گیا لیکن اب کی مرتبہ کسی آدمی کے حرکت نہ کرنے سے میں نے یہ صحیح اندازہ قائم کیا کہ دشمن کے جوان یا تو مارے گئے یا بُرے طرح زخمی ہوئے ہیں۔ اب دشمن کی طرف سے صرف ایک توپ سلسلہ وار چل رہی تھی۔ جسے چپ کرانا باقی تھا مگر عین اس وقت کہ ہم ادھر متوجہ ہونا چاہتے تھے دشمن کی فوج کے سپاہی جو پیشتر چھپے بیٹھے تھے ہاتھ اونچے اٹھائے باہر نکل کے کھڑے ہو گئے اور اس طرح اپنے آپ کو مطیع ظاہر کیا۔ میرے جی میں تو اسقدر غصہ تھا کہ دل میں آتی تھی ان سب کو یہیں کھڑے ہلاک کر دوں۔ لیکن بڑی مشکل سے ضبط کیا اور دو آدمیوں کو ان کی نگرانی سپرد کر کے باقیوں کو خندق سے باہر نکالا اور آگے لیکر بڑھا جہاں گھمسان کا معرکہ جاری تھا۔

تھوڑی دیر تک ہماری رفتار بہت ہلکی رہی اور اس اثنا میں ہمارے آدمی خزاں رسیدہ پتوں کی طرح جھڑتے چلے گئے۔ لیکن اس پر بھی ہم نے دامنِ استقلال نہ چھوڑا اور آہستگی کے ساتھ آگے قدم بڑھاتے رہے لیکن عین اس وقت جب ہم منزل کے قریب پہنچنے لگے تھے۔ نیلے رنگ کی وردیاں پہنے ہوئے دشمن کے سپاہیوں کی ایک فوج عظیم ہماری طرف کو آتی دکھائی دی۔ معلوم ہوا کہ دشمن حملے کا جواب حملے سے دینا چاہتا ہے۔ اس سے پیشتر کہ ہم لوگ شیل کے گولوں کے پیدا کئے ہوئے سوراخوں میں پناہ لیتے وہ سر پر آ پہنچے۔ اس کے بعد چند منٹ کے عرصہ تک واقعات نے ایسی جوش انگیز تیزی رفتار اختیار کی جس کی مثال میرے دیکھنے میں پیشتر کبھی نہ آئی تھی۔ ہر دو فریق کے آدمی پرجوش نعرے لگاتے اور مغلظات بکتے تھے۔ ان آوازوں سے ملی جلی بندوقوں کی تڑاخ پڑاخ اور بم کے گولوں کی پرشور صدائیں کانوں میں چلی آتی تھیں۔ نیلے رنگ کی وردیاں پہنے سروں پر اس قسم کے ٹوپ لئے گویا کوئلہ پھینکنے کی بالٹی اوندھی کر دی گئی ہو۔ دشمن کے سپاہی نہ ختم ہونے والی قطار میں ہماری طرف کو بڑھتے چلے آتے تھے ان میں جو لوگ آگے تھے ان میں بہتوں کو بندوقوں۔ توپوں، توپوں اور بم کے گولوں کی مدد سے ہلاک کر دیا گیا۔ لیکن سمندر کی یہ لہر ایسی نہ تھی جو اس قسم کی رکاوٹوں سے تھم جاتی۔ انجام کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ ہر شخص اپنی جان بچانے کے لئے کوشش کرنے لگا۔ یاد نہیں یہ حالت کتنی دیر رہی دفعتاً میں نے دیکھا کہ دشمن کے سپاہی پیچھے ہٹنے لگے اور ایک نئی پلٹن کے خاکی پوش سپاہی جو ہمارے اپنے رفیق تھے ہر طرف پھیلے ہوئے دکھائی دینے لگے۔

اس کے تھوڑا عرصہ بعد ہم منزل مقصود پر جا پہنچے۔ دیکھا تو بعض دوسری کمپنیوں کے کچھ جوان نیز چھ سات افسر جن میں کرنیل اور ایجوٹنٹ بھی شامل تھے اس جگہ پہنچے ہوئے ہیں۔ میری کمپنی کے آدمیوں کی تعداد اب گھٹ کر صرف بیس[۲۰] پر آ رہی تھی۔ معلوم ہوا کہ تھوڑی سی زمین حاصل کرنے کے لئے ہمیں سخت مہنگی قیمت انسانی جانوں کی صورت میں ادا کرنی پڑی ہے۔ ہمارے سامنے ایک ٹوٹی ہوئی خندق تھی۔ ہمارے تھکے ماندے آدمیوں نے اس کو گہرا اور مستحکم بنانا شروع کر دیا دونوں طرف ہماری فوج کے جو دوسرے جوان منتشر تھے ان سے تعلقات پیدا کئے گئے اور ٹیلیفون کا سلسلہ بڑی عجلت کے ساتھ قائم کر دیا گیا۔ گولہ باری اب تک پُرشور آوازوں کے ساتھ جاری تھی۔ شیل کے گولے چیختی ہوئی آوازوں کے ساتھ ہمارے سروں پر سے اڑ اڑ کر گر رہے تھے لیکن عارضی طور پر ہم لوگ ایک جائے پناہ حاصل کر چکے تھے۔ چنانچہ جونہی خندقوں کو قابل سکونت اور محفوظ بنایا جا چکا۔ جتنے سپاہی تھے سب کے سب ضعف جانی کی حالت میں تھکے ماندے زمین پر گر پڑے۔ لیکن ہمیں آرام کرنے کی زیادہ مہلت نہ دی گئی۔ یکایک جرمنوں نے ہماری طرف گولا باری شروع کر دی۔ چنانچہ اس وقت جبکہ گولے ہماری خندق پر آ آ کر گرتے اور اس کی مٹی کو منتشر بنا کر رہے تھے۔ ہم بے بس اور بے مددگار خندق میں دبکے ہوئے پڑے تھے۔ ہر نئے گولے کے گرنے کے ساتھ کبھی مٹی کا غبار اٹھتا کبھی کسی بدنصیب کے کٹے ہوئے اعضا پرواز کرتے دکھائی دیتے۔ کسی کا سامانِ جنگ بکھرتا نظر آتا۔

آدھا گھنٹہ یہ قیامت خیز ہنگامہ جاری رہا اور ایسا ہیبت ناک وہ منظر تھا کہ مجھے بارہا یہ سوچکر تعجب ہونے لگتا تھا کہ ہماری پلٹن بالکل مٹ جانے سے کس طرح بچ گئی۔ دھماکے غائت درجہ ہیبت ناک تھے اور شل کے گولوں اور توپ کی گولیوں کے پے در پے چلنے سے ہوا میں آندھی کی سی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ میرے دماغ کی قوت فیصلہ کم و بیش سلب ہو چکی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سر میں چکر آ رہے ہیں لیکن پھر بھی جس طرح بن پڑا میں نے گاہ بگاہ آس پاس کے مقامات دیکھنے کا موقعہ پیدا کر لیا۔ دفعتاً دشمن کے سپاہی ہماری طرف کو آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ انہیں دیکھ کر میں جھٹ اٹھ کر کھڑا ہو گیا

اور اپنے آدمیوں کو آوازیں دیں "خبردار ہو جاؤ وہ آ پہنچے" عین اُس واقعہ پر شیل کے گولے چلنے بند ہو گئے۔ میرے آدمیوں نے بڑھتے ہوئے دشمن کے جوانوں پر بم کے گولے پھینکے۔ اور میں چیختی ہوئی آواز میں ساتھ ساتھ حکم جاری کرتا گیا۔ بڑے گھمسان کا معرکہ ہوا لیکن آخرکار ہم دشمن کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر بھی عرصہ دراز تک یہ کیفیت رہی کہ وہ رہ رہ کر واپس آتے تھے۔ جتنا عرصہ وہ پیچھے ہٹے رہتے۔ توپوں کی گولہ باری ان کی کسر پوری کرتی چلی گئی۔ ان تمام مشکلات کے باوجود ہم نے اپنے پاؤں اکھڑنے نہ دئے۔ حتیٰ کہ جب رات ہونے لگی تو جیری خون کی ندی میں نہایا ہوا لہولہان تھکا ماندہ ہمیں چھوڑ کر آرام کرنے چلا گیا۔ پھر ایک مرتبہ ہم نے سرگرمی کے ساتھ اپنے استحکام کی مرمت شروع کی۔ اس عرصہ میں گولہ باری کافی گھٹ گئی تھی اسلئے ہمیں ایسا کرتے ہوئے کوئی بھاری نقصان برداشت نہ کرنا پڑا چونکہ دشمن کی گولیوں نے ٹیلی فون کے تار کو جابجا منقطع کر دیا تھا۔ اسلئے ہمیں رسل و رسائل کا سلسلہ پیادوں و سرکاروں کی معرفت جاری رکھنا پڑا۔

اسی طرح رات ہو گئی۔ اس وقت گو طبیعت آرام چاہتی تھی لیکن دلوں پر یہ خیال مسلط تھا کہ دشمن ضرور شب خون مارے گا۔ تاہم عملی طور پر ایسا نہیں ہوا۔ بالفرض وہ لوگ رات کو حملہ کرتے تو مجھے انصافاً کہنا پڑتا ہے کہ شاید ہم ان کو روک نہ سکتے۔ کیونکہ ہمارے سپاہیوں کی خستگی اور ماندگی کا یہ عالم تھا کہ وہ سیدھے کھڑے نہ ہو سکتے تھے۔ ہر لحظہ مدد آنے کی توقع تھی مگر کوئی نہ آتا تھا۔ دن نکلنے کے ساتھ وہی سلسلہ از سرِ نو جاری ہو گیا اور سابق کے مقابلہ میں زیادہ سرگرمی کے ساتھ شروع ہوا جس طرح مینہ کا زوردار جھڑا کا اس شدت کے ساتھ اُترا کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے پانی آج کے بعد پھر نہ برسے گا۔ یہی حال گولہ باری کا ہوا اس کے بعد نیلی وردیاں پہنے ہوئے سپاہیوں کی عظیم لہر ہماری طرف کو بڑھتی دکھائی دی۔ ہم نے جواب میں بڑی تیزی کے ساتھ فائر کرنے شروع کئے جس سے وہ لوگ لڑکھڑا گئے اور ان میں کسی حد تک ابتری پھیل گئی۔ دو مرتبہ یہی عمل ہوا لیکن آخرکار تیسری مرتبہ ہم سنگینوں کی مدد سے دشمن کے جوانوں کو ان کی اپنی خندقوں سے پرے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ ہمارے خستہ جان سپاہی اس قسم کا معجزہ کس طرح ظہور میں لا سکے اپنے بارہ میں میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ایک خود بخود چلنے والی کل کی مانند سب کام کر رہا تھا ورنہ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا کر رہا ہوں یا کیا کرنا چاہتا ہوں۔

ہم نے نئی لائن پر پہنچ کر پھر سے خندقیں کھودنی شروع کر دیں۔ دن کا باقی حصہ کچھ تو اسی کام میں گزرا اور کچھ دشمن کی گولہ باری سے بچنے اور اُن کے حملوں کو پسپا کرنے میں۔ لیکن ہماری حالت سخت نازک تھی۔ ہر لحظہ دل میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ اب کی مرتبہ وہ لوگ ہمیں توڑ کر نکل جائیں گے اور ہمیں پسپا ہونا پڑیگا اس کے باوجود ہم اپنی جگہ پر کسی نہ کسی طرح قابض رہنے میں کامیاب ہو گئے اور آخرکار رات ہوئی تو کچھ جزوی آرام بھی مل گیا مجھے اپنا دماغ سُن معلوم ہوتا تھا۔ حواس کام کرنے سے عاجز تھے۔ جس وقت میں لیٹا ہوا بندوقوں کی چمک اور شیل کے گولوں کے پھٹنے کی آگ دیکھتا تو دل ہی دل میں ان حالات کا مقابلہ کسی میلے کی چھوڑی ہوئی آتش بازی سے کئے بغیر نہ رہ سکتا کتنی عجیب بات ہے کہ خطرۂ عظیم کے موقعہ پر عجیب و غریب خیالات ہمارے ذہن میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

آخرکار وہ کمک جس کا انتظار تھا پہنچ گئی دلی احساس شکرگزاری کے ساتھ ہماری پلٹن کے بچے کھچے جوان لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹ کر دشمن کی زد سے باہر نکلے تاکہ مختصر سا آرام حاصل کر سکیں جس وقت ہم تھکے ماندے گرتے پڑتے اس سڑک پر چلے جا رہے تھے جو ہماری عارضی آرام گاہ کی طرف جاتی تھی، تو ہمارے جھلسے ہوئے چہروں اور پھٹے ہوئے کپڑوں کی بدولت ہماری جو ہیئت کذائی ہوئی اس کا حال محتاج تفصیل نہیں ہم جس آرام کو حاصل کرنے جا رہے تھے۔ اس کے ہم بدرجہ غایت مستحق ثابت ہو چکے تھے۔ لیکن گو کمزوری اور نقاہت کا یہ عالم تھا کہ قدم اچھی طرح نہ اُٹھتے تھے تو بھی دلوں میں حوصلے اور اُمنگیں تھیں۔ ہم میں سے بعض نے سیٹی بجانی شروع کی اور ایک نے منہ سے بجانے کا چھوٹا سا باجا نکال کر "پٹریری" کے مشہور گیت کی لے شروع کر دی۔ لیکن اس موقعہ پر مارچ کی یہ گت زیادہ مقبول نہ ہوئی اور بجانے والے نے جلدی ہی اس کو رجمنٹل کوچ کی گت میں تبدیل کر دیا۔ جسے اس نے حیرت انگیز خوبی کے ساتھ بجایا۔ رفتہ رفتہ سر اونچے اُٹھنے شروع ہوئے۔ کمریں سیدھی ہو گئیں اور مجھ کو یہ سوچ کر تعجب ہونے لگا کیا ہماری تھکاوٹ محض ایک جھوٹا احساس تو نہیں تھا؟ اور گذشتہ دو روز کے واقعات حالت خواب میں تو پیش نہیں آئے تھے؟ راستے میں کئی تازہ دم پلٹنیں میدان کو جاتی ہوئی ملیں ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر اس طرح تالیاں بجاتے اور ہنسی ٹھٹھا کرتے تھے جیسے مدرسہ کے لڑکے ایک دوسرے کی جماعت کو چھیڑا کرتے ہیں۔ جب ہم لوگ اس طرح ہنستے کھیلتے آرام گاہ میں پہنچے تو دیکھنے والوں پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا ایک معمولی کھیل تھا جس سے فارغ ہو کر ہم واپس آئے ہیں حالانکہ اتنے ہی میں ہمارے تین سو آدمی میدان جنگ کی نذر ہو گئے تھے۔

اسی طرح دنوں پر دن اور ہفتوں پر ہفتے گزرتے چلے گئے۔ لڑائی اس بھیانک انداز سے جاری رہی لیکن وہ شگاف جو ہم جرمنوں کی لائن میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ عملی صورت اختیار نہ کر سکا۔ اس میں شک نہیں عظیم

جانی نقصان برداشت کرکے جرمنوں کو چند میل پیچھے دھکیلا جاچکا تھا لیکن اس سے عملی فائدہ کیا ہوا؟ جنگ کا ایک عام قاعدہ یہ بند ہو گیا تھا کہ شروع میں توپ کے گولوں کی خوب سے بوچھاڑ کی جاتی۔ اس کے بعد پیادہ فوج آگے بڑھتی اور اسی طرح ہر روز یہ عمل جاری رہتا۔ لیکن گو اس طریقہ پر توپ کے گولے دشمن کی خاردار تاروں کو شکست و ریخت کر دیتے اور انکی خندقیں ناہموار گڑھوں اور ٹیلوں کی صورت اختیار کر لیتیں۔ تاہم اُن کی مشین گنیں بدستور قائم چلی جاتی تھیں۔ ہماری شدید ترین گولہ باری بھی ان کو مٹا نہ سکتی تھی۔ چنانچہ انہی توپوں نیز شیل کے گولوں کی مدد سے دشمن ہمیں عظیم جانی نقصان پہنچا رہا تھا۔ مانا کہ ہماری بڑی توپوں نے دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا اور یہ بھی مان لیا کہ پیادہ فوج نے عظیم معرکے سر کئے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم ہوا کہ دشمن کو جا بجا کہیں ایک کہیں ڈیڑھ کہیں دو میل پیچھے ہٹایا جاچکا۔ لیکن معاملات ہمیشہ اسی حد پر آکر ختم ہو جاتے تھے۔ وہ شگاف عظیم جو ہم دشمن کی لائن میں پیدا کرنا چاہتے تھے کبھی عملی صورت اختیار نہ کر سکا۔ جیری کا معمول تھا کہ ہماری توپوں کے سامنے ایک نئی لائن مرتب کر لیتا لیکن معاملہ اس سے آگے قدم نہ بڑھاتا تھا۔

مزے داری یہ ہے کہ اس ہولناک خونریزی میں بھی جبکہ میری پلٹن کا کوئی آدمی زخم خوردہ ہونے سے نہ بچا تھا اور بیشمار مارے جاچکے تھے۔ میں خود ایک خراش تک حاصل نہ کر سکا۔ جب ستمبر کا مہینہ آیا تو میں اپنی کمپنی کا کمان افسر بن چکا تھا اور دو موقعے تو اس قسم کے پیش آئے کہ جب ہماری پلٹن میدانِ جنگ میں کام کر رہی تھی تو مجھ سے بڑے تمام افسر یا تو مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ اسلئے پوری پلٹن کی کمان میرے ہاتھ آئی۔ اسی ماہ ستمبر میں ایک نہ بھولنے والے دن کو میدانِ جنگ میں کام کرنے کی ایک نئی چیز نمودار ہوئی جس نے سابقہ تمام خیالات اور اندازوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ اور ایک نیا حربہ دشمن کی تباہی کا مہیا کیا۔ اس وقت یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلحہ سازی میں ایک نیا انقلاب پیدا ہو گیا ہے اور زمانہ آئندہ کی جنگ ایک اس قسم کی مصنوعی صورت اختیار کرلے گی جس میں رفتہ رفتہ نہ پیادہ فوج کی ضرورت باقی رہے گی نہ سواروں کی۔

ماہ ستمبر کی پندرہ تاریخ میرے لئے ایک سے زیادہ طریقوں پر قابل یادگار ثابت ہوئی۔ اس روز پھر ہم محاذ پر سب سے آگے تھے اور کبھی گڑھوں میں چھپ کر کبھی اُن سے باہر نکل کر۔ شدت سے جان مار لڑائی لڑ رہے تھے۔ ہمارے سپاہیوں کو بھاری نقصان برداشت کرنا پڑ رہے تھے تو بھی ہماری فوج قدم بہ قدم استقلال کے ساتھ منزلِ مقصود کی جانب بڑھی چلی جاتی تھی۔ میں اپنی کمپنی کی رہنمائی کرتا ہوا ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں دشمن کی ایک مشین گن گولیوں کی بوچھاڑ کرتی تھی ہمیں ہر لحظہ اس کے قاتلانہ وار سے محفوظ رہنے کے لئے جو جگہ ملتی اسی میں پناہ تلاش کرنی پڑتی۔ ہمارے سپاہیوں نے ایک موٹر توپ اور بموں کی مدد سے اس مشین گن اور اس کے چلانے والوں کو چپ کرانے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ توپ کا پشتہ کنکریٹ کا بنا ہوا تھا اسلئے ہماری سب کوششیں رائیگاں ہو رہی تھیں رفتہ رفتہ کچھ اور لوگ بھی اس مقابلہ میں شریک ہو گئے اور ایک طرف سے تو لگاتار گولیوں کی بوچھاڑ آنے لگی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن نظر آتی تھیں ایک یہ کہ میں اپنے آدمیوں کو لے کر پیچھے ہٹ جاؤں اور دوسری یہ کہ ہم سب اس کوشش میں فنا ہو جائیں۔ سخت مایوسی اور پریشانی کی حالت میں تقدیر کی بے رحمی کو کوستا میں اپنے ساتھیوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دینے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً جرمنوں نے مشین گن کا رُخ ایک اور سمت میں پھیر کر اس کی رفتار غیر معمولی تیز کر دی۔

حیران و ششدر ہم بھی اُس طرف کو مڑ کر دیکھنے لگے۔ دل میں سوچتے تھے کہ یہ کونسی نئی چیز ہے جس کو دشمنوں نے نشانہ بنانے کے لئے توپ کا منہ ہماری طرف سے دوسری جانب کو پھیر دیا۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ اس بادل کے اندر سے جو شیل کے گولوں کے پھٹنے سے چھایا ہوا تھا۔ ایک عجیب و غریب چیز دیو سے ملتی جلتی باہر نکلی۔ جب ہم نے اس کو پولی زمین پر چلتے ہوئے کبھی ایک اور کبھی دوسری طرف کو جھکتے۔ لیکن آہستگی اور استقلال کے ساتھ آگے ہی آگے چلے جاتے دیکھا تو بالکل ایسا معلوم ہوا کہ یہ کسی قسم کی مصنوعی کل نہیں بلکہ نہایت قدیم زمانہ کے ان دیو ہیکل حیوانات میں سے ایک ہے جن کا ذکر کتابوں میں پڑھا کرتے تھے۔ کبھی وہ چیز کسی خندق میں گھس جاتی کبھی ان سوراخوں میں داخل ہوتی جو شیل کے گولوں نے پیدا کئے تھے لیکن فوراً ہی پھر ان گڑھوں سے باہر نکلتی دکھائی دیتی تھی۔ اس کے محفوظ پہلو دیکھ کر جن پر کوئی وار کارگر نہ ہوتا تھا اس کی صورت اور بھی زیادہ بھیانک اہمیت حاصل کر رہی تھی۔ آخر جب وہ زیادہ قریب آئی تو ہم نے دیکھا کہ مشین گن کی گولیوں کے بیشمار نشانات گو اس پر موجود تھے تاہم کسی گولی میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اس کی رفتار روکنے یا اس کی چال کم کرنے کا ذریعہ ثابت ہوتی یہ چیز دشمن کے قائم کردہ پشتوں کی سیدھ میں چلی آ رہی تھی اور اس کے اندر چھپی ہوئی توپیں لگاتار گولیوں کی بوچھاڑ کر رہی تھیں۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے یہ دیو ہیکل چیز ایک پشتے کے قریب پہنچی جس کے پیچھے سے اس پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔ یہاں پہنچنے کے بعد اس نے ایک لمحہ تامل کیا۔ پھر وہ اس پشتے پر چڑھ گئی اور آنِ واحد میں دیکھا گیا کہ اب نہ وہاں کوئی پشتہ تھا نہ کوئی توپ اور نہ توپ چلانے والے۔ ہر ایک چیز

اس کے نظر نہ آنے والے پیروں تلے روندی جا چکی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس مصنوعی دیو نے دوسری طرف کو رُخ کیا اور یہی عمل ایک اور رستہ اور اس کی آڑ میں بیٹھے ہوئے دشمن کے سپاہیوں کے ساتھ کیا۔ اتنے میں ہم سب لوگ اپنی اضطرابی حالت سے بخوبی سنبھل چکے تھے۔ ہر شخص ہنستا۔ تالیاں بجاتا اور اس مشین کی بے ڈھنگی چال کو دیکھتا ہوا ان مقامات پر نظر حیرت ڈالتا تھا جہاں اس کی بدولت کشتوں کے پشتے لگے ہوئے دکھائی دیتے تھے جو کام بیشمار فوجیں بہت سے عرصہ میں نہ کر سکتی تھیں وہ اس حیرت انگیز مشین کی بدولت جسے ٹینک (Tank) کہتے تھے۔ منٹوں میں ہوتا چلا جاتا تھا۔

اتنے میں ہم آگے چلکر ایک خندق کے قریب پہنچے جس میں جرمن سپاہی جمع تھے لیکن اُن کی آنکھیں ہماری طرف نہیں بلکہ اس ہیبتناک مشین کو متعجبانہ دیکھتی تھیں جس کی اٹل رفتار اسے قریب تر لئے آتی تھی اور جس کے اندر سے چلتی ہوئی گولیاں اور گولے ہر طرف تباہی پھیلاتے نظر آتے تھے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے یہ مشین خندق میں گھس گئی اور جو بدنصیب اس امید پر وہاں ٹھیرے رہے تھے کہ اسے کسی طریقہ پر روک سکیں گے ان کو اس نے یوں روند ڈالا جیسے کوئی دیو ہیکل وجود کسی لشۂ بے مقدار کو۔ باقی جو آدمی بچے ان کے چہروں پر ہوائیاں چھٹی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اس حالت میں وہ سب بلا تامل اطاعت پذیر ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں میرے پاس بیشمار قیدی جمع ہونے لگے۔ اس موقعہ پر جب میں مختلف احکام صادر کر رہا تھا ایک جرمن ہوائی جہاز نشیب میں اُڑتا ہوا ہمارے قریب پہنچا۔ تھوڑے فاصلہ پر ایک بم پھٹا اور ہر شخص جو موجود تھا کیا جرمن قیدی اور کیا گورے سپاہی سب جانیں بچانے کیلئے مقام پنہاں کی طرف دوڑے۔ میں بھی اسی طرح بھاگا جاتا تھا کہ ایک اور زبردست دھماکا ہوا۔

اس وقت مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ قدم فرش زمین سے بے اختیار اُٹھنے لگے ہیں گرد و نواح کا منظر آنکھوں کے سامنے گھومتا دکھائی دیتا ہے اور اسی گردش میں ملے ہوئے خاکی پوش گورہ اور نیلی وردی کے جرمن سپاہی۔ ٹینک اور خندقیں عجیب طرح ہر ایک دوسرے سے آمیز ہیں۔ پھر دفعتاً گہری خاموشی چھا گئی اور اس کے بعد دماغ پر تاریکی نے پردہ ڈال دیا۔ (باقی آئندہ)

بوڑھے گوالے نے جب یوگی راج شری رتناگری جی مہاراج کی دی ہوئی دوائی کی چھ خوراکیں غلطی سے ایک ہی دفعہ استعمال کر ڈالیں تو اس کی جو حالت ہوئی اس کا پورا حال بیان کرنے کی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ قصہ مختصر اس بوڑھے گوالے نے تین شادیاں کیں۔ اور ان شادیوں سے یکے بعد دیگرے جیتے جاگتے تندرست اور خوبصورت بچے حاصل کئے۔ یہ خبر آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی۔ راجے مہاراجے نواب وغیرہ طرح طرح کی خوشامد کر کے مہاتما جی سے اس نسخہ کو حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ نواب بہاولپور کے سسر حاجی حیات محمد خاں صاحب کی کوششیں بار آور ہوئیں اور باباجی نے اس عجیب وغریب دوائی کا نسخہ ان کو بتا دیا۔ حاجی صاحب موصوف سے یہ نسخہ امر دھارا کے موجد کوی ونود پنڈت ٹھاکر دت جی شرما کے ہاتھ لگا جنہوں نے اسے اور نسخوں کے ساتھ اس نسخہ کو اپنے طبی اخبار "ویش اپکارک" میں شائع کیا کہ اس سے بہتر نسخہ بتانے والے کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دینے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کو شائع ہوئے سولہ سال گزر چکے ہیں۔ لیکن آج تک کوئی وید حکیم اس انعام کو حاصل کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ پھر متھرا کے مشہور ومعروف وید ہری داس جی نے اس نسخہ کو اپنی طبی کتاب "چکتسا چندرادے" میں شائع کر دیا۔ جہاں سے لے کر ہم نے اسے تیار کر کے ہزاروں نامردی۔ جریان۔ احتلام وغیرہ کے مایوس مریضوں پر اس کی آزمائش کی۔ اس کے حیرت انگیز کرشمے دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی ہے۔ چند روز کے استعمال سے ہی ان کے چہروں پر سرخی دوڑنے لگی۔ بھوک حیرت انگیز طور پر بڑھ گئی۔ اور چالیس روز کے مکمل استعمال سے یہ گئے گزرے مریض قابل فخر مرد بن گئے۔ جو صاحب ان موذی امراض کی بدولت زندگی سے تنگ آ گئے ہوں اور دوائیوں سے جن کا اعتقاد بالکل اٹھ چکا ہو وہ مندرجہ ذیل نسخہ بنا کر استعمال کریں۔

اصل نسخہ حسب ذیل ہے۔

شدھ برادہ فولاد ۲۰ تولہ۔ خالص سنکھیا سفید ایک تولہ۔ خالص کافور ½ ۱ ماشہ ان سب چیزوں کو ۵ گھنٹہ تک گھیکوار کے گودے میں گھوٹ کر مٹی کے کوزے میں بند کر کے ۵ سیر اپلوں کی آنچ میں پھونکیں۔ ٹھنڈا ہونے پر ایک تولہ اسٹرال ورقی اور ½ ۱ ماشہ کافور کے ساتھ، تیسری بار ایک تولہ گندھک آملہ سار اور ½ ۱ ماشہ کافور کے ساتھ، چوتھی بار ایک تولہ شدھ سنگلت پارہ اور ½ ۱ ماشہ کپور کے ساتھ پھونکیں۔ اسی طرح سولہ آنچ دے کر برابر وزن میں بیربہوٹی ڈال کر لوہے کی کڑاہی میں ڈالیں اور نیچے آنچ دے کر راکھ کر ڈالیں۔ بعد ازاں یہ راکھ پنکھے کی ہوا سے اڑا دیں۔

اب یہ مقویات کی سرتاج دوائی اپدروشکتی داتا تیار ہے۔ خوراک نصف رتی صبح اور نصف رتی شام کو بالائی یا مکھن کے ہمراہ کھا کر اوپر سے دودھ پی لیں۔ گرم اور ترش اشیا سے پرہیز کریں۔

اس دوائی کی تعریف میں متھرا کے بابو ہری داس جی لکھتے ہیں کہ ایک ہفتہ کے استعمال سے ایک مریض کا وزن چار پونڈ بڑھ گیا۔ اور اس کے چہرہ پر سرخی جھلکنے لگی۔ ھوریال کے وید راج بال کرشن جی شرما نے اسے ۳۵۰ مریضوں پر استعمال کیا اور امید سے بھی بڑھ کر مفید پایا۔ رتناکر کے ایڈیٹر آیوروید آچاریہ چھوٹے لال جی جین نے اپنی مشہور کتاب گرہ چکتسا پدر درشک میں لکھا ہے کہ ہم نے آج تک ایسا تیر بہدف اور مقوی نسخہ نہیں دیکھا۔ رسالہ "تنتر" کے ایڈیٹر وید بھوشن شری شیام بہاری لال جی وید کی رائے ہے کہ اس دوائی کے چالیس روزہ استعمال کے بعد اسی سال تک بڑھاپا پاس نہیں پھٹکتا۔

ہمارا اپنا تجربہ ہے کہ اس کے سات روزہ استعمال سے جسم میں تازہ خون دوڑنے لگتا ہے۔ اکیس دن میں چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگتا ہے۔ اور چالیس روز کے بعد نامرد سے نامرد اور مایوس سے مایوس مریض بھی صحیح معنوں میں مرد بن جاتا ہے۔ زیادہ تعریف فضول ہے۔ عورتوں کی تمام امراض ہسٹیریا۔ جریان الرحم اور ایام حیض کی خرابی کے لئے بھی یہ دوائی نہایت اکسیر ثابت ہوئی ہے۔ دمہ۔ ذیابیطس جیسے موذی امراض کے لئے اس سے بہتر دوائی کا دستیاب ہونا بالکل محال ہے۔

ہم نے واضح طور پر اس کا نسخہ اور ترکیب بتا دی ہے۔ جو صاحب کسی وجہ سے اسے خود تیار نہ کر سکیں، وہ ہم سے دام کے دام پر منگائیں۔ چالیس روز کی ۸۰ خوراک پانچ روپے دس آنے (۱۰/۵) میں معہ خرچہ محصول ڈاک روانہ کر دی جائے گی۔

نیازمند

ویدرتن ستیہ دیو گپتا۔ رُوپ بلاس رسائن شالا نمبر ۲۴ کچہری اٹاوہ (یو پی)

حب ضامن (رجسٹرڈ)

(مانع حمل) (مانع حمل)

حب ضامن حمل نہ رہنے کی بالکل بے ضرر اور شرطیہ دوا ہے!
جماع کے بعد ۲ گولیاں کھا لینے سے حمل قرار نہیں پا سکتا چالیس دن
کھانے سے ۴-۶ سال اور اسی دن کھا لینے سے تمام عمر حمل قرار
نہیں پائیگا - جو عورتیں کثرت اولاد کے باعث پریشان تھیں اسکے
باعث اب مطمئن اور خوش ہیں - اور عرصہ سے ضرورتمند عورتیں
اس فقیری تجربہ کی دوا سے فائدہ اٹھا رہی ہیں - قیمت فی شیشی
(۸۰ گولیاں) صہ پانچ روپیہ محصول ڈاک معاف -

نوٹ :- صرف ضرورتمند عورتیں ہی طلب کریں ورنہ گناہ کی خود ذمہ دار
ہونگی - دیگر یہ کہ مجھ سے اور کوئی دوا طلب نہ فرمائیں چونکہ میں کوئی اشتہاری
یا پیشہ ور حکیم نہیں ہوں - بس میرے پاس تو صرف یہ ہی ایک تجربہ کی فقیری
دوا ہے - جو ضرورتمندوں کے لئے حاضر ہے - اس پتہ سے منگا لیجئے -

دفتر حب ضامن (رجسٹرڈ) بھٹی محلہ مرادآباد

عورتوں کی ہر ایک پوشیدہ امراض کیلئے

فواریدار پچکاری :- یہ نہایت لاجواب ربڑ کی پچکاری ہے - جس کا اگلا حصہ تقریباً ایک انچ موٹا اور پانچ انچ لمبا سیاہ رنگ کی سخت (ربونائیٹ) کا بنا ہوا ہے - اسکے سر پر مختلف سوراخ کئے ہوئے ہیں - ربڑ کے بلب کو دبا کر پانی اس پچکاری میں بھر لیا جاتا ہے اور پھر عورت کے اندر اس کا پانچ انچ لمبا اگلا حصہ داخل کر دیا جاتا ہے - عین اس اگلے حصے کے پیچھے ایک ربڑ کی ٹوپی لگی ہوئی ہے - وہ بھی عورت کے اندر جہاں تک جا سکے کر دی جاتی ہے - وہ وہاں ایسی فٹ ہو جاتی ہے جیسے بوتل پر کارک - پھر ربڑ کے بلب کو دبا کر پانی عورت کے اندر چھوڑا جاتا ہے پانی مختلف سوراخوں سے فوارے کی طرح اندر داخل ہوتا ہے - اور جو بھی عورت کے اندر غلاظت وغیرہ ہو جس کی وجہ سے وہ اکثر بیمار رہتی ہو - تو سے خوب اپنے ساتھ گھول لیتا ہے - پھر بلب کا دباؤ چھوڑنے پر تمام غلاظت والا پانی پچکاری کے اندر آ جاتا ہے - اسطرح پر دو تین دفعہ پچکاری کو دبا کر بار بار پانی عورت کے اندر داخل کرنے سے اس کے اندر کی خوب صفائی ہو جاتی ہے - اور بلا کسی دوائی کے اسکی ہر اقسام کی پوشیدہ بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے - بیشمار عورتیں اپنی تکالیف کو اپنے خاوند تک بھی ظاہر نہیں کرتیں - اور دائم المریض ہی رہتی ہیں - اسلئے ہر گھر میں اس پچکاری کا ہونا نہایت ضروری ہے - اسے اگر عورت کا جیبی ڈاکٹر کہا جائے تو بہت موزوں ہوگا - ربڑ کی ٹوپی پانی بے تحاشہ باہر نکلنے سے بچاتی ہے - اگر عورت بستر پر بھی لیٹی ہوئی ہو - تو اس پچکاری کا استعمال بآسانی کیا جا سکتا ہے اور بستر گیلا تک نہیں ہوتا - جو عورتیں سیلان الرحم کی مریض ہوں - وہ اسے ایک دفعہ ضرور آزمائیں - برتھ کنٹرول کے حامی اسے ہمیشہ اپنے نزدیک رکھیں - ہر صحبت کے بعد محض دو ہی منٹ میں اس کے ذریعہ عورت کے اندر کی صفائی وغیرہ ہو سکتی ہے - پھر بچہ ہونے کا اندیشہ دامنگیر نہیں ہوتا -
قیمت صرف تین روپیہ آٹھ آنہ -

کاماکو - لاہور روڈ - امرتسر

A 100 Ways of Kissing Girls

بوس و کنار کے سینکڑوں طریقوں کی کتاب

This is an American book, now published in India. It contains love stories and various full page photo blocks of love making. *It contains one very funny picture of a girl who has never been kissed.* Double coloured title.

Pages 80. Price Re. 1/.

کاماکو - لاہور روڈ - امرتسر

KAMA CO: Lahore Road, AMRITSAR.

سائنس کی دنیا

یورپین ڈاکٹروں کے کمالات

بوسٹل یونیورسٹی کے مشہور سرجن ڈاکٹر ارنیسٹ ولیم گروز نے حال ہی میں اپنے طبی تجربات کے سلسلے میں بعض دلچسپ معلومات فراہم کئے ہیں۔ مثلاً ۱۹۲۳ء میں ایک لڑکے کی کمر کے نیچے کی ہڈی ٹوٹ گئی، ڈاکٹر موصوف نے انسان کی ہڈی جوڑ کر اس کو درست کرنا چاہا، لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی، تو اس نے تجربتاً دریائی گھوڑے کے دانت کو ٹوٹی ہوئی ہڈی میں جوڑ دیا، —

گذشتہ اکتوبر میں عکسی شعاعوں سے معائنہ کیا گیا، تو ہڈی بالکل جڑی ہوئی پائی گئی، مریض اب تک تندرست ہے، اور اسے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔

ایک دوسرے دس برس کے لڑکے کے بازو کی ہڈی کہیں سے ٹوٹ گئی تھی، ڈاکٹر مذکور نے اس کو بیل کی ہڈی کے دو ٹکڑوں کو اوپر نیچے رکھ کر ملا دیا، چھ ہفتہ میں لڑکا بالکل ٹھیک اور تندرست ہوگیا، اور آگے چلکر وہ بہت مشہور کھلاڑی ہوا، دس برس کے بعد جوڑ کا عکسی شعاعوں سے معائنہ کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ بیل کی ہڈیاں لڑکے کی ہڈیوں میں بالکل پیوست ہوگئی ہیں،

ایک عورت کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی ڈاکٹر موصوف نے اس کو بارہ سنگھے کے سینگ سے ملا کر درست کر دیا، وہ ایک سال کے بعد ایسا صاف چلنے لگی، کہ اس کی دونوں ٹانگوں میں کوئی فرق نظر نہ آتا تھا، تین سال کے بعد بارہ سنگھے کی ہڈی مریضہ کی ہڈی کا جزو بن گئی،

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

حال ہی میں ایک روسی سائنسدان پروفیسر کراؤ کو نے یہ بات دریافت کی ہے کہ موسیقی اور اس قسم کی دوسری آوازوں سے سننے والے کی بصارت میں پچیس فیصدی کا اضافہ ہو سکتا ہے، دماغی علاج کرنے والے سرجن اور دندان ساز موسیقی سے عجیب و غریب کام لے رہے ہیں،

ڈاکٹر ایل ایس ہنڈرکا نے جو نیویارک کے ایک ہسپتال میں کام کرتے ہیں، بیان کیا ہے کہ بعض بچے جن کی دماغی حالت خراب تھی موسیقی کے ذریعہ تندرست ہو گئے۔

دندان سازوں نے بھی موسیقی کے ذریعہ دانت کے نکالنے کے خوف کو دور کر دیا ہے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

امریکہ میں مارے لینڈ کے کسی ڈاکٹر نے ایک مشین تیار کی ہے، جس کو مریضوں پر عمل جراحی کرتے وقت کلوروفارم کی بجائے استعمال کیا جائے گا، پروفیسر موصوف کا بیان ہے کہ جب کسی انسان کو بیہوش کیا جاتا ہے تو عموماً تنفس کی تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔ ایک ابتدائی حالت، جبکہ سانس زور زور سے چلتا ہے، دوسری منزل وہ جب سانس اپنی تیز رفتاری کو قائم رکھنے کے لئے پوری جد و جہد کرتا ہے، اور تیسری جب کہ انسان پوری طرح بیہوش و بے حواس ہو جاتا ہے۔ ان تینوں حالتوں میں سانس کی رفتار مختلف ہوتی ہے۔ اس مشین میں ان تینوں حالتوں کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے مندرجہ بالا ترتیب ہیں، اس مشین کا حیوانات پر تجربہ کیا گیا ہے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

روس کے ایک ڈاکٹر کا دعوےٰ ہے کہ غدود کی تبدیلی سے نہایت آسانی کے ساتھ عورت کو مرد اور مرد کو عورت بنایا جا سکتا ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب اب تک کم و بیش چھ تجربے کر چکے ہیں اور تمام تجربے ان کے اس دعوے کے موافق ثابت ہوئے ہیں،

اب ایک سوسائٹی ان سے حاصل کردہ نتائج کی تحقیقات میں مصروف ہے۔ اگر یہ تجربات کامیاب ثابت ہوئے تو دنیا میں ایک نیا انقلاب رونما ہو جائے گا،

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

ایک ڈاکٹر نے دعوےٰ کیا ہے کہ انسان کی زندگی ان برقی لہروں پر موقوف ہے، جو انسان کے جسم میں کیمیاوی عمل سے پیدا ہوتی ہیں اور محبت کے جذبات کی ذمہ دار بھی یہی لہریں ہیں، جب یہ برقی لہریں پیدا ہونی بند ہو جاتی ہیں تو انسان مر جاتا ہے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

لندن کے ہسپتال میں گذشتہ چار سال میں پچاس ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ جن میں عورتیں مردوں اور مرد عورتوں میں تبدیل ہو گئے، ڈاکٹروں
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

نے اپریشن کر کے اس بیماری کا علاج کرنا شروع کیا ہے چنانچہ حال ہی میں ایک لڑکی چودہ برس کی عمر میں لڑکا بن گئی۔ اس کے منہ پر داڑھی اور مونچھیں بھی پیدا ہو گئیں۔ ڈاکٹروں نے آپریشن کیا تو پھر عورتوں کی شکل اختیار کر لی، اور چہرے کے بال خود بخود غائب ہو کر عورتوں کی طرح ملائم ہو گئے، اور زبان میں بھی عورتوں کی سی باریکی اور شیریں پیدا ہو گئی غرضیکہ آپریشن بہت کامیاب رہا۔

〰〰〰〰〰

شکاگو میں ڈاکٹر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سوتے وقت انسان کی کیا حالت ہوتی ہے مختلف تجربات کر رہے ہیں، اس مقصد کے لئے کئی ایک آلات ایجاد کئے گئے ہیں، ایک آلہ سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ سونے والا نیند میں پہلو کتنی مرتبہ بدلتا ہے۔ دوسرا آلہ سانس کی رفتار میں جو اختلاف رونما ہو جاتا ہے اس کا حساب لکھتا ہے اور تیسرے آلہ سے جسم کا تناؤ معلوم ہو سکتا ہے، تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگ ضرورت سے بہت زیادہ سوتے ہیں، دوسرے دن کو سونے سے رات کے جاگنے کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تیسرے جو لوگ مقررہ وقت پر اٹھنے کے لئے گھڑی میں الارم لگاتے ہیں ان کی نیند اصل وقت سے آدھ گھنٹہ پہلے ہی کھل جاتی ہے۔

ریڈیو
گورنمنٹ آف انڈیا
پیٹنٹ و رجسٹرڈ نمبر
ہم نے اپنے سیٹ جو کہ قیمت میں بمقابلہ امریکن و دوسرے ممالک ریڈیو ... کے سیٹوں سے ارزاں اور بہترین ہیں محض اس لئے
تیار کئے ہیں تاکہ عام لوگ بھی ان سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ ہمارے خریداروں کی طرف سے جنہوں نے پیشتر ازیں ہمارے سیٹ خرید کئے ہیں تا حال
کسی قسم کی شکایت وصول نہیں ہوئی۔ دفتر مست قلندر میں بھی ہمارا بے بی سیٹ سن کر پسند کیا گیا .... آپ بھی
اپنی آزردہ خاطر یا پریشان کن گھڑیوں کو خوشی میں تبدیل کرنے کے لئے ان میں سے کسی ایک ریڈیو کا آرڈر ارسال کریں۔
ایک ٹیوب "بے بی سیٹ" (رجسٹرڈ)
یہ سیٹ ہمارے انجنیئروں نے بہت محنت سے تیار کئے ہیں۔ جو اس قیمت پر آپ کو ہرگز ہرگز دستیاب نہیں ہو سکتے۔
اس سیٹ میں صرف ایک عدد بیٹری ٹیوب (Value) لگائی گئی ہے جو کہ معمولی سے کرنٹ
پر کام کرتی ہے۔ یہ ریڈیو 550-200 میٹر تک کام کرتا ہے اس کی آواز استقدر اونچی اور صاف
ہے کہ گویا گانے یا بولنے والا آپ کے سامنے اپنی قوت سے گا یا بول رہا ہے اس کی بیٹری کافی عرصہ
تک کام دیگی ختم ہو جانے پر نئی بیٹری معمولی سی قیمت پر خریدی جا سکتی ہے۔ قیمت مکمل سیٹ
معہ ہیڈ فون بیٹری (45 وولٹ) اور ایریل وائر کا سامان ۱۵/۱۹/ (انیس روپے پندرہ آنے)
(نوٹ) جواب کے لئے دو آنے کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ پتہ:-
کرسٹل ریڈیو (رجسٹرڈ)
یہ سیٹ بغیر بجلی و بیٹری کے آپ کو لوکل
ریڈیو سٹیشن کا پروگرام سنا سکتا ہے
جو لوگ ریڈیو سٹیشن سے پچاس میل کی
دوری تک رہتے ہوں ان کیلئے یہ سیٹ نہایت
مفید ثابت ہوگا۔ آواز کافی سے زیادہ اور نہایت
صاف۔ گارنٹی پانچ سال۔ قیمت مکمل سیٹ معہ ہیڈ فون
ایریل وائر کا سامان صرف ۱۱/۱۵/
گیارہ روپے پندرہ آنے۔ (نوٹ) چلانے
و سیٹ کو بنانے کا نقشہ وغیرہ وغیرہ ہمراہ ہوگا۔
رگل اینڈ کو (ریڈیو مینوفیکچرز و ہول سیل ڈیلر) امرتسر

قدیم مشہور و مقبول عام کارخانہ ادویات جڑی بُوٹی مسجد کھجور دہلی
(قائم شدہ ۱۹۰۶ء)
ایجنٹوں کی ہر مقامات پر ضرورت ہے کمیشن معقول دیا جاوے گا
نوٹ: قیمت پیشگی وصول ہوگی پر خرچہ محصول ڈاک وغیرہ بذمہ کارخانہ
ہاں! آنکھیں بڑی نعمت ہیں
آنکھوں کا انجن عرف نور چشم
آنکھوں ہی سے انسان کی زندگی کا دارو مدار ہے۔ یہ انجن خالص دیسی
جڑی بوٹیوں سے اور بیش قیمت ادویات سے لائق تجربہ کار صاحبان
کی زیر نگرانی تیار کرایا جاتا ہے۔ اس کے استعمال سے نظر کی کمزوری
دکھتی ہوئی یا دکھنے والی آنکھوں کو خواہ کیسی ہی سُرخ ہوں۔ میل۔ دھند۔
ڈھلکہ۔ کم دکھائی دینا اور روہے پڑ گئے ہوں۔ آنکھوں سے کیچڑ نکلتی ہو۔ جالا پھولا۔
پڑبال۔ ناخونہ وغیرہ کو برابر استعمال کرنے سے شرطیہ آرام ہو جاتا ہے۔ روشنی میں اضافہ ہوگا
زندگی بھر کوئی مرض آنکھوں کو نہ ستائے گا۔ آنکھیں نور سے معمور رہیں گی۔ اکسیر سے بڑھ کر
ہے۔ مرد و عورت۔ بڈھا۔ جوان ہر ایک استعمال کرکے فائدہ اٹھائیں۔ قیمت
فی شیشی ایک روپیہ ایک درجن شیشی دس روپے ۱۰
سوزاک کی لاثانی دوا
دوا منگانے کا پتہ
جی۔ ایم۔ چندرا۔ اینڈ سنز۔ ایم چندرا بلڈنگ ۱۳۴۹ مسجد کھجور دہلی

کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے

جس طرح ریلوے انجن کا ڈرائیور خطرہ کی سُرخ روشنی دیکھ کر سیٹی بجانے لگتا ہے اسی طرح قدرت کی طرف سے آدمی کو خطرہ کی حالت سے آگاہ کرنے کیلئے.... تکان کا احساس کرایا جاتا ہے۔

لیکن صدیوں کی گمراہی میں پھنسا ہُوا انسان قدرت کے نیک مشورہ کو کبھی اہمیت نہیں دیتا۔ وہ یہی خیال کرتا ہے کہ تھکن پیدا ہونا قانونِ قدرت کے مطابق ہے اور انسان کو چاہیئے کہ ایسی باتوں کی پرواہ نہ کرکے اپنے کام سے کام رکھے اس جہالت اور کج فہمی کا نتیجہ ہم آج اس طرح دیکھ رہے ہیں کہ لاکھوں نہیں تو سینکڑوں ہزاروں آدمی فقط اپنی بھول اور غلط فہمی کی وجہ سے عصبی اور جسمانی تباہ حالی میں زندگی بسر کرتے ہیں اور چونکہ وہ اصل حقیقت سے بے خبر ہیں اسلئے اپنی حالت کی اصلاح بھی نہیں کرسکتے۔

جس وقت یہ بھولے بھٹکے لوگ تکان کے جمع شدہ اثرات کے نتیجہ کے طور پر بالکل ہی شکست و ریخت ہوجاتے ہیں (اور اُن کی حالت میں یہ وقت جلدی یا دیر میں یقینی طور پر آتا ہے) تو پھر وہ آنکھیں جھپکتے ہوئے حیران و ششدر ہوکر ادھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری حالت میں یہ خرابی کیونکر پیدا ہوئی وہ الزام کسی کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ خطا سب سے بڑھ کر اُن کی اپنی ہے۔

حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو معاملہ بالکل سادہ و صاف ہے یعنی جس طرح دو کو دو سے ملانے کا نتیجہ ہمیشہ چار ہوگا۔ اسی طریقہ پر جن اسباب کو وہ نظر انداز کر رہے ہیں درحقیقت یہی ان کی تباہی کا نتیجہ ثابت ہوتے ہیں۔

گر تفصیل جاری رکھنے سے پیشتر یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ تکان کیا چیز ہے؟ اسکے اسباب کیا ہیں؟ اور اس کا اثر ہماری ذات پر کیا پڑتا ہے؟

تکان کی پہلی قسم تو وہ ہے جس میں مبتلا مرد اور عورت کبھی کوئی کام کرنا ہی نہیں چاہتے۔ ایسے شخصوں کا جی ہر قسم کی محنت سے گھبراتا ہے۔ وہ اپنے عضلات کو حرکت دینا ہی پسند نہیں کرتے یہ صورت حال انکی ذہنی کیفیت سے وابستہ ہے اور وہ اس بارہ میں مجبور و معذور سمجھے جاتے ہیں۔ اس قسم کی تکان کا علاج یا موت کر سکتی ہے یا کوئی غیر معمولی انقلابی کیفیت جو اُن کے رُوحانی خیالات میں پیدا ہو۔

تکان کی دوسری قسم کیمیائی ہے جو ہمارے بدن کے اندر تکان پیدا کرنے والے زہروں یا زائد از ضرورت مادوں کے جمع ہونے سے پیدا ہوتی ہے یہ ایک قدرتی حالت ہے اور جب تک یہ معمولی حد بندی سے آگے نہ بڑھے اس میں کوئی خطرہ بھی پوشیدہ نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ بڑا مبارک اور خوش نصیب انسان ہے جو اس قسم کی تکان کا اثر محسوس کرتا ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو ہمیں خواب راحت کی برکت حاصل کرنے کے قابل بناتی ہے۔ دنیا کی کوئی دوا یا گولی یا انجکشن اپنے اندر نیند لانے کی اتنی زبردست طاقت نہیں رکھتا جتنی اس قسم کی قدرتی تکان میں ہے۔

تکان کی ایک اور وجہ خراب دانتوں کی پیدا کی ہوئی زہر یا مسوڑھوں سے نکلا ہُوا گندا مادہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس طرح قبض کی حالت میں جو مختلف زہر آدمی کے بدن میں پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اس کا باعث ہوتے ہیں۔

تکان کی ایک اور قابل ذکر وجہ محرکات و مسکرات کا حد سے زیادہ استعمال ہے جیسے چائے۔ قہوہ یا دردِ سر کو روکنے والے سفوف یا تمباکو وعلیٰ ہذا القیاس۔

عصبی طاقت کا دیوالہ ایک اور قابل ذکر تکان وہ ہے جو اعصاب سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کی عصبی کوٹھڑیاں جاندار پھُرتی سے محروم ہوجاتی ہیں۔ یہی وہ تکان ہے جو زمانہ حال میں اکثر آدمیوں کی عصبی تباہی و بربادی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے اور جس کی بدولت زمانہ حال کا خطرناک مرض Neurasthenia بکثرت لوگوں میں پھیلتا جارہا ہے۔

اس قسم کی تکان کو دور کرنا اور دور رکھنا ایک دن کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے زندگی بھر کی کوشش درکار ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ اگر جسم انسانی کے اندر قدرت کی دی ہوئی زندگی کو سرمایہ تصوّر کیا جائے اور یہ جسم اس روپے کا محافظ بنک ہو اور کام جو ہم دن رات کرتے رہتے ہیں وہ اس بات کی نشانی خیال کیا جائے کہ ہم نے زندگی کے بنک سے اتنا

بقیہ ص ۷۶ پر ملاحظہ ہو

اولاد پیدا کرنے کی ترکیب

میاں بیوی تندرست ہوں یا دونوں میں سے کسی ایک میں کوئی معمولی خرابی ہو تو اولاد پیدا نہیں ہوتی یا کسی سبب سے عورت کو حمل نہیں ٹھہرتا یہ ایک عام تکلیف تھی جسے نئے زمانہ کی سائنس نے حل کر دیا۔ ایک نہایت ہی عجیب اور حیرت میں ڈالنے والی ایجاد جس سے عورت کو حمل ٹھہر سکتا ہے۔ اگر کوئی عورت ایسی ہے جس کی شادی کو مدت گزر گئی۔ اور اب تک حمل نہیں ٹھہر سکا یا اگر حمل ٹھہرا تو کسی وجہ سے بار بار ضائع ہو گیا۔ تو اس کی بے کار ترکیب یہ ہے کہ سائنس کے نئے اصولوں پر تیار کی ہوئی مشہور دوا "محافظ اولاد" مسلسل سات روز تک عورت کھائے اور ان سات دن میں مرد سے بالکل علیحدہ رہے۔ ٹھیک آٹھویں رات...... تو اسی رات حمل ٹھہر جائے گا۔ یہ سائنس کا وہ لاجواب کارنامہ ہے جسے ہزارہا عورتوں نے آزما لیا اور ہمیشہ کامیابی ہوئی کیونکہ یہ دوا سات روز میں عورت کے اندرونی جسم کو کچھ ایسا بنا دیتی ہے کہ آٹھویں رات...... کے بعد یقیناً حمل ٹھہر جاتا ہے۔ ایک دو نہیں بلکہ ہزارہا ایسی عورتوں کی گود میں آج بچے کھیل رہے ہیں جن کی شادیوں کو سالہا سال گزر چکے تھے۔ اور اولاد نہیں ہوتی تھی۔ مگر اس دوا نے انہیں ماں بنا دیا اور ان کی برسوں کی حسرت ان کی گود میں کھیل رہی ہے۔

پس جن عورتوں کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو یا بار بار حمل گر جاتا ہو یا حمل ٹھہرتا ہی نہ ہو۔ انہیں علی الاعلان خوشخبری دی جاتی ہے کہ وہ سائنس کی اس مشہور ایجاد سے کام لیں اور بتائی ہوئی ترکیب کے مطابق سات دن تک یہ دوا کھا کر آٹھویں رات...... تو اسی رات حمل رہ جائے گا۔ اس دوا کا نام "محافظ اولاد" ہے اور اس کی ایک شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے۔ ایک شیشی میں سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ ضرورتمندوں کو چاہئے کہ وہ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۲ دہلی** کو خط لکھ کر یہ دوا بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیں۔ پارسل پر صرف سات آنے محصول خرچ ہو گا۔ اور دوا گھر بیٹھے مل جائے گی ——— براہ کرم اس لاثانی ایجاد کو اشتہاری دوا نہ سمجھئے۔ کیونکہ یہ دہلی کے زنانہ دواخانہ کی تیار کردہ ہے۔ جو دواخانہ جو سالہا سال سے عورتوں کے امراض اور فوری علاج میں لازوال شہرت کا واحد مالک ہے۔ اور جس سے کم از کم سالانہ پچاس ہزار عورتیں مختلف بیماریوں سے تندرست کر دی جاتی ہیں۔

سوزاک کے مریض ختم

اندازہ کیا جا رہا ہے کہ اگر دوا "کلوزرول" اسی طرح سوزاک کے مریضوں کو تندرست کرتی رہی۔ تو بہت جلد وہ وقت آ رہا ہے کہ جب ہندوستان بھر میں سوزاک کا مریض نہ مل سکے گا۔ سوزاک نیا ہو یا پرانا ہر حالت میں صرف ایک شیشی دوا "کلوزرول" سوزاک کے مرض کا پوری طرح خاتمہ کر کے مریض کو بالکل تندرست اور جوان کر دیتی ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ کسی سوزاک کے مریض نے دوا کلوزرول استعمال کی ہو۔ اور اسے فائدہ نہ پہنچا ہو۔ کیونکہ یہ دوا ہندوستانی آب و ہوا کے لحاظ سے بے حد عجیب ثابت ہوئی ہے۔ لوگ اسے جادو کی دوا کہنے لگے ہیں۔ پس جو لوگ سوزاک کے مریض ہوں انہیں چاہئے کہ وہ **جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۲ دہلی** کے پتہ پر ایک خط لکھ کر ایک شیشی دوا کلوزرول بذریعہ وی۔ پی پارسل طلب کریں۔ استعمال کرنے کی تمام ہدایات دوا کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ایک شیشی دوا کلوزرول کی قیمت صرف دو روپے نو آنے ہے اور پارسل محصول سات آنے خرچ ہوں گے۔

۹ تولہ خون

کشمیر کے پہاڑوں سے منگا لیجئے

اگر آپ کے جسم میں خون کی کمی ہے۔ چہرہ زرد ہے دماغ اور دل کمزور ہیں تو آپ کشمیر کے پہاڑوں سے تازہ خون منگا کر اپنے جسم کی طاقت بڑھا سکتے ہیں یہ قدرت کا عجیب مظاہرہ ہے کہ کشمیر کے پہاڑوں میں ایک بوٹی پیدا ہوتی ہے۔ جسے اگر انسان مقدار کے مطابق روزانہ استعمال کرے تو روزانہ اس کے جسم میں ۹ تولہ نیا خون پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بوٹی کو سائنس کے مطابق ہم نے دوا کی صورت میں تیار کر دیا ہے۔ اور اب اس دوا کا نام "معجون کاشمیری" ہے ایک شیشی معجون کاشمیری میں تقریباً ۳۰ خوراک دوا ہوتی ہے۔ اس کی قیمت محض پروپیگنڈہ اور شہرت کی غرض سے صرف چار روپے آٹھ آنے ہے دلیلیہ **جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۲ دہلی** کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ پارسل پر گیارہ آنے محصولڈاک خرچ ہو گا۔ اگر معجون کاشمیری کی ہر ہر خوراک ۹ تولہ نیا خون جسم میں پیدا نہ کر دے تو علی الاعلان قیمت واپس کر دی جائے گی۔

(زنانہ دواخانہ کی تمام دوائیں تیاری کے وقت ہاتھ سے نہیں چھوئی جاتیں)

عورت کو ہر مہینہ

ایک وہ وقت تھا کہ جب عورتوں کے ماہواری ایام کی بیماریوں کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اس کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ اسی فیصدی عورتیں ایام کی مختلف تکلیفوں میں مبتلا ہوگئیں ان میں سے بعض کو ماہواری ایام کے زمانہ میں بہت زیادہ اور ناقابل برداشت درد ہوتا تھا۔ اور کسی کو بے وقت اور بے قاعدہ ایام آنے لگتے تھے۔ اور کسی کو لگتے ہی نہ تھے۔ اور کسی کو ضرورت سے زیادہ آنے لگتے تھے کسی کو ان دنوں میں سر کے درد اور پنڈلیوں اور کمر کے درد اور پیٹ کے درد کی سخت تکلیف ہوا کرتی تھی۔ اور کسی کو مقدار سے کم بھی آیا کرتے تھے۔ کسی کو دورے پڑنے لگتے تھے۔ اور لوگ آسیب اور اوپری خلل کا شبہ کرتے تھے۔ غرض ہر جگہ یہی مصیبت تھی اور اسی طرح ہزارہا عورتیں ایام کے زمانہ میں سخت تکلیف اٹھاتی تھیں۔

اس کے بعد جب دہلی کے زنانہ دواخانہ نے اپنی مشہور دوا "**کورس**" کا اعلان کیا تو ایسا حیرت انگیز انقلاب ہوا کہ جس عورت نے ایک شیشی استعمال کی اسے ہی آرام ہوگیا۔ ہزارہا عورتوں نے صرف اس دوا کی بدولت ان خطرناک تکلیفوں سے نجات حاصل کرلی۔ کیونکہ اس دوا کی صرف ایک شیشی استعمال کرلینے سے ماہواری ایام کی خواہ کوئی تکلیف ہو بالکل دور ہوجاتی ہے۔ اور ہر مہینہ اپنے ٹھیک وقت پر اور صحیح تعداد میں ماہواری ایام آنے لگتے ہیں۔ اس اثر کی وجہ سے ڈاکٹر اور حکیم لوگوں میں بھی یہ دوا عزیز ہوگئی۔

آج مختلف مقامات پر بہت سے ڈاکٹر اور حکیم اسی دوا کو اپنے مریضوں پر استعمال کرکے بڑی بڑی رقمیں حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے ہمارا مشورہ ہے کہ اگر کوئی بہن اب بھی اس تکلیف میں مبتلا ہو یعنی ماہواری ایام میں کوئی خرابی ہو۔ درد اور تکلیف سے آتے ہوں یا رک رک کر آتے ہوں یا اور کوئی بھی خرابی ہو تو اسے چاہیے کہ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کو خط لکھ کر ایک شیشی کورس کی منگائے اور استعمال کرے۔ ایک شیشی کی قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے دیڑھ ہے اور سات آنے محصولڈاک کے۔ واضح رہے کہ ماہواری ایام کی ہر تکلیف میں یہ دوا اپنا پورا اثر دکھاتی ہے۔ اور ماہواری ایام پھر ہر مہینہ باقاعدہ اور وقت مقررہ پر آنے لگتے ہیں۔ اور اس کے بعد عرصہ دراز تک عورت ماہواری ایام کی بے قاعدگیوں میں اور تکلیفوں میں مبتلا نہیں ہوتی۔ یہ دس سال کا تجربہ ہے اور ہمیشہ بالکل صحیح ثابت ہوا ہے۔

کشیدہ کاری کی ولایتی مشین

آپ کی عورتوں کیلئے بہترین تحفہ

ہاتھ سے کپڑوں پر بیل بوٹے تیار کرنے میں بڑی دقت ہوتی تھی اور وقت بھی بہت خرچ ہوتا تھا۔ مگر اب یہ مشین ایجاد ہوگئی ہے۔ اس مشین کے ذریعہ ہر قسم کے کپڑے پر ہر طرح کے بیل بوٹے بہت جلد تیار ہوتے ہیں تکیہ کے غلاف۔ قمیص اور ہر قسم کے کپڑوں کو خوبصورت بنانے کے لئے یہ مشین نہایت لاجواب ہے۔ استعمال کرنا بہت آسان ہے۔ ترکیب استعمال ساتھ ہوتی ہے مشین بھی مکمل بھیجی جاتی ہے۔ قیمت ایک عدد مشین قسم اول صرف تین روپے دس آنے، اور محصولڈاک سات آنے لگے گا۔ **منیجر کامیاب بکڈپو۔ پی۔ بکس ۳۴ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی منگا لیجئے۔

دمہ کا ایک ہی علاج ہے

اور وہ اتنا کامیاب ہے کہ آج تک اس کی شکایت سننے میں نہیں آئی یہ ضرور ہے کہ دمہ کا مرض بہت مشکل سے جاتا ہے۔ لیکن اس مرض کو لاعلاج قرار دینے میں بعض اطبا نے غیر ذمہ داری سے کام لیا ہے۔ ہندوستان میں جو لوگ دمہ کے مریض ہیں وہ صرف ایک شیشی دوا "**سانسول**" استعمال کرکے دیکھ لیں انہیں خود معلوم ہوجائے گا کہ دوا "سانسول" دمہ کے مرض کو کیسی آسانی کے ساتھ دور کردیتی ہے۔ اس دوا سے بڑے بڑے پرانے مریضوں کو صحت حاصل ہوگئی پس جس مریض کو دمہ کی تکلیف ہو اسے فوراً دوا "سانسول" استعمال کرلینی چاہیے دمہ کا مرض بالکل جاتا رہے گا۔ اور پھر کبھی سانس کا دورہ نہ پڑے گا۔ "سانسول" کی ایک شیشی ایک روپیہ چھ آنے میں **جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کو خط لکھ کر منگا لیجئے۔ ایک شیشی پر محصول سات آنے تین شیشیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول معاف۔

زنانہ دواخانہ کی ہر دوا کو ہر مذہب اور ہر موسم میں آزادی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سرمایہ نکال کر صرف کر لیں تو اس روزافزوں کمی کو پورا کرنے کے لئے جو زندگی کے سرمایہ میں اس طریقہ پر ہوتی چلی جاتی ہے جو کوشش ہمیں کرنا پڑتی ہے یعنی جو کام ہم عصبی قوت کو بڑھانے اور اس کو صحیح مقدار میں رکھنے کے لئے کرتے ہیں۔ وہی اصلی ذریعہ ہمارے اعصاب کی تھکن کو دور کرنے کا ہے۔

اسکے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ عصبی تکان کو پیدا کرنے والی چیز کیمیائی تکان ہی ہوتی ہے یعنی اعصاب کی تہ میں بھی کیمیائی تکان کے زہریلے مادے کام کرتے نظر آتے ہیں۔

یہ کیمیائی مادے یوں تو بے شمار ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ان میں کاربن ڈائیو آکسائڈ (Carbon dioxide) اور لیکٹک ایسڈ (Lactic Acid) ہیں۔ جن کے متعلق تحقیقات کے ذریعہ یہ بات جانی گئی ہے کہ وہ زندگی کے جاندار ذرّوں کے حق میں دشمن جانی ثابت ہوئے ہیں۔ اور جاندار ذروں کی کمی ہی قبل از وقت بڑھاپا لاتی ہے۔

حد سے زیادہ کام کرنے کا نتیجہ۔ لیکن اس سے آگے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان زہریلے مادوں کے پیدا ہونے کی اصل وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب نہایت عجیب پیرایہ میں یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ کیفیت جہاں ایک طرف حد سے زیادہ کام کرنے اور نظام عصبی کو شکست و ریخت کرنے سے پیدا ہوتی ہے وہاں دوسری جانب اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مرمت کا عمل باقاعدگی کے ساتھ جاری نہیں رکھا جا سکتا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ انسانی زندگی میں لحمی ریشوں سے بننے بگڑنے اور پھر بننے کا عمل متواتر جاری رہتا ہے۔ مائیکل واسٹر نے اس عمل کو رقص سالمات کا نام دیا ہے۔ جن کے بننے یا بگڑنے کا ذریعہ ہمارے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ یہ جاندار کوٹھڑیاں کچھ عرصہ کے لئے رقص ہستی میں پُرپیچ حصہ لیتی ہیں۔ اس کے بعد وہ ایک دوسرے سے جُدا ہو کر بے جان مادہ کی حیثیت میں خون کے اندر جا پڑتی ہیں۔

یہ تبدیلی کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے۔ خواہ ہمارے عُضلات کام کرتے ہوں یا آرام کی حالت میں ہوں۔ گویا سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے اور کام کرتے ہوئے تمام حالتوں میں ہمارے جاندار ریشوں کا کچھ حصہ مادۂ بیکار کی صورت اختیار کرتا چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ پُر کرنے کے لئے کچھ نیا مصالحہ ہماری خوراک سے مہیا ہوتا رہتا ہے۔

جب ہم اپنے عضلات سے زیادہ کام لیتے ہیں جو جاندار کوٹھڑیوں کے تلف ہونے کا عمل قدرتی طور پر زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔ ایسی حالتوں میں ہماری زندگی کا سرمایہ اتنی تیزی کے ساتھ صرف ہونے لگتا ہے کہ اس کی جگہ پُر نہیں کر سکتے۔ ایسی حالتوں میں لحمی ریشے کمزور ہو جاتے ہیں اور سرمایہ کی کمی پورا کرنے کے لئے نیز اعصاب میں اُن کی کھوئی ہوئی طاقت از سر نو لانے کیلئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ انسان اچھی طرح آرام حاصل کرے۔

سرمایہ ہستی کا اسراف۔ جب ہم اپنے سرمایہ ہستی کو ضرورت سے زیادہ صرف کرتے ہیں یا اس طرح کہنا چاہیئے کہ اس سرمایہ کا صرفہ پیداوار سے زیادہ عمل میں آتا ہے تو اس سے لازمی طور پر تکان کا اثر غالب ہونے لگتا ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ خاص خاص مادے مثلاً آکسیجن اور کاربوہائیڈریٹ جو نظام انسانی کی تحریک کے لئے ضروری ہیں۔ ختم ہو جاتے ہیں اور ضرورت سے زیادہ بیکار اور لاحاصل چیزیں بدن میں جمع ہو جاتی ہیں۔

جب اس طرح کی حالت پیش آتی ہے تو کام کرنے کی طاقت گھٹ جاتی ہے اور اس کا اظہار مختلف طریقوں پر مختلف لحمی ریشوں کی صورت میں ہوتا ہے چنانچہ بدن کے اندر جتنے غدود ہیں وہ اپنا رقیق مادہ کمتر مقدار میں خارج کرتے ہیں۔ اس کی ایک موٹی مثال یہ ہے کہ جب آدمی تھکا ہوا ہو تو وہ اگر پیٹ بھر کر کھانا کھائے تو اُسے پورے طور پر ہضم نہیں کر سکتا۔

ایسی حالتوں میں وہ اعضائے انسانی جو زائد اور بے ضرورت مادوں کو خارج کرنے کیلئے بنے ہوئے ہیں خون سے ان زہریلے مادوں کو جو تکان کی بدولت پیدا ہوئے تھے باہر نکالنے کے فعل میں ناکام رہتے ہیں ایسے ہی موقعوں پر گُردوں میں بھی طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ البومن کو خون سے نکال کر پیشاب میں شامل ہونے کے عمل کو روکنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں

حد سے زیادہ تکان کی حالت میں دل پر بھی اثر ہوتا ہے اس کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور دل کی دو دھڑکنوں کے درمیان جو وقفہ اسکو آرام کے لئے ملتا ہے وہ بھی مختصر ہو جاتا ہے۔ اگر یہ غیر معمولی حالت روزمرہ قائم رہ کر عرصہ دراز تک برقرار رہتی چلی جائے تو نتیجہ ہر حال میں تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔

یہاں پر یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ عضلات انسانی سے بالکل کام نہ لینا یا حد سے زیادہ کام لینا دونوں حالتیں بُری ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگوں کی حالت میں تکلیف کا حقیقی باعث یہی ہوتا ہے کہ اُن کے عضلات کو حرکت کا ناکافی موقعہ ملتا ہے اور ان میں وہ زائد مادے جمع ہوتے چلے جاتے ہیں جنہیں عام حالات میں عضلات کو اپنا دباؤ ڈال کر باہر نکال دینا چاہیئے تھا اور بعد ازاں وہی مادے پھیپھڑوں گردوں اور امعا کی راہ سے خارج از بدن ہوتے رہتے ہیں۔ تاہم دو تہائی آبادی ایسے لوگوں کی ہے کہ جو ضرورت سے زیادہ عضلاتی حرکات پر مجبور ہیں۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر ایسے شخصوں کے حق میں مضرت رساں ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خوراک کی ایک مقررہ مقدار ہی تبدیل ہوکر بدنی تقویت کے کام میں لائی جاسکتی ہے۔ اس سے زیادہ کے لئے کوشش کی جائے تو بے سود ہے۔ اس طرح اتنی ہی آکسیجن (Oxygen) نظام بدنی میں داخل ہوسکتی ہے جتنی سے کہ ریشے کام لے سکتے ہوں زیادہ کو بدن میں داخل کرنا ناممکن ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جب باقاعدہ پیداوار اور بے قاعدہ اتلاف کے درمیان توازن قائم نہیں رہتا اور اتلاف پیداوار سے زیادہ ہونے لگتا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم کو آرام کی ضرورت ہے قدرت اپنے آپ تکان پیدا کرکے خطرے کا سگنل دے دیتی ہے۔ اس اشارہ کو سمجھنا یا نظر انداز کردینا یہ ہمارے اپنے بس کی بات ہے۔ اگر ہم بھرپور نیند اور مکمل آرام حاصل کرکے روزمرہ کی تکان کو ساتھ ساتھ دُور کرتے جائینگے تو بڑھاپا پاس تک پھٹکنے کی بھی جرأت نہ کرے گا۔

کب ہم کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہم اس خطرہ کے سگنل کو نہ سمجھیں یا سمجھ کر اس کی پروا نہ کریں۔ تو پھر اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہم طرح طرح کی بیماریوں کو خود اپنی طرف بلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ بیماری جو انگریزی میں Brights Disease کے نام سے مشہور ہے ایسی ہی حالتوں میں پیدا ہوا کرتی ہے اسی طرح اعصاب کی تباہی بھی۔ اور جب اسکے ساتھ ساتھ جسم انسان میں برداشت اور مزاحمت کی طاقت گھٹتی چلی جاتی ہے اور ہمارے اندر زہریلے مادے زیادہ پیدا ہوجاتے ہیں تو پھر اور بھی لاتعداد بیماریاں خودبخود ہماری طرف کھنچی چلی آتی ہیں۔

عرصہ قریباً پچاس سال یا اس سے زیادہ کا ہوا کہ یہ حقیقت پہلی مرتبہ معلوم کی گئی تھی کہ اگر انسان ضرورت سے زیادہ کام کرے اور اس کو خوراک کم ملے اور وہ اپنے عضلات سے حد سے زیادہ کام لینے لگے تو بڈھوں کی تعداد میں اضافہ ہوکر شرح اموات زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ گو فی زمانہ گیس بجلی اور کئی اور ایسی چیزیں ایجاد ہوچکی ہیں جو انسان کی محنت کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں تو بھی سب سے زیادہ شرح اموات یعنی ۲۰،۲ فی ہزار ان لوگوں میں ہے جو دستی کام کرتے اور محنت مشقت سے روزی کماتے ہیں. کاشتکاروں کا نمبر اسکے بعد آتا ہے جنکی شرح اموات ۶، ۷ فی ہزار ہے۔ سب سے آخر میں تاجروں کا درجہ ہے جنکی شرح ۱،۲! فی ہزار فی سال ہے۔

کچھ تو اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور کچھ اس خیال سے بھی کہ ایسا کرنے سے کام کی مقدار بڑھتی اور تضیع اوقات گھٹتی ہے۔ لوگوں نے صرف اپنے فائدہ کی خاطر کئی مہذب ملکوں میں چھ گھنٹے یومیہ کام کی اوسط مقرر کردی ہے اور اسکے ساتھ ہی ہفتہ میں صرف ۵ دن کام کرنے کیلئے رکھے ہیں۔ بات ہرچند عجیب اور بظاہر بعید از فہم ہے تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ کام کرنے کا وقت گھٹا دینے سے پیداوار کی اوسط ماہانہ ترقی کرگئی ہے اور جو بات اس سے بھی زیادہ قابل ذکر ہے وہ یہ کہ کام کی خوبی میں

ایک دلہن کی سنسنی خیز آپ بیتی
پہلی رات کس طرح گذری
گورنمنٹ آف انڈیا سے باضابطہ رجسٹری شدہ
۴۸ آسنوں کی رنگین تصاویر سے مزین
دلچسپ اور پھڑکا دینے والی سچی کہانی جس کو پڑھ کر ساٹھ سالہ بوڑھے بھی جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتے جن مریضوں کو طاقت کی ہزاروں دوائیاں جوان نہیں بنا سکیں وہ اس کتاب کو پڑھ کر ہی جوان مرد بنجاتے ہیں اور پھر بار بار پڑھتے ہیں۔ عورتوں کی وہ پرائیویٹ جن کی آپکو بالکل خبر نہیں اور جنسیات کے وہ راز جو آج تک آپ سے پوشیدہ ہیں آپ پر پوری طرح روشن ہوجائیں گے متعدد رنگین تصاویر کا مرقع
اگروال سٹورز (رجسٹرڈ) سباتھو شملہ
حجم ۲۰۰ صفحات سے زائد۔ دو حصے مکمل۔ قیمت صرف سوا روپیہ محصولڈاک علاوہ۔

ایک سو فیصدی سچا واقعہ
افسانوی رنگ میں

عورت نہیں مرد بیوفا ہوتا ہے

گذشتہ ماہ - اقبال احمد صاحب شمیم کا افسانہ "کیا عورت سچ مچ بیوفا ہوتی ہے" پڑھ کر سخت افسوس ہوا۔ میرے خیال میں انہوں نے تصویر کا صرف ایک رُخ ہی عیاں کرنا مناسب سمجھا ہے اگر مردوں کو ناگوار خاطر نہ ہو تو اس تصویر کا دوسرا پہلو بھی دیکھ لیں وہ تو شاید اف نہیں ہے اور تخیل کی حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ مگر یہ ایک سچا واقعہ ہے جو افسانوی رنگ میں پیش نظر ہے۔ گو میں جانتی ہوں مستثنیات ہر جگہ کارفرما ہیں تاہم ع ب ح

صبیحہ کشمیر کی رُومان پرور فضاؤں میں جوان ہوئی۔ اُس کی پرورش نہایت پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔ اس کے والد محکمہ تعلیم کے انسپکٹر تھے۔ عالی خاندان اور صاحب ثروت ہونے کی وجہ سے تعلیم بھی اچھی دی گئی۔ صانع قدرت نے اُسے حسن باطنی کے ساتھ ساتھ جمال ظاہری سے بھی وافر حصہ دیا تھا۔ اس کا صبیح کتابی چہرہ - غزالی آنکھیں۔ مناسب اعضاء اور گداز بدن کچھ ایسی چیزیں نہ تھیں جن کو دیکھ کر کوئی اپنے کو قابو میں رکھ سکتا۔ وہ مجسم حور تھی۔ شاعر کے تخیلات سے زیادہ حسین۔ فرشتوں کی طرح معصوم۔ بھونرے پھول کے دھوکے میں اُس کے چہرے کا طواف کرنے لگتے تھے۔

وُہ اپنی زندگی کی چودہ بہاریں دیکھ چکی تھی۔ وہ دُنیا اور اُس کی ہوس رانیوں سے قطعاً بے پرواہ اپنی پڑھائی میں منہمک تھی۔ وہ میٹرک کے امتحان کی تیاریاں کر رہی تھی اس عیش و آرام میں پلی ہوئی عندلیب کو کیا خبر تھی کہ ظالم صیاد محبت اس کی تاک میں ہے کہ موقع ملے تو اس کے پر نوچ کر پھینک دے۔

صبیحہ کا مکان سری نگر کی ایک گلی کی نکڑ پر تھا۔ سکول جانے کے لئے تمام گلی طے کرنا پڑتی تھی۔ ہر روز اپنی ایک بوڑھی خادمہ کے ہمراہ اس راستہ کو طے کرنا اس کا معمول تھا۔

اسی گلی میں ایک لڑکا جمال نامی رہتا تھا۔ جو مقامی کالج میں ایف اے میں تعلیم پاتا تھا۔ ہنس مکھ اور خوش مزاج ہونے کی وجہ سے دوستوں کی روح رواں تھا خدا نے صورت بھی اچھی دی تھی۔ ملیح چہرہ کافی حد تک جاذب نظر تھا۔ اُس کی آنکھیں ایک مقناطیسی کشش اپنے اندر پنہاں رکھتی تھیں۔

یہ قانون قدرت ہے کہ عورت و مرد دو متضاد و مختلف صنفیں ہونے کے باوجود ایک دوسرے کیلئے قدرتی کشش رکھتے ہیں۔ خواہ زبان سے عورت کچھ کہے مگر یہ بات اس کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ زندگی کی کٹھن اور پُر خار گھاٹیوں کو طے کرنے کے لئے ایک مرد کی خواہاں ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک مرد خواہ کتنا ہی برہمچاری اور پرہیزگار رہنے کا دعوے کرے خدا نے اس کے خمیر میں یہ خواہش بتا دی ہے کہ وہ شاہراہ زندگی سے منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے عورت کی تلاش کرے زمین اپنے محور کے گرد گھومنا ترک کر سکتی ہے۔ آفتاب سے روشنی چھن سکتی ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ عورت مرد کی یا مرد عورت کی معیّت کے بغیر شاہراہ زندگی کو بآسانی طے کر سکے۔ یہ ایک اٹل قانون ہے یہ ایک نہ بدلنے والا کلیہ ہے۔

ایک ہی محلہ میں رہنے کی وجہ سے جمال نے صبیحہ کو باوجود اس کے پردہ کرنے کے متعدد بار دیکھا تھا۔ وہ اکثر اس کو یاد کیا کرتا تھا۔ جب وہ اُسے نقاب ڈالے گزرتے دیکھتا تو اس کا دل دھک دھک کرنے لگتا۔ عموماً وہ اس سے ایک گھنٹہ بعد کالج جایا کرتا تھا مگر پہلے ہی تیار ہو کر دروازہ میں آ کھڑا ہوتا تھا کہ شاید چلتے چلتے کسی نہ کسی طرح دیدار ہو ہی جائے۔ اس نے کئی بار بُلانے یا چھیڑنے کا ارادہ بھی کیا (جیسا کہ آجکل نوجوانوں کی خصوصیت ہے) مگر جرأت نہ ہوئی۔

صبیحہ خواہ کتنی ہی معصوم تھی۔ اُس کی تربیت خواہ کتنے ہی پاکیزہ ماحول میں ہوئی تھی۔ مگر وہ بھی اپنے فطری جذبات کو نہ دبا سکی۔ وہ بھی جمال میں کچھ دلچسپی لینے لگ پڑی۔ جب کبھی اُدھر سے گزرتی تو نقاب کے اندر سے کنکھیوں سے اُسے ضرور دیکھتی۔ اس کا دل بھی زور زور سے حرکت کرنے لگتا۔ وہ اپنے تمام بدن میں ایک کپکپی سی محسوس کرتی۔

یہ تھی اُس ابدی اور لازوال محبت کی ابتدا۔ یہ تھا اس خوفناک ڈراما کا آغاز۔ جو اس معصوم دوشیزہ کی زندگی کی اسٹیج پر کھیلا جانا تھا۔ جس نے کہ اُس نازک کلی کو کھلنے سے پہلے ہی باد سموم کی نذر کر دینا تھا۔ یہ تھی وہ آتش جس کے التہاب نے اُس سیم تن کو بھسم کر ڈالنا تھا۔

یہ محبت نامحسوس طور پر بڑھتی گئی۔ اُسے محبت کے اس کہربائی اثر کا پتہ بھی نہ چلا۔ وہ یہ معلوم بھی نہ کر سکی کہ کیا ہونیوالا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ساعت آگئی جبکہ اس نے غیر ارادی طور پر یہ محسوس کیا کہ وہ جمال سے پیار کرتی ہے۔

اور جمال؟ جمال کی آتش محبت بھی دن بدن بڑھتی گئی۔ وہ تنہائی پسند ہو گیا گھنٹوں سر جھکائے کچھ لکھتا رہتا۔ اُسے شعر کہنا آ گئے۔ جنہیں وہ نہایت دردناک آواز میں گایا کرتا۔ اور اکثر رو دیا کرتا۔ پڑھائی چھوٹ گئی۔ وہ تمام تمام دن گھر ہی میں بیمار بنا پڑا رہتا۔ تمام تمام رات اختر شماری میں گذار دیتا۔ اکثر اوقات

بقیہ صفحہ ۸۲ پر

جو عورتیں سفید پانی کی بیمار ہیں

وہ درحقیقت بڑے خطرہ میں ہیں۔ کیونکہ سیلان الرحم کی بیماری میں جو سفید رطوبت عورت کے جسم سے وقتاً بے وقت خارج ہوتی رہتی ہے۔ وہی زندگی کا اصلی جوہر ہے۔ سفید رطوبت کا خارج ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس عورت کی جوانی بہت تیزی کے ساتھ جا رہی ہے۔ اور اس کے چہرہ پر بہت جلد جھریاں پڑنے والی ہیں۔ اس پر ضعیفی غالب آ رہی ہے عقلمند عورتیں اور عقلمند مرد اس خطرہ کو خوب سمجھتے ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سفید رطوبت کی بیماری کے علاج میں روپیہ زیادہ صرف ہوتا ہے۔ مگر یہ اُن کی غلط فہمی ہے۔

سفید رطوبت کا علاج صرف تین روپے میں ہو سکتا ہے

ہندوستان کی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں عورتوں کو اس بات کا ثبوت مل چکا ہے۔ کہ سفید رطوبت کا علاج بے حد آسان ہے۔ اگر کوئی عورت اس مرض میں مبتلا ہو۔ یعنی سفید رطوبت خارج ہوتی ہو یا اس کے ناف تلوں میں درد رہتا ہو یا ماہواری کے زمانہ میں تکلیف ہوتی ہو دن بھر اُداس اور مغموم رہنے کی عادت پڑ گئی ہو یا کمر اور پنڈلیوں میں درد کی شکایت ہوتی ہو تو سمجھ لیجئے کہ یہ عورت سیلان الرحم کی مریضہ ہے۔ اور اسے صرف ایک شیشی دوا "روک" استعمال کرا دیجئے۔ دوسرے تیسرے دن ہی آپ خود محسوس کر لیں گے کہ مریضہ کے چہرے پر کتنی بشاشی ہے کتنی جوانی ہے۔ کتنی بہار ہے۔ یہ محض اس لئے ہوتا ہے کہ دوا "روک" ہندوستانی آب و ہوا کے لحاظ سے عورتوں کے لئے اکسیر کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ سفید رطوبت کا مسلسل اخراج جو کسی علاج سے بند نہ ہوتا ہو اُسے دوا روک کا استعمال ٹھیک تیسرے دن بند کر دیتا ہے۔ لہٰذا یاد رکھئے کہ صرف تین روپے کا لالچ کر کے عورت کی جوانی کو برباد ہوتے دیکھنا کسی دن رنگ لائے گا۔ اس واسطے اس کا پہلے سے انتظام کر لیجئے۔ اور اگر کوئی عورت سیلان الرحم کی مریض ہے تو اسے ہدایت کر دیجئے کہ ایک شیشی دوا روک استعمال کرے۔ سفید رطوبت آنی بند ہو جائے گی۔ اور اس کا اندرونی جسم درحم تندرست ہو جائے گا۔ ایک شیشی دوا روک کی قیمت تین روپے ہے۔ اور سات آنے محصول پارسل خرچ ہوتا ہے۔ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کے پتہ پر ایک خط لکھ کر یہ دوا بذریعہ وی۔ پی۔ پارسل منگا لیجئے۔ آپ کو گھر بیٹھے دوا پہنچ جائے گی۔ اور اس طرح صرف تین روپے میں ایک خطرناک مرض سے نجات مل جائے گی۔

دوا روک تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ اور ہزارہا عورتوں کو تندرست کر چکی ہے۔ ہر مزاج اور آب و ہوا کے عین مطابق ہے۔ اور تیسرے دن اپنا کمال مریض پر پوری طرح ظاہر کر دیتی ہے۔ ملک کے بے شمار حکیم اور ڈاکٹر اپنے اپنے مریضوں کو دوا روک استعمال کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ کیونکہ اس دوا کا علی الاعلان کافی سے زیادہ تجربہ کیا جا چکا ہے۔ اس لئے مہربانی کر کے دوا روک کو اشتہاری دوا نہ سمجھئے یہ دہلی کے زنانہ دواخانہ کی تیار کی ہوئی ہے۔ وہ دواخانہ جو سالہا سال سے ہندوستانی عورتوں کی خدمت میں لازوال شہرت کا واحد مالک ہے۔ (زنانہ دواخانہ کی تیار کردہ ہر دوا کو تمام مذہب اور دھرم بیتا آزادی کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے)

مردوں کیلئے:-

پیشاب کے بعد قطرہ

اگر پیشاب کرنے کے بعد یا پیشاب سے پہلے سفید رنگ کا پانی خارج ہو تو یہ بہت خطرناک بات ہے اسے جریان کی بیماری کہتے ہیں رفتہ رفتہ یہ مرض بڑھ جاتا ہے تو پھر آدمی شادی کے مطلب کا نہیں رہتا اس کی قوت مردمی ختم ہو جاتی ہے۔ اس واسطے جن مردوں کو یہ شکایت ہو یعنی پیشاب کرنے سے پہلے یا پیشاب کے بعد یا بیوی کے قریب جانے سے پیشتر ہی سفید رنگ کی رطوبت خارج ہو جائے یا رات کو سوتے میں احتلام ہو جائے یعنی خواب ہو جائے تو اس خطرناک مرض سے فوراً نجات حاصل کرنی چاہیئے ورنہ ایک دن جوانی کا خاتمہ کر دیگا۔ اگرچہ بعض ڈاکٹر اور حکیم اس مرض کو بہت مشکل بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکے علاج میں کافی روپیہ خرچ ہوگا لیکن یہ انکی بھول ہے

جریان کا مرض صرف ایک ہفتہ میں ختم کیا جاسکتا ہے

اور صرف ساڑھے تین روپے خرچ ہونگے دہلی کے مشہور زنانہ دواخانہ کی تیار کردہ دوا "جوہر اعظم" اس مرض کیلئے حقیقتاً اکسیر کا کام کرتی ہے صرف ایک شیشی جوہر اعظم سے بڑے بڑے پرانے مریضوں کو تندرستی ہوگئی ۱۹۳۵ء کے انعامی مقابلہ میں بھی یہ دوا اول درجہ رہی۔ اور یقین کیا گیا کہ جوہر اعظم جریان کے مرض کا بہترین علاج ہے چنانچہ اسکو صرف ایک ہفتہ استعمال کریں۔ اس کے علاوہ جن لوگوں کو ضرورت ہو وہ جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس نمبر ۳۴ دہلی کے پتہ پر خط لکھ کر جوہر اعظم کی ایک شیشی وی۔ پی پارسل منگالیں ایک شیشی کی قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے پارسل کا محصول کسی ہندوستانی خریدار سے نہیں لیا جاتا۔ البتہ ہندوستان کے باہر منگانے والوں سے محصول چارج کیا جاتا ہے کیونکہ ملاقی پارسل پر زیادہ محصول لگتا ہے مگر ہندوستان کے اندر محصول معاف ہے صرف دوا کی قیمت لی جاتی ہے۔ محصول دواخانہ خود ادا کرتا ہے۔

اولاد مت ہونے دو

شادی ہوتے ہی ہر سال ایک بچہ ہونے لگا۔ چنانچہ دس سال میں دس بچے ہوئے۔ اس مصیبت سے عورت عاجز آ گئی اس کی صحت خراب ہو گئی اور وہ غریب تیس ان وقت "دادی جان" کی صورت بن گئی۔

جب اس کی صحت زیادہ خراب ہوئی تو اس نے ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق دوا "روحیل" سے فائدہ اٹھایا۔ دوا "روحیل" کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت...... سوتے اس دوا کی ایک خوراک کھالے تو پھر

اس رات حمل نہیں ٹھہر سکتا

اور استعمال کرنے والی عورت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پس اگر کوئی عورت دو چار سال کیلئے بچہ پیدا نہ کرنا چاہے تو اسے دوا "روحیل" سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ روحیل کی ایک شیشی میں اتنی مرتبہ کے استعمال کے لائق دوا ہوتی ہے اور اس شیشی کی قیمت صرف چار روپے آٹھ آنے ہے اور دس یا گیارہ آنے محصول ڈاک لگتا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس نمبر ۳۴ دہلی کو خط لکھ کر دوا روحیل کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی منگالیں اور ہدایت کے مطابق کام میں لائیں۔ جب تک دوا استعمال ہوتی رہے گی، حمل نہیں ٹھہر سکتا۔ اور جب دوا کا استعمال بند کیا جائے گا۔ پھر حمل ٹھہر جانا ممکن ہے۔

عورت کا دودھ

بعض عورتوں کی گود کے بچے بھوک کے مارے روتے رہتے ہیں یا بازار کا دودھ پیتے ہیں۔ کیونکہ ماں کی چھاتیوں میں دودھ کی پیداوار کسی بیماری سے کم ہو جاتی ہے حالانکہ بازار کا دودھ بچہ کی نشوونما کے لئے بے حد مضر ہے۔ ایسی حالت میں عورت کو چاہیئے کہ خود اپنے دودھ کی پیداوار کی طرف متوجہ ہو اور اس کی بے حد آسان اور تجربہ کی ہوئی ترکیب یہ ہے کہ پھلوں اور دوسری اہم غذاؤں سے تیار کی ہوئی مشہور دوا جوہر غذا کی صرف ایک شیشی خود استعمال کرے اسکے استعمال سے چھاتیوں میں اس کثرت سے دودھ پیدا ہوگا کہ خود وہ حیرت میں رہ جائے گی اور گود کا بچہ اطمینان سے ماں کا دودھ پیٹ بھر کر پی لیا کرے گا۔ لطف یہ کہ دودھ کی زیادہ پیداوار مستقل ہو جاتی ہے یعنی ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد بچہ کو سال بھر تک ماں کا دودھ پیٹ بھر کر ملتا رہے گا۔ لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس نمبر ۳۴ دہلی کو خط لکھ کر جوہر غذا کی ایک شیشی وی پی کے ذریعہ منگا لیجئے تین روپے آٹھ آنے کی شیشی ہے اور گیارہ آنے محصول ڈاک خرچ ہوگا اس دوا کا اثر عورت کے جسم میں ایک سال تک رہتا ہے۔

زنانہ دواخانہ کی دوائیں تیاری کے دوران میں ہاتھ سے نہیں چھوئی جاتیں۔

یہ شعر پڑھتا سنائی دیتا ؎

یاد میں تیری جہاں کو بھولتا جاتا ہوں میں
بھولنے والے کبھی تجھ کو بھی یاد آتا ہوں میں؟

اور کبھی حفیظ جالندھری کا یہ شعر ؎

محبت گرم گرم آنسو محبت سرد سرد آہیں
الٰہی ساری دُنیا کو یہی آزار ہو جائے

گاتا۔ صبیحہ نے اُسے اکثر گاتے سُنا۔ اُسے شک گذرا کہ کہیں اُسکی مخاطب "میں" تو نہیں۔ جونہی اس کے دل میں یہ خیال آیا۔ دبی ہوئی محبت کی چنگاری بھڑک اُٹھی۔ دل کی حرکت رُکتی محسوس ہوئی۔ اُسے حجاب سا محسوس ہونے لگا۔

اب وُہ جمال کے سامنے سے گزرتے جھجکتی۔ قدم ڈگمگا جاتے اور غیرارادی طور پر اُس سے عجیب و غریب حرکات سرزد ہو جاتیں۔

دونوں طرف محبت کی آتشِ جانسوز بھڑک رہی تھی۔ مگر دونوں ہی اس بات سے جھجکتے تھے کہ مبادا دُوسرا نہ چاہتا ہو۔ مگر یہ خاموشی تا کجے۔ یہ آنکھیں گو بے زبان ہیں۔ مگر ان جیسی صحیح جذبات کی ترجمانی زبان بھی نہیں کر سکتی۔ صبیحہ نے جمال کو دیکھا۔ بار بار دیکھا اُسے یقین ہو گیا کہ جمال کو محبت ہے اس نے وہ مشہور مقولہ سُنا ہُوا تھا "افسانۂ محبت کی سُرخی عورت کو اپنے ہاتھ سے لکھنی چاہیئے" اس نے حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ کر ایک مختصر پرچہ لکھا جس پر یہ شعر قلمبند کیا ؎

دل سے ہے منظور تم اسکی مورت ہو ٭٭ ہائے تم کتنے خوبصورت ہو

دوسرے دن سکول جاتے ہوئے جب وہ جمال کے گھر کے سامنے سے گذری تو جمال کو روز کی طرح دروازہ میں کھڑا پایا۔ وہ حسرت بھری نظروں سے اس "خیمۂ رواں" کو دیکھ رہا تھا۔ صبیحہ پہلے تو قدرے ہچکچائی مگر پھر دل مضبوط کر کے وہ شعر والا کاغذ گرا دیا۔ بوڑھی خادمہ ان باتوں کو کیا جانے وہ تو اپنا سفید سر جھکائے ایام گذشتہ کی یاد میں محو آگے آگے جا رہی تھی۔ اُسے معلوم بھی نہ ہُوا۔ جمال فرطِ انبساط سے تڑپ اُٹھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جسے میں چاہتا ہوں وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اُس نے جلدی سے بڑھ کر وہ بیاضِ محبت اُٹھایا۔ اُٹھا کر پڑھا۔ پڑھ کر چوما۔ آنکھوں سے لگایا۔ اس کی مسرت کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن پر خود اِسطرح کا واقعہ گذرا ہو۔

بادی النظر میں صبیحہ کا یہ فعل ہماری ہندوستانی سوسائٹی میں نظرِ استحسان سے نہ دیکھا جائیگا۔ ہمارے بڑی بڑی توند والے پنڈت اور لمبی لمبی داڑھیوں والے مولوی نہ جانے کیا کیا کہیں۔ لیکن اگر اسی فعل کو ذرا تنگ نظری کی عینک اُتار کر دیکھیں تو یہ ماننا پڑیگا کہ اس میں صبیحہ کا کوئی قصور نہیں۔ اُس نے اپنے فطری جذبہ کا اظہار کیا۔ اُس پاک جذبے کا جسے اگر پاک رکھا جائے تو خدا مل جاتا ہے

اُس نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہی۔ اُس نے جو کچھ کیا محبت سے مجبور ہو کر کیا۔ اُس محبت سے جس نے دُنیا کی عظیم ترین سلطنت کے بادشاہ کو اورنگِ شاہی چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دُنیا اور اہلِ دُنیا چاہے اس واقعہ پر کتنی ہی حاشیہ آرائی کریں مگر صبیحہ کا یہ فعل دُنیائے محبت میں ہمیشہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جائیگا۔

اس واقعہ کو کئی دن گذر گئے۔ مگر اُن محبت کے دیوانوں کو یکجا بیٹھنے کا موقعہ نہ ملا۔ ایک دن جمال نے محلہ کے ایک بچے کو بُلا کر ایک اکنی دی اور اُسے اپنا محبت نامہ پہنچانے کو کہا۔ اُس نے ایک طویل خط لکھا جس میں اپنی حرماں نصیبی کا تمام ماجرا بیان کیا اور اپنے مکان کا بیرونی کمرہ ملاقات کے لئے پیش کیا۔ اور لکھا کہ رات کو جب سب سو جائیں تو مجھ سے آکر مل جاؤ۔ "ایلچی" کھیلتا کھیلتا صبیحہ کے گھر جا پہنچا۔ اور اُسے اکیلا پاکر چپکے سے وُہ خط اُس کو دے دیا۔

دراصل صبیحہ وہ پرزہ پھینکنے کے بعد از حد پشیمان ہوئی تھی۔ اُس کا ننھا سا دماغ ہزاروں قسم کے خیالات کی آماجگاہ بنا ہُوا تھا۔ کبھی سوچتی "مبادا انہیں مجھ سے محبت نہ ہو" کبھی دل میں کہتی "شاید وہ مجھے بدنام کر دیں" مگر پھر دل کو سہارا دیتی "وہ ایسے دکھائی تو نہیں دیتے" وہ ایسا کیوں کرنے لگے؟ جب اس نے وہ خط دیکھا تو جان میں جان آگئی۔ مرجھائی ہوئی کشتِ امید ہری بھری ہوگئی۔ تصورِ محبوب سے دلِ فرقت زدہ کو بہلانے لگی۔

محبت اک ایسی چیز ہے جو کی نہیں جاتی۔ ہو جایا کرتی ہے۔ ہر کوئی صحیح العقل انسان اصل محبت زندگی میں ایک بار ہی کرتا ہے۔ خصوصاً عورت کو اول تو کسی سے محبت بہت مشکل سے ہوتی ہے اور اگر ہو جائے تو تن من دھن سب کچھ اس خوش نصیب پر نچھاور کر دینا باعث فخر سمجھتی ہے۔

وہ رات۔ اُس ہولناک تمثیل کی شب اولین آئی۔ محبت کی بھوکی صبیحہ رات کی تاریکی کے پردہ میں اپنے محبوب سے ملنے کیلئے نکل کھڑی ہوئی۔ رات غدار وطن کے دل کی طرح سیاہ تھی۔ وہ صبیحہ جو دن کو سکول جانے کیلئے گھر سے نکلنا بہت دشوار سمجھتی تھی۔ محبت۔ پاک محبت کے زیر اثر اُس تاریک رات میں اکیلی سُنسان گلی میں نکل آئی۔

جمال کو یقین نہ تھا کہ صبیحہ آئیگی۔ تاہم وہ اپنے بیرونی کمرے میں بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ اتنے میں باہر کھڑکی پر آہستہ سے دستک ہوئی جمال اُچھل پڑا۔ اُسے یقین نہ آتا تھا۔ کہ وہ جاگ رہا ہے وہ اپنے مدت کے خواب کی تعبیر دیکھ رہا تھا۔ اُس خواب کی جس کے متعلق اُسے یقین تھا کہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ اُس نے اُٹھ کر جلدی سے دروازہ کھولا صبیحہ نگاہیں نیچی کئے سمٹی سمٹائی دروازہ میں کھڑی تھی۔ جمال نے فوراً کہا ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ٭٭ کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

وہ صبیحہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آیا۔ اندر لا کر بستر پر بٹھایا۔ خود بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ صبیحہ ابھی تک خاموش بیٹھی تھی۔ فطری حیا گفتگو سے مانع تھی۔ وہ سر جھکائے اپنی نازک انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ طویل سکوت کے بعد آخر جمال گویا ہوا۔
"آخر کب تک یہ خاموشی رہیگی۔ میں نے تو جب سے آپکو دیکھا ہے۔ دل بے قابو ہے۔ تمام تمام رات اختر شماری میں گذر جاتی ہے۔ آپ کی ملاقات کے لئے رات، دن دعا گو رہتا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ دن نصیب ہوا۔ مگر آپ ان قیمتی گھڑیوں کو ناواجب خاموشی میں ضائع کر رہی ہیں"۔ صبیحہ شرما کر بولی "اگر آپ رات بھر جاگا کرتے تھے تو یہاں کسے آرام تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ کو باتیں آتی ہیں اور مجھے باتیں کرنا نہیں آتیں"۔ غرضیکہ دونوں ایک گھنٹہ تک پیار و محبت کی گفتگو کرتے رہے۔ عہد و پیمان باندھے گئے۔ کبھی نہ جُدا ہونے کی قسمیں کھائی گئیں۔ اتنے میں گھڑیال نے ایک بجایا۔ وارفتگان محبت چونک پڑے۔ صبیحہ جانیکو اٹھی۔ جمال نے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور بھاری دل سے رخصت کیا۔

محبت کی پینگیں بڑھتی گئیں۔ ہر شب صبیحہ عزت خطرے میں ڈال کر جمال سے ملنے آتی۔ گھنٹوں پیار کی باتیں ہوتیں۔ اور صبح ہونے سے ایک گھنٹہ قبل صبیحہ رخصت ہو جاتی۔

دن گزرتے گئے۔ جمال کی محبت میں انحطاط شروع ہوگیا۔ محبت کا جنون جو بے طرح اُسکے سر چڑھا ہوا تھا کم ہونے لگا۔ اب جب صبیحہ آتی تو کبھی جمال کو درد سر کی شکایت ہوتی۔ کبھی امتحان کی تیاری کی فکر۔ معصوم صبیحہ جو اپنا سب کچھ اُسکے حوالے کر چکی تھی ان باتوں سے قطعی بیگانہ تھی۔ وہ تو اپنی اُس بے پایاں محبت میں غرق تھی۔ وہ تو اُس محبت کی کمزور بنیادوں پر ایک عالیشان قصر تعمیر کر رہی تھی۔ وہ اپنی کامیاب ازدواجی زندگی کے تصور میں محو تھی۔ اُسے کیا خبر تھی کہ یہ حیوان ناطق جو اپنی محبت کی اتنی ڈینگیں مارا کرتا تھا۔ جو قیس و فرہاد کا جانشین ہونے کے دعوے کیا کرتا تھا۔ اس طرح بدل جائیگا۔ کہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ ہوا کیسے؟

آخر وہ منحوس ساعت آ پہنچی۔ صبیحہ حسب معمول جمال کے پاس آئی۔ آتے ہی جمال کی گردن میں بازو حمائل کر دئے۔ اور کہنے لگی "پیارے جمال! اب تو میرے ساتھ شادی کر لو۔ اب تو کچھ عرصہ بعد تم ایک ...... کے باپ بن جاؤ گے"۔ یہ کہتے کہتے عرق انفعال سے وہ پسینہ پسینہ ہوگئی۔ جمال نے جب یہ الفاظ سُنے تو گھبرا گیا۔ جلدی سے بولا "یہ تم سے کس نے کہا......
... یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کہیں دیوانی تو نہیں ہوگئی ہو"۔ صبیحہ پر گویا گھڑوں پانی پڑگیا۔ وہ فرط حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ جمال بولا "خدارا جاؤ آج میری طبیعت بڑی مضمحل ہے۔ پھر کسی وقت آنا"۔ صبیحہ کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ اسکی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ اسکا آخری سہارا چھن گیا۔ دلی "آہ وہ تمہارے حسین وعدے کیا ہوئے۔ وہ تمہارے سُنہری الفاظ کدھر گئے۔ کیا تم وہی پہلے جمال ہو یا کوئی اور ہو۔ لیکن نہیں تم مذاق کر رہے ہو۔ پیارے یہ مذاق کا وقت نہیں۔ یہ سوال میرے لئے زندگی یا موت کا درجہ رکھتا ہے۔ بولو۔ جلدی بولو۔ تمہارے والدین راضی ہوگئے یا نہیں۔ چپ کیوں کھڑے ہو۔ ہائے مجھے یوں نہ دیکھو آہ ......" اور اُس کو غش آ گیا۔ اب جمال کو فکر لاحق ہوئی۔ دوڑ کر گلی کے نل سے پانی لایا۔ چہرے پر چھینٹے دئے۔ کچھ دیر بعد اُسے ہوش آیا۔ تو بولا "میں پرسوں تک سب انتظامات متعلقہ شادی مکمل کر لونگا۔ کل ہی میرے والد تمہارے والد سے سب بات چیت کر لینگے۔ تم کچھ فکر نہ کرو۔ اور اب تم آرام سے گھر چلی جاؤ"۔
یہ تسکین آمیز کلمات سُنکر صبیحہ کو قدرے سکون ہوا۔ وہ نہایت کمزور ہو چکی تھی۔ آہستہ سے اٹھی۔ اور لڑکھڑاتی ہوئی اپنے گھر چلی آئی۔ جب گھر کی دہلیز کو عبور کرنے لگی۔ تو شدتِ ضعف سے گر پڑی۔ گرنے کی آواز سُنکر اس کی ماں جو قریب ہی کمرے میں سوئی پڑی تھی۔ گھبرا کر جاگ اٹھی۔ دیکھا کہ صبیحہ گری پڑی ہے۔ جلدی سے دوڑ کر اسے اٹھایا۔ اور سہارا دیکر چارپائی پر لٹا دیا۔ جب اس نے صبیحہ کی حالت دیکھی۔ تو اُسے کچھ شک سا ہوا۔ پوچھنے لگی "یہ تم اسوقت کہاں چلی تھیں؟" صبیحہ کچھ جواب نہ دے سکی۔ رو پڑی۔ ماں کا دل نرم ہوتا ہے۔ ماں نے دلاسا دیا۔ اور پھر پیار سے پوچھا۔ صبیحہ نے روتے روتے سب ماجرا بیان کر دیا۔ بدبخت ماں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ چکرا کر گرنے ہی والی تھی کہ سنبھل گئی۔ جہاندیدہ عورت موقع کی نزاکت کو تاڑ گئی۔ لڑکی کو دلاسہ دیا اور جا کر بستر پر لٹا دیا۔

صبح ہوئی تو صبیحہ کی والدہ نے اس کے باپ سے مناسب الفاظ میں ذکر کر دیا۔ باپ سُنکر آگ بگولہ ہوگیا۔ مگر بیوی نے سمجھایا اور کہا کہ غصہ ٹھیک نہیں۔ جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اگر بدنامی سے بچنا ہے تو اس کی شادی کا کہیں بندوبست کر دو"۔ یہ باتیں سُنکر صبیحہ کے والد کا غصہ کم ہوا۔ مگر وہ کہنے لگے "میں ایسی نالائق لڑکی کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا ابھی میرے گھر سے اُسے نکال دو"۔ مگر پھر بیوی کی دانشمندی آڑے آئی بولیں "اگر آپ اسے گھر سے نکال دینگے تو وہ کہاں جائیگی مفت میں اپنی بدنامی ہوگی"۔ الغرض معاملہ کچھ دیر کیلئے ختم ہوگیا۔
ایک ماہ کے بعد صبیحہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ اُس کی والدہ کا ارادہ جمال سے ہی شادی کر دینے کا تھا۔ مگر سال بد معاش جمال ایک دوشیزہ کو گرفتار بلا کر کے خود گھر سے بھاگ گیا۔ آخر صبیحہ کی شادی اُسکے چچازاد بھائی سے قرار پائی۔ جمال گھر سے بھاگ کر لاہور چلا گیا۔ جہاں اُسے بمشکل تیس روپے ماہوار کی کلرکی مل سکی۔ اور صبیحہ؟ جانے فلک ناہنجار نے اُس سے کس قصور کا بدلہ لینا تھا کہ شادی ہونے سے دو دن پہلے اُس کے گناہوں کا ثمر پیدا ہوگیا۔ بیچارے والدین کی سب اُمیدیں مایوسیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ صبیحہ مُردہ بچہ ہونے کے

بقیہ صفحہ ۸۶ پر دیکھو

مست قلندر کے فلمی نامہ نگار مقیم بمبئی کے قلم سے

رنجیت ۔ مس مادھوری کی علالت کے باعث "پاگل" کی شوٹنگ کو التوا میں ڈال دیا گیا ہے ۔ آج کل رنجیت میں ہندوستان بھر کے چیدہ چیدہ اداکار جمع ہو رہے ہیں وسنتی ۔ پرتھوی راج ۔ موتی ۔ ہیرا اور روز کے بعد ہمنگل بھی ان کے یہاں جا رہا ہے "سنت تلسی داس" کی نمائش بمبئی میں ہو رہی ہے رنجیت سٹوڈیو میں اس وقت پانچ فلمیں زیر تیاری ہیں (۱) اچھوت (۲) پاگل (۳) گڈ لک (۴) ادھوری کہانی (۵) طوفان میل کی واپسی اور مزید پانچ فلموں کا پروگرام زیر غور ہے جو کہ پہلی پانچ کے مکمل ہونے پر شروع ہوگا ۔ امتناع شراب کے سلسلہ میں رنجیت نے جو مختصر سی فلم "شرابی" تیار کی ہے ۔ اس میں وسنتی ۔ ترلوک چند ۔ اور رنجیت نے کام کیا ہے گذشتہ ماہ رنجیت فلم کمپنی کی دسویں سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی تمام سٹاف کی طرف سے مسٹر چندو لال شاہ کو مبارکباد دی گئی ایڈریس پیش کئے گئے

منروا ۔ "پکار" کے بیرونی مناظر کی شوٹنگ کے لئے سہراب مودی ۔ نسیم اور شیلا وغیرہ پر مشتمل ایک پارٹی آج کل آگرہ گئی ہوئی ہے مسٹر صابر کو بدیں وجہ ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا ہے کہ اس نے ایک سین کی شوٹنگ کے سلسلہ میں اپنے بال کٹوانے سے انکار کر دیا تھا مسٹر بسمل عشرتی کی خدمات بطور شاعر حاصل کر لی گئی ہیں ۔

وشنو سنے ٹون ۔ "ایماندار" مکمل ہو گئی ہے ، عنقریب نمائش ہوگی

جنرل فلمز ۔ معلوم ہوا ہے ۔ کہ شروع اگست میں مسٹر کاردار ان کے یہاں آجائیں گے یہاں وہ ایک فلم تیار کریں گے جس میں موتی ۔ بملا کماری ۔ ستارہ ۔ نندریکر ۔ مظہر ، اشرف خان ۔ وسطی اور لالہ یعقوب اداکار ہونگے ۔

پرکاش پکچرز ۔ اس ماہ کے آخر تک "بیلی" مکمل ہو جائے گی ۔ "فرزند وطن" بمبئی میں ریلیز ہو گئی ہے ۔

سنگیت فلم کمپنی میں پھر آثار زندگی دکھائی دینے لگے ہیں جدید بانی نے اپنا پروگرام مرتب کر لیا ہے ۔ پہلی فلم کا نام "نرالی دنیا" ہوگا ۔

مووی مغل ۔ "سوہنی داس" مکمل ہو گیا ہے ۔ سب سے پہلے لاہور میں ریلیز ہوگی ۔ اب پورن بھگت پنجابی میں شروع ہے ۔ "سوہنی کمہارن" کی نمائش پنجاب میں ممنوع قرار دی گئی ہے ۔

پیراماؤنٹ ۔ "الہ دین کا بیٹا" بمبئی میں ریلیز ہو گئی ہے ، پنجاب میں جولائی میں آجائے گی ۔ "گولڈن گینگ" "رہزن" ، "اور سنسار ہتیا" تیار ہو رہی ہیں اول الذکر دونوں سنٹ پکچرز اور آخر الذکر سوشل ہوگی ۔

بھونانی پروڈکشن ۔ مسٹر بھونانی کے دورہ یورپ کی وجہ سے پروڈکشن کا کام عارضی طور پر بند کر دیا گیا ہے ۔ تمام سٹاف کو نوٹس دے دیا گیا ہے ۔

بمبئی ٹاکیز ۔ "درگا" مکمل ہو گئی ہے ۔ بنارس کی ایک حسینہ مس کملا کو "درگا" کے بعد بننے والی فلم کے لئے چنا گیا ہے

پنچولی پکچرز - پنجاب میں اس کا جنم ابھی ہوا ہے "گل بکاؤلی" کی شوٹنگ شروع کر دی گئی ہے - ہیر سیال اور سستی پنوں کے چیدہ چیدہ اداکار اس فلم میں کام کر رہے ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسن پنجاب سمٹ کر یہاں اکٹھا ہو گیا ہے -

ساگر - معلوم ہوا ہے - کہ کمپنی کو لمیٹڈ بنا کر اور وسیع پیمانہ پر کام شروع کیا جائے گا مس بِبّو تفریح طبع کے لئے کشمیر جا رہی ہیں -

باغبان کے افسانہ کی مصنفہ بیگم انصاری نے ایک اور فلمی افسانہ "ستارہ" لکھا ہے جو کہ مسٹر مذرا میں فلمائیں گے - لیکن افسوس ہے کہ بیگم موصوفہ ۱۲ جون کو بمبئی میں رحلت فرما گئیں -

فلم انڈیا بمبئی کے ایڈیٹر مسٹر بابو راؤ پٹیل دُنیا کے دورہ پر روانہ ہو گئے ہیں - آپ برسیلز میں منعقدہ انٹرنیشنل فلم عبجیلس کانفرنس میں ہندوستان کی نمائندگی کریں گے -

مُرغی کے چُوزوں کی فلم - امریکہ میں ایک ایسی فلم تیار کی گئی ہے - جس میں دکھایا گیا ہے کہ مرغی انڈا کیسے دیتی ہے، پھر انڈوں میں چُوزہ کیسے بنتا ہے - وغیرہ وغیرہ اس فلم کی تیاری میں ہزار ہا انڈے صرف ہوئے - میڈیکل سائنس کی دُنیا میں اس فلم نے تہلکہ مچا دیا ہے

ریویو

ہل - یو - پی گورنمنٹ کے محکمہ گاؤں سدھار کا باتصویر پندرہ روزہ رسالہ پبلشر نیو انڈین پریس الہ آباد - چندہ سالانہ للعہ فی پرچہ چھ آنے اب تک چھ نمبر نکل چکے ہیں اس وقت مئی ۱۹۳۹ء کا پرچہ ہمارے سامنے ہے - ہل زمینداروں اور کسانوں کی جو خدمات سرانجام دے رہا ہے اس کی نظیر نہیں مل سکتی - اس میں نہ صرف دیہات سدھار سے متعلق نہایت ہی ٹھوس اور پُر مغز مضامین تصویروں کے ساتھ چھپ رہے ہیں - بلکہ جدید کاشتکاری اور زیادہ سے زیادہ فصل پیدا کرنے کے طریقے - چھوٹی چھوٹی دیہاتی صنعتوں کو فروغ دے کر روپیہ کمانے کے راز - اور کمیاب چیزوں کی کاشت، سے مالا مال ہونے کی عملی ہدایتیں کمال دریا دلی کے ساتھ شائع کی جا رہی ہیں - زیر نظر نمبر میں بیتنا اور اس کا ست نکالنا - دیہاتوں میں اصلاح کی خواہش - مرغی پالنا اور گرام سدھار غلے کی مشترکہ فروختگی - جنگل ہمارے لئے کیوں ضروری ہیں - وغیرہ مضامین نہایت مفید اور کارآمد معلومات سے لبریز ہیں - سرورق کے ساتھ ایک سہ رنگی اور متعدد یک رنگی تصویریں اس کی شان کو دوبالا کر رہی ہیں - بایں ہمہ کاغذ نفیس اور لکھائی چھپائی دیدہ زیب الغرض ہل ہر پہلو سے اس قابل ہے کہ اس کی سرپرستی کی جائے -

(بقیہ صـ ۸۳ - **عورت نہیں مرد بیوفا ہوتا ہے**) ایک گھنٹہ بعد اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئی - مرتے وقت بھی اس پابند وفا کے لب پر ایک ہی لفظ تھا ...... جمال ... . میں نے دیکھا جب اُس کی جان نکلنے لگی تو اُس وفا پرور نے رو رو کر خدا سے جمال کے گناہوں کی معافی مانگی اور اسی بیوفا کے نام کے ساتھ جان دے دی . یہ ہے اُن بیشمار معصوم لڑکیوں کے دلدوز واقعات میں سے ایک واقعہ جو آئے دن نوجوان ہوس پرست لڑکوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اپنی عصمت کھو بیٹھتی ہیں - اور اگر کوئی اللہ کی بندی باوجود محبت کرنے کے اپنی عصمت کی حفاظت کرنے کی کوشش کرے تو بیوفا کا لقب پاتی ہے ◆

THE

فہرست مضامین!

پانچ سوالوں کا ایک ہی جواب
آپ بیتی نمبر
(۱) ہندوستان بھر کے اُردو رسالوں سے سستا کون رسالہ ہے، ؟
(۲) سب سے زیادہ ٹھوس اور کارآمد مضامین ہر ماہ کونسا رسالہ شائع کرتا ہے ؟
(۳) وہ کونسا رسالہ ہے جس کی قیمت اسکی لاگت سے بھی بہت کم ہوتی ہے یعنی جو ہر ماہ دیتا ہے۔
(الف) سرورق پر سہ رنگا بلاک (ب) فوٹو بلاکس کی متعدد مگر منتخب تصاویر (ج) بڑے سائز کے ۸۸ صفحات کا ٹھوس میٹر اور اس سب کچھ کے باوجود بکتا ہے صرف تین آنے میں (۳/) ؟
(۴) وہ کونسا رسالہ ہے جسے ہندو اور مسلمان یکساں ذوق و شوق اور دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں، ؟
(۵) دنیا جہان کی دلچسپ مزاحیہ کارٹونوں بہترین افسانوں اور تڑپا دینے والے ترانوں کا حامل کونسا رسالہ ہوتا ہے ؟
رسالہ مست قلندر لاہور
یقین نہ ہو تو اس پرچہ کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے

فہرست انعام یافتگان دلچسپ معمّہ نمبر ۱

(انعام اوّل، د ۲ غلطی ـــــ مبلغ پندرہ روپے فی کس }

(۱) مسعود جاوید صاحب مسعود منزل گدلواڑہ ۔ دیوبند ۔ ضلع سہارنپور

(۲) مقبول احمد صاحب انصاری ساڈنٹ وارڈ نمبر ۱۳ ٹی بی ہسپتال دہلی

(۳) درگا داس صاحب کلرک ڈاک خانہ عارف والا ضلع منٹگمری

(۴) نورالحق صاحب معرفت سرکل انسپکٹر چابڑہ ۔ گنگرٹ

(۵) ماسٹر فضل الدین صاحب ہیڈ ماسٹر لوئر مڈل سکول کول سر ڈاک خانہ خاص ضلع منٹگمری

{ ۳ غلطی ـــــ مبلغ چار روپے فی کس }

(۱) عابد صاحب ۔ ایل ۔ پی ۔ ہاؤس حضرت گنج لکھنؤ ۔ یو ۔ پی ۔

(۲) سرلایہ صاحب سرلویاستو مالک آرٹ اسٹوڈیو ۳۴ لال باغ روڈ لکھنؤ

(۳) مقبول احمد صاحب معرفت مولوی عمرالدین صاحب گھونڈ براستہ کھالڑہ ضلع لاہور

(۴) ڈاکٹر ہدایت اللہ صاحب گھونڈ براستہ کھالڑہ ۔ لاہور

(۵) ڈی ۔ ایم ۔ احمد دین صاحب کے ۔ بی ۔ آر آئی ۔ ایم سکول جہلم ۔

(۶) حافظ عبدالعلیم صاحب قریشی کواپریٹو ٹریننگ انسٹیٹیوٹ ۔ بلند شہر

(۷) ایم سراج دین صاحب مسجد محمد شریف منٹگمری ۔

{ ۴ غلطی ـــــ مبلغ ایک روپیہ دو آنہ فی کس }

(۱) فیض محمد صاحب رائل ہوٹل نینی تال یو ۔ پی ۔

(۲) خلیق احمد صاحب قریشی معرفت شیخ رشید احمد صاحب وکیل گڑگاؤں ۔

(۳) جگندر سنگھ صاحب معرفت سردار اندر سنگھ اینڈ سنز صدر بازار انبالہ ۔

(۴) فضل کریم صاحب سوکھا دتیہ مرچنٹ ۱۳۵ ہزارہ روڈ ۔ کلکتہ

(۵) اللہ رکھا صاحب معرفت اودھو داس عرائض نویس ۔ کچہری کوئٹہ بلوچستان

(۶) جمیل حسین صاحب تکٹ کلکٹر بی ۔ این ۔ آر ۔ پوسٹ کولاگھاٹ ضلع مدناپور

(۷) مدن موہن صاحب ماسٹر ۔ منگا ارخاص تحصیل قصور ۔ ضلع لاہور

(۸) محمد عرفان علی خاں عرفان منزل سنبھل ۔

(۹) گیانی شیو چند داس صاحب سود موگا ضلع فیروزپور ۔

(۱۰) جانکی داس صاحب سود کیمسٹ پیپر فیکٹری ۔ ڈالمیا نگر ضلع شاہ آباد بہار ۔

(۱۱) لالہ لاجپت رائے صاحب ڈھنڈہ کھیڑہ گجو ۔ ڈاک خانہ مانک پور ۔ ریاست پٹیالہ

(۱۲) مسٹر اے پی ۔ یونجاہی ۔ ہیڈ ماسٹر ڈی جی سکول کچھیرا (مارواڑ)

(۱۳) سید اشرف نجم ۔ ممتاز دارالیتامیٰ ۔ امین آباد لکھنؤ

(۱۴) مسٹر چھجو رام اگروال اکوئنٹنٹ جے ۔ ایل ۔ ریلوے جگادھری انبالہ

(۱۵) مسٹر اشتیاق احمد لاری ۔ ڈاک خانہ لار ۔ ضلع گورکھپور

(۱۶) غلام محمد خاں صاحب ڈاک خانہ بابت پور ضلع بنارس ۔

(۱۷) محبوب احمد صاحب معرفت مولوی عمرالدین صاحب گھونڈ براستہ کھالڑا ۔ لاہور

(۱۸) واحد علی خاں صاحب تحصیلدار ۔ نانپارہ ضلع بہرائچ ۔

(۱۹) میسرز جگن ناتھ موہن لعل شرما ۔ ترنتارن ضلع امرتسر ۔

(۲۰) پریم ناتھ صاحب سود ۔ معرفت پریم دی ہٹی ۔ موگہ ۔

(۲۱) مسعود حسن خاں صاحب مکان ۱۲ محلہ بھاؤ کی غفور خاں ۔ شہر اندور

(۲۲) مسٹر چندر پرکاش صاحب ٹھیکیدار ۔ سادکی ۔ ڈاک خانہ خاص ضلع گوجرانوالہ

(۲۳) مسٹر پرشوتم لال بینی ۔ ڈی ۔ بی مڈل سکول بھائی پھیرو ضلع لاہور ۔ براستہ کوٹ رادھا کشن

(۲۴) سردار محمد فیاض الرحمٰن صاحب نظامی رائل بمبئی سفر مینا کری

(۲۵) مسٹر موہن لعل ہیڈ ٹیچر واں ۔ ڈاک خانہ کھالڑا ضلع لاہور ۔

(۲۶) مسٹر محمد شفیق احمد ہردی انصاری ناظر عدالت دیوانی ۔ دہرہ دون ۔ یو ۔ پی

(۲۷) مسٹر سہاگ معرفت لاجپت رائے ڈھنڈہ کھیڑہ گجو ۔ ڈاک خانہ مانک پور ۔ ریاست پٹیالہ

(۲۸) مسٹر عباس علی معرفتہ محمد حسین سیٹھ اسٹون مرچنٹ ۔ ڈابری پیٹھا ۔ اُجین ۔

(۲۹) عمرالدین ہیڈ ماسٹر ڈی بی لوئر مڈل سکول گھونڈ براستہ کھالڑہ ضلع لاہور

{ ۵ غلطی ـــــ موازی ۱۰ ار فی کس }

(۱) ٹھاکر موہن لعل عاقل ۔ گھاس منڈی لودھیانہ

(۲) سری نارائن ماتھر معرفت بابو شونرائن الوانیہ وکیل چیرہ خانہ دہلی

(۳) الیس ۔ ایم ۔ یونس صدیقی شیر منزل دوسرا مالہ روم نمبر ۳۲ ۔ مورلینڈ روڈ بمبئی نمبر (۸)

(۴) مسٹر صدق اختر معرفت رانا اختر الٰہی صاحب تسنگری محمد نگر۔ لاہور

(۵) رضیہ بانو معرفت مولوی احمد اللہ بیگ وثیقہ نویس۔ کٹرہ حکیماں ڈویژن نمبر ۹۔ امرتسر

(۶) مسٹر محمد شریف فوٹوگرافر۔ پسرور۔ ضلع سیالکوٹ۔

(۷) مسٹر اعجاز حسین محرر پونڈ بڑگاؤں۔ ڈاک خانہ بڑگاؤں۔ ضلع گونڈہ۔ اودھ

(۸) عامرہ خاتون صاحبہ معرفت محمد عرفان علی خاں۔ میاں سرائے سنبھل۔ ضلع مراد آباد

(۹) بابو معراج الدین صاحب مسجد محمد شریف منٹگمری

(۱۰) مسٹر محمد عبدالاحد اسرائیلی ہلالی سرائے سنبھل ضلع مراد آباد

(۱۱) مسٹر ابرنی معرفت ریاض محمد واچ میکر نیک نیا دھوبی پلے ہاؤس بمبئی۔

(۱۲) مسٹر برکت اللہ خاں بگراسی ضلع بلند شہر

(۱۳) مسٹر بشیر احمد معرفت مولوی عمر الدین صاحب گھونڈ۔ براستہ کھالڑا۔ لاہور

(۱۴) مسٹر نہال چند گنڈا سنگھ ہائی سکول سیالکوٹ۔

(۱۵) مسنہ لاجونتی گلاٹی۔ معرفت بی۔ ڈی۔ گلاٹی نیولین ہاؤس اردن روڈ۔ پونہ شہر۔

(۱۶) ل۔ ب۔ صاحبہ۔ معرفت ایم اے محمود صاحب انسپکٹر واٹر ورکس تالاب کنگنی شکل لکھنؤ

(۱۷) شریمتی للتا رانی معرفت بابو شو نرائن الوانیہ وکیل نئی سڑک دہلی۔

(۱۸) مسٹر جگت نانک بیتی۔ چاہ ڈھابانوالہ۔ ڈاکخانہ بھائی پھیرو براستہ کوٹ رادھا کشن۔ ضلع لاہور

(۱۹) حاکم علی صاحب ہیڈ ٹریژری کلرک۔ کرنال

(۲۰) مسٹر محمد احتشام علی معرفت محمد احتشام علی۔ بی۔ ٹی۔ ای نمبرے میر پاڑہ لین سلکیا۔ ہوڑہ

(۲۱) مسٹر منصور معرفت محمد احتشام علی بی۔ ٹی۔ ای۔ نمبرے میر پاڑہ لین سلکیا۔ ہوڑہ

(۲۲) مسٹر محمد عثمان صدیقی معرفت حاجی شیخ سخاوت حسین تاجر عطر چوک لکھنؤ

(۲۳) شیخ النصر انصاریہ کیاپ مارٹ ایڈورڈ مارکیٹ ورنگا پٹم

(۲۴) عبدالحمید معرفت حکیم احمد حسین صاحب محلہ قاضی پورہ شہر بہرائچ اودھ

(۲۵) مسٹر ہرچرن داس سود بھنگالہ ناصر تحصیل قصور ضلع لاہور

بچوں کا معمہ دلپسند

ہماری توقعات سے کہیں زیادہ مقبول اور دلپسند ثابت ہوا۔ لیکن اس کی ہر دل عزیزی معمہ دلچسپ کیلئے سوہانِ روح ہی کر رہ گئی۔ کیونکہ اکثر و بیشتر حضرات نے اپنی توجہ اُدھر سے ہٹا کر ادھر مرکوز کر دی۔ اس لئے اس مرتبہ ادارہ کو خلافِ اُمید خسارہ رہا اور باندریں صورت ہمارے لئے سوائے اسکے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ معمہ دلپسند کی اسکیم کو سردست دو ماہ کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ انعامات کے مستحق لڑکے لڑکیوں کی مختصر فہرست نیچے درج کی جا رہی ہے۔ فہرست انعامات مست قلندر کی آئندہ اشاعت میں درج کی جائے گی اور انعامات فرداً فرداً ہر ایک کے نام روانہ کر دیئے جائیں گے (۱) تنویر فاطمہ لکھنؤ (۲) شو نرائن چند اٹک (۳) نور احمد میرٹھ (۴) رحمت علی اندور (۵) اقبال علی حیدر آباد دکن (۶) اکبر علی آگرہ (۷) راج بہادر احمد پور شرقیہ۔ (۸) خیراتی رام کپور تھلہ (۹) کنہیا سنگھ بجنور (۱۰) محمد شریف کوثر منٹگمری (۱۱) سوشیل کماری۔ لاہور (۱۲) ساگر دت ناتھ (۱۳) انور علی سیالکوٹ (۱۴) حمید احمد نیو دہلی (۱۵) بشیر احمد پونہ۔ (۱۶) محمد صدیق لکھنؤ (۱۷) اوم پرکاش کوئٹہ (۱۸) اوم پرکاش بدایوں (۱۹) بشمبر ناتھ شاہجہان پور

صحیح حل دلچسپ معمہ نمبر (۵)

و	ی	د	خ		ا	ن	ا	ر	ک	س	م
ز		ن	و	س	ر	س		م	ی	ل	ح
ر	ٹ		ش	ر	و	ی		ز	س	و	ر
ا	ی	ز		س	ی	م	ا		ر	ٹ	م
	س		گ	ا			ک	س			
ز	و	ز	ف	م			و	ی		ت	چ
خ		ا	ث				ل	ر		ح	
	ت	گ	ا		م	س	ب	ت		س	
د	ح		ر		ع				ب	ی	ج
ھ	ر	ل		و	د	ت	ج		ہ	ن	ل
و	ی	س		ل	و	ہ		و	ش		س
ل	ک	ی	ض		م		ز	ا	ر	م	ہ

حل کنندگان کیلئے خاص ہدایات

اگر آپ دلچسپ معمہ نمبر ۵ کو حل کر کے قبل ازیں بھیج چکے ہیں۔ تو صحیح حل سے اپنے حل کا مقابلہ کرنے کے بعد ذیل کے نقشہ کی خانہ پُری کر کے جلد از جلد دفتر مست قلندر میں بھیج دیجئے۔

انتباہ اگر ۱۵۔ اگست ۱۹۳۹ء تک آپ کی جانب سے یہ مطبوعہ نقشہ ہمارے پاس نہ پہونچا اور آپ کی اس غفلت سے آپ کے حصہ کا انعام باقی کے انعام یافتگان میں تقسیم ہو گیا تو اس کے ذمہ دار آپ ہونگے (ایڈیٹر دلچسپ معمہ)

جناب ایڈیٹر صاحب دلچسپ معمہ مست قلندر لاہور ... تسلیم

میں نے دلچسپ معمہ نمبر ۵ کا صحیح حل دیکھا۔ اور اپنے حل سے مقابلہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ میری ..... غلطیاں ہیں۔ چونکہ آپ عموماً ۶ غلطیوں تک انعامات تقسیم کر رہے ہیں اس لئے میرا نام بھی انعام یافتگان کی فہرست میں شائع کر کے ممنون فرمائیے۔ میں نے کوپن کی فیس بذریعہ منی آرڈر / پوسٹل آرڈر یا بصورت ٹکٹ روانہ کی تھی۔ فقط

نام ....

پورا پتہ ....

....

نوٹ: ۶ سے زیادہ غلطیوں والے اس نقشہ کو بھیجنے کی زحمت گوارا نہ کریں۔

نقشہ جس کو کاٹ کر فوراً بذریعہ ڈاک روانہ کرنے سے آپ انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں

حرامزادے کی سرگذشت

نہایت افسوس کے ساتھ ہم اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ اس مرتبہ حرامزادے کی سرگذشت اتفاقیہ طور پر کہیں کہیں سے بالکل اُڑ گئی اور چونکہ تنگیٔ وقت کے باعث دوبارہ کتابت نہیں کرائی جا سکتی تھی اس لئے زیر نظر نمبر میں چھپ نہ سکی۔ اس ناگہانی افتاد کے پیش نظر ہم ناظرین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔ اس سلسلہ کی اٹھائیسویں قسط جو پتے سرے کے سنسنی خیز اور حیرت انگیز واقعات کی حامل ہے۔ مست قلندر کے آئندہ نمبر میں اشاعت پذیر ہو سکے گی ۔ ایڈیٹر

انقلاب!
قیامت آگئی!
انقلاب!
دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی لیکن ایڈیٹر مست قلندر کی دونئی تصانیف
کے مطالعہ کے بعد آپ سمجھنے لگیں گے کہ گویا سچ مچ قیامت آگئی!
بیوہ کے خطوط
ایک نوجوان اور حسین وجمیل بیوہ پر سوسائٹی نے کیسے کیسے ہولناک مظالم ڈھائے اور اسے
مال مفت سمجھ کر کس کس طریقہ سے ذلیل و رسوا کیا۔ اس کی داستان غم اسی کی زبانی
سنئے جس کا ایک ایک فقرہ آپ کے دل و جگر میں تیر و نشتر بن کر اتر جائیگا۔ اور کچھ عجب
نہیں کہ آپ کے سرد و منجمد خون کو پگھلا کر آنکھوں کی راہ آنسوؤں کی شکل میں بہا دے آپ بیتاب ہو جائینگے ایکا ایکی - اور تڑپ
جائیں گے سر سے پاؤں تک۔ بیوہ کے خطوط میں آپ بڑے بوڑھے مذہبی پیشواؤں، سماج سدھارکوں نیز سماج
کے حنم داتا کرتا دھرتا موٹی توند والے تلک دھاری پنڈتوں کو بے نقاب ہوتے دیکھیں گے تو فرط حیرت سے آپ کی
آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ لوگ جن کو دیکھ کر تعظیماً سر جھکا دیتے ہیں۔ اپنا ہادی رہنما اور مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں اس کی
پرائیویٹ زندگی اتنی گھناؤنی۔ ایسی شرمناک اور نفرت انگیز ہو سکتی ہے۔ یہ بات پہلی مرتبہ "بیوہ کے خطوط" کے مطالعہ سے آپ کو
معلوم ہوگی۔ بیوہ کے خطوط کا سلسلہ جب اول اول مست قلندر کے کالموں میں جاری ہوا تو سماج کے پاسبانوں میں ایڈیٹر مست قلندر
کے خلاف پیچ و تاب اور غصہ کی ایک عالمگیر لہر دوڑ گئی تھی۔ اور اکثر دبشتین سماج سدھارکوں کو فرداً فرداً گمان بلکہ یقین ہونے
لگا تھا کہ میرے اعمال نامہ کا ہو بہو چربہ ظالم ایڈیٹر مست قلندر کے پاس کیسے پہونچ گیا؟"
کتاب کا حجم ڈیڑھ صد صفحات اور قیمت صرف ۱۲ ہے۔ وہیلر بک سٹالوں سے خرید کیجئے۔ یا براہ راست ٹکٹ بھیجکر منگوائیے۔
چند حسینوں کے خطوط
کچھ تو تصویریں، چھلے اور چند حسینوں کے خطوط۔ بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا۔
اردو میں اپنی قسم کی پہلی کتاب جس میں حسینوں کے جذبات محبت کی ہو بہو تصویریں
پیش کی گئی ہیں، محبت کس طرح پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہے؟ بشرطیکہ پاک
اور سچی ہو۔ کیا یہ سچ ہے کہ سات پردوں میں چھپے ہوئے محبوب کو بھی محبت ایک بار بے خود اور وارفتہ مزاج بنا دیتی ہے؟ حسن کی
سرکار میں عشق کی رسائی کیسے ہو سکتی ہے؟ کیا عاشق و معشوق ایک ہی ہستی کے دو پہلو نہیں ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو
دونوں طرف آگ برابر کیوں نہیں لگتی۔ عشق ہے کہ حسن کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار۔ مگر حسن ایک مرمریں بت
کی طرح بے حس کوئی مرے یا جئے اس کی بلا سے۔ اس تغافل کیش کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ پیکر جمال دوشیزہ کیا
چاہتی ہے؟ اسکے سوئے ہوئے جذبۂ عشق کو کس طرح بیدار کیا جائے۔ مرد کی وہ کونسی خوبی ہے۔ جو عورت کے والہانہ جذبات کو ایک دم
دائرۂ اعتدال سے باہر لے آئے۔ ان سب باتوں کو شراب سے زیادہ مدہوش کن۔ چاندنی سے زیادہ فرحت بخش۔ شہد سے زیادہ
شیریں اور امرت سے زیادہ حیات پرور زبان اور رقص حور سے زیادہ دلکش انداز میں کسی دلگداز افسانہ کی سی دلفریبی اور جاذبیت کے ساتھ
الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ اگر آپکا دل بھی درد رسیدہ ہے۔ اگر آپ بھی کسی کافر ادا قیامت بدوش حسینہ کے تیر نظر یا تیغ ابرو کے گھائل ہو چکے ہیں
اور اکثر شب تنہائی میں چھپ چھپ کر گا چکے ہیں اس گیت کو "لگ گئی چوٹ کلیجوا میں ہائے راما" تو ایک ایک خط کو
کئی کئی بار پڑھینگے۔ مرغ بسمل کی طرح تڑپینگے۔ بے تاب ہونگے۔ بے چینیوں اور بیقراریوں میں اپنے آپ کو محصور پائیں گے۔ مگر ہر بار ایک نئی لذت
کا احساس آپ کو بار بار مطالعہ کرنے پر مجبور کرتا جائیگا۔ اور ہزار تڑپ اور بے چینی کے باوجود آپ کتاب کو ہاتھ سے رکھنا گوارا نہ کر سکیں گے۔
کتاب با تصویر اور مجلد ہے۔ قیمت صرف ۱۲ ہر دو کتب کی قیمت معہ محصولڈاک صرف ۲ روپے ۴ آنے
منیجر مست قلندر لاہور

موسم برسات میں شراب
ہندوستانی شوہر
شراب پینے سے قبل بیوی کو شراب پینے پر مجبور کرتا ہے
ہندوستانی بیوی
شراب پیش کئے جانے پر (اپنے شوہر سے)
خوشی تمہاری اگر ہو تو زہر بھی پی لوں
بلا تمہارے جو امرت ملے تو لب سی لوں
مگر۔ خمیر اس میں اُبلتا ہے بے حیائی کا
پئے وہ اس کو جو بے شرم ہو خدائی کا
یہ جام زہر ہے دور اسکو پھینک دو پیارے
اسے پیو تو ہمارا لہو پیو پیارے
جواب میں
گنوار شوہر ترش رو ہو کر ٹھوکر مارتا ہے۔
JAMIL
ولایتی شوہر (بیوی سے)
نگاہِ مست کی مدہوشیوں کے صدقہ میں
ان ابروؤں کی سیہ پوشیوں کے صدقہ میں
سرورِ بادۂ انجم کا واسطہ پی لو
تمہیں تمہارے تبسم کا واسطہ پی لو
ولایتی بیوی
یہ چیز وہ ہے جسے روز پیتی ہوں پیارے
لگا دو منہ سے مرے آپ بھی پیو پیارے
(کاپی رائٹ)
JAMIL

جلد (۲۰) | بابت اگست ۱۹۳۹ء | نمبر (۵)

کانن دیوی کی خدمت میں تصویر موصول ہونے پر

ضمیر لالہ و گل میں مقام ہے تیرا ۔۔۔ کلی کے سینہ میں پوشیدہ جام ہے تیرا

فروغ ذات سے تیری جہاں کی تابانی ۔۔۔ روش روش پہ نمایاں خرام ہے تیرا

مجاز سوز ہے تیری نظر کی ہر تجلی ۔۔۔ صفات ذات سے پیوستہ کام ہے تیرا

مقام حمد ہے جلووں کی تیرے بارانی ۔۔۔ سوال طور سے خوشتر کلام ہے تیرا

مہ و ستارہ و انجم رقیب ہیں میرے ۔۔۔ کہ سوز بن کے مرے دل میں نام ہے تیرا

ہے میرے اشک سے میرے وضو کی پیرائی ۔۔۔ مرے سجود میں پنہاں قیام ہے تیرا

تری نسیم سے ہے مستفید باد سخن ۔۔۔ سخن پسند کو ہر دم پیام ہے تیرا

ہے آنکھ بند کئے جامۂ حیا تصویر ۔۔۔ اسی سے دل میں بڑا احترام ہے تیرا

نظر سے عشق کی مینا میں رقص کرتی جا
نقوش مانی ہے ہر رنگ سے سنورتی جا

رات تھی ——— گناہ کی طرح سیاہ اور موت کی طرح ہیبت ناک! اور آبادی سے بہت دور ——— وحشت ناک جنگل کی ویرانی کے اندر اُجاڑ قبرستان میں چند مُردے اپنی قبروں کے پاس بیٹھے تھے!!

اُن کے بھیانک استخوانی ڈھانچے جن پر کہیں کہیں قبر کی مٹی لگی ہوئی تھی ایسے نظر آتے تھے گویا رات کی سیاہی سمٹ کر غلیظ انسانی ہیکلوں میں تبدیل ہوگئی ہے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ اگر کوئی اُن کو چھونے کی جرأت کر سکتا تو انسانی قوت لمس کو وہ کیسے محسوس ہوتے ——— شاید سخت ——— ہڈی کی طرح ——— یا نرم جیسی قبر کی تازہ مٹی ——— یا پھر ایسے جیسے کہ ہوا کی صورت میں تبدیل شدہ برف!! ——— مگر نگاہوں کو تو وہ ایسا نظر آتے تھے جیسے آگ میں جھلسی ہوئی لاش ——— اور جب کبھی وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو جنبش دیتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے چند ہڈیاں آپس میں دھوئیں کے باریک دھاگوں سے بندھی ہوئی ہیں۔ اُن کی ڈراؤنی کھوپڑیوں کے نیچے آنکھوں کے بھیانک حلقوں میں ذرا انگارے سے حرکت کرتے معلوم ہوتے تھے۔ اور اُن کی ناک کے خالی گڑھوں کے پاس ہونٹ بالکل غائب ہو چکے تھے۔ صرف چند بڑے بڑے دانت دہشت انگیز طور پر یہ بتا رہے تھے کہ اس جگہ کبھی اُن کا منہ تھا۔

یکایک ایک مُردے نے جو سب سے زیادہ بھیانک ہنسی ہنستا تھا ڈراؤنے انداز میں مسکرا کر اپنے نزدیک بیٹھے ہوئے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا:۔

"یوں چُپ چاپ کب تک بیٹھے رہوگے؟ کیا زندگی کی نیند کا خمار اس قدر شدید ہے کہ جاگنے کے بعد بھی ہمیشہ ستاتا رہے؟"

کسی نے نزدیک ہی سے کہا ——— کیا بکتے ہو؟ زندگی ایک حماقت تھی اور اب اس حماقت پر ہنسنے کا زمانہ ہے۔ تم ابھی تازہ وارد ہو اور مُردوں کے احساسات کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے!

پہلے مُردے نے ایک قہقہہ بلند کیا اور بولا ——— "زندگی ——— ایک حماقت! (ہا ہا ہا) ——— حماقت!! (ہا ہا ہا) ——— خیر چھوڑو اس تذکرے کو ——— ہاں آج رات آپ بیتی سنانے کی باری کس کی ہے؟"

کسی نے کہا ——— جان بوجھ کر ایسا سوال کر رہے ہو؟ زندگی کی دروغ پسندی ابھی تک تمہاری کھوپڑی سے نہیں نکلی؟ ——— آج تمہارا ہی تو نمبر ہے"

بھیانک نو وارد مُردے نے قبر کی مٹی پر اپنی نشست درست کرتے ہوئے کہا ——— "اچھا تو سُنو! ——— مگر میری زندگی کی حماقت پر اُس وقت تک ہنسنا نہیں جب تک یہ داستان ختم نہ ہو جائے کیونکہ اس میں لغویت کے ساتھ ساتھ وہ شے بھی شامل ہے جسے تم اپنی حیات میں "سوز و درد" کہا کرتے تھے"

سب بولے ——— "ہمیں زندگی کی اصطلاحات اور جذبات مت یاد دلاؤ۔ انہیں خود سے وابستہ محسوس کر کے ہمیں اب شرم آتی ہے"

نو وارد مردہ بولا ——— "اچھا یہی نہ سہی! پہلے تم سب میرے ایک سوال کا جواب دو"

"کیا؟"

"کیا تمہیں یاد ہے کہ "بیوی" کسے کہتے ہیں؟"

کچھ دیر کے لئے سکوت چھا گیا۔ اگر مُردے سوچ سکتے ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ سوچ رہے تھے اور اُن کی خشک کھوپڑیوں میں قوت فکر ہڈیوں سے ٹکریں سی کھاتی پھر رہی تھی۔

چند منٹ کے بعد کوئی بولا ——— "بیوی؟ ——— بیوی شاید ایک عورت کا نام تھا"

دوسرے نے کہا "ہاں عورت ——— نوکروں کی طرح خدمت کرنیوالی"

"اور شیطان کی طرح ورغلانے والی"

"نہیں! معصوم فرشتے کی طرح بے لوث پرستش کرنے والی"

"مگر ایک مجسم کمزوری بھی"

"اجی نہیں ـــ پہاڑ کی طرح مستقل"

"بیشک! ـــ اور دُنیا کی سب سے زیادہ مظلوم ہستی"

"ایک خوبصورت پھُول جسے صرف مسلنے کیلئے توڑا جائے"

"اور ...."

"بس بس" نووارد مُردے نے اپنے سوکھے ہوئے پاؤں پر کھڑے ہوتے ہوئے ذرا بلند آواز سے کہا "معلوم ہوگیا کہ تمہیں کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ آؤ میں بتاؤں۔ بیوی کہتے ہیں اُس عورت کو جو مذہبی احکام کے ماتحت شاید تم سب کو شریک حیات بنا دی گئی تھی اور جو تم سے پہلے مرگئی یا ابھی زندہ ہے"

سب مُردے نہایت غور سے سُنتے رہے۔

نووارد نے پھر کہا ـــ اور غالباً تمہیں یہ ضرور یاد ہوگا کہ بہن کسے کہتے ہیں؟"

تقریباً سب کے سب بولے ـــ ہاں بہن کو ہم سمجھتے ہیں۔

ـــ تم آگئے کہو"

پہلا مُردہ بولا ـــ بس ایک سوال اور باقی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم کسی عورت کو بہ یک وقت بیوی بھی کہو اور بہن بھی؟"

"کیا پاگل ہوگئے ہو؟" سب نے کہا۔

"نہیں" نووارد مردہ بولا "مرنے کے بعد کوئی پاگل نہیں ہوتا ـــ البتہ زندگی میں تمہاری طرح میں خود بھی اپنے آپ کو کبھی کبھی پاگل ہی سمجھنے لگتا تھا۔ زمین و آسمان کے شدید تضاد کی طرح بیوی اور بہن بھی دو متضاد چیزیں ہیں اور کوئی احمق سے احمق انسان بھی ان کو یکجا کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ لیکن آپ نے میری حماقت کہیں یا ایثار کہ میں نے زرینہ کو ایک ہی وقت میں اپنی بیوی اور بہن بنا رکھا تھا۔ آج سے اٹھائیس سال پہلے یہ عجیب غریب کیفیت کچھ اس طرح پیدا ہوئی کہ اس وقت کے ناخوشگوار اور غمناک ... حالات میں بھی ایک قسم کی دلچسپی اور جاذبیت پائی جاتی ہے۔

میری عمر تیس برس کی تھی ـــ گویا پورا شباب ـــ لیکن ایک فلسفی کے شباب کے متعلق بہت کم لوگ صحیح اندازہ قائم کرسکتے ہیں۔ فطرت کی عطا کردہ اُمنگیں اور ولولے میرے دل میں بھی تھے اور فلسفہ کی خشک فضا میں بھی حُسن میرے لئے ایک معنی خیز حیثیت رکھتا تھا لیکن صرف اس حد تک کہ میری تیز آنکھیں دُور ہی سے اُسے دیکھتی رہیں اور بس۔

میں نے سینکڑوں کتابوں میں پڑھا تھا کہ "عورت ایک ناقابل حل معمہ ہے" اور یہ قول ایسے ایسے مشاہیر کا تھا جن کے متعلق غلطی و لغزش کا شائبہ بھی نہ تھا لیکن پھر بھی ایک نوجوان فلسفی کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوجانا غیر فطری نہ تھی کہ ہر ممکن طریقہ سے عورت کی فطرت کی گہرائیوں کا مطالعہ کیا جائے۔

اس خواہش کے زیر اثر میں ایسے مقامات پر اکثر جاتا تھا جہاں عورتوں کی آمد و رفت کثرت سے جاری ہو مثلاً ہنگامہ پرور شاہراہیں ـ پارک اور دیگر تفریح گاہیں۔

ان دنوں میری نظر ـ ـ ـ نامی ایک پارک پر لگی تھی۔ وہاں عورتیں بہت کثرت سے آتی تھیں جن میں زیادہ تعداد اُن شریف آوارہ عورتوں کی ہوتی تھی جن کا مقصد اپنا حُسن فروخت کرکے زندگی خرید لینا ہوتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ پارک ہی وہ واحد جگہ تھی جہاں مجھے عورت کی متنوع فطرت کے مطالعہ کا موقع مل سکتا تھا۔

ایک شام حسب معمول میں وہاں گیا۔ چاروں طرف رنگ برنگ لباس پہنے ہوئے عورتیں تتلیوں کی طرح اڑتی پھر رہی تھیں اور پارک کی فضا قہقہوں اور رسیلی آوازوں سے معمور تھی۔

میں نے پارک کے ایک گوشے میں ایک نوجوان لڑکی کو غم انگیز انداز میں کھڑے ہوئے دیکھا اور مجھے تعجب ہوا کہ وہ کیوں اس رنگین فضا میں اس قدر خراب لباس پہن کر آئی ہے۔ اس کے کپڑے اس قدر غلیظ اور دریدہ تھے کہ وہ بظاہر کوئی بھکارن معلوم ہوتی تھی ـــ مگر یہ جگہ بھکارن کے لئے نہ تھی!! ـــ میں اُس کی طرف قدرے بڑھا اور ایک گہری نظر اُس پر ڈالی۔ جوانی کے گلابی نقوش کی جگہ زردی و اُداسی ـــ بڑی بڑی آنکھوں میں خوف۔ حیرت اور الم کے گہرے اثرات ـــ بال لانبے اور سیاہ ہونے کے باوجود تیل اور شانہ سے محروم ـــ پاؤں میں پھٹے ہوئے سلیپر اور ہاتھوں میں صرف ایک فرسودہ چوڑی۔

میں سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟ یہاں کیوں آئی ہے ـــ شاید بھیک مانگنے ـــ یا شاید وہ دیوانی ہو!! ـــ سوچتا سوچتا میں اس کے قریب پہونچ گیا اور جب اس نے مجھ سے آنکھیں چار کیں تو میں نے دیکھا اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ چہرے پر عجیب قسم کی گھبراہٹ تھی، اور آنکھوں میں یاس و بیم ـــ میں نے چاہا کہ واپس لوٹ جاؤں لیکن اس کی قابل رحم حالت نے میرے پاؤں کی قوت سلب کرلی۔ ایک ساعت کے بعد میں بالکل اس کے پاس کھڑا تھا۔

"تم کون ہو؟" میں نے پوچھا۔

میرا سوال شاید اُس کے واسطے غیر متوقع تھا۔ وہ چونک پڑی اور میری صورت دیکھ کر اس قدر سہم گئی گویا کانپ کر گر جائے گی۔

میں نے پھر پوچھا ——— "تم کون ہو؟ ——— یہاں کیوں کھڑی ہو؟"

اس کے جواب میں اسکے لبوں کو ہلکی سی جنبش ہوئی مگر وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ الفاظ آواز بننے سے پہلے فنا ہو گئے تھے۔

میں نے ذرا جھنجھلا کر کہا ——— "بولتی کیوں نہیں تم؟"

اُس نے آنکھیں جھکا کر لرزتی ہوئی آواز میں بمشکل کہا ——— "یہ آپ کیوں پوچھتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اس پارک میں زیادہ تر کون عورتیں آتی ہیں اور یہاں اُن کے آنے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟"

"یہ سب کچھ میں جانتا ہوں" میں نے کہا۔ وہ پھر خاموش ہو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اپنا حقیقی حال بتانا نہیں چاہتی یا بتاتے ہوئے خوف محسوس کر رہی ہے۔

"میرے ساتھ آؤ" میں نے اسے بنچ کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے جھجک کر ایک قدم اُٹھایا اور پھر کھڑی ہو گئی۔

"ڈرو نہیں! میں تمہارے کام آ سکتا ہوں" میں نے ہمت دلائی۔

ہم دونوں کچھ دُور آگے بڑھے اور ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ اس طرف آس پاس کوئی نہ تھا اور چہل قدمی کرنے والے دوسری طرف ایک بازیگر کے تماشے کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے اس مرتبہ پھر گہری نظروں سے اُسے دیکھا۔ وہ حسین تھی مگر اُس کی آنکھوں کے شرمیلے جھکاؤ اور رخسار کی حیا انگیز سُرخی سے ظاہر تھا کہ اُسے اپنے حُسن کو اس شرمناک مقصد کے واسطے استعمال کرنے کا موقعہ آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ میں نے نرم لہجے میں اُس سے پھر وہی سوال کیا۔

"اب بتاؤ تم کون ہو اور یہاں اس طرح کیوں کھڑی تھیں؟"

"میں ایک بہت غریب لڑکی ہوں" وہ بولی "اور میں ..."

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ میں نے ٹوکا ——— "چُپ کیوں ہو گئیں۔ کہو کیا کہتی تھیں"

"کچھ نہیں۔ یوں ہی آئی تھی"

"غلط ——— تم اور کچھ بھی تو کہنے والی تھیں"

"نہیں تو" وہ صریح جھوٹ بولی

میں نے ذرا فہمائش کے انداز میں کہنا شروع کیا ——— "دیکھو! میں سمجھتا ہوں کہ تم بلاوجہ یہاں نہیں آ سکتیں۔ تم شریف معلوم ہوتی ہو اور ویسے بھی لڑکی ہو ——— عورت نہیں ——— تم یقیناً یہاں کسی خاص وجہ سے آئی ہو ورنہ ...."

"مجھے جانے دیجئے" لڑکی نے سہمی ہوئی ہرنی کی طرح میری طرف دیکھ کر کہا۔ وہ اپنی شخصیت کے راز کو پوشیدہ رکھنے اور ظاہر کرنے کی دو متضاد کوششیں کر رہی تھی۔

میں نے کہا ——— "تم جب چاہو جا سکتی ہو۔ میں تمہیں کیوں روکنے لگا لیکن اگر اس جگہ تمہارے آنے کا مقصد ایسا ہے جس میں ایک شریف انسان تمہاری مدد کر سکے تو کہو"

وہ خاموش رہی جیسے کسی گہرے سوچ میں کھوئی ہوئی ہو۔ اور پھر یکایک میں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھیں رونے کے واسطے چھلک رہی تھیں۔ اُس نے پہلی بار میری طرف پوری نظریں اُٹھائیں اور دو آنسو بہتے ہوئے اُس کے نیلگوں دامن میں جذب ہو گئے جیسے موتی کیچڑ میں گر جائیں ——— میں نے احساسات کی شدت میں لرزتی ہوئی آواز سے کہا ———

"روتی کیوں ہو؟"

"میری ماں بیمار ہے۔ لوگ کہتے ہیں وہ مر رہی ہے۔ اور مجھے بھیک بھی نہیں مل سکی" اُس نے کہا۔

"پھر؟" میں نے پوچھا۔

"میں اُسکے لئے دوا لینے آئی تھی"

"دوا؟ یہاں پارک میں؟"

"جی ——— جی ....." لڑکی گھبرا کر بولی۔

"شاید تمہیں کوئی خوف ہے" میں نے نرم آواز میں کہا۔

"نہیں" وہ بولی اور ایک لمحہ توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔ "میری ضعیف ماں بستر مرگ پر پڑی ہے اور میرا چھوٹا بھائی تین وقت سے بھوکا ہے"

"اور ——— اور ——— تمہارا باپ؟" میں نے ہچکچاتے ہوئے دریافت کیا

"میری ماں بیوہ ہے"

"اوہ!" میں نے کہا "اب میں سمجھ گیا ——— لیکن ....

اچھا خیر تم میرے ساتھ آؤ ——— میرا گھر قریب ہی ہے"

یہ کہہ کر میں کھڑا ہو گیا اور وہ بھی گردن جھکائے میرے ساتھ ہو لی۔ جب میں اپنے مکان پہنچا تو وہ دروازے پر کچھ رُک گئی ——— جھجکی اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی ——— "زیادہ دیر تو نہ ہو گی؟ ——— میری ماں .... آہ .... میں اُسے بخار میں بیہوش چھوڑ کر آئی تھی"

"نہیں کچھ دیر نہیں — بلکہ تم اسی جگہ کھڑی رہو میں ابھی آتا ہوں"
یہ کہہ کر میں تو اندر آگیا اور وہ حیرت بھری آنکھوں سے میری طرف ٹکٹکی باندھے اپنی جگہ کھڑی رہی۔ میں نے بکس میں سے پانچ روپے کا نوٹ نکالا اور باہر آکر اُس کے حوالے کیا۔ وہ نوٹ کی صورت دیکھ کر پہلے تو سہم گئی میری طرف مشتبہ نظروں سے دیکھا اور پھر خوشی خوشی ایک طرف کو چل دی۔ میں نے چلتے وقت اُس سے اتنا اور کہا کہ اگر پھر ضرورت ہو تو بے تکلف یہاں آجائے۔

اُس نے مُڑ کر مجھے دیکھا۔ اُسکی ایک نظر میں لاکھوں دعائیں تھیں۔

تیسرے دن میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا کہ وہ پھر آئی۔ مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں میں اُس کا نام پوچھنا بھول گیا۔ اب میں نے آتے ہی پوچھا — "تمہارا نام کیا ہے؟"

"زرینہ" وہ بولی

"اچھا تو کہو تمہاری اماں اب کیسی ہیں؟"

"پہلے سے کچھ اچھی ہیں لیکن . . . . ." وہ جملہ پورا کئے بغیر چپ ہوگئی

"ڈرتی کیوں ہو۔ جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو" میں نے کہا۔

"حکیم نے قیمتی دوائیں بتائی ہیں — یہ دیکھئے نسخہ"

اُس نے ایک زرد رنگ کا نسخہ میرے حوالے کیا۔ میں نے دیکھا واقعی زہر مہرہ اور مشک وغیرہ قیمتی ادویہ تھیں۔ میں نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر پھر پانچ روپیہ کا ایک نوٹ اُسے دیدیا اور وہ چلی گئی۔

اُس کے جانے کے بعد مجھے صدمہ ہوا کہ غریب کیسی جوانی کے عالم میں بیکس و بے زر ادھر اُدھر سڑکوں پہ ماری ماری پھرتی ہے۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے گمراہ و تباہ ہونے میں کیا کسر تھی۔ وہ جس تباہ کن ارادے کو لئے ہوئے پارک میں آئی تھی اُس کے پورا کرنے والوں کی کمی نہیں — آہ مفلسی!!! اور خودداری!!! — کون جانتا ہے کہ اس خونخوار عفریت نے کتنے معصوم انسانوں کو گناہ کے غار میں دھکیل دیا ہے۔ یکایک مجھے ایک اذیت انگیز خیال آیا اور تعجب ہوا کہ یہ خیال اب سے پہلے کیوں پیدا نہیں ہوا تھا۔ میرے موجودہ رویّہ کو دُنیا کی غلیظ نظریں یقیناً بدگمانی سے دیکھیں گی!! — لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اس خیال پر ہنس پڑا۔ فلسفی کی فطرت دُنیا کی بدگمانیوں کو ایک طفلانہ گستاخی سے زیادہ نہیں سمجھتی۔ میرا ارادہ پاک تھا اور ایک چٹان کی طرح مستقل — وہ میری بہن تھی۔ میں اُسے ہمیشہ کے واسطے بہن بنا چکا تھا"

نووارد مُردے نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور خاموش ہوگیا۔

شاید اُسے پھر کوئی زندگی کا باقی ماندہ احساس ستا رہا تھا۔ وہ جانے کب تک یوں ہی خاموش رہتا کہ مُردے بولے — "ہاں پھر کیا ہوا؟"

نووارد مُردے نے پھر ایک ہلکی سی آہ کی اور کہنا شروع کیا۔

—" کافی عرصہ گذر گیا۔ اس دوران میں وہ متعدد بار آئی اور امداد حاصل کر کے چلی گئی۔ اب تک میں نے اس سے صرف اتنا معلوم کیا تھا کہ وہ ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہے۔ ماں جس سے اُسے بے پناہ محبت ہے عرصے سے مریض ہے اور ایک چھوٹا بھائی جس کی عمر تقریباً آٹھ نو سال کی ہے بھوک بھوک کر کے رو تا رہتا ہے۔ کوئی وارث ہے نہیں کہ اُن کی خبرگیری کرے۔ فاقے پہ فاقے گذر جاتے ہیں اور مریض ضعیفہ کی دوا بھی نہیں آسکتی۔

ایک دن جب میں فلسفہ کی کوئی کتاب دیکھ رہا تھا وہ آئی۔ خلافِ معمول آج اُس کی حالت غمناک اور وحشت انگیز تھی۔ مجھے دیکھتے ہی رونے لگی اور جب میں نے دلاسا دے کر حالات پوچھے تو سسکیاں لیتے ہوئے اُس نے کہا — "ماں نے مجھے نکال دیا ہے"

"نکالدیا!! میں نے حیرت زدہ ہو کر کہا "کیوں؟"

"کہتی ہیں کہ تو . . . . . ." وہ پھر رونے لگی

"کہو کہو۔ مجھے وحشت ہوئی جا رہی ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کہتی ہیں کہ تو . . . . . آوارہ . . . . . ."

"آوارہ!!"

"جی ہاں" اُس نے پھٹے ہوئے کرتے کے دامن سے آنسو پونچھے — "کیا آپ بھی مجھے ایسا ہی سمجھتے ہیں؟"

"تم؟ — آوارہ؟؟ — کم از کم میری نظروں میں تو ایسا نہیں"

"میری ماں کہتی ہیں کہ تو آوارہ نہیں تو پھر اتنے پیسے خرچ کے واسطے کہاں سے آتے ہیں"

"تو تم نے سارا حال کیوں نہ کہہ دیا؟"

"کہا تھا — مگر وہ کہتی ہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا"

"کیسا ہو نہیں سکتا؟"

"یہی کہ کوئی غیر آدمی یوں ہی اتنے روپے بخشدیا کرے"

"واہ — یہ تو کوئی بات نہ ہوئی"

"میں کیا بتاؤں — وہ تو ہرگز اعتبار ہی نہیں کرتیں"

یہ کہہ کر زرینہ پھر رونے لگی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسکی تسلی کی تو اُس نے کہا — آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کو پارک میں ملی تھی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ میں اُس دن درحقیقت اسی غرض سے وہاں آئی تھی

ـــــ مگر میں اس کے علاوہ اور کیا بھی کیا سکتی تھی۔ میرا چھوٹا بھائی بھوک کے مارے مر رہا تھا اور ماں بے بیہوشی کے زبردست دورے پڑ رہے تھے۔ گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ بتائیے میں کیا کرتی۔ کیا اپنے بھائی اور ماں کو یوں ہی کتے کی موت مر جانے دیتی ـــــ میں یہ ایک بہت ہی خطرناک ارادہ کرکے آئی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو کچھ پیسے حاصل کروں خواہ .....“

”مگر اب کیا ہوگا؟“

”میں کیا بتاؤں کیا ہوگا۔ اماں ہرگز یقین نہیں کرتیں۔ انہوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ بالکل دوا استعمال نہ کرینگی اور ان پیسوں میں سے ایک بھی خود اپنی ذات یا بچے کے لئے خرچ نہ ہونے دینگی۔ انہوں نے ساری دوائیں پھینک دی ہیں۔ شیشیاں توڑ ڈالی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اس قسم کی شفا سے موت اچھی۔ انہوں نے میرا لایا ہوا کھانا بھی میرے معصوم بھائی کو دو وقت سے نہیں دیا۔ وہ چلاتا ہے اماں بھوک لگی ہے بھوک ـــــ مگر وہ کچھ نہیں سنتیں۔ اُن کا قول ہے کہ میں نے اُن کی مفلسی و خودداری کا خون کر دیا ہے اور اب وہ زندہ رہکر بدنامی کی موت مرنا نہیں چاہتیں“

میں نے پریشان ہو کر کہا ـــــ ”پھر وہ کس صورت سے اعتبار و یقین کر سکتی ہیں؟“

وہ قدرے سکوت کے بعد بولی ـــ ”ہاں وہ کہتی تھیں کہ ـــــ کہ ـــــ“

”توبہ توبہ! آخر یہ خوف و ہراس کیسا؟ ڈرتی کیوں ہو۔ جو کہنا ہے کہہ دو“ میں نے کہا۔

”کس طرح کہوں۔ آپ ناراض ہو جائیں گے“

”ناراض کیوں ہوں گا؟ اگر تم کہو تو میں خود تمہاری ماں کے پاس چلوں اور یقین دلاؤں کہ.....“

”نہیں نہیں ـــ ایسا ہرگز نہ کیجئے گا ورنہ آپ کو دیکھ کر وہ اور زیادہ برہم ہونگی“

”تو پھر کیا صورت ہے؟“

وہ کہتی ہیں کہ اگر تجھے اس گھر میں گھسنا ہے اور اپنی بدنامی کو چھپانا ہے تو......“

”بدنامی؟ ـ گویا کسی اور کو بھی تمہارے متعلق شبہ پیدا ہو گیا ہے“

”نہیں“ زرینہ بولی ”یہ بات نہیں۔ ابھی تک تو بات اماں تک ہی ہے لیکن اُن کا مطلب یہ ہے کہ ـــ یعنی مطلب....“ وہ جھجھک کر رہ گئی۔

”اچھا ـ میں سمجھ گیا“ میں نے اُسکا مفہوم سمجھ کر کہا۔

”جی ہاں“ وہ بولی

”ہاں تو پھر کیا کہا؟“

”کہنے لگیں کہ اگر اس گھر میں گھسنا ہے تو شادی کر لے!“

یہ کہتے کہتے زرینہ مارے شرم کے پانی پانی ہو گئی۔

”شادی!“ میں نے ذرا حیرت سے کہا۔

”جی ہاں“ وہ گردن جھکا کر بولی۔

”تو اس میں حرج ہی کیا ہے ـــ کر لو!“

”کر لوں؟ ـ کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟“ اُس نے انتہائی معصومیت کے ساتھ کہا۔

”جھوٹ اور سچ اس میں کیا ـــــ تم سیانی ہو ـ تنہا ہو شادی تو بہرحال تمہارے واسطے بہتر ثابت ہوگی“

زرینہ خاموش ہو گئی اور جانے کے لئے اُٹھی۔ میں اسے دروازے تک چھوڑنے گیا تو وہ رخصت ہوتے ہوئے بولی ـــــ ”کل میں اسی وقت آؤں گی۔ آپ کی رضا میرے لئے بہت ضروری ہے“ اتنا کہہ کر وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ وہ کہاں شادی کرے گی۔ شاید ماں کا کوئی عزیز ہو ـــ یا کسی اور سے محبت ہو ـــــ یا... بہرحال جو صورت بھی ہو لیکن ایک بھائی کی حیثیت سے مجھے بھی اسکی مالی مشکلات میں امداد کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس غریب کے پاس کیا دھرا ہے جو یہ تمام اخراجات برداشت کرے۔

جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا اس کی ماں ایک قدیم قسم کی دقیانوسی خیال کی رسم پرست عورت تھی اور جوان لڑکیوں کے متعلق اُس کا یہ خیال تھا کہ جس دن وہ گھر سے باہر قدم نکالیں فوراً گلا گھونٹ دو۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے یہ بدگمانی ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا تھا کہ اس کی نوجوان لڑکی نسائیت کی بلندی سے گر کر ذلت و گمراہی کی دلدل میں پھنس گئی ہے۔ اس بے عزتی اور بدنامی کو فوراً دبا دینے کے واسطے اُس کے خیال میں یہ چیز ناگزیر تھی کہ زرینہ کی شادی کر دی جائے اور شوہر کی شخصیت کے پردوں میں اُس کی خاندانی عزت محفوظ ہو جائے۔ اس کام کے واسطے کسے انتخاب کیا گیا تھا اس کے متعلق مجھے کوئی علم نہ تھا اور میں تو صرف یہ سوچ رہا تھا کہ بہن کی شادی میں بھائی کے کیا کیا فرائض ہوتے ہیں۔ میں نے ”اپنی پاس بک“ دیکھی۔ کل جمع سات روپیہ تھی۔ ”کافی ہے“ میں نے سوچا۔ میرا اپنا کوئی عزیز نہ تھا اور نہ کبھی

مجھے شادی ہی کرنا تھی - ارادہ کرلیا کہ حتی الامکان زرینہ کی شادی کو عام شادیوں سے کم ہنگامہ پرور نہ رہنے دوں گا۔

انہی تصورات میں دن گذر گیا - دوسرے دن وہ اپنے وقت پر آئی - آج اُس کے چہرے پر مسرت کے آثار ہویدا تھے - میں نے پوچھا ـــ "کہو زرینہ تمہاری اماں کے غصہ کا کیا حال ہے ؟"

"بہت خفا ہیں" وہ بولی "سچ کہتی ہوں مجھ میں تو اُن سے آنکھ ملانے کی بھی ہمت نہیں"

"عجیب وہمی عورت ہیں !"

"بالکل بخبتہ" وہ قدرے خوش طبعی سے بولی -

"ہاں تو تم نے اپنے ہونے والے دولھا کو دیکھ بھی لیا؟" میں نے مذاق کیا - میرے سوال پر وہ شرما گئی اور کنکھیوں سے میری طرف دیکھنے لگی -

"اُس کا نام کیا ہے ؟" میں نے پوچھا -

"رہنے بھی دو !" وہ تنک کر بولی -

"کیوں ؟" میں نے حیرت سے کہا -

"کیوں" اُس نے بچوں کی طرح مُنہ چڑا کر میرے سوال کو دہرایا - مجھے تعجب ہونے لگا کہ وہ کیوں اسقدر شرما رہی ہے -

"بتاؤ زرینہ" میں نے سنجیدگی سے کہا "اپنے ہونے والے شوہر کے متعلق مجھے مفصل بتاؤ - تاکہ میں تحقیقات کرلوں کہ وہ کیسا آدمی ہے"

"کیوں مذاق کرتے ہو !" وہ بدستور تنک کر کہنے لگی -

"مذاق کی اِس میں کیا بات ہے - کم از کم اس کا پتہ - نام - وغیرہ وغیرہ"

"نام ؟" وہ خوش طبعی سے بولی "اسکا نام مجھے ابتک معلوم نہیں"

"معلوم نہیں ؟ ـــ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم اتنا بھی نہ جانتی ہو ؟"

"چھوڑو اس مذاق کو" اُس نے کہا -

"اچھا تم نہ بتاؤ گی" میں نے ذرا مُنہ بنا کر کہا "میں خود تمہاری ماں سے پوچھ آؤں گا -"

"تم کس طرح پوچھ آؤ گے ؟"

"اچھی طرح ـــ آج ہی تمہارے ساتھ چل کر"

"میرے ساتھ چل کر ؟"

"ہاں ـــ اس میں حرج ہی کیا ہے ؟"

"حرج تو کچھ نہیں لیکن تم جانتے ہو اماں ٹھیریں پکی قسم کی وہمی ـــ اگر شادی سے پہلے ہی اُن کے سامنے دولھا دولہن دونوں ......"

"دولھا دولہن ؟"

"ہاں"

"دولھا دولہن کون ؟"

"تم اور میں ......"

"میں ! ؟" میں نے لرز کر کہا - وہ مسکرا کر میری طرف دیکھنے لگی -

"کیا مطلب ہے تمہارا - آخر صاف کیوں نہیں کہتیں ؟" میرے لب و لہجہ میں غیر معمولی سختی پائی جا رہی تھی - وہ سہم گئی میری طرف خوف آلود نظروں سے دیکھا اور کہنے لگی --- "آپ ہی نے تو کہا تھا"

"میں نے کیا کہا تھا ؟"

"شادی کو !"

"شادی کو ؟ ـــ تمہاری شادی کو ہی تو کہا تھا !!"

"جی ہاں"

"تو پھر ؟ تم یہ کیا کہہ رہی ہو کہ میں اور تم ......"

"تو اور کیا کہوں ؟" وہ بولی "آخر آپ ہی تو ......"

"میں ! ـــ کیا تم نے میرے ساتھ شادی کرنے کو کہا تھا ؟"

زرینہ خاموش ہو گئی - میرا دماغ ہوائی جہاز کے پنکھے کی طرح چکر کھا رہا تھا - میں نے تو شادی کی اجازت دی تھی اور وہ سمجھی کہ مجھے دولھا بننا منظور ہے - غضب خدا کا ـــ بھلا میں اس سے شادی کیونکر کر سکتا تھا - میں نے اُسے بہن بنا لیا تھا اور سمجھتا تھا کہ وہ بھی مجھے بھائی سمجھتی ہے - مگر ....

میں اس کے قریب تر ہو گیا - ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ رونے لگی - میں بیتاب ہو گیا اور بولا ـــ روتی کیوں ہو زرینہ ؟ بھلا میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ میں تم سے خود شادی کروں گا - تم تو میری بہن ہو ـــ بہن ـــ"

"بہن !" اُس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "تو پھر تم نے مجھ سے کس کے ساتھ شادی کو کہا تھا ؟"

"میں تو یہ سمجھا تھا کہ تمہاری ماں نے تمہارا رشتہ کیا ہو گا"

بڑی مشکل سے وہ چپ ہوئی اور جب میں نے اُسے یقین دلایا کہ میں اُسے بہن کے علاوہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا تو وہ کہنے لگی ـــ "پھر تو میں گھر میں قدم بھی نہ رکھ سکوں گی - اماں تو یہی کہتی ہیں کہ تم سے شادی ہو جائے کیونکہ ......"

"اُف !" میں گھبرا کر بولا "کیا اُن کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں تباہ کرنے والا میں ہوں ـــ تمہارا بھائی ؟؟"

"جی ہاں ـــ وہ کہتی ہیں اور اسقدر ضد پر تلی ہیں کہ توبہ"

میں خاموش ہو گیا - معاملات انتہائی نازک و لاینحل صورت

اختیار کر چکے تھے۔ زرینہ ماں کی محبت میں اندھی تھی۔ وہ اُسے موت سے بچانے کے لئے انتہائی خطرناک کام پر آمادہ تھی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ میں اُس کی ماں کی اس احمقانہ ضد کو پورا کر کے اپنی ساری زندگی کو تباہ کر ڈالوں؟ میں نے چند لمحہ توقف کیا اور پھر نہایت سنجیدگی سے بولا ـــ

"سنو زرینہ! میں خوش قسمتی یا بد قسمتی سے فلسفی مشہور ہوں اور یقیناً میں اپنی ساری زندگی کو علمی مشاغل کے واسطے صرف کرنے کا عزم راسخ بھی کر چکا ہوں۔ ان اُمور کے مدنظر غالباً یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ میں کسی عورت کو بھی بیوی بنانا گوارا نہیں کر سکتا۔ میرا پختہ اعتقاد و خیال ہے کہ شادی صرف نام کی شادی ہے ورنہ در حقیقت اس کے دامن میں بربادی ہی بربادی ہے۔ پھر تم میرے واسطے عورت بھی ہو اور بہن بھی۔ اگر میں اپنے علمی مشاغل کی تباہی کو گوارا بنا کر اپنے تمام خیالات کے خلاف تم سے شادی کر لوں تو یہ خدا سے بغاوت ہوگی۔ میرا دُنیا میں کوئی نہیں۔ میں نے تمہیں بہن بنا کر اپنا سمجھا تھا مگر سماج کا جھوٹا خوف تمہاری ماں کو مجبور کر رہا ہے کہ چاہے خدا سے ہی بغاوت کرنا پڑے مگر سماج کے اندر اُس کی عزت رہ جائے اور میں تمہیں بہن سمجھتے ہوئے بھی بیوی بنا لوں۔ خدا کے لئے اپنی ماں کو یہ تمام امور سمجھاؤ اور اگر مناسب سمجھو تو مجھے اجازت دو کہ میں رو رو کر انہیں حقیقت کی طرف متوجہ کروں"

"خیر۔ رہنے دیجئے!" زرینہ آنسو پونچھتے ہوئے اُٹھی اور چلنے لگی۔

"اماں سے جا کر کیا کہو گی؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں" وہ بولی۔

"آخر وہ پوچھیں گی نہیں کہ کیا بات ہوئی؟"

"میں گھر نہیں جا رہی ہوں"

"تو اور کہاں جا رہی ہو؟"

"یوں ہی ـــ کہیں چلی جاؤں گی"

"یوں ہی کہیں ـــ آخر مطلب؟"

"کہیں جا کر مر جاؤں گی ـــ ماں کے سامنے کس طرح جا سکتی ہوں"

میں پھر خاموش ہو گیا۔ واقعات کی پیچیدگی نے میری تمام فلسفیانہ عقل و خرد کو منتشر کر دیا تھا ـــ یکایک میرے ذہن میں ایک انتہائی غیر معمولی و حیرتناک خیال پیدا ہوا اور دوسرے ہی لمحہ میں خوشی سے اُچھل پڑا۔ کیا واقعی ایسا ہو سکتا تھا۔ میں نے زرینہ کے اُداس چہرے کو دیکھا اور مسکراتا ہوا بولا ـــ "میں شادی پر تیار ہوں زرینہ!"

اُس نے مجھے بالکل اس طرح دیکھا گویا دیوانی ہو گئی ہے اور نہایت آہستہ سے اُسکے ہونٹوں کو حرکت ہوئی "آپ تیار ہیں؟!"

"ہاں" میں نے کہا "مگر ایک شرط پر"

"شرط؟"

"ہاں ایک شرط ہے"

"کیا؟"

"کیا تم اس پر تیار ہو کہ شادی کے بعد بھی بالکل اسی طرح رہو جس طرح بھائی کے ساتھ بہن رہتی ہے؟" اُس نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر بولی ـــ "میں تیار ہوں!"

یہ اُس نے صرف اس لئے منظور کیا تھا کہ اس کا مقصد تو ماں کے سامنے محض شادی شدہ ہونا تھا خواہ اس کے بعد کوئی صورت پیش آئے۔"

نو وارد مُردہ پھر چُپ ہو گیا۔ قبرستان میں سنّاٹا تھا اور آسمان پر پچھلی رات کے ستارے آنکھیں جھپکا رہے تھے۔ قدرے سکوت کے بعد ایک کسی ساتھی نے کہا ـــ ہاں کہے جاؤ ـــ وقت کم رہ گیا ہے اور اس کہانی کو ختم کئے بغیر چھوڑ دینا اچھا معلوم نہیں ہوتا"

نو وارد مُردہ بولا ـــ پھر ہماری شادی ہو گئی۔ بہن کی جگہ بیوی۔ آسمان کی جگہ زمین آگ کی جگہ پانی اور مشرق کی جگہ مغرب نے لے لی"

مُردے بولے ـــ "اور پھر؟"

آپ بیتی سُنانے والے مُردے نے کہا ـــ پھر کیا ـــ پھر میں مر گیا ـــ تین سال تک ہم ظاہر میں زن و شوہر کی طرح رہتے رہے مگر در حقیقت وہ میری بہن تھی اور میں اُس کا بھائی ـــ کبھی کبھی وہ میری قبر پر اب بھی آتی ہے ـــ تنہا ـــ سوگوار ـــ اور بھیا کہہ کر بے اختیار قبر سے لپٹ جاتی ہے"

مُردوں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ان میں سے کوئی بولا۔

ـــ بس آج سے یہ رات کی کہانیاں بند کر دو۔ دُنیا والوں نے زندگی کو اپنے بیہودہ قوانین و رسوم کے ہاتھوں اس درجہ مسخ کر دیا ہے کہ اب اُس کی داستانیں بھی ناگوار محسوس ہوتی ہیں"

"سچ کہتے ہو" کسی دوسرے مُردے نے کہا۔

اور پھر سب کے سب قبرستان کی دہشت ناک تاریکی میں تحلیل ہو گئے۔ اب وہاں صرف قبرستان کی بھیانک ظلمت تھی اور آسمان پر ایک بڑا سا ستارہ ٹوٹا ہوا جا رہا تھا۔

مسعود جاوید

~~~~~ ✱ ~~~~~
~~~~~

از مسٹر طفیل احمد خاں سلطان پوری

اِک جوئبار سیمیں خاموش بہہ رہا ہے
برسا رہی ہے گردوں سے چاندنی روپہلی
ہے مرتعش فضا میں جنگل کی گنگناہٹ
مرغاب کے ترانے فردوس گوش ہو کر
خودرو گلوں کی بو میں مہکی ہوئی ہوائیں
ساحل کی جھاڑیوں کو بیدار کر رہی ہیں
لہروں سے کھیلتی ہیں مہتاب کی نگاہیں
پھولوں کی سرزمیں میں شبنم اتر رہی ہے
خوابیدہ اشکِ انجم سبزے کے فرش پر ہیں
نغمے تڑپ رہے ہیں مہتاب کی کرن میں
ارض و سما پہ گہری موسیقیت ہے طاری،
فردوس کے دریچے جنت کے در کھلے ہیں
آغوشِ نیم شب میں فطرت مچل رہی ہے
اس رات کے سمے میں جوبار کے کنارے
سبزے پہ بیٹھا بیٹھا کچھ گنگنا رہا ہوں
انجم کی آنکھ تابِ پرواز دے رہی ہے
پودوں سے جھانکتا ہے اِک نوشگفتہ غنچہ
خاموش بہہ رہے ہیں میرے لطیف نغمے
سینے میں اُمڈ رہے ہیں جذبات کے بگولے
اِک تیز سی حرارت رگ رگ میں دوڑتی ہے
آغوشِ رنگِ گُل میں شبنم کا مسکرانا
چھینی ہوئی ہے دل سے ماضی کی یاد رنگیں
کانوں میں آ رہی ہے پیہم صدائے ماضی
جیسے سکوتِ ساحل میں بحر کا تلاطم،
یا رات کے سکوتِ کامل میں آسماں سے
کچھ زیرِ لب سکوتِ ساحل سے کہہ رہا ہے
خاموش چوٹیوں کے ماتھے کی شوخ بندی
ساحل پہ دھیمی دھیمی موجِ رواں کی آہٹ
رگ رگ میں دوڑتے ہیں سوزِ خموش ہو کر
مثلِ نگاہِ مہوش بہکی ہوئی ہوائیں
پتّوں کو گدگدا کر سرشار کر رہی ہیں
ہر موج میں رواں ہیں سیّال جلوہ گاہیں
کلیاں چٹک رہی ہیں فطرت سنور رہی ہے
بکھرے ہوئے یہ موتی یا سطحِ عرش پر ہیں
بربط سا بج رہا ہے تاروں کی انجمن میں
ہر ذرّۂ جہاں پہ اِک محویت ہے طاری
تعظیمِ شب کی خاطر بابِ سحر کھلے ہیں
مرہونِ پارسائی نیت بدل رہی ہے
بیخود بنا رہے ہیں دل کو حسیں نظارے
تخئیل کے سہارے گردوں پہ جا رہا ہوں
مجھکو مری جوانی آواز دے رہی ہے
رخشاں ہو آسماں پر جیسے سحر کا تارا
بدمست چاندنی کی موجوں پہ دھیرے دھیرے
دل کھا رہا ہے پیہم طوفان کے جھکولے
پوشیدہ ہر نفس میں پیغامِ زندگی ہے
کہتا ہے اِک "سنہری شب" کا مری فسانہ
چمٹا ہوا ہے جیسے لہروں سے عکس پروِیں
چہرے پہ حال کے ہے گویا ردائے ماضی
یا سُن رہا ہوں جیسے میں خواب میں ترنم
نغموں کے تیر برسیں رہ رہ کے چنداواں سے

اے کاش یہ فضائیں ہو جائیں جاودانی
آغوش میں چھپا لے مجھکو حسینِ ماضی

(خاص)

افسانہ عام طور پر لوگ اسی کو کہتے ہیں جس میں کوئی قصہ بیان کیا گیا ہو اور اس قصے میں کسی خوش نصیب یا بدقسمت کے عشق و محبت کی آپ بیتی ہو اور بس۔

درانحالیکہ افسانہ ایک ایسا لطیف ادب ہے جو دلگداز ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ اور دلفریب بھی ہے اور دلوں کو سخت پتھر اور موم کی طرح نرم بھی بنا دیتا ہے

کوئی افسانہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اگر انوکھا ہے تو انسان کو دنیا کے بڑے مصائب جھیلنے اور انقلاب پالینے کی قوت بھی بخشتا ہے۔

بدقسمتی سے اردو زبان میں اس فن کو ابھی تک معراج نصیب نہیں ہوئی۔ ایک مغربی افسانہ نگار سٹلنگ فلیٹ نے افسانے کی تعریف میں لکھا ہے۔ کہ

"دل کو خوش کرنے کے لئے کہانی سیچی، برمحل، مختصر اور انوکھی ہونی چاہئے۔

افسانے میں ان چند خصوصیات کا ہونا ضروری ہے۔

طرزبیان۔

کردارنگاری اور پلاٹ۔

طرزبیان ہی افسانے میں ایسی قوت ہے جو پڑھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔

طرزبیان جسقدر بہتر ہوگا پڑھنے والا اسی قدر لطف اٹھائیگا۔ اگر کسی افسانے کا طرزبیان جاذب توجہ ہے اور کردارنگاری یا پلاٹ کمزور ہے تو بلاشبہ افسانہ فنی اعتبار سے گراہوا سمجھا جائے گا۔ لیکن دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

طرزبیان کے بعد افسانے میں دوسرا درجہ کردارنگاری کا ہے کردارنگاری، یعنی ہر کردار کو اسکے فطری رنگ میں پیش کرکے کیریکٹر کو نمایاں کرنا تاکہ پڑھنے والے پر کردار کی برائی یا بھلائی کا اثر مرتب ہوجائے اور پڑھنے والا اپنے آپ کو اسی فضا اور ماحول میں سانس لیتا ہوا محسوس کرنے لگے۔ لیکن

کردار کو نمایاں کرنے کے لئے مکالموں کو دلچسپ بنانا نہایت ضروری ہے۔ دلکش طرزبیان کے علاوہ افسانے میں پلاٹ اور کردارنگاری بھی ہو تو حقیقت یہ ہے کہ افسانہ "افسانہ" بن جاتا ہے۔

باعث مسرت ہے کہ جب سے فلمی دنیا میں ترقی کے آثار پیدا ہوئے ہیں افسانوں کے اکثر پلاٹ اور مکالموں کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن یہ چیز ابھی صرف انہی حضرات کے لئے مخصوص ہے جو خصوصیت سے فلم کمپنیوں کے لئے افسانے لکھتے ہیں

کسی ملک یا قوم کے رسم ورواج کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک جماعت یا حصے کے لئے مخصوص ہے لیکن افسانے کے متعلق تو بغیر امتیاز قوم و ملک اور مذہب و ملت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ہر جگہ رائج ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس لطیف فن نے ملک، وطن قوم اور اس کی تہذیب و معاشرت اور تمدن سے متاثر ہو کر ایک خاص راہ اختیار کرلی ہے۔

بعض زبانوں میں یہ فن ابھی ابتدائی منزل پہ ہے اور بعض میں منزل سے آگے، لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ جس زبان میں اس فن نے ایک خاص صورت اختیار کرلی ہے وہ ہمیشہ اسی پر قائم رہے۔ بلکہ اس کے ہر انقلاب سے خواہ وہ معمولی ہو یا غیرمعمولی متاثر ہونا یقینی ہے

ہر افسانہ اپنے زمانے کا آئینہ ہوتا ہے۔ جس طرح شاعر کا کلام اسکے دور کی تاریخ ہوتا ہے۔ کیونکہ شاعر اپنے دور کا نقشہ اگر اپنے کلام میں پیش کرتا ہے تو افسانہ نگار اپنے افسانوں میں اپنے زمانے کی تمدنی اور معاشرتی زندگیوں کی تاریخ بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اگر شاعر

اپنے کلام کی قوت سے انقلاب کی ہوائیں چلا سکتا ہے تو ایک افسانہ نگار بھی ملی اور قومی زبوں حالی کا خاکہ بنا کر انسان کی سوتی ہوئی قوتوں کو جگا سکتا ہے۔

"افسانہ نگار اپنے زمانے کے حالات کا مصور ہوتا ہے" اس کے ثبوت میں "الف لیلہ" اور "فسانہ آزاد" نمونے کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔

"الف لیلہ" پڑھتے وقت ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اس میں جس دور کی تہذیب و معاشرت انسانی کا نقشہ پیش کیا گیا ہے وہ بلاشبہ صحیح ہے۔

بغداد کی شہری زندگی۔ خلیفہ وقت کی عظمت و بزرگی اور اس وقت کی تعلیم و تربیت غرض اس زمانے کی پوری جغرافیائی حالتیں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔

چونکہ ہماری قدیم خصوصیات کی خوبیاں ہماری زندگیوں سے معدوم ہو گئی ہیں۔ حالات بدل گئے ہیں اس لئے ہمارے افسانوں اور ناولوں میں بھی اب وہ باتیں نہیں نظر آتیں جو ایک قوم کی خصوصیات زندگی سمجھی جاتی ہیں اور اس کو دوسری قوموں کے مقابلے میں سر بلند کرتی ہیں۔

گستاخی معاف جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے میں یہ کہنے کا حق رکھتا ہوں کہ ہماری زبان کے افسانوں میں ابتک وہ امتیازی شان نہیں پیدا ہوئی جس پر ہم فخر کر سکیں۔

وہی "شاعرانہ کمزوریاں" وہی محبت کی ناکامیاں وہی ہجر اور وصال کے صدمات اور ان کی فرسودگیاں اور ہزار بار سنی ہوئی داستانیں ہیں جنہیں سنتے سنتے کان تھک گئے ہیں۔

اُردو زبان میں اس فن کی ترقی نہ کرنے میں جو وجہیں نظر آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ ہر مبتدی جب لکھنے بیٹھتا ہے تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ کوئی حسن و عشق سے لبریز داستان کاغذ پہ پھیلا کر رکھ دے درانحالیکہ وہ اس فن سے یکسر خالی ہوتا ہے لیکن وہ لکھتا ہے اور شہرت کی پیاس بجھانے کے لئے اسے چھپوا بھی دیتا ہے۔ اُردو کے تیسرے درجے کے اخبار اور رسالوں میں ایسے ہی افسانے شائع ہوتے ہیں۔

ترجمہ زبان اور ادب کی ترقی میں کسقدر معاون ثابت ہوا ہے اس پر کسی بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہمارے نئے لکھنے والے اس سے صحیح مصرف نہیں لیتے اور جو اس سے کام بھی لیتے ہیں تو عام طور پر غلطیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ناواقف فن افسانہ نگار جب کسی دوسری زبان کا ترجمہ کرتے ہیں تو ترجمے کی ان دو غلطیوں سے ان کا دامن ضرور داغدار ہو جاتا ہے زبان کی اور حذف و اضافے کی۔

حذف و اضافے کے متعلق عرض کروں گا کہ ترجمے کا نفع بخش نتیجہ اسی وقت برآمد ہوگا جب بغیر کسی قسم کے ردوبدل کے ترجمہ صحیح طور پر کیا جائے۔

لیکن ایسا بہت کم کیا جاتا ہے۔ گویا ہم دانستہ طور پر اصل مقصد کا گلا گھونٹ کر رکھ دیتے ہیں۔

مترجم صاحبان حذف و اضافے کی نزاکتوں کو محسوس نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا ادب پر کیا اثر پڑتا ہے۔

فرض کیجئے کہ کسی روسی زبان کے افسانے کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس افسانے میں روسی کردار ہیں۔ روسی معاشرت ہے اور روسی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بے نقاب کیا گیا ہے لیکن ہم اسے بدل کر ہندوستانی تہذیب کی دنیا کا نقشہ بنا دیتے ہیں ظاہر ہے کہ اصلیت کھو جائے گی اور وہ روسی افسانہ ہندوستانی بن کر رہ جائے گا۔

یہ ادب اور زبان میں اضافہ ہوا یا کچھ اور اس طرح ادب کے دامن کو بھی خالی رکھا گیا اور روسی رسم و رواج سے بھی پڑھنے والوں کو بے خبر بنا دیا گیا۔

ایک خرابی جو مرض کی طرح بڑھتی جا رہی ہے یہ ہے کہ عموماً ہمارے افسانہ نویس ایک ہی نام کو بار بار چبائے ہوئے لقمے کی طرح استعمال کرتے ہیں جس میں کوئی لذت ہوتی ہے نہ مزہ جیسے۔ رتن جمال۔ کملا۔ رمیش

حالانکہ کرداروں کے نام میں دو طرح کی خصوصیت پُر اثر ہوتی ہے اور ان کو اتنی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ شخصیت اندھیرے سے اُجالے میں آجاتی ہے۔ پہلی خصوصیت نام کی اچھائی۔ دوسری کردار میں مضبوطی۔ لیکن اس پر بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔

یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے افسانہ اور افسانہ نگاری پر ایک سرسری نظر ہے۔ نہ فنی بحث ہے نہ دورِ حاضرہ کی افسانہ نگاری اور افسانہ نگاروں پر تنقید و تبصرہ

ہاں اس سے مقصد یہ ضرور ہے کہ ناواقفانِ فن کو خبردار کیا جائے۔

[illegible]

شام کا سہانا وقت تھا۔ دور دریا کی سطح پر آفتاب مختلف رنگوں کے بادلوں کے درمیان اس طرح عکس ریز تھا گویا ایک طشتِ زریں پانی میں ڈوب رہا ہو۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں سبزہ زاروں میں انگڑائیاں لے رہی تھیں۔ لہلہاتے ہوئے نرم و نازک پودے دل کو لبھا رہے تھے۔ درختوں کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سکوت کو توڑتی ہوئی خاموش فضا میں ہلکا سا تموج پیدا کر دیتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ذرہ ذرہ شرابِ مسرت کے معصوم نشہ میں چور ہے۔ سامنے دریائے گنگا ایک چنچل دوشیزہ کی طرح اٹھلا رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی موجیں مغرور ناگوں کی طرح سطحِ آب کو زیر و زبر کرتی ہوئی کناروں سے ٹکرا کر پانی کے دیو پیکر ذخیرے میں غائب ہو جاتی تھیں۔ بیچ بیچ میں کہیں کہیں چکر کھاتے ہوئے گرداب آنکھیں دکھا رہے تھے۔ میرے دلِ حساس کی والہانہ کیفیت کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہیں تنہائی میں شاہدِ فطرت کی ہم آغوشی کا شرف حاصل ہوا ہے۔

میں ان سحر کن مناظر کی رعنائیوں میں کھویا ہوا دریا کے کنارے دھیرے دھیرے ٹہل رہا تھا۔ ناگہاں میں نے ایک دلخراش منظر دیکھا۔ آج بھی اس واقعہ کو یاد کر کے میرا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ نہ جانے کتنے گمنام نوجوان یونہی انسانی مظالم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک دبلا پتلا زرد رو نوجوان ایک نشیبی مقام پر کھڑا ہوا دریا کی موجوں پر نظر جمائے ہوئے ہے۔ اس کی عمر مشکل سے پچیس برس رہی ہوگی۔ یوں تو اس کی موجودگی چنداں غیر معمولی نہ تھی۔ لیکن اس کا انداز اور مایوس چہرہ کم سے کم میرے لئے تو کسی حد تک تشویشناک تھا۔ میں ابھی موقع کی نزاکت پر غور ہی کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان دریا میں کودنے کے لئے ہاتھ پیر تول رہا ہے۔ میں اب اس کے نزدیک آ چکا تھا۔ معاً میرے دماغ میں خیال گذرا کہ کہیں وہ خودکشی تو نہیں کر رہا ہے۔ میں بجلی کی تیزی سے اچھل کر اس کے قریب پہنچا۔ پیشتر اس کے کہ وہ جست کرے میں نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے اپنے زرد چہرے کو میری طرف پھیرا استعجاب اور خوف میں ڈوبی ہوئی

ایک چیخ خاموش فضا میں گونج اٹھی۔ "تم نے مجھے کیوں روکا۔ مجھے مرنے دو!" اس نے چھوٹنے کی زبردست جدوجہد کرتے ہوئے کہا۔ "سنو تو آخر بات کیا ہے؟" میں نے آہستگی سے اسے مضبوط پکڑتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر تک ہم میں کشمکش ہوتی رہی۔ آخر میں وہ تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ کچھ عرصہ تک ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ اس کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ جب اس کے حواس کچھ درست ہوئے تو میں نے پوچھا "کیوں؟ آپ زندگی جیسی نعمت سے کیوں بیزار ہیں؟" "زندگی" اس نے آہستہ سے کہا "میں نے بھی کتابوں میں پڑھا ہے کہ زندگی بڑی بیش قیمت چیز ہے۔ لیکن کوئی میرے دل سے پوچھے۔ آہ میری رنگین آرزوئیں خاک میں مل چکی ہیں۔ میری تمنائیں برباد ہو چکی ہیں۔ مسکنِ اندوہ و غم ہے سینۂ صد چاک میں۔ کیا کیجئے گا سن کے میرا دردانگیز افسانہ" "ارے کچھ تو کہئے انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ شاید میں آپ کی کچھ امداد کر سکوں۔" میں نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔ غصہ سے اس کی بے نور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اس نے اپنے الجھے ہوئے لمبے لمبے بالوں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ "کیا انسان انسان کے کام آتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان دولت و امارت کے آستاں پر پیشانی رگڑتا ہے۔ ایک انسان چند حقیر سکوں کے لئے دوسرے انسان کا گلا کاٹ کر اس کا خون پی جاتا ہے۔ تم میرے کام آؤ گے! ہا ہا ہا تم جھوٹ بکتے ہو۔ تم کہو گے تم نے مجھے موت سے بچایا ہے۔ لیکن یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔ تم کہتے ہو تم نے مجھ پر احسان کیا ہے جس انسانیت سوز سماج کو چھوڑ کر میں جہنم کے منہ میں چلا جانا چاہتا تھا تم پھر اسی میں مجھے گھسیٹ لائے۔ خودکشی جرم ہے۔ لیکن اس کی سزا دوزخ ہی تو ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ دوزخ ہماری ناپاک سوسائٹی سے بھی بدتر ہے۔ وہاں کم سے کم اپنے ہی جیسے لوگ تو ہوں گے۔ ہاں جانے دو مجھے جہنم میں!" اس نے خود کو میری مضبوط گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "صبر تو کیجئے" آپ

بتائیں تو اپنا درد ہیں یقین دلاتا ہوں کہ پھر آپ کو چھوڑ دوں گا۔ میرا خیال تھا کہ اس عرصہ میں اسکے سر سے موت کا بھوت اُتر جائے گا۔ میری بات کو سُنکر وہ کسی قدر سکون سے بیٹھ گیا۔

"اچھا سنئے لیکن چھوڑ دیجئے گا مجھے" اس نے کہا۔ "ہاں بھائی کہتا تو ہوں کہ چھوڑ دوں گا" میں نے جواب دیا۔

اس نے شروع کیا "میرے والد صاحب ایک دفتر میں پچاس روپیہ ماہوار پر کلرک تھے جس سال میں نے انٹرنس پاس کیا میری شادی کردی گئی۔ ابھی میں ایف۔ اے میں پڑھ رہا تھا کہ طاعون کی سیاہ دیا نے میرے والدین کو ہمیشہ کے لئے مجھ سے چھین لیا ظاہر ہے کہ میری کیا حالت ہوئی ہوگی۔ میں۔ میری بیوی اور ایک شیر خوار بچہ! الٰہی یہ بیڑا کیسے پار لگے گا۔ اس فکر نے مجھے اندر ہی اندر گھلا ڈالا۔ آپ یقین مانئے کہ ان دو چار برسوں میں مجھے دنیا والوں کے ظالمانہ سلوک کا جو تلخ تجربہ ہوا ہے وہ خون کے آٹھ آٹھ آنسو رُلانے کے لئے کافی ہے۔ بازاروں میں بڑے بڑے امیر لوگ اپنے نالائق بچوں کے لئے قیمتی کھلونے اور بدصورت بیویوں کیلئے رنگا رنگ کے کپڑے خرید رہے ہیں۔ لیکن آہ میرا پھول سا بچہ دودھ کے لئے بلک رہا ہے میری حور شمائل بیوی کے پاس ستھرے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ آتنی سجی ہوئی دُکانیں۔ بڑے بڑے بازار ہمارے لئے نہیں ہیں بلکہ یہ ان کے فائدے کے لئے ہیں جو دوسروں کا خون چوس کر بڑے آدمی بن جاتے ہیں۔ آج دنیا میں شان و شوکت کے تخیل کے پردے میں ہزارہا مفلسوں کی آہیں ہیں۔ حالانکہ یہ پرشکوہ اُمرا مجھ سے تعلیمی۔ مذہبی یا نسلی کسی حیثیت سے بھی بہتر نہ تھے۔ لیکن میں غریب تھا اور غریب کی عزت کوئی عزت نہیں ہے۔ یہ خداوند کریم کی قدرت تھی کہ میں اپنے لامعلوم گناہوں کی پاداش میں سختیاں جھیل رہا تھا۔ میں اپنے متمول رشتہ داروں کے یہاں گیا لیکن وہ مجھ سے بات کرنے کے بھی روادار نہ ہوئے۔ اگر میں موٹر پہ سوار ہو کر جاتا تو میری عزت ہوتی۔ میں نے قوم کے بڑے بڑے رہنماؤں کے دروازے پر بھی دستک دی لیکن جواب ندارد۔ جو لوگ پلیٹ فارم پہ کھڑے ہو کر ہندوستان کی غریبی کا ٹکڑا روتے ہیں وہی گھر پر ظالم و بےرحم ہوتے ہیں۔ انسانوں کے رہنما کتنے ریاکار ہوتے ہیں؟ ہر طرف سے مجھے دھتکارا گیا۔ نکالا گیا میں پنڈتوں اور مولویوں کے یہاں بھی اپنے درد کی دوا مانگنے گیا۔ لیکن وہاں یہ جواب ملا کہ معبود نے تمہاری قسمت میں یہی لکھا ہے۔ تمہیں اس پہ قانع رہنا چاہئے۔

قسمت! جس وقت میں نے یہ پُراسرار لفظ سُنا میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ وہ خدا جسے لوگ رحیم کہتے ہیں ایسی ناانصافیوں کو کیونکر نظر انداز کر دیتا ہے۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ تم سب بھی بڑے لوگوں کے ساتھی ہو۔ تم نے دنیا کے غریبوں کو دھوکا دینے کے لئے ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ تمہاری ناقابل فہم دُعائیں اور فلسفیانہ تقریروں سے ہمارا پیٹ تو نہیں بھر سکتا یہ کہہ کر میں چلا آیا۔ وہ عربی اور سنسکرت میں خدا معلوم کیا کیا کہتے رہے۔ شاید وہ خدا سے مجھ کو صحیح راستہ دکھانے کی دُعا کر رہے تھے۔

آخر تنگ میں نے اپنے ہاتھ پیر سے کام کرنے کی ٹھانی۔ شہر میں ایک جگہ مکان تعمیر ہو رہا تھا۔ میں ٹھیکیدار کی خدمت میں پہونچا اور اس سے کام کرنے کی اجازت مانگی۔ اس نے حیرت سے مجھے سر سے پیر تک دیکھا "تم منشی سے تو آدمی ہو" اس نے کہا "بھلا تم اینٹ وغیرہ لے کر سیڑھی پہ چڑھ سکو گے"۔ "ہاں صاحب کروں گا کیوں نہیں ۔۔" میں نے عاجزی سے جواب دیا۔ غرض کہ میں نے کام شروع کر دیا۔ آپ کو متعجب ہوگا کہ مجھے اس سے مسرت نصیب ہوئی۔ اس لئے نہیں کہ چونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ غریبوں پہ خدا کی رحمت ہوتی ہے اور وہ جنت کے حقدار ہوتے ہیں۔ بلکہ میں خوش اس لئے تھا کہ وہاں کی فضا آزاد تھی، وہاں پہ ایسے لوگ نہ تھے جو خواہ مخواہ خود کو مجھ سے برتر تصور کریں یہاں پہ اقتصادی مساوات تھیں جن کے سامنے مذہبی۔ قومی اور نسلی مساوات کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

لیکن ایک متوسط طبقہ اور کالج کا تعلیم یافتہ نوجوان ان مشقتوں کو کب تک برداشت کر سکتا ہے۔ آخر میری تندرستی نے جواب دے دیا۔ میں بیمار ہو کر چارپائی سے لگ گیا۔ میری بیوی کا زیور تو پہلے ہی دوزخ شکم کی نذر ہو چکا تھا۔ مکان کا کرایہ چڑھتا گیا۔ آخر مالکِ مکان نے ہمیں ٹھوکریں مار مار کر گھر سے نکال دیا۔ اس وقت ہم روٹیوں کو محتاج تھے۔ مجھے مجبور ہو کر دھرم شالے میں پناہ لینی پڑی۔ موسمی تغیرات نے میری تندرستی پہ بہت بُرا اثر کیا۔ اسی اثنا میں میرا بچہ ـــــ میرا پیارا بچہ نمونیہ کے مرض میں مبتلا ہو کر دُنیا سے چل بسا۔ اس سانحۂ جانکاہ نے ہماری کمر بہت توڑ دی۔

اس عرصہ میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے میری سسکتی ہوئی آرزوؤں کو ہمیشہ کے لئے خاک کر دیا۔ میں دیکھتا تھا کہ اب میری بیوی ذرا زیادہ سنگھار کرنے لگی ہے وہ میرے لئے کبھی کبھی دودھ

اور مٹھائی وغیرہ لے آتی ہے۔ ابھی دو چار روز ہوئے اس نے مجھے ایک نیا کمبل لاکے دیا تھا جب میں اس سے پوچھتا کہ وہ یہ سب کہاں سے لاتی ہے تو وہ ناز سے مسکرا کر خاموش ہو جاتی ہے۔ مجھے کچھ شبہ ہوا۔ میں نے پتہ لگانا شروع کیا۔ میں اب بھی بیمار تھا لیکن جوشِ غیرت نے میرے رگ و پے میں بجلی دوڑا دی تھی۔ جس وقت وہ باہر نکلتی میں بھی چارپائی سے اٹھ کر اسکا تعاقب کرتا۔ میں نے دیکھا کہ وہ رام پرشاد بنئے کی دکان پر سیدھی جاتی ہے۔ وہ موٹا تازہ بے ڈول بنیا کسی حالت میں بھی مجھ سے بہتر نہ تھا۔ لیکن اس کے پاس روپیہ تھا جو محبت۔ عزت۔ خودداری سب کچھ خرید سکتا ہے۔ وہ میری بیوی سے خوب ہنسی دل لگی کرتا۔ یہ دیکھ کر میرے سینہ پر سانپ لوٹ جاتا۔ لیکن میں خاموش رہا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ آنکھ بچا کر بنئے کے کوٹھے پر چڑھ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنی بھدی توند کو مٹکاتا ہوا زینہ پر چڑھا۔ ایک چرچراہٹ کی منحوس آواز آئی اور دروازہ بند ہو گیا۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں چپ چاپ بھرم مٹائے میں جا کر اپنی کوٹھری میں لیٹ گیا۔ میرا چوٹ کھایا ہوا دل کرب و بے چینی کی آغوش میں تڑپ رہا تھا۔ غصہ غیرت اور حمیت کے ملے ہوئے جذبات میرے دماغ کو پاگل بنا رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ آئی اور بستر پر دراز ہو گئی۔ میں ایسا بن گیا گویا کہ سو رہا ہوں جب میں نے محسوس کیا کہ وہ سو گئی تو میں اٹھا اور اس کے گلے کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ میرے ٹوٹے پھوٹے کمرے میں ایک مٹی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ میں اس مدھم روشنی میں اس کے سینہ پر چڑھا ہوا تھا۔ میری انگلیاں لوہے کی کمانیوں کی طرح اسکی گردن میں پیوست تھیں اس کی بڑی بڑی نرگسی آنکھیں میرے پرغضب چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ آہ! ان میں کتنی محبت تھی .... کتنی التجا تھی .... کتنی بیکسی تھی۔ اب میں اپنے کئے پر پشیمان ہوں۔ وہ نوجوان تھی اس کے پہلو میں بھی ایک پرارمان دل دھڑکتا تھا۔ اسے محبت کرنے کا حق حاصل تھا۔ وہ عورت تھی اُسے بھی شوق تھا کہ اچھے اچھے کپڑے پہنے ہر انسان کو آزاد رہنا چاہئے۔ وہ کیوں میری خادمہ رہتی۔ سب سے بڑھ کر وہ جو کچھ بھی رام پرشاد کے یہاں سے لاتی تھی میرے ہی آرام پر تو صرف کرتی تھی۔ اس نے کبھی اپنی محبت میں کمی نہیں دکھلائی۔ وہ کیا کرتی وہ مجبور تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس نے عصمت بیچ کر یہ سب کچھ حاصل کیا تھا لیکن عصمت۔ عزت اور خودداری ان لوگوں کے لئے ہیں جو سونے اور چاندی سے کھیلتے ہیں۔ وہ یہ چیزیں کھو کر بھی عزت والے رہ سکتے ہیں۔ لیکن غریب کے پاس خواہ عزت ہو خواہ نہ ہو خدا نے اسے ذلیل بنایا ہے اور وہ ذلیل رہے گا۔ لیکن اس وقت مجھے جوش تھا۔ غصہ تھا اور آبائی عزت کا خیال تھا۔ میں نے اسے مار ڈالا اس کے بعد میں کوٹھری سے نکلا اور شب کی تاریکی میں روپوش ہو گیا۔

میں تمام رات ادھر اُدھر دیوانہ وار پھرتا رہا۔ اندھیری رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ اونچے اونچے محلوں میں بڑے بڑے امیر لوگ محوِ خواب تھے۔ میں بھی اسی خدا کا بندہ تھا لیکن میرے لئے کوئی گوشہ نہ تھا۔ ایک انسان اور دوسرے انسان میں کتنا فرق ہے! غرض کہ میں تمام دن شہر کی گلیوں میں آوارہ گردی کرتا رہا۔ میرے دماغ میں ماضی کی دُھندلی دُھندلی تصویریں سینما کی پتلیوں کی طرح آتیں اور غائب ہو جاتیں۔ دفعتاً مجھے یہ خیال گذرا کہ میں اتنی وسیع دنیا میں تنہا ہوں۔ اب تک تمام تکلیفوں کے باوجود میں خود کو اس دنیا کا ایک حصہ سمجھتا تھا۔ اب میرا کوئی نہ تھا۔ میرا بچہ مر چکا تھا۔ میری پیاری بیوی میرے احمقانہ غیض کا شکار ہو چکی تھی۔ میں اس دنیا میں رہ کر کیا کرتا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے "مجھے جانے دو"۔ اس نے بات کے سلسلے کو توڑتے ہوئے کہا۔

میری آنکھوں پر آنسوؤں نے ہلکا سا پردہ ڈال دیا تھا۔ میں ہندوستان کی بدنصیبی پر رو رہا تھا۔ میں کبھی اس کی خونیں داستان سنتا کبھی اس کے زرد چہرے کی طرف دیکھتا۔ اس کے آخری جملے نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اسکی طرف دیکھا۔ وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا۔ میں نے سوچا کہ اتنے عرصہ میں اس کا دماغ ٹھیک ہو چکا ہو گا۔ میں نے اسے چھوڑ دیا وہ اٹھا۔ اس کے لبوں پر ایک وحشیانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ دریا کی طرف دوڑا۔ اب میں چونکا ہوا۔ رکو! رکو! میں نے پکارا اور اس کی طرف لپکا۔ لیکن وقت جا چکا تھا۔ دریا میں ایک بھاری چیز گرنے کی آواز آئی۔ پانی نے اسے دو ایک بار اوپر پھینکا۔ پھر پانی کی سطح برابر ہو گئی سورج ڈوب چکا تھا۔ میری اشکبار آنکھیں سطحِ آب پر جمی ہوئی تھیں۔ میں انسان کی عظمت پر غور کر رہا تھا۔ مجھے اس کے اشرف المخلوقات ہونے میں شک تھا۔

(خاص)

بنارس کی نرملا دیوی

ایک سو فیصدی سچا واقعہ افسانوی رنگ میں

بنارس میں اس واقعہ کا ابھی تک بہت چرچا ہے۔ اگرچہ ہم نے متعلقین کے نام تبدیل کر دیئے ہیں۔ لیکن سمجھنے والے سمجھ جائیں گے کہ فرضی ناموں کے نیچے درحقیقت ——— کون کون چھپے ہوئے ہیں ...... اڈیٹر۔ ———

ایک تلّے سر کا دلچسپ سبق آموز اور نتیجہ خیز اصلاحی افسانہ

سماج کے بیہودہ رسم و رواج کی منہ بولتی تصویر

نرملا بہت ہی خوبصورت تھی مگر اس کے ساتھ غیور خوددار بھی پوری تھی۔ رسم و رواج کی فضول پابندیوں سے بالاتر۔ وہ صدق و صفا۔ راستی اور حق گوئی کی دلدادہ تھی۔ زمانہ موجودہ کی خودغرضیوں اور نفس پرستیوں کو دیکھتے ہوئے وہ اس بات کا عہد مصمم کر چکی تھی کہ عمر بھر کنواری رہوں گی۔ اور شادی نہ کرونگی۔ اس کے والد لالہ کالی پرشاد کسی وکیل کے محرر تھے۔ زمانہ حال میں ہر مرد شریف کے لئے زندگی کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا روز بروز دوبھر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان کی حالت میں آمدنی اتنی ضرور تھی کہ خرچ نکل جاتا۔ لیکن انتہائی کفایت کرنے پر بھی بچت کی صورت پیدا نہ ہوتی تھی چونکہ نرملا اب رفتہ رفتہ عمر کی اس منزل میں پہنچنے لگی تھی جب ماں باپ سے زیادہ ہمسایوں کو اس بات کی فکر دامنگیر ہوتی ہے کہ لڑکی پرائے گھر چلی جائے۔ اس لئے وہ بیچارے اپنی آمدنی اور خرچ کا خیال کرتے ہوئے ہر وقت اس غم میں پریشان رہتے کہ ان بھاری اخراجات کی کفالت کیسے ہوگی جو زمانہ حال کی شادی بیاہ کی رسموں سے وابستہ ہیں سوچتے کہ اگر اس "انیسویں" سال میں بھی لڑکی کی شادی نہ ہوئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ والدین کو فکرمند دیکھ کر نرملا کے جی میں کئی بار آتی کہ ماں باپ سے کھول کر کہہ دے۔ آپ میری شادی کی چنتا نہ کریں۔ میں اسی حال میں رہنا چاہتی ہوں۔ لیکن عورت کتنی ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو شرم و حیا کی زنجیریں کچھ اس طرح کی سختی سے اس کو پابستہ کئے رکھتی ہیں کہ وہ ارادہ رکھنے کے باوجود کوئی ایسی بات منہ سے نکالتے ہچکچاتی ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے شام کا وقت تھا اور نرملا دردسر کی وجہ سے اپنے کمرہ میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی کہ اتنے میں لالہ کالی پرشاد باہر سے آ کر بیوی سے کہنے لگے۔ لو سنتی ہو۔ ایک لڑکا بڑی تلاش سے مل گیا لیکن تین ہزار کا طلبگار ہے اور اس پر بھی یہ شرط عاید کرتا ہے کہ لڑکی دیکھ کر فیصلہ کروں گا۔ یہ اچھا ہے اس لئے سوچتا ہوں جیسے بن پڑے۔ اب اس کام کو کر ہی دوں گا۔ رہ گیا اخراجات کا سوال۔ تو اس کے متعلق میں نے ارادہ کیا ہے اس گھر کو بیچ دوں کچھ نہیں تو ڈھائی ہزار کم سے کم مل جائیگا۔ ہزار پانسو روپیہ کسی مہاجن سے اٹھا لوں گا۔ اتنے میں امید ہے کام چل جائے گا۔ اگر نرملا کی شادی ہو گئی تو سمجھیں گے دنیا سے سرخرو ہو گئے۔ ایک بوجھ تھا جو سر سے ہلکا ہو گیا۔"

گھر کے بیچے جانے کا ذکر سنکر ان کی بیوی کے دل کو بھاری صدمہ ہوا۔ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے بولی "نہ جانے بھگوان نے عورتوں کو اس دنیا میں کس لئے پیدا کیا تھا؟ لے دے کے سر پڑے کو

یہ ایک ٹھکانا تھا وہ بھی ہاتھ سے نکل جائے گا تو عمر کا باقی حصّہ کس طرح بیتے گا؟ ایشور لڑکی دے تو دھن دے۔ نہیں تو لڑکی ہی پیدا نہ کرے!"

کالی پرشاد بیوی کو ڈھارس دیتے ہوئے کہنے لگے۔" رہنے کی کیا چنتا کرتی ہو؟ کون بہت دن جینا ہے۔ کوئی چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیں گے اپنے ہی جینے کا تو سب قصّہ ہے۔ کون دو سرے لڑکے بالے بیٹھے ہیں جن کے لئے گھر کی فکر کریں؟"

نرملا پڑی پڑی سب باتیں سُن رہی تھی اپنی بے کسی اور مجبوری کی تصویر اس ہیبت ناک عریانی کے ساتھ کبھی اس کی نظروں کے سامنے نہ آئی تھی جیسے اس گفتگو کو سُنکر دکھائی دی۔ آج اس بھیانک منظر کو دیکھ کر وہ لرزہ براندام ہو گئی۔ سخت پریشانی کے عالم میں بستر سے اُٹھی اور چاہا باپ کے پاس جا کر صاف لفظوں میں کہہ دے آپ میرے لئے ناحق پریشان ہوتے ہیں۔ میں شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر چکی ہوں لیکن وہی نادیدہ طاقت جو ہر وقت اس کی زبان بند کر دیا کرتی تھی اس وقت بھی اس کی خاموشی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ بستر سے اُٹھی تھی۔ باہر جانے کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ کہ پھر لغزش نے پاؤں پکڑ لئے وہیں جا کے بستر پر لیٹ گئی اور سوچنے لگی آخر اس مصیبت کا خاتمہ کیسے ہو گا؟ جی میں خیال آیا مُنہ پر تو تالہ پڑا ہے کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ کسی طرف کو بھاگ جاؤں لیکن اس خیال کو اس نے ذہن میں آنے کے فوراً ہی بعد سختی سے نکال دیا کیونکہ سوچا بھاگنے میں نہ صرف اپنی بلکہ خاندان کی بدنامی ہے لوگ طرح طرح کے نام دھریں گے اس سے تو لاکھ درجے بہتر ہے میں کچھ کھا کے سو رہوں۔ نہ یہ زندگانی ہو گی۔ نہ ماں باپ کو فکروں کا شکار بننا پڑے گا کیسا اندھیر تھا کہ جس گھر میں پیدا ہوئی جس میں بچپن کا زمانہ بسر ہوا اُسی کو بیچ کر اب اُس کی شادی کی رسومات ادا کرنے کا فکر کیا جا رہا تھا۔ نرملا اس بے انصافی کو برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس کے تو معنی یہ ہوئے کہ اس کی اپنی ہستی کی قدر و قیمت کچھ بھی نہیں۔ اور اس کی ذات اتنی حقیر ہے کہ جب تک روپیوں کی تھیلی اس کے پاؤں میں نہ باندھ دی جائے وہ کنوار پنے کی منزل سے نکل ہی نہیں سکتی۔ لوگ کتنے خود غرض ہیں؟ لڑکے والوں کو اس پر قناعت نہیں کہ ایک پالی پوسی لڑکی ہمیشہ کے لئے داسی بن کر گھر میں آتی ہے اور آتے ہی زر خرید غلام کی مانند گھر کے کام کاج میں لگ جائیگی۔ گھر کے جتنے آدمی ہیں ان کی خادمہ بن کر رہے گی۔ سب کے دُکھ درد کی شریک ہو گی۔ لڑکی والوں کا اتنا ایثار کیا کم ہے کہ جس کو انہوں نے اتنی محبت سے پالا اور پرورش کیا اب اُسے دوسروں کے حوالے کئے دیتے ہیں۔ اس پر یہ نئی محبت قائم کرنا کہ لڑکی تعلیم یافتہ ہو۔ خوبصورت ہو۔ گھر کے کام کاج کی ماہر ہو۔ اس کا مطلب تو یہی ہے کہ شادی کی ساری غرض فقط لڑکی یا لڑکی والوں کو ہے۔ لڑکے کا یہ ایثار ہی غنیمت ہے کہ وہ اس سے شادی کرنا قبول کر لے۔ پھر اتنے پر بھی کفایت نہیں لڑکی کے ساتھ دولت آنی چاہئے۔ وہ منہ سے ایسا نہ کہیں حالات سے یہ جتلاتے ہیں کہ جس کو سو بار غرض ہو روپئے دے اور اپنی لڑکی کا بیاہ کرے۔ لیکن عورت کس لئے اتنی بے عزتی سہتی ہے؟ آخر کون سے خاص اسباب ہیں جن کے پیشِ نظر اس طبقہ کی طرف سے کبھی اس بے انصافی کے خلاف آواز نہیں اُٹھائی گئی؟ لازم تو یہ تھا کہ عورت اس انتظام کو حقیر جان کر نفرت سے ٹھوکر مار دیتی۔ لوگ کہتے ہیں وہ کمزور ہے۔ کسی رکھوالے کی محتاج ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو کیا دس پانچ عورتیں اکٹھی مل کر نہیں رہ سکتیں؟ اگر کام کا ہی سوال ہو تو مرد کے پاس رہتے ہوئے وہ کیا نہیں کرتی؟ ادنےٰ سے ادنےٰ کام اُسے کرنا پڑتے ہیں۔ اپنے ہی خون سے وہ گرہستی کے کنکر پتھر جوڑ کر ایک محل کھڑا کرتی ہے۔ پھر بھی اس گھر پر اُس کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا۔ مرد جب چاہے اُسے گھر سے نکال سکتا ہے۔ اس پر یہ اندھیر کہ وہ کہتا ہے میں صورت دیکھ کر شادی کروں گا۔ گویا لڑکی کا یہ فرض ہے کہ اپنا روپ دکھا کر بر کو مطمئن کرے۔ بالفرض ان ذات شریف نے دیکھنے کے بعد ناپسند کر دیا تو اس بیچاری کا کیا بنے گا؟ وہ تو کہیں کی نہ رہی......

اتنے میں ماں کی آواز یہ کہتے سُنائی دی" اچھا تو کل جا کر ٹھیک ٹھاک کر آنا"

کالی پرشاد بولے" تم کیا بھولی باتیں کرتی ہو۔ ایسے ضروری کام کیا ملتوی کئے جا سکتے ہیں؟ میرا ارادہ اس وقت جانے کا ہے۔ فی الحال لڑکے کے باپ سے میری بات چیت نہیں ہوئی۔ اُن کے ایک پڑوسی سے اتنا معلوم ہوا تھا کہ لڑکا قابل شادی اور رمنہ لگتا جوان ہے۔ اتنی مانگ کا حال بھی اُس ہمسایہ نے بتایا تھا کیا تعجب اُن سے براہِ راست بات چیت کرنے پر روپئے کی مقدار کچھ گھٹ جائے۔

اتنا کہہ کر کالی پرشاد وہاں سے رخصت ہو گئے۔

—— (۲) ——

لڑکے کے والد منشی مادھو پرشاد نئے اور پُرانے خیالات کی آمیزش سے بنے ہوئے انوکھی وضع کے آدمی تھے۔ بعض باتوں میں بالکل نئے اور بعض میں پُرانوں سے بھی پُرانے دقیانوسی کی حد کو

پہنچے ہوئے شادی میں لڑکے کی خواہش اور انتخاب کی اہمیت اُن کو تسلیم تھی۔ جو ایک بالکل نئی بات ہے۔ لڑکی کے باپ کو گنے کی طرح پیل کر سارا رس نکال لینا۔ اس عقیدہ کے بھی وہ قائل تھے۔ جو ایک بہت پرانی بات ہے۔ اپنے خاندان کی بزرگی پر اُن کو بڑا گھمنڈ تھا۔ اور وہ کسی حال میں اس کو سستے داموں بیچنا نہ چاہتے تھے۔ شام کے وقت کسی نے اُن سے کہا۔

"لالہ کالی پرشاد اپنی لڑکی کی شادی کے سلسلہ میں بات چیت کرنے آپ کے پاس آرہے ہیں"

"کالی پرشاد! . . کون کالی پرشاد؟" منشی جی نے انجان بن کر پوچھا

"ارے وہی جو وکیل کے محرر ہیں"

"اوہ وکیل کے محرر! میں سمجھا اچھا کوئی چیز ہوں گے۔ گھر میں کوئی سرمایہ بھی رکھتے ہیں یا صرف کھوکھلی باتیں ہی کرنا جانتے ہیں؟"

"اگر یہ بات نہ ہوتے تو آنے کی جرأت کیسے کرتے معقول آمدنی رکھتے ہیں"

"کہاں تک دے مرے گا؟"

"میں نے تو تین ہزار کی بات کہہ دی تھی۔ جب وہ اتنا سنکر بھی آتا ہے تو ایک آدھ ہزار اور بڑھا نا سا کچھ بعید نہ ہوگا"

"ہاں ممکن تو ہے"

"اچھا لاؤ ذرا کمرے میں جھاڑو لگا دیں رفتہ اتنے میں جاکر خانصاحب کے گھر سے دو چار کرسیاں مانگ لاؤ اور ایک قالین بھی"

"اور جو وہ کہیں اس بیچ میں آگئے؟"

"تو کہہ دوں گا میری چیزیں خانصاحب کے یہاں مانگے گئی ہوئی تھیں"

"مکان بھی تو لیپا پتا نہیں ہے"

"اس کا فکر نہ کرو۔ بزرگوں کی نشانی ہے اس لئے اس کو اسی حال میں رکھنا زیب دیتا ہے"

دونوں دوستوں نے مانگ تانگ کر کمرہ میں سجاوٹ کی۔ اس کے بعد بیٹھکر شطرنج کھیلنے لگے۔ اتنے میں کالی پرشاد آگیا۔ مادھو پرشاد نے دکھاوے کے تکلف سے آؤ بھگت کی "آئیے مہربان جی۔ آپ ہی کی بات ہو رہی تھی۔ ہمارے تو بڑی خوش قسمتی کہ آپ کے یہاں رشتہ ہو جائے مگر کیا کریں لڑکا ضد پکڑے ہوئے ہے کئی آدمی مجبوراً واپس ہو گئے ہیں"

کالی پرشاد بولے "ایسا نہ فرمایئے منشی جی۔ بڑی اُمیدوں کے ساتھ آیا ہوں"

وہ تو آپ بالکل بجا فرماتے ہیں لیکن کیا کریں۔ آج کل کے لڑکے بزرگوں کی ایک نہیں سنتے۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"میری لاج شرم تو آپ ہی کے ہاتھ ہے، اگر آپ سہارا دیں گے تو پار اتر دوں گا میں ایک بیکس غریب آدمی ہوں تو بھی آپ جو کچھ فرمائیں گے خدمت کر دونگا"

"آپ ناحق مجھکو شرمندہ کرتے ہیں، لینے دینے کے سوال کو میں کمینہ پن سمجھتا ہوں، اسکے متعلق بات چیت کرتے بھی شرم آتی ہے، مشکل صرف لڑکے کی رضامندی کی ہے، کل ایک صاحب چار ہزار تک کہتے تھے مگر اس نے حامی نہ بھری، آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ میں اس معاملہ میں کتنا مجبور ہوں، اپنے آپ تو میں کچھ نہیں کر سکتا"

کالی پرشاد پر اس نمائش کا گہرا اثر ہوا بولے "آپ کا جیسا نام سنا تھا اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر پایا، ایسے ہی نیک حضرات سے جیسے آپ ہیں، سماج کی ترقی ہے، برادری کا نام آپ ہی روشن کر سکتے ہیں"

جب کالی پرشاد کافی خوشامد کر چکے تو مادھو پرشاد نے کئی نخرے تلے کر کے آخر بیٹے کو بلوایا، ان ذات شریف کا نام تھا گنگا پرشاد، کالج میں پڑھتے تھے بال بنائے چکتے چکاتے آکر کھڑے ہو گئے۔

مادھو پرشاد حقے کا کش لگاتے ہوئے بولے "سنتے ہو بیٹا یہ لالہ صاحب تمہاری شادی کے لئے بہت زور دیتے ہیں، تمہاری کیا رائے ہے"

گنگا پرشاد نئے خیالات کا نوجوان تھا بولا "جیسے آپ کی مرضی مجھکو تو اس بارہ میں فقط اتنا ہی کہنا ہے کہ شادی سے پہلے لڑکی کو ایک نظر دیکھ لینا چاہتا ہوں"

کالی پرشاد لڑکے کی فروتنی سے بہت متاثر ہوئے، تاہم مادھو پرشاد نے کہا "میرے عزیز اور بھی کچھ کہنا ہو کہہ ڈالو، نہیں تو بعد میں میری جان کھانے لگو گے، ایسا نہیں ہوا ویسا نہیں ہوا"

لیکن معلوم ہوا کہ گنگا پرشاد باپ کے حقوق و فرائض میں دست اندازی کرنا نہ چاہتا تھا، اس کے نزدیک لین، دین مول تول کا جھگڑا اس قسم کا تھا، جسے باپ ہی بہتر طے کر سکتا ہے، اس کو ان معاملات سے کوئی غرض نہ تھی وہ تو صرف لڑکی کو دیکھ لینا چاہتا تھا۔

اس کے تھوڑی دیر بعد جب وہ چلا گیا تو کالی پرشاد بولے "مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں، جب زمانے کی ہوا بدلی ہے تو ہم تم اس میں مزاحم ہونیوالے کون ہیں؟ وہ جب چاہیں دیکھ لیں، میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ایشور کی کرپا سے کوئی نقص یا عیب لڑکی میں نہیں ہے"

مادھو پرشاد تھوڑی دیر چپ چاپ سوچا کئے پھر بولے "بہت اچھا جب اس کو منظور ہے اور آپ کو بھی منظور ہے تو میں انکار کرنیوالا کون؟ لین دین کی باتیں زمانہ کی اُپج ہیں، کچھ غرض مندوں نے ناحق یہ جھگڑے پیدا کر دیئے، جن میں ہم لوگوں کو بھی مجبوراً حصہ لینا پڑتا ہے، ورنہ ذاتی طور پر میں اس سوال سے بیحد متنفر ہوں، لیکن کیا کروں، گھر کی عورتیں اور

رشتہ دار جب ایک طرف چلتے ہوں تو مجھ اکیلے کی آواز کیا کر سکتی ہے، انکی خاطر تو کرنا ہی پڑے گی، میں انہیں کوئی ایسی رقم بتانا نہیں چاہتا جس سے ان کو شکایت یا خاندان کے نکو ہونے کا احتمال ہو، آپ اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ چار ہزار کی بات میں نے کل پھیر دی تھی . . . . "

کالی پرشاد کو اپنا دل سینہ میں بیٹھتا معلوم ہوا کہنے لگے "بھائی صاحب پرماتما نے آپ کو سب توفیق بخشی ہے، میں دینے والا کون ہوں، بس یہ سمجھ لیجئے ایک داسی آپ کو دیتا ہوں، برا ہو تنگدستی کا ورنہ ایسا کون ہے جو اپنی بیٹی کے لئے کچھ اٹھا رکھے! پھر میرے ہاں اس کے سوا کوئی دوسری اولاد نہیں مرے دے کے جو کچھ ہے اس لڑکی ہی کا ہے "

مادھو پرشاد کچھ نرم پڑنے لگے۔ سوچا اور کچھ نہیں تو لالہ کا گھر تو مل ہی جائیگا یہ سوچکر حلیمانہ بولے "اچھا بھائی صاحب چار ہزار کے دو ہزار رکھ لو، اب اور کہاں تک دباؤ گے ؛ یہ بھی آپ کی خاطر ہے، کیونکہ آپ اپنے جیسے شریف ہیں، میں گھر والوں سے لڑ جھگڑ لوں گا، اب میری لاج آپکے ہاتھ ہے"

کالی پرشاد کھل گئے، سوچا دو ہزار پر ہی معاملہ بن گیا، بس اب ایک ہی مرحلہ باقی تھا، یعنی گنگا پرشاد کا لڑکی کو دیکھ لینا، چنانچہ اس کیلئے ایک دن مقرر کیا گیا، اس کے بعد کالی پرشاد کو ایسا معلوم ہونے لگا، گویا زندگی کی سب سے بڑی مصیبت پر فتح یاب ہونے کے بعد ان کا دماغ فرط مسرت سے عرش ہفتم پر پہنچا ہوا ہے، اسی حالت میں وہ گھر آئے۔

~~~~~~~ (۳) ~~~~~~~

آج نرملا کی نمائش ہونا تھی بر اپنے دوستوں کے ساتھ اسے دیکھنے آئیگا۔ سہیلیوں نے اسکا خوب سنگار کیا ہے، گھر کی بھی اچھی صفائی کی گئی ہے دعوت کا سامان ہر طرح سے مکمل ہے۔

کہاں تو نرملا شادی کی حامی نہ بھرتی تھی، کہاں آج وہ بر کو دیکھنے کے لئے خود اتنی بیتاب ہے، سہیلیاں اس کو سوہنی منتر سکھاتی ہیں، یوں سر جھکا کر بیٹھنا، یوں میٹھا تبسم کرنا، یوں دبی آواز سے بولنا، یوں ترچھی لیکن ظاہر شرمیلی آنکھوں سے دیکھنا، بس ایسا سمجھو آج تمہیں بر پر فتح پانی ہے، شکار زد میں آیا ہے، جانے نہ پائے، ایسا نشانہ مارنا کہ وہیں کا وہیں رہ جائے، ذرا نشانہ خطا ہوا تو شکار ہاتھ سے جاتا رہے گا

نرملا سب کی باتیں سنتی اور مسکرا کر رہ جاتی، لیکن وہ مسکراہٹ تلخی اور حقارت کا عنصر لئے تھی، دل میں سوچتی اسے کتنا ذلیل کیا جا رہا ہے، لڑکے والوں کی طرف سے کتنا سخت ظلم اس پر روا [illegible] گیا ہے، روپے تو دیئے جائیں گے ہی اس پر بھی اتنی خوشامد کہ گویا وہ کو[illegible]م بازاری عورت ہے جسکا حسن ہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے [illegible]ش انہوں نے ناپسند کیا تو کوئی اور بیاہنے آئیں گے، ان کے لئے بھی یہی سوانگ رچایا جائیگا، اچھا کوئی بات نہیں آؤ لالہ میں بھی اپنے باپ کی بیٹی ہوں تو تمہیں کہیں منہ دکھانے لائق نہ چھوڑوں گی، اس بے عزتی کا وہ بدلہ تم سے لوں کہ عمر بھر یاد رکھو

اتنے میں "آ گئے آ گئے" کا غل مچ گیا، سب لوگ ہوشیار ہو گئے گنگا پرشاد اپنے دو دوستوں کے ساتھ لڑکی دیکھنے آیا تھا، نرملا بھی گویا تلوار کھینچ کر مقابلہ کے لئے تیار ہو بیٹھی۔

چائے پانی اور پان الائچی کے بعد تینوں دوست نرملا کے کمرہ میں داخل ہوئے، نرملا سہیلیوں کے وسط میں سر جھکائے بیٹھی تھی، گھونگھٹ سے فقط چہرے کا زیریں حصہ دکھائی دیتا تھا، دوستوں نے اندر آتے ہی پرشوق نظریں ڈالیں، انگریزی میں کچھ باتیں کیں، سہیلیوں سے ہنسی دل لگی اڑائی، اسکے بعد گھر چلنے کو تیار ہو گئے، معلوم ہوا کہ نرملا اس امتحان میں پوری اتری ہے، گنگا پرشاد کو جیسا حسن درکار تھا ویسا ہی ان کو مل گیا دوستوں نے بھی ایسی سوہنی صورت پا جانے پر ان کو مبارک باد دی۔

مگر عین اسی موقعہ پر نرملا نے یکایک گھونگھٹ اٹھا دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند جو پہلے ہلکے بادلوں میں چھپا تھا، اب پوری آب و تاب سے نکل آیا ہے، تینوں دوست حسن زاہد فریب کی اس نمائش کو دیکھکر گویا بھونچکے ہو گئے، لب ایسے گلرنگ، چہرہ میں ایسی نزاکت اور ایسی سوہنی اور آنکھوں میں نرگس شہلا کی ایسی مستی، مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنی بے خودی پر غالب آتے نرملا بولی، ٹھہریئے مجھے بھی آپ لوگوں سے کچھ کہنا ہے "آپ نے مجھکو پسند کیا، اسکے لئے شکریہ ادا کرتی ہوں یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں ان کے امتحان میں پوری اتری، لیکن آپ لوگ یہ مانتے ہیں یا نہیں کہ شادی عورت اور مرد دونوں کی پسند سے ہونی چاہئے"؟ —

اس تقریر کو سن کر گہرا سناٹا چھا گیا، سہیلیاں حیرت آمیز نظروں سے نرملا کے منہ کو تکنے لگیں، شروع میں ایسی بے باکی، رام، رام۔

دوستوں کے بھی پاؤں تلے سے گویا مٹی نکل گئی، آخر اس تقریر کا کیا مطلب؛ سب کچھ سمجھکر بھی انہوں نے انجان بننے کی کوشش کی۔

آخر ایک دوست نے کہا، ہاں ہاں ہم یہ بات مانتے ہیں لیکن نرملا کہنے لگی "تو سن لیجئے مجھے ان مہاشے سے شادی کرنا منظور نہیں" گنگا پرشاد کے سر پر گھڑوں پانی پڑ گیا، سہیلیاں نرملا کے منہ کے آگے ہاتھ دینے لگیں، کیا کہتی ہے نیرو، بنا بنایا کھیل بگاڑ دیگی کیا؟"

تھوڑی دیر کے لئے کمرہ میں گہری خاموشی چھا گئی، اسکے بعد ایک صاحب نے پوچھا کیا میں جان سکتا ہوں آپنے یہ فیصلہ کس بنا پر کیا ہے"
~~~~~~~

نرملا بولی:" اس لئے کہ جس شادی کی بنیاد خوبصورتی پر ہو، وہ خوبصورتی کی مانند ہی کمزور اور بے بنیاد ہوگی، جس مرد کے دل میں حسن کی ایسی چاہت ہے وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ کوئی عورت اس سے شادی کرنا منظور کرے"

کوئی شخص گنگا پرشاد کے سر پر اگر سینکڑوں جوتے لگا دیتا تو اسکے دل کی کیفیت شاید ایسی نہ ہوتی جیسی اس تقریر کو سن کر ہوئی لیکن اسکے دوستوں کی آنکھیں جیسے کھل گئیں، آج پہلی مرتبہ ان کو معلوم ہوا کہ اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے، اب تک ایک طرفہ ڈگری ہوا کرتی تھی، مرد کے بیان پر ہی فیصلے ہوتے تھے، عورت بھی کچھ کہہ سکتی ہے یا اسے بھی کچھ کہنا چاہئے، اسکی طرف انہوں نے کبھی دھیان ہی نہ دیا تھا، اسکی منظوری گویا ایک مانی ہوئی بات تھی، آج ان کو مجبوراً یہ بات تسلیم کرنا پڑی کہ اس میں کتنی بے انصافی چھپی تھی، ایک دوست نے نرملا کی تائید کرتے ہوئے کہا "دیوی جی آپ کا کہنا سچ ہے، ہم سے جو غلطی ہوئی اس کو معاف کریں، بولو بھائی گنگا پرشاد تم بھی کچھ کہنا یا سننا چاہتے ہو، دیوی جی نے ہم کو تو لاجواب کر دیا"

گنگا پرشاد کھسیانے ہو کر بولے، کہاں ہیں لالہ کالی پرشاد، مجھے اپنے گھر بلا کر اسطرح ذلیل کرانا کیا ان کو زیبا تھا؟"

نرملا کہنے لگی شادی تو مجھے آپ سے کرنا ہے، ساجی ...کو نہیں جسطرح اس بات میں آپ خودمختار ہیں ویسے ہی میں بھی ہوں، جب آپ کے اور میرے والد کے درمیان بات چیت ہو رہی تھی تو آپ کیوں بیچ میں کود پڑے تھے، میں تو آپ کو دیکھنے نہ گئی تھی، آپ میرے حسن کی جانچ کرنے کس لئے دوڑے آئے؛ آپ سمجھتے ہوں گے کہ آپ ہر صفت موصوف ہیں، اور ہر ایک عورت آپ کی خدمت کرنا اپنی خوش نصیبی سمجھے گی، لیکن اس غرور کو دل سے نکال دیجئے، کم از کم میں تمہارے ایسے آدمی کو پتی بنانا کسی حال میں منظور نہیں کر سکتی، میں اپنے شوہر میں جو خوبیاں دیکھنا چاہتی تھی وہ آپ کے اندر نہیں ہیں"

ایک دوست نے گنگا پرشاد کو چھیڑتے ہوئے کہا "بھائی دیوی جی سے کھشما مانگو ان کے پاؤں پڑ کر معافی کے طلبگار ہو۔ تمہاری قسمت کھل گئی کہ ایسی دانا اور دور اندیش عورت سے واسطہ پڑا ہے"

دوسرے دوست نے براہ راست نرملا کو مخاطب کیا، دیوی جی ہم سب آپ سے معافی چاہتے ہیں، بیشک ہم سے بہت بڑا اپراد ہوا ہے، جس کے لئے ہم بیحد شرمسار ہیں، لیکن اب سوچیئے کہ دونو طرف تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اگر اس آخری وقت میں کچھ گھپلا پڑ گیا تو فریقین کی کتنی سخت بدنامی ہوگی گنگا پرشاد اب بھی خاموش کھڑا تھا، نرملا سمجھ گئی کہ ابھی تک یہ معزور نیچا نہیں ہوا، پھر ایک بار چوٹ کرتے ہوئے بولی:" آپ سمجھتے ہوں گے میں اس کو کھلاؤں گا، کپڑے پہناؤں گا، اس لئے آپ کا نمبر بلند ہے، لیکن آپ نے یہ نہ سوچا کہ آپ کی پتنی بننے میں مجھے کتنا بڑا ایثار کرنا پڑے گا، اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر میں دوسرے گھر جاؤں گی، اپنی خدمت گذاری سے مجھے غیروں کی نظروں میں مقبول بننا پڑے گا، بچوں کی پرورش کرنا ہوگی۔ سب کو کھلا کر کھانا سب کو سلا کر سونا میرا دھرم ہوگا، آپ چار پانچ گھنٹے کام کر کے سیر سپاٹا کریں گے، لیکن مجھکو چوبیسوں گھنٹے گھر کے دھندوں میں لگا رہنا پڑے گا، جب یہ حالت ہو تو میں کس طرح مانوں کہ مرد شادی کر کے عورت پر احسان کرتا ہے، میں تو اسکے برعکس یہ جانتی ہوں کہ عورت شادی کر کے مرد پر احسان کرتی ہے"

گنگا پرشاد پر یہ حقیقت منکشف ہونے لگی کہ اس لڑکی سے شادی کرنا اور لوہے کے چنے چبانا ایک برابر ہے، جواب میں کچھ کہنا چاہتے تھے مگر ایسے کھسیانے ہوئے کہ ایک لفظ تک منہ سے نہ کہہ سکے۔

واپس جاتے ہوئے راستہ میں تینوں دوستوں کی بحث ہونے لگی، ایک نے سمجھایا "تم نے بھول کی گنگا ذرا سا دب جاتے تو وہ راضی ہو جاتی"

گنگا پرشاد بولے "بس میرے حال پر رحم کرو، میں ایسی عورت سے باز آیا اگر سچی بات پوچھتے ہو تو میں اس کے سامنے گویا بالکل ہی بے زبان تھا ایسی عورت سے شادی کرنا زندگی بھر کے لئے غلامی کا اگری منٹ Agreement لکھنا ہے، اسنے اتنے ہی میں مجھکو کہیں کا نہ رکھا"

دوسرا دوست بولا" یار باتیں تو اس نے سب پتے کی کہیں تھیں"

گنگا پرشاد دانت نکالتے ہوئے کہنے لگے، یوں کیوں نہ کر دیا کہ خوب ہی مجھکو بھگو بھگو کر جوتے لگائے"

پہلا دوست بولا "واہ آپ بھی چلے تھے دیکھنے کسی طرح چپکے سے فوٹو منگوا لیا ہوتا اب جلے پر نمک کیوں چھڑکتے ہو یار" گنگا پرشاد نے تنگ ہو کر کہا وقت پر تو تم نے بھی کوئی دستگیری نہ کی"

پہلے دوست نے کہا "اچھا اب کان پکڑو کہ پھر کسی لڑکی کو دیکھکر شادی کرنیکا نام نہ لوں گا" دوسرے نے کہا "تو اس میں اتنا دکھی ہونے کی کیا بات ہے، عورتوں کی بات تو جدا ہے، مرد یا لیسنڈ ہو جانے پر دوسرا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے، تم بھی کوئی دوسرا گھر تاکو"

اگلے دن یہ خبر شہر بھر میں مشہور ہو گئی، دل لگی بازوں کو اچھا شگوفہ مل گیا صبح سے شام تک ماتم پرسی کرنیوالوں کا تانتا بندھا رہا، جو کوئی آتا گنگا پرشاد کی جھینپ اور کھسیانے پن سے لطف اٹھاتا اور دو چار فقرے کس کر چلا جاتا بیچارے گنگا پرشاد کا گھر سے باہر نکلنا ناممکن ہو گیا، کئی دنوں تک گھر کی

شاعر کی دُنیا

نسیمِ صُبح بھرے چمن میں گلوں کو لوں گدگدا رہی تھی،
اُلجھتی شاخوں میں مست جھونکے تڑپ تڑپ کر مچل رہے تھے
خنک گھٹائیں فضائے گیتی کے ذرّے ذرّے پہ چھا رہی تھیں
سفینے کرنوں کے ابر پاروں میں آسماں پر رواں دواں تھے
شگفتہ غنچوں کے قلبِ نازک میں آرزوئیں دھڑک رہی تھیں
عروسِ فطرت بسی ہوئی تھی شمیم در عنبرگی میں یکسر
ہجومِ بیِ مہوشوں کے بیٹھی تھی ایک دوشیزہ گا رہی تھی
نفس نفس میں مسرتوں کا جنون محشر خروش لیکر
طلسمِ نغمہ سے مست ہو کر شرابی اک داں یہ لڑکھڑایا
کہ گلشنِ آرزو کی گویا کلی کلی مُسکرا رہی تھی،
زباں سے سیّال و نرم نغمے لرز لرز کر نکل رہے تھے۔
وہ بجلیوں کو ہنسانے والی ہنسی دلوں کو رُلا رہی تھیں
اُٹھائے میخانے رنگ و بُو کے غرورِ مستی سے نغمہ خواں تھے
وہ آبشاروں سے چھُونے والی ہوائیں ہر سو لہک رہی تھیں
شباب انگڑائی لے رہا تھا جہانِ صد اشتیاق بن کر
ندی کنارے سے دھیمی دھیمی صدا ترنم کی آرہی تھی،
اور اپنی جذبات والی دُنیا میں ایک طوفانِ جوش لیکر
پھر اپنے سینے کی رستخیزی سے جوش میں وہ یوں بڑبڑایا

یہ حُسنِ فطرت کا رقصِ عریاں کہ عشق بر بربط بجا رہا ہے
برنگِ موجِ بہار نغمہ دلوں کی دُنیا پہ چھا رہا ہے

طلسمِ نغمہ سے مست و بیخود مسرتوں کے فسوں کی دیوی
ریاضِ فطرت کی حُور ہے یا تبسموں کی بہار تو ہے
حجاب آمیز نخوتوں سے یہ کیا غضب تو نے دل پہ ڈھایا
جوانیوں کو لباسِ مستی میں مُسکراہٹ سکھا رہی ہو
یہاں تو حرص و ہوس کی پیشِ نظر فقط آزمائشیں ہیں
چلو مرے ساتھ ایسی دُنیا میں جو ہے بالکل نرالی دُنیا
نظر کی پرواز تک فضا میں جہاں برستے ہیں مست نغمے
فرشتے جس جا پہ گیت گاتے ہیں سچی اُلفت کے وادیوں میں
جہاں کہ جاکر زبان ملتی ہے حُسنِ معصوم بے خبر کو
تلاطموں کے دیار میں ہے وہ میری رنگیں خیال دُنیا
جہانِ صد اضطراب رکھتا ہے ذرہ ذرہ مرے جہاں کا
"شراب" و "شعر" و "شباب" کی یا سرور و کیف و جنوں کی دیوی
چمن تصدق ہو تیرے رخ پر شبابِ گل کی نکھار تو ہے
تو حُسن و رومانیت کی مالک تو میری دُنیا" تو میری مایا.
مگر یہ مطلب پرست دُنیا سے کس لئے دل لگا رہی ہو؟
یہاں تو باطل پرستیوں کی نمائشیں ہی نمائشیں ہیں
ہے شعر و نغمہ کی وادیوں میں وہ عشق و جذبات والی دُنیا
بہاریں گاتی ہیں مست ہو کر جہاں پہ اُلفت پرست نغمے
جہاں کہ سوز و گداز بلتا ہے یاس و حسرت کی گھاٹیوں میں
شرابِ دیدارِ حُسنِ فطرت کی مفت بٹتی ہے ہر بشر کو
وہ محوِ تخئیلِ حُسنِ فطرت - وہ میری محوِ جمال دُنیا
پسی ہوئی بجلیوں کا مصدر ہے خس - ہر اک میرے آشیاں کا

وہاں میں مضرابِ سوزِ غم سے ترانے گاتا ہوں بیخودی کے
شباب و شعر و شباب حاکم ہیں میری دُنیائے عاشقی کے

(عاجز)

میری پریم کہانی

ایک حسین و جمیل بیوہ کی آپ بیتی

از جناب رابط ہاشمی (فاضل ادب)

ٹھیک آج سے سات برس پہلے وہ میرے یہاں آئے، وہ ایک طالب العلم تھے، آئی اے میں پڑھتے تھے، زندگی کا وہ خوشگوار ترین دن تھا، وہ حسین تھے بیحد حسین ——— بھولی بھالی شکل، ستواں ناک، بھرے بھرے بازو، چوڑا چکلا سینہ، چھریرا بدن، مدبھری آنکھیں، دلکش ساخت مجسمۂ کشش و دلفریبی، وہ ملک کے مشہور فسانہ نگار تھے ان کے افسانوں میں کہربائی طاقت پنہاں ہوتی تھی ——— پڑھنے والے پڑھ کر کلیجہ تھام لیا کرتے تھے ——— بلا کا درد، غضب کی تڑپ، معلوم ہوتا تھا کہ افسانہ نویس اپنے عمق قلب میں ایک پوشیدہ دردِ پنہاں کا ہمیشہ او رکھنہ ناسور رکھتا ہے، افسانہ کیا ہوتا درد بھری کہانی ہوتی، غم آلود جذبات لفظوں کے جامہ میں ملبوس سطور پر پھیلے ہوتے، شاعر کا دل روتا تھا، اشک بہتا تھا، خود روتا اور دوسروں کو رلاتا تھا۔

میں بیوہ تھی ——— میرا ایک ہی لڑکا تھا، میری عمر اسوقت کوئی ۲۳ سال کی ہوگی، ابا نے انہیں عزیز کے پڑھانے کے لئے متعین کر دیا تھا، وہ روز ٹھیک وقت پر آتے اور ٹھیک وقت سے چلے جاتے، ان کی عمر کوئی پچیس ۲۵ سال کی تھی، وہ خاموشی کی زندہ تصویر تھے، آتے، پڑھاتے، پھر سرنگوں چلے جاتے، عزیز سے انہیں بیحد محبت تھی، دیکھتے ہی دیکھتے عزیز نے دو ماہ ہی میں نمایاں ترقی کر لی، ایک دن میری چھوٹی بہن نے ان سے ایک "رسالہ" مانگ بھیجا، اردو اور انگریزی زبان کے بلند پایہ اور موقر رسالے ان کے پاس آتے تھے، انہوں نے کہلا بھیجا "کل "ساقی" کا نمبر بھیجدوں گا" دوسرے دن انہوں نے "ساقی" کے علاوہ "عالمگیر" اور "مست قلندر" اور دیگر رسالے بھی بھیجدیئے۔

نفی نے کہا "بڑے اچھے ہیں، ماسٹر صاحب" میرا دل کھل گیا، میں نے جھٹ اسکا پیالہ لے لیا، دراصل ان کی دی ہوئی چیزیں مجھے بڑی بھلی معلوم ہوتی تھیں اور دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔

اتفاقاً ایک دن میں کوٹھے سے نیچے سڑک پر "سپیرا" کا تماشہ دیکھ رہی تھی، میں بالکل تماشہ دیکھنے میں محو تھی، وہ آئے اور مجھے دیکھتے رہے میں جب اپنی محویت سے چونکی تو ندامت سے عرق عرق ہوگئی، مسرت ان کے چہرہ پر کھیل رہی تھی، ان کا چہرہ بلا کا دلفریب بن گیا تھا، میرے دل نے کہا "بڑے حسین ہیں وہ، بڑے پیارے معلوم ہوتے ہیں"۔

میں نے پھر ہفتوں کوٹھے کی طرف رخ تک نہ کیا، وہ کھوئے سے رہنے لگے، وہ اگلا سا تبسم، چہرہ کچھ اُداس اُداس معلوم ہوتا، میرا دل چاہتا کہ ان سے پوچھوں "کیا ہوا ہے انہیں" لیکن معذور تھی، اب وہ روزانہ یا نیا "رسالہ" لا کر دیا کرتے، عزیز کو کہتے "اماں کو دیدو" مجھے بڑی مسرت ہوتی، میں پھولی نہ سماتی، جب تک وہ رہتے میرا دل بڑا مسرور رہتا، جیسے ہی وہ جاتے طبیعت ملول ہو جاتی، دل چاہتا کہ وہ دن بھر بیٹھے رہتے، میں کبھی کبھی ان کو روزن سے دیکھا کرتی، دراصل مجھے ان سے محبت ہوگئی تھی۔

ہفتہ کی شام تھی، ہلکی ہلکی چاندنی چھٹکی ہوئی تھی، بڑا سہانا وقت تھا وہ شام کو میرے گھر آئے، وہ ہمیشہ ہفتہ کی شام کو والد سے ملنے آیا کرتے تھے ابا اس دن گھر میں موجود نہ تھے، انہوں نے عزیز کو بلایا، میں کوٹھے پر تھی عزیز کو انہوں نے گود میں لے لیا اور بھینچ بھینچ کر پیار کیا، کہنے لگے:-

"عزیز، میں کل جا رہا ہوں"

"کہاں ماسٹر صاحب؟" عزیز نے پوچھا۔

"پٹنہ"۔ انہوں نے جواب دیا۔

"تو میں بھی ساتھ چلوں گا" عزیز نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں میاں، اتنی دور تم کیسے جاؤ گے، میں تمہارے لئے اچھی اچھی چیزیں لیتا آؤں گا، کھلونے، باجے، رنگ برنگ کے کھانے کی چیزیں، ہاں سمجھا" "اچھا لو یہ بڑا ہی عمدہ رسالہ ہے، اماں کو دیدینا"۔

وہ چلے گئے، میرا دل تڑپنے لگا، میں دل مسوس کر رہ گئی، دل یہی چاہتا کہ راہ روک لیتی، جانے نہ دیتی، دیر تک کوٹھے پر اداس بیٹھی رہی۔ پرچہ بڑا جاذب نظر تھا۔ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اس میں ایک خط تھا ———:

" عزیزہ دوست، دور افتادہ کا ہدیہ سلام قبول ہو،

تمہارا خط دنوں سے نہیں آیا، کیوں صاحب، بھول گئے؟ تم تو کہتے تھے کہ میں کبھی تمہیں فراموش نہیں کروں گا، ہاں، جی تمہاری اب شادی ہوگئی

ہے نا، مبارک ہو، نئی دلچسپی۔ جدید سامانِ نشاط، بھلا میں اب کیسے یاد آؤں۔ واقعی یوسف، تم نے بالکل سچ کہا تھا کہ زندگی محبت کے بغیر نامکمل ہے۔ تم مجھے کہتے تھے ناکہ "ارے، بغیر محبت کے بھی کوئی زندگی ہے۔" تو سنو! مجھے محبت ہوگئی ہے، تم سُن کر متعجب ہوگے، پوچھوگے، یہی ناکہ کس سے؟ ذرا میں بھی تو سُنوں، تو پھر سُن لو ——— ایک گلاب سی نازک پنکھڑی سے حسین چہرہ والی پری سے، ہاں ہاں سچ بتاؤں ——— ایک کامنی مورت کے ساتھ ——— بڑا دلکش ہے اس کا چہرہ۔ عجیب دلربا ہیں اس کی باتیں۔ مدہوش کن الفاظ باتوں میں جیسے رس بھرا ہو، اس کے منہ بڑے میٹھے ہوتے ہیں میں نے اسے دیکھا وہ ایک روز کوٹھے پر کھڑی تماشہ دیکھنے میں محو تھی۔ ایک تاف کی حسین بتیری سفید سی وہ ملبوس۔ لمبے لمبے بال شانہ پہ بکھرے ہوئے حسن اس وقت مدہوش تھا۔ میں اس کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا تاآنکہ وہ اپنی محویت سے چونکی اور ندامت سے سرنگوں ہوکر جھٹ غائب ہوگئی۔ میں نے سمجھا یہ خواب تھا۔ وہ دلفریب منظر کسقدر جلد نظروں سے روپوش ہوگیا! ہائے افسوس! کاش میں اسے زندگی بھر یونہی دیکھتا رہتا! اس دن سے ایک عجیب خلش، نامعلوم درد کا احساس ہوتا ہے، ایک ہلکا ہلکا میٹھا میٹھا درد دل میں پیدا ہوگیا ہے، اضطراب کسے کہتے ہیں! ———

مجھ سے پوچھو، آخر اس محبت کا انجام کیا ہوگا؟ یوسف جانتے ہو مجھے کس سے محبت ہوئی ہے ——— ایک بیوہ سے، دیکھ لیا تم نے میرا ذوقِ محبت، تم ہی تو کہتے تھے ——— محبت اندھی ہوتی ہے، آخر اس میں برائی ہی کیا ہوئی، وہ بیوہ ہے، لیکن آہ! اسکی قدر و منزلت کوئی میرے دل سے پوچھے، اسکا حسن، اسکی دلفریبی، اسکی بھولی بھالی شکل، اسکی محبت میں ڈوبی ہوئی باتیں۔ کون ہے، جو اسے دیکھے اور اسکے ساتھ محبت کرنے پر مجبور نہ ہو جائے، یوسف، محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے، جسطرح بادِ صرصر چلتی ہے اور گرد کو اڑا لے جاتی ہے، گرد خود بخود نہیں اڑتی، اڑائی جاتی ہے، میرے دوست، تم نے کبھی دریا کی روانی دیکھی ہے، جسوقت دریا کی روانی اپنے پورے حشر سامانی پر ہوتی ہے تو اسکے تیز بہاؤ میں خس و خاشاک بھی بہے چلے جاتے ہیں، خود نہیں بہتے، بہائے جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح محبت کی حالت بھی ہے، بے قراری و بے چینی، بیداری اور آہ و زاری یہ سب خود بخود جلوہ گر نہیں ہوتے، بلکہ انہیں اپنے افعال پر مجبور کیا جاتا ہے، دیکھو انتظار کرو، تمہارا نسیم اب اس بھنور سے نکلکر ساحلِ مقصود سے ہمکنار ہوتا بھی ہے کہ نہیں، اچھا خدا حافظ۔

تمہارا دوست نسیم

خط پڑھ کر میں ورطۂ استعجاب میں غرق ہوگئی، عجیب بات! ملک کا مشہور افسانہ نگار اور سحر طراز شاعر گرفتارِ محبت ہے! کس کے ساتھ ——— ایک بیوہ کے ساتھ! میرا دل دھڑکنے لگا، میں نے خط اسی طرح رکھدیا، اسکا معبود نہ جانے کون ہے آخر؟ کیا ان کو مجھ سے محبت ہوگئی ہے الٰہی یقین نہیں آتا، کیا یہ سچ ہے؟ میں دیر تک انہی خیالوں میں محو رہی یکایک عزیز دوڑا ہوا آیا۔ کہنے لگا، "اماں، اماں، ماسٹر صاحب وہی پرچہ مانگتے ہیں۔" میں نے روزن سے جھانک کر دیکھا، عجیب پریشان تھے وہ ——— کچھ سہمے ہوئے، میں نے جلدی سے پرچہ دیدیا۔ انہوں نے عزیز سے فوراً پرچہ لے لیا، ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے جلدی سے خط نکال کر جیب میں رکھ لیا۔

آخر وہ چلے گئے، والد نے مجھ سے پوچھا "ماسٹر صاحب آئے تھے آج؟"

"آئے تھے۔ شاید وہ پٹنہ جانیوالے ہیں، دو تین دن بعد آئیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

دو دن ختم ہو گئے۔ تیسرے دن بھی وہ نہیں آئے، میرے دل کی بے چینی لحظہ بہ لحظہ فزوں تر تھی، عجیب عجیب خیالات دل میں آتے تھے وحشت بڑھتی جاتی تھی، اضطراب شدید تھا، دل کی خلش روز افزوں ترقی پر تھی، میں بے چین تھی، میرا دل گھبرا رہا تھا، نماز پڑھ پڑھ کر دعائیں مانگتی کہ خدا انکو صحیح و سالم جلد آنکھوں سے پھر دکھائے۔ اف! کیسے جانگسل تھے وہ دن بھی۔ دوشنبہ کا دن تھا۔ کوئی آٹھ بجے کا وقت ہوگا، میں چشم براہ تھی دل کہتا تھا کہ کاش وہ آجاتے تو دوگانہ شکر کا ادا کرتی، دیکھا کہ وہ آرہے ہیں، دل بلیوں اچھلنے لگا، وہ آئے، حسب دستور "عزیز" کہکر پکارا، میں بارگاہِ ایزدی میں شکریہ ادا کرنے لگی

"کہاں رہے تھے آپ اتنے دن ماسٹر صاحب" عزیز نے پوچھا۔

"کچھ کام تھا" انہوں نے جواب دیا۔

دن اسی طرح گذرتے گئے، محبت بڑھتی گئی، وہ روز کچھ نہ کچھ عزیز کو خرید لاکر دیتے، کبھی پھولوں کا ہار، کبھی کوئی کھلونا، کبھی گاڑی، کبھی کھانے کی چیزیں، میں بھی گاہے گاہے، نان خطائی، حلوا، اور دیگر اقسام کی مٹھائیاں ناشتہ کے بہانہ سے اُن کو بھیجتی رہی، وہ ہمیشہ پوچھتے "کس نے دیا ہے یہ" عزیز کہتا "اماں نے" ان کا چہرہ کھل جاتا، وہ مسکرانے لگتے کہتے "اماں کو میری طرف سے بہت بہت شکریہ کہدینا، کہو گے نا عزیز" اب وہ بھی سمجھنے لگے تھے کہ مجھے بھی ان سے محبت ہے، گو میں نے اسکی طرف کبھی کنایہ سے بھی کام نہ لیا تھا، پھر بھی قرائن سے وہ سمجھ گئے چھ ماہ بعد ان کے گھر سے ایک تار آیا، ان کی والدہ بیمار تھیں، میرے ابا بھی دہلی گئے ہوئے تھے، انہوں نے مجھے لکھا ——— اگر دل نہیں چاہتا لیکن مجبوری کا نام صبر ہوتا ہے، کیا آپ کی اجازت ہے، تعلیمی

نقصان کی تلافی ہو جائے گی"۔

میں نے دل کڑا کر کے جواب اسطرح دیا ——

جانا ضروری ہے، کب تک تشریف لائیے گا، جلد آ جائیے گا، پڑھائی کا نقصان ہو گا، خط لکھئے گا"

میں نے دیکھا کہ انہوں نے خط کو آنکھوں سے لگا لیا، پڑھا اور حفاظت سے جیب میں رکھ لیا، انہوں نے اسکا جواب ان لفظوں میں دیا ——

میری ہمدرد و غمگسار ——— خدا تا زیست آپ کی محبت قائم رکھے آپ کی پرخلوص محبت، سچی ہمدردی کا میں کبھی معاوضہ ادا نہیں کر سکتا۔ میں کس قابل ہوں کہ آپ کی عنایات کا ایک شمہ بھی بدلہ ادا کر سکوں میرا دل نہ جانے کیوں یہیں رہنے کو چاہتا ہے ذرا بھی دل جانے پر راضی نہیں، مدت مدید سے میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، پر خوف دامنگیر ہوتا ہے کہ کہیں آپ رنجیدہ نہ ہو جائیں، دل چاہتا ہے کہ کہدوں، کیا کہوں، اُف عجیب دل گرفتار الم ہے، جو بھی ہو فیصلہ کا فیصلہ آج ہی ہو جائے تو بہتر ہے، مرض مزمن ہو رہا ہے، اب ڈر ہے ہلاکت کا، پھر کیوں نہ کہدوں، آخر کب تک اس درد کو چھپاتا رہوں، اب مجھ سے پنہاں رکھا نہیں جاتا، اب میری زیست و موت کی آپ مختار ہیں، چاہے مجھے بے موت ماریں، چاہے حیات کی لذتوں سے ہمکنار کریں، مجھے ——ہاں مجھے —— "آپ سے محبت ہے"۔ کاش آپ کو بھی محبت ہوتی، اسوقت آپ میرے جذبات کو صحیح طور پر سمجھ سکتیں۔ صرف

آپ کا ——— نسیم

خط عزیز سے بھجوا دیا اور وہ چلے گئے، میں خط پڑھ کر گھبرا گئی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، جلدی سے خط کو چھپا کر دامن میں رکھ لیا، میں نے سمجھا کہ پھر وہ شام کو گھر جاتے وقت آئیں گے لیکن وہ نہ آئے بیس دن ہو گئے۔ ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اور نہ کوئی خط ہی انہوں نے بھیجا۔ میں بے چین تھی خط پڑھ کر ان کی بے باکی پر جو خفگی مجھے ہوئی تھی رحم و محبت سے تبدیل ہو رہی تھی محبت کی تخلیق فراق میں زیادہ تر ہوتی گئی۔ اب پھر میں بیکار اضطراب تھی۔ دل بیٹھا بیٹھا معلوم ہوتا تھا —— گرا گرا۔ کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔ بات چیت کرتے وحشت ہوتی۔ کچھ عجیب حال تھا۔ دل چاہتا کہ وہ آتے اور مجھے سینے سے چمٹا کر زور زور سے بھینچتے۔

بھادوں کی رات تھی۔ سردی کا موسم، گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اور اکا دکا بوندیں پڑ رہی تھیں رات اول ہی حصہ میں تاریک تھی۔ کوئی ساڑھے آٹھ کا وقت تھا، مگر معلوم ہوتا تھا کہ کالی رات آئی ہے۔ میں کوٹھے پر بیٹھی ان کے خط کو بار بار پڑھ رہی تھی۔ آنکھوں سے اشک رواں تھا۔ دل تڑپ رہا تھا۔ یکایک آواز آئی "عزیزہ" میں جیسے چونک پڑی۔ میرا دل خوشی سے بلیوں اُچھلنے لگا۔ میں نے زور سے عزیزہ کو پکار کر کہا "جاؤ ماسٹر صاحب آئے ہیں"

وہ دروازہ پر بیٹھ گئے۔ عزیزہ جب باہر گیا تو انہوں نے عزیزہ کو خوب پیار کیا خیریت پوچھی۔ اور چپکے سے ایک خط نکال کر دیا کہ اماں کو دے آؤ۔ خط کیا تھا —— مفصل روئداد سفر تھی۔ اس طرح علاج و معالجہ میں پریشان رہا۔ آپ کے لئے میرا دل تڑپتا رہا لیکن میں مجبور تھا میری تقصیر معاف کی جائے۔ غرض کچھ ایسے اسلوب سے خط لکھا گیا تھا اور ایسی عاجزی و الحاح کی گئی تھی کہ سخت انسان کا دل بھی جذبۂ ترحم سے معمور ہو جاتا میں نے دل میں کہا "بڑے وہ ہیں آپ' اب آپ سے نہ بولوں گی" پھر نہ جانے کیوں میرا دل تڑپ اُٹھا اور میں نے اس کا اسطرح جواب دیا "ہاں آپ نے تاخیر تو کافی کی لیکن مجبوری ہی کا نام تو صبر ہے۔ آپ بیشک معذور تھے۔ خیر کوئی بات نہیں ہے خط نہ آنے سے تشویش ضرور ہوتی تھی" اس طرح ہم دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ محبت روز بروز پروان چڑھتی گئی تا آنکہ ہمارے قلوب باہم مل چکے تھے اور ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھے بغیر جی نہیں سکتے تھے۔ کسی دن وہ کسی سبب سے نہ آ سکتے تو زندگی دوبھر معلوم ہوتی۔ عجیب ذہنی خلفشار اور قلبی اضطرار میں گرفتار ہو جاتی پھر کیا ہوا —— ایک سال بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا "کہ اب ہم دونوں کو ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کا ہو جانا چاہئے۔ آپ کی کیا رائے ہے"

"میں تو بالکل تیار ہوں" میں نے جواب دیا۔

"پھر کیا کرنا چاہئے" وہ مسکرا کر بولے۔

"آپ سے کہئے، وہ نکاح ثانی کے مخالف تو نہیں، بارہا آپ سے تو گفتگو ہو چکی ہے، وہ نکاح ثانی کی کسقدر پُر زور حمایت کرتے ہیں"

"بہت بہتر" مجھے گدگداتے ہوئے وہ بولے۔

"تو پھر کل ہی تذکرہ کروں" انہوں نے بڑی محبت سے پوچھا،

"جیسی آپ کی مرضی" میں ان کے سینے سے لپٹتی ہوئی بولی۔

انہوں نے کہا "اچھا تو کل ہی کہوں گا شاطہ (میرا نام تھا) دقت پڑ جائے تو دھوکہ نہ دینا، ہاں اگر وہ نہ مانیں تو"

"تو جو آپ کہیں گے اسی پر عمل کرونگی" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"تم بڑی پیاری ہو، میری جان" وہ میرا پیار کرتے ہوئے بولے انہوں نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور زور زور سے بھینچا پھر آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر بولے" دیکھو دھوکہ نہ دینا، اگر ابا راضی نہ ہونگے تو پھر تم خالہ جان کے یہاں چلی جانا، وہیں سب انتظام کر لیا جائے گا۔ خالہ تو تمہاری راضی ہے ہی وہ تو کئی بار تمہیں شادی کرنے کو بول بھی چکی ہیں"۔

" تم اطمینان رکھو، سب ہو جائیگا، میں نے یقین کے لہجہ میں کہا اب میں جاتا ہوں، رات بھیگ چکی ہے، خدا حافظ" وہ محبت سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولے۔

"خدا حافظ" میں نے انہیں رخصت کرتے ہوئے کہا۔

دوسرے دن وہ آئے۔ سیدھے ابا کے پاس چلے گئے کچھ دیر بعد ابا کے کرخت لہجہ سے مجھے معلوم ہوا کہ خیر نہیں ہے۔ دروازہ کی اوٹ میں جا کر ان کی گفتگو سننے لگی۔

" تم بڑے نالائق ہو، تم کس منہ سے میری بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہو، میں شادی کا مخالف نہیں پر تم جیسے کنگال کو لڑکی دیدوں یہ نا ممکن ہے"۔ وہ ملتجیانہ انداز میں بولے" دیکھئے، محبت میں غربت کا سوال بالکل بیکار اور بے معنی ہے۔ میرے پاس دولت نہیں لیکن علم ہے۔ میں اپنی قوت بازو سے مزدوری کر کے انہیں کھلاؤں گا، آپ اس کے لئے فکر کیوں کرتے ہیں رازق تو خدا ہے۔ میں ہمیشہ اپنی انتھک کوششوں اور پیہم جدوجہد سے کام لیتا رہوں گا اور ضروریات زندگی کی کفالت کرتا رہوں گا۔ تا آنکہ مجھے موت آ جائے۔ آپ اس کے لئے کیوں گھبراتے ہیں، روح کی مسرت حقیقی معنوں میں مسرت کہلاتی ہے کیا مُردوں کو بھی غم و حزن کا احساس ہوا کرتا ہے جس کی روح ناکامیٔ محبت سے مُردہ ہو جائے تو اسے دُنیا کی کوئی شے کیا مسرور رکھ سکتی ہے۔ پھر آپ دولت جیسی فانی شئے پر اسقدر زور کیوں دے رہے ہیں، فہیم تو وہ ہے جو دائمی شئے کا انتخاب کرے"

ابا بولے" رہنے دو اپنی بیہودہ بکواس، میں کچھ سُننا نہیں چاہتا"

وہ بولے" بہت خوب! اب میری باتیں بھی آپ کو بیہودہ بکواس معلوم ہوتی ہیں! بڑے افسوس کی بات ہے کل تک آپ ہی تھے نا، جو گردن اونچی کر کر کے نکاح ثانی کے متعلق بڑی بڑی باتیں بناتے تھے۔ حیرت ہے آج اسی چیز کی مخالفت پر کمربستہ ہیں کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ لڑکیوں کو دوسری شادی ضرور کرنی چاہئے۔ پھر آج کیا ہوا"۔

ابا بولے" میں نے کچھ نہیں کہا، چلے جاؤ یہاں سے"

دوسرے ہی دن مری شادی خالہ جان کے یہاں ہو گئی۔ میری والدہ تو تھیں نہیں خالہ ہی نے والدہ جیسی شفقت دکھائی اور انہی کی مدد سے سارا کام بخیر و خوبی انجام پا گیا۔

اب ہم لوگ بڑی مسرت و شادمانی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عزیز بھی انہیں اپنا ابا ہی خیال کرتا ہے اور وہ بھی اس کو اسی طرح چاہتے ہیں۔

یادِ دوست

جناب ساحرؔ قدوائی بریلوی

خاص برائے مست قلندر

زمیں سے آسماں تک ظلمتوں کی حکمرانی ہے
فضائے دہر میں تاریکیاں کروٹ بدلتی ہیں
ردائے تیرگی اوڑھے ہوئے ہر ذرہ ذرہ ہے
اُفق کی گود سے دُھندلاہٹوں نے سر اُٹھایا ہے
سیہ ناگن کے آگے گُل چراغ بزمِ عالم ہے
بساطِ آب و گل پہ اک جمود و کیف طاری ہے
مگر تو ہے کہ ایسے میں بھی مجھکو یاد آتا ہے
میری بزمِ تخیل میں تری تصویر رقصاں ہے

لٹیں شانوں پہ ڈالے لیلیٰ شب کی جوانی ہے
ہوائے تند میں خاموشیاں پیہم مچلتی ہیں
سکوں بردوش تاحدِ نظر ہر پتہ پتہ ہے
چھپا تک رات نے اپنا نقابِ رُخ ہٹایا ہے
تجلی کو اک سر بسر مصروفِ ماتم ہے
جہاں میں نیند کی دیوی کا فیضِ عام جاری ہے
سرور و کیف بن کر میرے دل پہ چھائے جاتا ہے
مری تاریک دنیا تیرے جلووں سے چراغاں ہے

مغربی دنیا!

اندھوں کا شہر

اندھوں کے متعلق دنیا میں بہت سے ادارے موجود ہیں، جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر اور قابل تعریف جدوجہد یوگوسلاویہ نے کی ہے، اس حکومت نے اندھوں کا ایک شہر آباد کر دیا ہے۔

تجربہ کے طور پر یہ شہر بسایا گیا تھا جو اسقدر کامیاب ہوا ہے کہ دوسرے ممالک بھی چاہیں تو اس تجربہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

یوگوسلاویہ کے جنوبی علاقہ میں ایک گاؤں "بیٹر ٹنگ" ہے، اسکے پاس اسی نام سے اندھوں کا یہ شہر ایک پہاڑ کے دامن میں آباد کیا گیا ہے جس پہاڑ کے دامن میں یہ شہر بسایا گیا ہے، اسکی چوٹی بیٹر ٹنگ کے نام سے مشہور ہے اس پہاڑ کا ماحول بہت سے تاریخی معرکوں کی جائے وقوع ہے۔

گذشتہ جنگ عظیم میں سر و یا کے بہت سے سپاہی آنکھوں سے محروم ہو گئے تھے، وہاں کے بادشاہ الیگزینڈر نے انہیں اندھے سپاہیوں کے لئے اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔

اندھوں کا یہ شہر آسانی سے آباد نہیں ہوا، اس شہر کو اندھوں کے لئے آرام دہ اور سہولت بخش بنانے میں کافی جدوجہد اور ایثار و اخلاص سے کام لینا پڑا، اس شہر کے ہر اندھے کو کاشتکاری کے لئے زمین کا ایک بڑا ٹکڑا ایک صاف ستھرا خوبصورت مکان، گائیں بھیڑیں اور زراعت سے تعلق رکھنے والے جدید آلات حکومت کی جانب سے مہیا کئے گئے ہیں، اس شہر نے کافی مالی ترقی کر لی ہے، یہ بات تعجب اور دلچسپی سے معلوم کی جائے گی کہ اندھے سپاہیوں کو ایک کامیاب اور ہوشیار کاشتکار کیونکر بنایا جا سکا، ان اندھوں کو سب سے پہلے بلائنڈ انسٹیٹیوٹ (اندھوں کا اسکول) میں بھیجا گیا، اس انسٹیٹیوٹ نے بڑی ہمدردی اور دلسوزی سے اندھوں کو زراعت کی تعلیم دی۔

اندھوں کی تعلیم کے بعد ان کی آبادی کا سوال تھا، شاہ الیگزینڈر نے اسکی تدبیر یہ سوچی کہ اگر ہر اندھے کی شادی ایک کسان لڑکی کے ساتھ کر دی جائے تو یہ تمام اندھے کسان لڑکیوں کی امداد سے زمینداری کر کے آرام و عافیت کی زندگی گذارنے کے قابل بن سکتے ہیں، لیکن تجویز بجائے خود کچھ کم مشکل نہ تھی، اتنی کسان لڑکیاں آسانی کے ساتھ کیونکر مہیا ہو سکتی تھیں جو اندھوں کی پوری آبادی کے لئے کفالت کر سکتیں۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے شاہ الیگزینڈر نے یوگوسلاویہ کی کسان لڑکیوں سے قومی ہمدردی اور وطن پرستی کے نام پر اپیل کی، عورتیں عموماً نرم دل واقع ہوئی ہیں۔ ان میں بادشاہ کی اپیل پر اندھوں کی ہمدردی کا ایسا زبردست جذبہ پیدا ہو گیا، اور اس کثرت سے کسان لڑکیوں نے اندھوں سے شادی کرنے کے لئے بادشاہ کی اپیل کا جواب دیا کہ ان کی تعداد اندھوں کی تعداد سے متجاوز ہو گئی، جن لڑکیوں نے اندھوں سے شادی کرنے پر آمادگی ظاہر کی ان کی عادات و اخلاق اور صحت اور عمر کی سرکاری افسروں نے اچھی طرح تحقیقات کی اور جو لڑکی جس اندھے کے لئے موزوں ہو سکتی تھی، اسکے ساتھ اسکی شادی کر دی، اس سلسلے میں ایک دلچسپ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اندھوں کی شادی کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا گیا اور اس مقررہ دن میں ایک ساتھ تمام اندھوں کی شادی خانہ آبادی کر دی گئی، شاید تاریخ میں یہ پہلی مثال ہے، جب ایک روز ایک مقام پر اتنی شادیاں ہوئیں۔

بیٹر ٹنگ یورپ میں واقع ہے اور یورپ کی آزادروی اور مطلق العنانی کا یہ حال ہے کہ وہاں برسوں کے مراسم اور تعلقات کے بعد جو شادیاں ہوتی ہیں وہ بھی آئے دن فسخ ہوتی رہتی ہیں، لیکن بیٹر ٹنگ میں ایک دوسرے کو پسند کرنے کے بعد نہیں بلکہ محض عمال حکومت کے اہتمام سے جو شادیاں ہوئیں وہ اس درجہ کامیاب ثابت ہوئیں کہ اب تک کسی شادی کے انفساخ اور شکست کی نوبت نہیں آئی، نہ عورتوں کو کبھی یہ محسوس ہوا کہ وہ اندھوں کے گلے باندھ دی گئیں، نہ مردوں کو کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ ان دیکھی لڑکیوں کو زبردستی ان کے گلے کا ہار بنا دیا گیا، بلکہ وہ ایک دوسرے سے اس درجہ خوش اور مطمئن ہیں کہ ان میں کبھی برائے نام کشیدگی اور رنجش بھی وقوع میں نہیں آتی۔

دنیا کا عجیب و غریب شہر

ہالی وڈ کے نام سے تو بہت سے لوگ واقف ہوں گے، لیکن اسکے تفصیلی حالات سے بہت کم لوگوں کو واقفیت ہو گی، ہالی ووڈ امریکہ میں واقع ہے اور اپنی فلم سازی کے لئے دنیا بھر میں غیر معمولی شہرت رکھتا ہے اسکی رونق اور چہل پہل کے آگے لندن بھی شرماتا ہے، یہ شہر ۲۷ مربع میل کے

رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، اس میں ۸۰ میل لمبی ریلوے لائن، کوئی تین درجن بنک دو درجن کے قریب تھیئٹر اور بیس ہوٹل واقع ہیں، ہالی ووڈ سے دو عدد روزانہ اخبار بھی نکلتے ہیں، یہاں کے سب سے بڑے تھیئٹر کا نام ہالی ووڈ ہال ہے، اس میں بیس ہزار نشستوں کا انتظام ہے، لطف یہ ہے کہ اس شہر کی تمام تر وسعت صرف پچھلے پندرہ سال کی پیداوار کا نتیجہ ہے، جسے روز بروز ترقی ہوتی جا رہی ہے۔

فلموں کا یہ عظیم ترین شہر کیلیفورنیا میں بحر الکاہل کے سرسبز ساحل پر واقع ہے، یہاں فلم کے متعلق ڈائرکٹر، مصور، مستری، بجلی والے، منظر نویس معاون، ماہرین لباس، ٹائپسٹ اور سب سے بڑھ کر ہزارہا ایکٹر اور ایکٹرسیں ہیں، جن میں آسمان فلم کے تابناک ستارے بھی شامل ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں روزانہ فلم گاہوں میں کام کرتے ہیں۔

آج سے پچیس سال پہلے ہالی ووڈ کیلیفورنیا کے پاس ایک گاؤں تھا وادی میں جا بجا درختوں کے جھنڈ تھے، آس پاس دور دور تک کھیت پھیلے ہوئے تھے، اچھی سڑکوں کا نام و نشان تک نہ تھا، گذرگاہ کے دائیں بائیں درختوں کی قطاریں ہوا کرتی تھیں، لیکن آج وہی عالی وڈ ہے کہ جنگل سے شہر بن گیا ہے، سینکڑوں عالیشان محل، بنگلے اور بارہ بارہ منزل کے مکانات اور عالیشان فلم گاہیں بن گئی ہیں، نہایت صاف ستھری اور خوشنما سڑکوں پر موٹر کاریں اور ٹرام گاڑیاں چکر لگا رہی ہیں، دنیا بھر کے بہترین اہل فن یہاں جمع ہو رہے ہیں اور کاریگری کی معروفیت کا یہ عالم ہے کہ یہ شہر بڑے بڑے امریکن شہروں کو مات کر رہا ہے

ہالی ووڈ میں پہنچنے کے لئے لاس انجیلاس کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے، یہ مقام کیلیفورنیا ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں اپنی دلفریبیوں کی وجہ سے ممتاز اور مشہور ہے، اس ریلوے اسٹیشن سے نو دس میل کا فاصلہ موٹر کاروں اور لاریوں پر طے کر کے لوگ ہالی ووڈ پہنچتے ہیں۔

لاس اینجیلاس سے روانہ ہونے کے بعد سب سے پہلے امبیڈ ز ہوٹل کی عمارت ملتی ہے، جس کے گرد نہایت عمدہ باغ بنے ہوئے ہیں، اسکے بعد اسٹوڈیو، بے تار برقی کا اسٹیشن اور بے شمار دکانیں ہیں، دونوں طرف بارہ بارہ منزل کے مکانات ہیں، یہ جگہ فی الحقیقت ہالی ووڈ کا قلب ہے، اس چوک کے ایک کنارے پر ایک بارہ منزل کی بڑی عمارت ہے، جس کی نچلی منزل پر دواؤں کی ایک دوکان ہے، جس کو ٹافٹ بلڈنگ کہتے ہیں، یہ ہالی ووڈ کی بہترین عمارتوں میں شمار ہوتی ہے، ہالی ووڈ میں بارہ منزل سے زیادہ اونچا مکان بنانیکی اجازت نہیں، ورنہ یہاں کی عمارتیں نیویارک کے فلک بوس مکانوں کو بھی مات کر دیتیں۔ ٹافٹ بلڈنگ میں پانچ لفٹیں لگی ہوئی ہیں، جو دن رات اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر جاتی رہتی ہیں، ان میں بہت سے دفاتر ہیں، جن میں ایک سنٹرل کاسٹنگ آفس بھی ہے، جہاں فلم ایکٹرسوں کے سوا تمام فالتو کام کرنیوالے اشخاص کو بھی اپنے نام درج کرانے پڑتے ہیں، یہاں تقریباً پندرہ ہزار مرد، عورت اور بچوں کے نام درج ہو چکے ہیں، جو فلم گاہوں میں اپنی روزی کماتے ہیں، اس دفتر میں فلم کے کام کے متعلق ہزارہا سوالات کے جواب دیئے جاتے ہیں، اور ملازمت کے امیدواروں کی قطاریں ہر وقت

فہرست قوانین رسالہ مست قلندر لاہور

(۱) مست قلندر ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور روانگی بار پرچوں کا مقابلہ کر کے ڈاک میں ڈالا جاتا ہے اس لئے اگر کسی صاحب کے پاس ۱۰ تاریخ تک پرچہ نہ پہنچے تو اسکی شکایت مقامی ڈاکخانہ میں کی جائے اور ہمیں بھی لکھا جائے پرچہ نہ ملنے کی شکایت کا خط ۱۰ تاریخ تک پہنچ جانا چاہئے۔ اسکے بعد تین آنہ کے ٹکٹ لفافہ میں آنے چاہئیں۔

(۲) مست قلندر کا مقصد صرف ظرافت روحانیت اور عام دلچسپی کے مضامین کی اشاعت کرنا ہے ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے ذاتیات پر بحث ہو یا سیاسی پہلو لئے ہوئے ہوں درج رسالہ نہیں ہو سکتے۔

(۳) لائق اور قابل مضمون نگاروں کو معقول معاوضہ دیئے جاتے ہیں، ہندی گجراتی، مرہٹی، بنگالی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنیوالوں کی خاص ضرورت ہے۔

(۴) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آنے چاہئیں۔

(۵) مست قلندر کے متعلق جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام ڈاکٹر پرمتی سنگھ صاحب ایڈیٹر مالک رسالہ مذکور ہونی چاہئے۔

(۶) مست قلندر کی توسیع اشاعت میں حصہ لینے والے خاص طور پر مستحق شکریہ کے سمجھے جائیں گے۔

(۷) رسالہ کا سالانہ چندہ ایک روپیہ پندرہ آنہ (۱۵؍۱) ممالک غیر سے ۷ شلنگ اور انعامی اشیا ہمراہ لینے والوں سے دو روپیہ بارہ آنہ (۱۲؍۲) اور ممالک غیر سے ۹ شلنگ ہے۔ چندہ برائے نمونہ آٹھ آنہ (۸؍) ہے۔

مینجر مست قلندر لاہور

یُوروپ کے حسین وجمیل بسکٹ

ولائتی بسکٹ آپنے بھی کھائے ہونگے اور کبھی کبھی ہم بھی اگر مفت ملجائیں تو کھا لیتے ہیں، لیکن یورپ میں ایک ایسا عجیب وغریب بسکٹ بک رہا ہے کہ اگر ہندوستان کے کسی والئی ریاست کو ایک بسکٹ بھی میسر آجائے تو وہ اپنی تمام ریاست اس ایک بسکٹ پر قربان کردے۔

آپ حیران ہوں گے کہ آخر اس بسکٹ میں کیا خاص بات ہے کہ وہ اچھے خاصے انسان کو گھن چکر بنا دیتا ہے، لیجئے ہم آپ کو اس بسکٹ کی خصوصیات بتائے دیتے ہیں، یہ بسکٹ غنچہ لب ہے، نازک دہن ہے، سیم تن ہے، اور سر تاپا ایک محبوب کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب آپ پریشان ہوں گے کہ بسکٹ میں یہ زندگی کیونکر پیدا ہوگئی، اسکی بھی سرگذشت سن لیجئے، لیورپول کے ایک ہوٹل میں ہفتہ میں دو تین تار یورپ کے مختلف حصوں سے وصول ہوتے تھے، جن کی عبارت یہ ہوتی تھی "ایک تازہ بسکٹ کا بنڈل بھیجا جا رہا ہے اس کو چھڑا لو"۔

مدتوں یہ تار آتے رہے اور بسکٹ بکتے رہے، خدا جانے کیوں کسی من چلے پولیس والے کو شبہ ہوا کہ اس نے ہوٹل کی نگرانی شروع کردی، نگرانی کرنیکے بعد پتہ چلا کہ اس ہوٹل کے مالکان کی لغت میں "بسکٹ" خوبصورت لڑکی کو کہتے ہیں، ہوٹل کے مالکان نے یورپ میں اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے ہیں جنکا کام ہی یہ ہے کہ وہ مختلف ممالک سے لڑکیوں کو خرید کرنے کے بعد لیورپول بھیجدیتے ہیں، جہاں ان کا اچھے داموں سودا ہو جاتا ہے۔

ادھر حسین پارسل وصول ہوتا ہے، ادھر گاہک آنے لگتے ہیں، بسکٹوں کو اچھی طرح سے جانچتے ہیں، اسکے بعد سو دو سو پونڈ میں ایک عدد بسکٹ ناشتہ کیلئے لے جاتے ہیں، سب سے زیادہ دلچسپ چیز یہ ہے کہ ان حسین وجمیل بسکٹوں کے خریدار جوانوں سے زیادہ بوڑھے ہیں، جن کے منہ میں نہ دانت ہے نہ پیٹ میں آنت، لیکن اسکے باوجود بھی وہ ان حسین وجمیل بسکٹوں کا ناشتہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

لیورپول کی پولیس نے ان حسین وجمیل بسکٹوں کے گودام پر چھاپہ مارا تو پتہ چلا کہ اللہ کے فضل سے اسوقت بھی ہوٹل میں کافی مال موجود ہے

دیکھا آپنے یورپ میں حسن فروشی کسقدر باقاعدہ طریقے پر ہو رہی ہے اگر ہندوستان میں بھی اس بسکٹ کمپنی کی کوئی شاخ کھل جائے تو امید کی جاتی ہے کہ اس شاخ کو والیان ریاست کی سرپرستی نہایت آسانی سے میسر آسکتی ہے۔

چور حسینہ

گذشتہ زمانہ میں شاعرانہ دل ودماغ رکھنے والے اپنے دلوں کو حسین وجمیل عورتوں سے چھپاتے پھرتے تھے، کیونکہ یہ حسین وجمیل عورتیں آنکھ ملاتے ہی دل کو اچک لیتی ہیں، لیکن اس تہذیب اور شائستگی کے دور میں لوگوں کو دل سے زیادہ جیب کی فکر رہتی ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ حسینان عالم نے دل چرانیکا دقیانوسی پیشہ چھوڑ کر جیب تراشی کا شغل اختیار کرلیا ہے، لیورپول کے اسٹیشن کے قریب ایک نہایت ہی دلچسپ واقعہ ہوا، ایک صاحب بہادر ٹرین میں سفر کر رہے تھے، جس ڈبہ میں صاحب بہادر تھے، اس میں ایک پرکالہ حسن بھی تھی، صاحب بہادر کو غسل خانہ میں جانیکی ضرورت پیش آئی، جوں ہی یہ غسل خانے میں داخل ہوئے، اس مہ پارہ نے صاحب بہادر کے کوٹ کا جائزہ لینا شروع کردیا

ابھی یہ ماہ پارہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی نہیں ہوئی تھی کہ صاحب بہادر غسل خانہ سے نکل آئے، اور انہوں نے للکار کر مہ پارہ سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

مہ پارہ مسکرا دی جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا، صاحب بہادر تھے بڑے بدمذاق انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، جوں ہی گاڑی رکی اس مہ پارہ کو پولیس کے حوالہ کردیا

دیکھا آپنے آجکل کے حسینوں کی چابک دستی، اور آجکل کے صاحبان کی بدمذاقی، اگر کوئی دوسرا صاحب مذاق مرد ہوتا تو وہ اس مہ پارہ پر جیب کی رقم تو کیا اپنا سب کچھ قربان کردیتا۔

حسینوں کی یہ دست درازیاں اور چابک دستیاں صرف یورپ ہی تک محدود نہیں ہیں، ہندوستان میں بھی یہی ہو رہا ہے، ابھی ایک ہفتہ کا

ذکر ہے دہلی میں ایک من چلا نوجوان کمپنی باغ سے گذر رہا تھا کہ ایک نہایت حسین و جمیل ایرانی لڑکی نے مستانہ انداز سے آگے بڑھ کر اسکا بازو پکڑ لیا اور بڑی ناز و انداز کے ساتھ باتیں کرنے، نوجوان نے بھی موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے لیلیٰ مجنوں کی پرانی داستان شروع کر دی، اور اسکے ساتھ ہی لڑکی کو للچانے کے لئے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر نوٹ کی زیارت کرانے لگا۔ لڑکی تھی بڑی ہوشیار نوٹ چھین یہ جا وہ جا، لڑکی آگے آگے تھی اور نوجوان پیچھے پیچھے لڑکی چند ہی منٹ میں نظروں سے غائب ہو گئی اور یہ حسرت تکتے رہ گئے

دُنیا میں بہشت

شاید عام لوگوں کو علم نہیں کہ سطح کرۂ ارضی پر ایک ایسا فردوس گوش ملک بھی آباد ہے، جس میں ارمان بھری نوجوان دوشیزائیں بارہ مہینے محبت کی پیاسی رہتی ہیں، یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں قدم قدم پر گلہائے رنگ اپنی پوری آب و تاب سے کھلے ہوئے ہیں، لیکن شومئی قسمت سے ان کا کوئی باغبان یا خوشہ چیں نہیں ہے، دوسرے الفاظ میں اس مقام پر حوّا کی بیٹیاں تو بکثرت آباد ہیں، لیکن ابن آدم کی راہ تکتے تکتے ان کی آنکھیں بھی پتھرا گئی ہیں۔ یہ حوّا کی بیٹیاں معمولی عورتیں نہیں ان میں سے ہر ایک قلوپطرہ کی طرح نگار آتشیں رخ لطافت و نزاکت کی پیکر اور قدرت کی صناع لطیفہ کا ایک قابل رشک نمونہ ہے۔

اپنی ملکوتی گردنوں کے ارد گرد یہ نغمی دوشیزائیں طلائی اور نقرئی دھاگے پہنتی ہیں، لباس نہایت فاخرہ اور ہیرے جواہرات سے مرصع و مسجع ہوتا ہے، جب اس شان و دلآویزی سے یہ فردوسی حوریں ساحل سمندر پر ہنس ہنس کر چلتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے قوس قزح کی دیویاں فضائے ارضی میں تنویر بھرنے کے لئے نازل ہو گئی ہیں۔

لباس انسانی میں ملبوس یہ دختران فلکی ایک ایسی فردوس آگیں سرزمین میں رہتی ہیں، جہاں کوئی ٹیکس ہے نہ سیاسی ہیجان، شہری تفکرات ہیں نہ تمدنی الجھنیں، اس مقام پر آپ کو پیٹ کھانے کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ فیاض قدرت نے یہاں ایسے ایسے ثمرات اور خوراکیات مہیا کئے ہیں کہ شاید تخیل بھی ان کی کیفیت اور لذت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔

لیکن یہ عورتیں باوجود فردوسی ماحول کے مسرور نہیں ہیں وہ شوہروں، عاشقوں اور مرد دوستوں سے قطعی طور پر محروم ہیں، ان کی زندگی تنہا اور نہایت سوگوار ہے، لیکن وہ آپس میں حسد و رشک نہیں کرتیں وہ یہ بھی نہیں چاہتیں کہ ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک شوہر مل جائے وہ صرف دل لگانے کو ایک مقام چاہتی ہیں، یہاں آبادی ہو نیز الا نہایت آسانی سے ایک درجن بلکہ اس سے بھی زیادہ بیاہ کر سکتا ہے، لطف یہ ہے کہ بیویاں اس سے محنت کرنے اور کمانے کی توقع نہیں رکھینگی، بلکہ خود ہی ان کی جملہ ضروریات کی کفیل ہوں گی۔ آپ دریافت فرمائیں گے کہ آخر یہ فردوس نظر ارضی کہاں واقع ہے یہ سرزمین پانامہ کے مشرقی ساحل کی طرف آباد ہے اور اس کا نام "بنگر آئی لینڈ" یا دوشیزاؤں کا جزیرہ ہے، اگر آپ نہر پانامہ میں سے ہو کر اسکی طرف جائیں تو یہ جزیرہ لاتعداد جزائر سے گھرا ہوا آپ کو ایک ہلالی شکل میں امتیازی طور پر نظر آئیگا۔ یہاں کے لوگوں کو صدیوں سے "سان بلاس" کہتے ہیں، لیکن اس جزیرہ کی مکمل تحقیق ابھی تک نہیں ہو سکی، یہاں کے لوگ خونخوار، وحشی اور جنگجو تھے، اور سفید آدمیوں کو سخت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے سب سے پہلا جو سفید آدمی اس جزیرہ میں گیا، اسکا نام "ہنری مارگن" تھا۔

اسکے بعد بہت سے بحری لٹیروں نے ان لوگوں سے تجارتی دوستانہ مراسم پیدا کر لئے، وہ چاقو اور دوسرا دیگر جزیرے والوں سے سونا اور ہیرے جواہرات حاصل کرتے تھے، اہل جزائر کے نزدیک ہیرے کی قیمت خزف ریزوں کے برابر تھی، وہ انہیں نہایت لاپرواہی سے اپنی کشتیوں کے اگلے حصے پر لٹکا چھوڑا کرتے تھے، جسطرح ہمارے ملک میں بچے کوڑیوں اور ٹھیکریوں سے کھیلتے ہیں، جب انہیں چاقو اور لوہے کی چیزیں دی جاتی تھیں تو وہ نہایت مسرور ہوتے اور بڑی خوشی سے تبادلہ خیال کرنے پر رضامند ہو جاتے جب پانامہ نہر جاری کی گئی تو تاجر اس جزیرہ میں ناریل حاصل کرنے کے لئے پہنچے، بیان کیا جاتا ہے کہ جو تاجر بھی پانامہ نہر کی مسحور کن دوشیزاؤں کی طرف تلاش معاش میں نکل گئے، وہ آج تک واپس نہیں آئے، جہاز اس جزیرہ کی آبناۓ میں داخل ہوتا ہے تو سب سے پہلی چیز جو ایک تاجر کی دلکشی کا باعث بنتی ہے، وہ حسین و جمیل دوشیزاؤں کا سمندر کے کنارے کلیلیں کرنا، غوطے مارنا، اور نہانا دھونا ہے، یہ عورتیں بھری کشتیاں جہاز کے پاس لے جاتی ہیں اور مردوں کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ ان کے ساتھ جزیرہ میں چلیں، لیکن ہوشیار تاجر اپنے کسی مرد کو ان کے ساتھ نہیں جانے دیتے، کیونکہ یہ عورتیں ناریل بیچکر بجائے کسی اور چیز کے مرد خریدنا چاہتی ہیں۔ ایک شخص رونلڈ ہٹلون نے اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا کہ :-

"میں ان کے ساتھ ایک دفعہ جزیرہ میں چلا گیا، لیکن میرے لئے جہاز پر واپس آنا بالکل ناممکن نظر آنے لگا، جونہی میں ساحل پر اترا تمام عورتوں نے مجھے گھیر لیا، بعض عورتیں تو اپنی جھونپڑی کی طرف بھاگ گئیں اور زرق برق لباس زیب تن کر کے ناز و ادا سے میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئیں، بلکہ ان میں سے ایک نے تو یہ کہہ دیا کہ تم ہمارے لئے شوہر لاؤ گے تو ہم تمام ناریل غرق آب کر دیں گی، اتنے میں وہ ایک بڑی کشتی کو

بحری سفر کے لئے تیار کرنے لگیں اور اسے ناریلوں سے بھر دیا، چونکہ بہت سی کشتیاں ساحل سے جہاز کی طرف لدی جا رہی تھیں، اس لئے میں نے خیال کیا کہ شاید یہ کشتی بھی ادھر جا رہی ہے، میں اس میں بیٹھ گیا، وہاں ایک دو جن عورتیں پہلے ہی سے بیٹھی تھیں۔

کشتی ساحل سے روانہ ہوئی، لیکن یہ دیکھکر میری حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ وہ جہاز کیطرف نہیں جا رہی تھیں، بلکہ اس کا رخ ایک ایسی آئینائے کیطرف تھا، جس کے پیچھے سیاہ گھنے جنگل تھے، میرے جسم میں کپکپی دوڑ گئی لیکن میں خاموش بیٹھا رہا۔

وہاں پہنچکر ان چنچل دوشیزاؤں نے اپنا عقیدہ میرے سامنے ظاہر کر دیا وہ کہنے لگیں ہم ہمیں اپنا شوہر بنانا چاہتی ہیں، ہم میں سے تم بیشک اپنا حرم اول آزادی سے منتخب کر لو، وہ میرے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئیں اور میرے فیصلہ کا انتظار کرنے لگیں۔

میں نے معذرت کرنے کی کوشش کی اور اپنی مجبوری کا متعدد بار اظہار کیا، مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور میرے دلائل کے جواب دیتی رہیں، ادھر میرا جہاز دور سے دور تر ہوتا جا رہا تھا، مجھے بہت فکر ہوئی، میں نے ہمت کر کے ایک جست لگائی اور ان حسین بلاؤں سے چھٹکارا پا کر سمندر میں جا کودا، میں وہاں سے جہاز کی طرف تیرنے لگا، خوش قسمتی سے کپتان نے مجھے دیکھ لیا اور ایک کشتی میری طرف روانہ کی، میں اس پر سوار ہو گیا اور وہ دوشیزائیں حسرت سے ہاتھ ملتی ہوئیں ساحل ہی پر رہ گئیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں نہر پانامہ بننے کے بعد یہاں کے مرد تلاش معاش میں کہیں اور چلے گئے ہوں گے، اب یہاں ایک درجن سے زیادہ مرد نہ ہوں گے، جہاں کی حسین دوشیزائیں محبت کو ترس رہی ہیں۔ لیکن کوئی ان کی تسکین کرنیوالا نہیں۔

طلاق کی وبا

مغربی ملکوں میں جو کام فیشن میں داخل ہو جاتا ہے، اس میں آئے دن طرح طرح کی جدتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ اخبار بین حضرات کو معلوم ہے کہ یورپ کے متعدد ملکوں اور امریکہ میں آجکل بے باک عورتیں طلاق حاصل کرنے کی مشق بہم پہنچا رہی ہیں، اگرچہ وہاں کے تنوع مذاق مرد بھی اکثر اپنی نئی نویلی دلہنوں سے اکتا اکتا کر طلاق کے مقدمات عدالت میں دائر کرتے رہتے ہیں لیکن اب تک صنف نازک کی طرف سے حصول طلاق کے لئے وہ شاندار مظاہرے ظہور میں نہیں آئے جو یہاں کی بیویوں کیطرف سے دیکھے گئے ہیں طلاق حاصل کرنے کے لئے عدالت میں جو وجوہ پیش کی جاتی ہیں وہ بسا اوقات اپنی جگہ بہت دلچسپ ہوتی ہیں، کوئی میم صاحبہ محض اس بنا پر اپنے شوہر سے علیحدگی کی درخواست دے بیٹھتی ہیں کہ وہ بھیانک خراٹوں کا عادی بیان کیا جاتا ہے، جن سے ان لیڈی صاحبہ کی نیند میں فرق پڑتا ہے، کوئی خاتون اس وجہ سے طلاق کی عاشق بن بیٹھتی ہے کہ اسکے عزیز شوہر کو بوس و کنار کا سلیقہ نہیں آتا، جیسا ان لیڈی صاحبہ کے بعض دوستوں کو آتا ہے۔ کوئی محض اس سبب سے اپنے خاوند سے دامن چھڑاتی ہے کہ اسے کتوں بلیوں اور اسی قسم کے جانوروں سے طبعی میلان اور رغبت بیان کی جاتی ہے اور لیڈی صاحبہ اپنی محبت میں کسی کو شریک دیکھنا گوارا نہیں کرتیں، بلکہ وہ صرف یہ چاہتی ہیں کہ ان کا خاوند ان سے ہی محبت کرتا رہے۔ اور جانور وغیرہ کسی سے رغبت و دلچسپی نہ رکھے۔

اب تک مغرب کی جس خاتون کو بھی اپنے شوہر سے طلاق حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس نے کچھ نہ کچھ وجوہ عدالت میں بیان کیں، ان اسباب و وجوہ کی تعداد کچھ ایسی غیر معمولی نہیں ہوا کرتی تھی، بلکہ طلاق حاصل کرنے کیلئے دو چار وجوہ بھی بہت کافی سمجھ لی جایا کرتی تھیں۔

لیکن حال ہی میں نیویارک کی ایک عدالت طلاق میں ایک امریکن خاتون نے جس کی شادی کو مشکل سے چار مہینے ہوئے ہوں گے، جتنی تعداد میں حصول طلاق کے اسباب و وجوہ لکھی ہیں انہیں پیش نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ شاید اس سلسلے میں خاتون مذکور نے ایک ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔

چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ اس خاتون نے اپنے خاوند کے خلاف طلاق حاصل کرنیکی درخواست میں دس بیس نہیں بلکہ اکہتر وجوہ ایسی لکھی ہیں جن میں سے ہر ایک اس کے نزدیک طلاق حاصل کرنے کے لئے معقول وجہ قرار دی جا سکتی ہے لطف یہ ہے کہ یہ خاتون وکیل ہیں۔

عدالت نے بڑی حیرانی کے ساتھ ان کی درخواست طلاق منظور کر کے ان کے ستم رسیدہ شوہر کو مشورہ دیا ہے کہ وہ آئندہ کسی وکالت پیشہ خاتون سے شادی کرنے کی کوشش نہ کرے، کیونکہ عدالت کی رائے میں اس قسم کی خاتون اپنے "مذاق پیشہ" کے لحاظ سے اس کی عادی ہوتی ہے کہ وہ شوہر سے ناراض ہو جانیکے بعد اس قسم کے دو ہزار الزام اس پر قائم کر کے انہیں عدالت کو باور کرا دے جن میں سے ہر ایک حصول طلاق کے لئے معقول وجہ بنایا جا سکتا ہے۔

مظلوم شوہر اپنی ستم ظریف بیوی سے علیحدہ کئے جا چکے ہیں، مگر عدالت کے مشورہ پر آجتک عامل ہیں، اور اب بھی جب کبھی ان کی شادی کی کوئی بات چیت کرتا ہے تو انہیں یہی بدگمانی ہوتی ہے کہ ہونیوالی بیوی کہیں وکالت پیشہ طبقہ سے تعلق نہ رکھتی ہو۔ "حاجی بغلول"

(جملہ حقوق محفوظ)

نسوانی دنیا

چہرہ کو خوبصورت اور دلکش بنانے کا راز

ایک امریکن خاتون کے قلم سے

(سلسلہ کیلئے مئی ۱۹۳۹ء کا پرچہ دیکھئے)

چہرہ کی خوبصورتی اور دلکشی کے لئے خوشبودار غازے بلیش فیمنٹ کریم پاؤڈر اور لونڈر وغیرہ قطعاً بیکار چیزیں ہیں

(۱۵) اب ہم ایک ایسے مقام پر آ پہنچے ہیں جہاں فزیالوجی یعنی تشریح افعال الاعضا کی تھوڑی سی معلومات کی ضرورت ہے۔ پس اُن خواتین کے لئے جو اس قسم کی اصطلاحی واقفیت نہیں رکھتیں میں چند باتوں کو زیادہ مفصل طور پر واضح اور صاف کردینا چاہتی ہوں۔

جلد بدن کی دو تہیں ہوتی ہیں جنہیں Epidermis اور Dermis کہتے ہیں اُردو میں ان کا نام بالائی طبق اور عمیق طبق یا اور بھی زیادہ صاف لفظوں میں جلد کاذب و جلد صادق ہو سکتا ہے۔ ان میں سے باہر والی جلد جو کاذب کہلاتی ہے باریک باریک اور نہایت مہین چھلکوں کی آمیزش سے بنی ہوئی ہے۔ جو مسلسل طور پر سطح بدن سے اُترتے چلے جاتے ہیں اس جلد پر خون کی نالیاں اور نہ اعصاب ہوتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو قدرت نے اس کو فقط جلد صادق کی حفاظت کے لئے بنایا ہے لیکن جلد صادق کی تہ میں بیشمار عروق شعریہ پھیلی ہوئی ہوتی ہیں جن کو ہم بال کے برابر باریک خون کی نالیاں کہہ سکتے ہیں یہ خون کی بڑی نالیوں کی شاخیں ہیں اور انہی کے وسیع طور پر پھیلے ہوئے ہونے کے باعث ان لوگوں کی جلد بدن کی رنگت جنکی صحت اچھی ہو خوشنما ہیازی ہوا کرتی ہے۔

بالائی جلد بدن یا جلد کاذب کا زیریں حصہ جسکو انگریزی اصطلاح میں Rete mucosm کہتے ہیں اس کے اندر بیشمار چھوٹے چھوٹے خانے یا کوٹھریاں بنی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کو اس خون سے غذائیت ملتی ہے جو جلد صادق میں گردش کرتا ہے۔ جوں جوں پیچھے نئی کوٹھریاں تیار ہوتی چلی جاتی ہیں سابقہ کوٹھریاں باہر کی طرف دھکیل دی جاتی ہیں اور وہ بالائی طبق پر آکر سینگ دار چھلکوں کی صورت اختیار کرلیتی ہیں اس عرصہ میں بالائی طبق کے بعض چھلکے گھساؤ کے عمل سے دور ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ اُن کی جگہ لے لیتی ہیں۔

یہ لمبی تشریح اس لئے ضروری سمجھی گئی ہے کہ بہنیں معلوم کرلیں کہ جلد بدن کو خوشنما اور چمکیلا بنانے کا عمل اندر ہی کی طرف سے ممکن ہو سکتا ہے۔ خارجی ذریعوں سے اس کی اصلاح کرنا قطعاً غیر ممکن ہے۔ آپ بالائی طبق یا جلد کاذب کو لاکھ رگڑیں یا چھیلیں اندر کی طرف سے جو استعمال شدہ کوٹھریاں باہر آکر اُن کی جگہ لیں گی وہ ویسی ہی بن جائیں گی جیسی وہ تھیں جن کو آپ نے دُور کیا ہے اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ خارجی معالجات سے حقیقی اصلاح کا عمل بالکل ہی نہیں ہو سکتا۔ خون میں جو خرابی ہے وہ جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ نسی ریشوں میں جو بگاڑ ہے وہ بھی رفع نہیں ہو سکتا۔ تو پھر اصلاح کا عمل کیونکر ممکن سمجھا جا سکتا ہے؟

(۱۶) علوم ذہنی کے بعض اُستادوں کا بیان ہے کہ اگر کوئی آدمی ترقی کرتے کرتے اپنے دماغ کو آدرش حالت میں لاکر تخیل کو بلند کرکے اُس آدرش کو پورا کرنے کے لئے زور دے اور اپنے دل میں تصور باندھ لے کہ وہ روحانی اور جسمانی تکمیل کی حالت میں ہے تو پھر اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے مانگ لے۔ اس کے مانگنے سے ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائیگا۔ انفرادی حالتوں سے قطع نظر مجموعی عمل میں میں نے اس طریقہ کو کسی حد تک ناتسلی بخش پایا ہے۔

میں ہر ایک عضو بدن کو پھیپھڑوں سے آغاز کرکے نگاہ تصور سے صحت مکمل کی حالت میں دیکھ لیا کرتی ہوں۔ پھر یہ بھی میں دیکھتی ہوں کہ دل بخوبی کام کرتا ہے۔ اور تمام نظام بدنی میں خالص ترین اور عمدہ ترین خون پھر رہا ہے۔ جلد بدن کی رنگت کی درستی کی غرض سے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ جلد بدن کی عمدگی اور اس کی نفاست کا دارومدار خون کی پاکیزگی اور عمدہ حالت پر ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خون جو جسم کے اندر گردش کرتا ہے دو طرح کی نالیوں سے گذرتا ہے ایک وریدوں کی راہ سے اور دوسرا شریانوں سے ہو کر۔ ان میں سے آخر الذکر یعنی وہ خون جو شریانوں سے گذرتا ہے وہی بدن کو کسی طرح کی غذا پہنچاتا ہے

اس کی رنگت نہایت تیز سُرخ ہوتی ہے اور وہ دل کے بائیں طرف سے ایک بڑی رگ کے ذریعہ سے جسے آورطہ (AORTA) کہتے ہیں سارے بدن میں تقسیم ہوتا ہے۔ آگے چل کر اس کی تقسیم مزید ہوتی ہے اور انجام کار یہ خون لاتعداد باریک جال کی طرح بنے ہوئے عروق میں پھیل جاتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ بے طرح الجھتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اور جن کی نسبت یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر قسم کی بدنی ساخت کا بیشتر حصہ انہی سے مرکب ہوتا ہے۔

اپنی گردش کے اس مقام پر پہنچ کر خون پھر وریدوں کے ویسے ہی باریک جال میں سے گذرنے لگتا ہے، جو آگے چل کر زیادہ بڑی ہوتی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ انجام کار ان کا خاتمہ دو بڑی وریدوں پر ہوتا ہے، جنکے ذریعہ سے خون سمت مخالف میں بہتا ہوا پھر دل کی طرف واپس لایا جاتا ہے، زیادہ صاف الفاظ میں صاف خون دل کے بائیں خانہ سے نکل کر پہلے شریانوں کی راہ سے گذرتا ہے، پھر وریدوں کی راہ سے ہو کر دل کے دائیں بطن میں داخل ہو جاتا ہے اور دل اس کو پھر صاف کر کے بدن میں گھومنے کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔

تمام قسم کے جانداروں کے لئے یہ بات ضروری سمجھی گئی ہے کہ ان کا خون ہوا سے متاثر ہو اور یہ ہوا تنفس کے ذریعہ خون تک پہنچتی رہتی ہے، اب آپ بخوبی سمجھ گئی ہوں گی کہ میں نے خون کی عمدگی اور پھیپھڑوں کے نہایت مکمل ہونے کے سوال پر کیوں اتنا زیادہ زور دیا ہے اور اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ فیشن ایبل عورتیں جو خلقت کے ہجوم سے بھرے ہوئے عوتی کمروں اور مقامات رقص کی زہریلی ہوا میں سانس لیتی ہیں، نیز وہ دوشیزائیں جو صبح سے لیکر رات تک کارخانوں میں یا دفاتر کی گرم فضا میں سانس لینے پر مجبور ہوتی ہیں، جلد بدن کی خوشنمائی میں کسی بھی حالت میں اس دیہاتی لڑکی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو فقط تازہ اور خالص ہوا میں سانس لیکر ہی خوبصورت بنی رہتی ہے، جو نہ تو اپنا روپیہ لا حاصل غازوں پر صرف کرتی ہے نہ اس قسم کے سفوف استعمال کرنے پر مجبور ہے جو مسامات بدن کو کھولنے کی بجائے الٹا ان میں کثافت بھرتے رہتے ہیں۔

(۱۷) میرے اس بیان سے امید ہے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ کیا وجہ ہے چہرہ کی مالش کچھ عرصہ کے لئے گو چہرہ کو صاف کر دے۔ تاہم اگر اس عمل کو مسلسل جاری رکھا جائے تو اس سے نہ صرف خراش پیدا ہوتی ہے بلکہ مسامات دائمی طور پر پھیل جاتے ہیں اور حالت ایسی بن جاتی ہے جسے زنگت بدن کا کوئی ماہر فن ڈاکٹر بھی رفع کرنا سخت مشکل و دشوار سمجھنے لگتا ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو کوئی ذہنی علوم کا مالک بھی اس عمل کو لیا اور تکلیف دہ جان کر اس میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔

(۱۸) امید ہے اب یہ بات آپ پر واضح ہو گئی ہو گی کہ میں کس طریقہ پر علاج کئے جانے کی قائل ہوں، اچھا اب اس سے آگے سنئے۔

سب سے پہلے جیسے بیان کیا جا چکا ہے، ہر قسم کی برائیوں سے انکار اور نیکیوں کے لئے اصرار کرنے کے بعد (جن دو باتوں کا اظہار نہ دل سے ہونا چاہئے) ہر عورت کو لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو صداقت سے بھرپور کر لے، اسکے بعد آنکھیں بند کر لو اور عمدہ اور نفیس جلد بدن کی ذہنی تصویر کو نگاہ کے سامنے رکھو، جب یہ کر چکو تو اپنے تخیل میں دیکھو گرم گاڑھا خون ہر ایک لحمی ریشہ سے گذر کر جلد صادق تک پہنچتا ہے اور اس عمل کی بدولت جلد بدن کے پرانے گھلے ہوئے حصے خارج ہوتے چلے جاتے ہیں، اور نئے صحت مند حصے پیدا ہوتے ہیں، اس طریقہ پر رفتہ رفتہ لیکن نہایت مکمل طور پر وہی حالت صفائی خوشنمائی اور نزاکت کے ساتھ پیدا ہوتی جاتی ہے جس کا تصور آپ نے آدرش کے طور پر باندھا تھا۔

اس عمل میں تین ہفتوں سے لیکر تین ماہ تک کا عرصہ صرف ہوتا ہے، مدت کے کم یا زیادہ ہونے کا دارو مدار جلد بدن کی حالت، اعتقاد کی مضبوطی اور صداقت کی اس اہمیت پر ہوتا ہے جس کا تصور عمل کرنے والے نے باندھا ہو، جتنا زیادہ مضبوط کسی شخص کا اعتقاد ہوگا اور جتنی تیز خواہش اسکے سینہ میں کام کرتی ہو گی اسی قدر جلدی خوشگوار نتائج پیدا ہونے لگیں گے، فقط خواہش یا اعتقاد سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ضرورت اس بات کی ہے کہ سچی خواہش رکھتے ہوئے، اس کو زبردست اعتقاد کے ساتھ آگے کو بڑھایا جائے اور ایسا کرتے ہوئے قانون قدرت کی تکمیل مدنظر رہے، ایسا کرنے سے وہ مقصد جو آپ کو درپیش ہے ضرور پورا ہو گا۔

جب آپ رفتہ رفتہ اس علاج سے فائدہ حاصل کرنے لگیں گی تو آپ کو اپنے چہرہ پر کوئی چیز چبھتی معلوم ہو گی اور آپ دھوپ کی برشتگی محسوس کرنے لگیں گی، اس موقعہ پر اگر نرم تولئے کی مدد سے آہستہ آہستہ بدن کے اس حصہ کو ملا جائے تو بالائی طبق کی جلد کا وب اترتی چلی جائیگی اور نئی جلد اسکی جگہ پر کرنے کے لئے باہر نکل آئے گی مخفی نہ رہے کہ اصلاح کے موقعہ پر اپنے چہرہ کو غیر معمولی زور کے ساتھ رگڑنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے ورنہ فائدہ کچھ نہ ہو گا، البتہ جلد دکھنے لگے گی۔ (باقی آئندہ)

ہنسو اور موٹے ہو جاؤ

بیوی - نہیں میں اب تمہارے عذرات کو صحیح نہیں مان سکتی
شوہر - کیوں ؟ آپ کیوں نہیں مان سکتیں ؟
بیوی - تم روزانہ رات کو واپسی پر ایسے بہانے کرتے ہو جسے کوئی بیوقوف سا بیوقوف یقین نہیں کر سکتا -
شوہر - مگر میں تو تمہیں ہمیشہ عقلمند سمجھتا رہا -

~~~~~~~~~~~~~~~~

(ایک آواز) "وکیل صاحب تشریف رکھتے ہیں"،
نوکر "جی ہاں - کیا آپ کا کوئی مقدمہ ہے ؟"
...... نہیں - میں میونسپل ٹیکس کلکٹر ہوں
نوکر - تو وکیل صاحب باہر گئے ہوئے ہیں -

~~~~~~~~~~~~~~~~

ٹکٹ کلکٹر - اس بچہ کا ٹکٹ
بچہ کی ماں - اس کی عمر صرف تین سال ہے -
ٹکٹ کلکٹر - مگر اس کی عمر تو زیادہ معلوم ہوتی ہے -
بچہ کی ماں - جی ہاں میں اصول صحت کو زیادہ پیش نظر رکھتی ہوں - رہا عمر کا سوال - تو بچہ کی ماں ہونے کی حیثیت سے مجھ سے بہتر آپ اسے نہیں جان سکتے -

~~~~~~~~~~~~~~~~

ڈاکٹر - تم نے مریض کے منہ میں دس تھرمامیٹر کیوں دے رکھے ہیں -
نرس - ڈاکٹر صاحب اس کا ٹمپریچر بہت زیادہ ہے میں نے خیال کیا کہ لاؤ آج ہی تمام تھرمامیٹروں کی ٹرائی لے لوں

~~~~~~~~~~~~~~~~

لال - ڈکٹیٹر کسے کہتے ہیں ؟
موہن - اس شخص کو جو یہ کہے کہ میں فلاں چیز لے سکتا ہوں اور یہ نہ سوچے کہ فلاں چیز کس کی ہے اور کس ملک کی ہے -

~~~~~~~~~~~~~~~~

بیوی - تم سے یہ شکایت ہے کہ تم ہمیشہ دیر سے گھر آتے ہو -
خاوند - مگر کھانا کھانے تو دونوں وقت ٹھیک ٹائم پر آجاتا ہوں -

~~~~~~~~~~~~~~~~

ایک بہرا (دوسرے سے) کیا گھومنے جا رہے ہو ؟
دوسرا - نہیں گھومنے جا رہا ہوں -
پہلا - اچھا میں سمجھا شاید گھومنے جا رہے ہو -

~~~~~~~~~~~~~~~~

ایک امیر کے گھر میں بہت سے معزز دوست بیٹھے تھے - نوکر بلانے کی گھنٹی بجی نوکر دوڑا ہوا اندر آیا اور ہنستا ہوا لوٹا -
نوکروں نے پوچھا کیوں ہنستا کیوں ہے تو اس نے جواب دیا بھائی! سولہ ہٹے کٹے جوان تھے اُن سب سے ایک بتی نہ بجھی - جب ہم گئے تب بجھی -

~~~~~~~~~~~~~~~~

بیوی (شوہر سے) اگر آج موسم اچھا رہا تو میں اپنے لئے سامان خریدنے ضرور جاؤں گی - اخبار میں کیا خبر ہے -
شوہر - بارش - ژالہ باری - چمک - گرج -

~~~~~~~~~~~~~~~~

ایک مسخرہ (دوسرے مسخرے سے) کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ مرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا -
دوسرا مسخرہ - اما یہ بھی کوئی سوال ہوا بیوقوف کے بیوقوف ہی رہے اپنے اباجان سے پوچھو کہ وہ پہلے پیدا ہوئے یا تم معلوم ہو جائے گا -

~~~~~~~~~~~~~~~~

اختر - ماسٹر جی آفتاب روزانہ مشرق سے کیوں نکلتا ہے -
ماسٹر - یہ بات تو تمہیں ایک بیوقوف بھی بتا سکتا ہے -
اختر - جب ہی تو آپ سے پوچھ رہا ہوں -

~~~~~~~~~~~~~~~~

کمسن بچہ اماں جان کے ڈر کے مارے چارپائی کے نیچے چھپ گیا اور دن بھر اسی حالت میں بیٹھا رہا -
شام کو جب باپ گھر آیا تو ماں نے جسے علم تھا کہ بچہ کہاں چھپا ہوا ہے اسے بتایا کہ بچہ مجھ سے ڈرا ہوا ہے - اس لئے تم اسے پیار چمکار کر وہاں سے لے آؤ -
اباجان چارپائی کے نیچے گھسے ہی تھے کہ بیٹے نے کھسر پھسر کے لہجے میں کہا - آجاؤ آجاؤ! کیا تمہیں بھی اماں نے مارا ہے -
~~~~~~~~~~~~~~~~

بزمِ شعرائے مستِ قلندر

دورِ جدید کی شاعری کے چند اچھوتے نمونے

نوائے حسرت

جناب حسرت حسین خاں صاحب حسرت گورکھپوری

شب پر سیاہی پھیلی ہے زلفِ نگار کی
مہتاب میں جھلک ہے رُخِ حُسنِ یار کی

ہر ہر نفس ہے حاملِ صد اضطرابِ شوق
بے چینیاں نہ پوچھ دلِ بے قرار کی

وہ ہر قدم پہ بارشِ صہبائے حُسن و ناز
وہ مست مست آنکھوں میں سرخی خمار کی

اللہ رے ساغرِ مئے گلرنگ کی بہار
تصویر لے رہی ہے ترے بادہ خوار کی

نشے سے دل میں بحرِ تمنا ہے موجزن
تاثیر دیکھئے نگہِ اعتبار کی

کل تک وفورِ جوش میں اپنا یہ حال تھا (ق)
جیسے ملی ہو بادشہی روزگار کی

اور آج انتشارِ خمارِ شباب میں
صورت بدل گئی ہے ترے بادہ خوار کی

راہِ وفا میں سختیٔ منزل کا غم نہیں
گُل سے بھی نرم تر ہے ہمیں نوک خار کی

ظلم و جفا و جور و ستم سختی و فریب
ہر بات ہے پسند مجھے اپنے یار کی

داغِ الم سے دل کا چمن ہے بہار پر
فصلِ خزاں بھی دیگئی مزہ اک بہار کی

دردِ جگر کو بڑھنے دے اے چارہ گر نہ چھیڑ
ملتی ہیں اس سے لذتیں صبر و قرار کی

ساقی تری نظر میں یہ کیفیتِ سرور
آنکھیں نہ لڑ گئی ہوں کسی بادہ خوار کی

حسرت سمجھ رہا ہوں فریبِ جمالِ یار
پر کیا کروں یہ بات نہیں اختیار کی

بادۂ احمر

حضرت احمر گورکھپوری

ہر سمت حسینوں کا جلوہ نظر آتا ہو
مجھ سا نہ کوئی یارب ناکامِ تمنا ہو

اُلفت کا مزہ جب ہے، رہ رہ کے مرے دل میں
یہ ظلم و ستم کب تک یہ رنج و محن کب تک

اِک سوز تو ہے دل میں اک درد تو ہے پیدا
دُشوار تھا نظارہ ندیدہ نگاہوں سے

مضرابِ الم چھیڑے یوں بربطِ دل اپنا
تاثیرِ مئے احمر سے شیخ نہیں واقف

کیا لطف ہو یہ دُنیا اِک حُسن کی دُنیا ہو
مرنے کی تمنا ہیں خود موت مسیحا ہو

اِک ٹیس سی اٹھتی ہو اِک درد سا پیدا ہو
دے موت خدا اُس کو جو آپ پہ مرتا ہو

بیمارِ غمِ اُلفت اچھا ہے نہ اچھا ہو
یہ حال ہیں مری آنکھیں جی بھر کے جو دیکھا ہو

جو راگ بھی پیدا ہو وہ درد میں ڈوبا ہو
اِک روز اگر پی لے ہر روز تقاضا ہو

برسوں

حضرت وحشت

رہے ہم ضبط سے نا واقفِ آہ و فغاں برسوں
غضب ہے اس تغافل کیش نے ایسا بھلایا ہے

یہ مانا برق آ ئے دن دہاں ہماں ہنتی تھی
ہماری جان پر بن بن گئی اکثر ترے غم میں

ہمارے واقعاتِ عشق لتنے روح پرور تھے
میں وہ ناکامِ اُلفت ہوں جسکی بعد مرنے کے

مری اُنکی جدائی کا سماں تھا ایسی حسرت کا
کبھی اس باغ سے باہر نہیں نکلا ہوں اے صیاد

ہزاروں اس جہاں میں ہم نے وحشت غم اُٹھائے ہیں

چھپائی ہو سکا جس طرح دل کی داستاں برسوں
کہ وہ راز محبت میں نہ آئیں ہچکیاں برسوں

مگر پھر بھی ستائیگا خیالِ آشیاں برسوں
مگر ظاہر نہ ہونے دیا سوزِ نہاں برسوں

سُنی لوگوں نے منہ سے خود ہی اپنی داستاں برسوں
زبانِ خلق پر جاری رہے گی داستاں برسوں

گلے مل مل کے رویا مجھ سے میرا رازداں برسوں
رولائے گی مجھے غربت میں یادِ آشیاں برسوں

ہماری جان کا دشمن رہا ہے آسماں برسوں

برسات

از جناب حاجی حافظ محمد ہاشم صاحب ہاشم

غیر کے گھر مئے پیئے وہ ماہرو برسات میں
میکدے کی سمت پھر آیا جو تو برسات میں

میکشی کی تجھ کو اے زاہد اگر عادت نہیں
میں نے پوچھا کیوں نہ آئے عذر بارش کا کیا

کالی زلفوں نے بھی کچھ ڈھانپا سیہ بختی کا عیب
نام ہو اُسکا شہیدانِ محبت میں ضرور

نام کی برسات ہاشم کام کی برسات ہو

اور آنکھوں سے یہاں برسے لہو برسات میں
بچ نہیں سکتی ہے واعظ آبرو برسات میں

لال پانی سے ذرا کر لے وضو برسات میں
گفتگو اُن سے ہوئی یہ دو بدو برسات میں

کچھ گھٹاؤں نے بھی رکھ لی آبرو برسات میں
جو جگر کے خون سے کر لے وضو برسات میں

کاش پوری ہو جو میری آرزو برسات میں

جذباتِ زاہد

از جناب مولوی عبدالرحمن صاحب زاہد اعظم گڈھی

جنوں کہتا ہے مجھ سے کوچۂ دلبر میں گرجانا
گریباں چاک جانا، پابرہنہ چشم تر جانا
نظامِ روز و شب کیا ہے کرشمہ تیری زلفوں کا
کبھی ان کا سنور جانا کبھی ان کا بکھر جانا
ڈبو یا جا بجا میں تیری کشتی پار راہ میں تیری
نہ دل کو میں نے دل سمجھا نہ سر کو میں نے سر جانا
نہیں معلوم کس کا ہے مگر اچھا یہ مصرع ہے
تمہارا اُٹھ کے جانا اور مریضِ غم کا مر جانا
کیا مشکل مری آساں تری آنکھوں کے میں قرباں
کہ پہلی تیر کو بھی میں نے اک تیرِ نظر جانا
تمہاری شوخیاں اچھی جمال اچھا جلال اچھا
بُرا ہے بس تمہارا وصل سے انکار کر جانا
حیاتِ جاوداں ہو وصل کی راتیں ہوں رنگیں
مبارک ہو رقیبوں کو شبِ ہجراں میں مر جانا
بتاؤ سیدھا رستہ اُنکے گھر کا خضر یہ کیا ہے
یہاں جانا وہاں جانا اِدھر جانا اُدھر جانا
بہار آخر وہی ہے پھر مری جاں اسکے کیا مطلب
ہمارا خشک ہو جانا تمہارا رس سے بھر جانا
اندھیرے میں کبھی تھمڈر کی ٹانگ آئی جو ہاتھوں میں
مری جاں میں نے اسکو بھی تمہاری ہی کمر جانا
ارے او بن سنور کر جانے والے گھر رقیبوں کے
ذرا موڑ سے میرے بھونپڑے پر بھی اُتر جانا
تمہارے خط کے پڑھنے سے کبھی سیری نہیں ہوتی
جو تم نے دو ورق لکھا تو میں نے دو سطر جانا
چلے تحتِ جگر آنکھوں کی جانب تو کہا دل نے
نہ رکنا راہ میں ہرگز سمندر پار کر جانا
رقیبِ رو سیہ مردانگی کا کیا کرے دعویٰ
ترے کوچے کی جس نے چھپکلی کو بھی مگر جانا
مرے پہلو میں کیسا سر جھکائے آج بیٹھے ہیں
کوئی پوچھے تو آہوں کو مری کیوں لے اتر جانا

اللہ اللہ دیکھئے

از جناب حسرت حسین خاں صاحب حسرت گورکھپوری

حسن والوں کی نزاکت اللہ اللہ دیکھئے
بے پیئے بدمستیاں ہیں بے پیئے سرشاریاں
مرکزِ صد حسن عالمتاب عشق اور ایک دل
دامنِ صبر و تحمل ہاتھ سے جب چھٹ گیا
زندگی و موت ہے اک کھیل آپ کے واسطے
بارگاہِ حسن کی یہ بے نیازی بہرِ دل
عشق کے انجام سے کیا کام دیوانوں کو ہے
کاروانِ عشق میں کیا سست ہیں کیا چست ہیں
پڑ گئی ہے تیرے دیوانوں کو اب ہر رفت کی
آہ و نالہ کو فغاں کو گریہ و فریاد کو
طالبِ دیدار ہونا اور پھر اُس پر یہ ضد
اک سراپا بے خودی ہے اک مجسم ہوشیار
دیکھ کر محفل کی محفل بے پیئے بدمست ہے
دیکھتے ہی دیکھتے گھل گھل کے کانٹا ہو گیا

بار ہے لفظ محبت اللہ اللہ دیکھئے
چشمِ ساقی کی کرامت اللہ اللہ دیکھئے
جز میں کل دنیائے اُلفت اللہ اللہ دیکھئے
عاشقِ مضطر کی حالت اللہ اللہ دیکھئے
اپنے دیوانے کی وحشت اللہ اللہ دیکھئے
بن گئی تازہ مصیبت اللہ اللہ دیکھئے
اُن کو ہے جلووں کی حاجت اللہ اللہ دیکھئے
سب ہیں باہم محبت اللہ اللہ دیکھئے
جادہ پیمائی کی عادت اللہ اللہ دیکھئے
عشق ہی سے ہے محبت اللہ اللہ دیکھئے
حضرتِ دل کی یہ جرأت اللہ اللہ دیکھئے
رند و زاہد کی عداوت اللہ اللہ دیکھئے
چشمِ ساقی کی سخاوت اللہ اللہ دیکھئے
خستہ دل حسرت کی حالت اللہ اللہ دیکھئے

محسوساتِ شعر

جناب محمد صدیق مرزا صاحب بسمل امرتسری

نہ ڈال تفرقہ اے چشمِ یار رہنے دے
نہ چھیڑ مجھ کو دلِ بے قرار رہنے دے
گلِ نشاط ہے گلرخوں کے حصے میں
نہ ڈال سجدۂ الفت میں وسوسے ناصح
چمن میں ڈال تو دی ہے بنا نشیمن کی
نہ توڑ رشتۂ الفت نہ توڑ اے ظالم
ٹھہر ٹھہر اے گلچیں ٹھہر مرے گلچیں
نہیں نہیں مجھے اس کا کبھی یقین نہیں
وہ نازنیں ہیں مزاج ان کا نازنیں تر ہے
ترا ہنر تو مسلم ہے اے ہنر لیکن

ہمارے دل سے ہمیں ہمکنار رہنے دے
نہ توڑ سلسلۂ انتظار رہنے دے
خزاں نصیب مجھے لے بہار رہنے دے
خدا کے واسطے ایمان دار رہنے دے
مگر جو برق اسے برقرار رہنے دے
اُمیدوار کو اُمیدوار رہنے دے
بہار تک تو گلوں کی بہار رہنے دے
کہ خلد میں بھی دلِ بیقرار رہنے دے
نہ آہ کر دلِ بے اختیار رہنے دے
اسے جو گردشِ لیل و نہار رہنے دے

کیا کہئے!

از تارا شنکر صاحب ناشاد ایم اے ایل ٹی بستی

پیمانہ ہے پیمانہ پیمانے سے کیا کہئے
لشتر ہے محبت کی بیکار ہے عاشق سے
جب ہار گئے ناصح سمجھا کے مجھے بولا،
کچھ وقتِ سفر سب نے اسواسطے چپ سادھی
ناشاد یہ دل اپنا اس شوخ کی الفت میں

ساقی بھی ہے مستانہ مستانے سے کیا کہئے
رازِ دلِ مستانہ مستانے سے کیا کہئے
دیوانہ ہے دیوانہ دیوانے سے کیا کہئے
اپنا ہوا بیگانہ بیگانے سے کیا کہئے
پروانہ ہے پروانہ پروانے سے کیا کہئے

دُنیا جہان کی دلچسپ اور سائنٹیفک خبریں!

لاؤڈ اسپیکر: ۔نیویارک یونیورسٹی کے پروفیسر کارل ایےجانسن نے ڈاکٹر ای ای فری ماہر صوتیات کے زیرہدایت ایک مکبرالصوت آلہ تیار کیاہے، جومعمولی آواز کو دس کھرب گنا بڑھادیتاہے ایک موقع پر گندم کے دانوں میں گھن کے ننھے ننھے کیڑوں کے کھانے کی آواز اس قدر بلند ہوگئی کہ آس پاس کے کمروں میں طلبہ کے لئے کام کرنا مشکل کردیا، جانسن نے کہا۔ اگر بلی کے غرانے کی آواز کو اسی قدر بلند کردیا جائے تو ٹیلیفون یا ریڈیو کی مدد کے بغیر یہ آواز سان فرانسسکو تک سنی جاسکتی ہے'

ایکٹر کی ٹوپی: ۔یورپ میں اکثر شوقین مزاج نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اداکاروں کی تصاویر جمع کرنے اور ان کے مستعمل کپڑے بطور نشانی اپنے پاس رکھنے کا خبط ہے، چنانچہ وہ نہایت کوشش اور محنت سے اس قسم کی اشیاء فراہم کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک تازہ دلچسپ خبر یہ ہے کہ مشہور ایکٹر "مارن باورز" برازیل کی سیاحت کو گیا تھا، برازیل سے واپس ہوتے وقت اس کی ٹوپی وہیں رہ گئی، جو چند دن ہوئے ۱۵ پونڈ یعنی تقریباً دو سو روپے میں نیلام ہوئی:

بیوی کے بغیر خودکشی کرلی: ۔لندن کی خبر ہے کہ ایک ۲۹ سالہ نوجوان کو بیوی کی جدائی کا اسقدر صدمہ ہوا کہ اس نے خودکشی کرلی، اس شخص کا نام ولیم جارج ٹرین تھا، وہ کسی کمپنی کا ٹریولنگ ایجنٹ تھا' شادی سے پندرہ ماہ بعد اسے مجبوراً اپنی بیوی سے دستکش ہونا پڑا، اس نے صلح کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا آخر اس نے باغ میں ایک درخت سے لٹک کر خودکشی کرلی، اور ایک تحریر چھوڑ گیا، جس میں لکھا تھا، کہ گذشتہ چند سال میں میری زندگی نہایت اندوہناک رہی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بیوی کے بغیر میری زندگی عذاب ہے لہذا میں خودکشی کرتا ہوں"

ایک عجیب مشین کی ایجاد: ۔کیلیفورنیا کے ایک انجینئر نے سمندر سے دھات اور دوسری چیزوں کے باہر نکالنے کیلئے ایک عجیب وغریب مشین ایجاد کی ہے۔ یہ مشین سمندر میں ایک ہزار فٹ تک اندر جاتی ہے، جہاں اس میں نیچے کی چیزیں کثرت سے بھرجاتی ہیں' اور پھر مشین کا منہ اس طرح بند ہوجاتا ہے کہ ساری چیزیں بحفاظت سمندر سے خشکی میں چلی آتی ہیں، انجینئر مذکور کا خیال ہے کہ اس مشین کے ذریعہ سمندر کی تہ سے سونا آسانی سے دستیاب ہوسکے گا' الاسکا کے ساحل کے پاس سمندر میں سونے کی کانیں دریافت ہوئی ہیں' وہاں یہ مشین مفید ثابت ہوگی' نہ صرف تجارتی اغراض کے لئے بلکہ سائنٹیفک تحقیقات کیلئے بھی یہ بہت ہی کارآمد ہے اسکی شکل ڈول کے مشابہ ہے۔

چلتا پھرتا مکان: ۔میکسیکو میں ایک ایسا چلتا پھرتا مکان تیار کیا گیا ہے' جسے بوقت ضرورت کسی دوسرے مقام پر بآسانی منتقل کرسکتے ہیں، چنانچہ مذکورہ مکان کو ۱۱ فٹ تک باقاعدہ چلایا گیا، اس وقت اس مکان میں ۳۰ آدمی موجود تھے، اس مکان کا بوجھ ۶۰۰۰ ٹن ایک لاکھ یعنی ۷۲ ہزار من ہے، جس وقت اسے چلایا گیا اس وقت مکان کے اندر سب آدمی اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہے، اور پانی اور بجلی کا تعلق بھی برقرار رہا۔

آسمانی جہنم: ۔ریڈیو اور تار کی برطانی قومی مجلس کے صدر پروفیسر اسی پی ایپلٹن نے اس خیال کی تردید کردی ہے کہ انسان کبھی چاند تک پہونچ سکے گا، پروفیسر ایپلٹن کا نظریہ ہے کہ اوپر کی فضا جس نے زمین کا احاطہ کررکھا ہے، انتہائی حرارت کا ایک وسیع طبقہ ہے، جو ابتک سائنس کی تحقیقات سے پوشیدہ رہا ہے۔ یہ آسمانی جہنم ہے جس کی تپش ایک ہزار درجہ سینٹی گریڈ ہے، اور اہل زمین کے لئے ایک ہوائی طیارہ میں بیٹھ کر چاند تک پہونچنے کے امکان کو باطل کرنے والی رکاوٹ ہے،۔

پروفیسر ایپلٹن نے اپنے نظریہ کے اعلان سے پہلے رائل سوسائٹی کے ارکان کے ساتھ اس پر بحث کی اور کہا کہ اس آتشیں طبقے کا انکشاف اس تمام نظام تحقیقات کو زیرو زبر کردے گا۔ جو ریڈیو شارٹ ویوز اور مائیکروویوز کے سلسلے میں کی جارہی ہیں' انہوں نے اس نظریئے کی تمدید بھی کی کہ زمین سے جسقدر دور ہوتے جائیں فضا سرد ہوتی جاتی ہے، انہوں نے کہا کہ اس کے برعکس پہلے سات میل طے کرنے کے بعد فضا بے حد گرم ہوجاتی

ہے' ان کے نتائج کی بنا ان تجربات پر ہے جو انہوں نے لاسلکی کی لہروں کو زمین سے ڈیڑھ سو میل کی دوری تک پہنچنے سے حاصل کئے، انہوں نے کہا کہ وہاں پہونچکر یہ لہریں آیونی فضا سے ٹکراتی ہیں اور پھر زمین کی طرف واپس آجاتی ہیں۔

باپ کی بے شرمی:۔ راولپنڈی کے ایک گاؤں میں ایک لڑکی نے خودکشی کرلی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لڑکی کو اپنے باپ سے حمل ہوگیا اور اس بے شرمی سے بچنے کے لئے لڑکی نے اپنے مکان کے اندر ایک کمرہ میں رسی سے لٹک کر پھانسی لے لی۔

ڈاڑھی والی عورت:۔ مانٹریال کی ایک خاتون کے بالشت بھر لمبی ڈاڑھی ہے وہ روزانہ مردوں کی طرح اس میں کنگھی کرتی ہے' اور خوشبو لگاتی ہے۔ اس عورت کے تین بچے ہیں جن میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے خیال ہے کہ ان دونوں لڑکیوں کے بھی ڈاڑھیاں ضرور نکل آئیں گی۔

ہوائی جہازوں کی مرمت:۔ ہوائی جہازوں کی مرمت وغیرہ میں آسانی پیدا کرنے کیلئے امریکہ کے ایک انجنیئر نے ہوائی اسٹیشن بنایا ہے۔ اس اسٹیشن میں وہ تمام ضروری چیزیں موجود ہیں جن کی دوران جنگ میں ہوائی جہازوں کی مرمت کیلئے ضرورت ہوسکتی ہے۔ اس ہوائی اسٹیشن میں خبریں موصول کرنے کے لئے ریڈیو کا سامان بھی ہوتا ہے، اور اسٹیشن کے آگے سرچ لائٹ لگی ہوتی ہے جو ہوا کا رخ بتاتی ہے۔

اغوا کا عجیب واقعہ۔ ملتان کی خبر ہے کہ وہاں ایک ہندو لڑکی کا شوہر بیمار تھا۔ وہ پیپل کے درخت کے نیچے کھڑی، دیوتا کے آگے آہ و زاری کررہی تھی' کہ کسی شخص نے اسے اغوا کرلیا، بیان کیا جاتا ہے کہ ملزم نے اس کے زیورات وغیرہ اتار لئے۔ اور اپنے گھر میں کئی دن تک محبوس رکھا، ایک روز کسی ہمسایہ لڑکی نے چیخ پکار سن لی' اور کھڑکی کے ذریعہ اسے باہر نکالا، لڑکی ایک ظالم کے قید سے چھٹکارا پاکر بہت خوش ہوئی لیکن اس کی مسرت بالکل عارضی تھی کیونکہ جب وہ گھر پہونچی تو اس کا خاوند مرچکا تھا،

جدید قسم کا لیمپ:۔ امریکہ کے ایک لیمپ ساز نے ایک عجیب و غریب لیمپ ایجاد کیا ہے اس سے روشنی تو ہوتی ہے مگر آنکھوں کو اب محسوس ہوتا ہے گویا ان پر روشنی کی چمک بار نہیں ہے اور اس لیمپ میں رات کے وقت رنگین چیزیں بالکل صاف دکھائی دیتی ہیں، اس کی روشنی معمولی بجلی کے لیمپوں کی نسبت زیادہ تیز ہوتی ہے مگر یہ بڑی خصوصیت ہے کہ آنکھیں خیرہ نہیں ہوتیں' امریکہ میں اس لیمپ کا نام "بولا بلائی" رکھا گیا ہے' اس کی خصوصیت کا راز یہ ہے کہ برق کے گرد ایک چمکدار کیمیاوی مادے کی بہت سی ایسی تہیں رکھی گئی ہیں جو روشنی کی خیرہ کرنیوالی صلاحیت کو جذب کرلیتی ہیں۔

دیا سلائی بنانے کی مشین۔ انگلستان میں دیا سلائی بنانے کی ایک مشین لگنے والی ہے جو ایک حرکت میں دو کروڑ چالیس لاکھ دیا سلائیاں بناکر رکھدے گی، اس مشین میں لکڑی کو تیار کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر مشین کے ایک سرے پر جنگل سے تازہ کاٹی ہوئی لکڑی داخل کردی جائے تو دوسرے سرے پر دیا سلائی کی بنی بنائی ڈبیاں نکلتی آئیں گی۔

چلنے والی مچھلی:۔ شمالی امریکہ میں جہاں مختلف قسم کی بحرالکاہل میں گرتی ہیں وہاں ایک عجیب غریب قسم کی مچھلی پائی جاتی ہے۔ یہ مچھلیاں موم بتی کے بجائے کام میں لائی جاتی ہیں اور وہاں کے باشندے ان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بتی پرو دیتے ہیں اور پھر ان کو سیدھا کھڑا کرکے ان کے سرے کو دیا سلائی دکھا دیتے ہیں۔ مچھلی فوراً موم بتی کی طرح جلنے لگتی ہے۔

کھانے کا مقابلہ:۔ پچھلے دنوں فرانس کے پیٹوؤں کے درمیان ایک دلچسپ مقابلہ ہوا، اور کئی پیٹوؤں کو شکم پروری کے زندہ دلانہ ثبوت دینے پر گرانقدر انعامات دیئے گئے ایک پیٹو نوجوان موسیو بادل نے یک تحت ۲۵ انڈے ۱۱ ابلے ہوئے آلو ۵ پیاز کے گٹھے، ۲ سیر جاکولیٹ' اور ۲ بھنی ہوئی مرغابیاں کھاکر بیس پونڈ انعام حاصل کیا، ایک دوسرے نوجوان گیبٹر بوجانے ۱۱ گھوڑوں کا گوشت چاولوں کی دو پلیٹوں کے ساتھ نوش کرکے ۲۰ پونڈ انعام حاصل کیا۔ ایک لڑکی مس رینی کیڈول نے بارہ مرغیاں، چائے کی ۲۰ پیالیاں ۱۲ مکھن والے توس' بطخوں کے ۱۱ انڈے اور دو آلو کھاکر چالیس پونڈ انعام حاصل کیا،

گدھوں کی سواری۔ سندھ کے دادا لیکھراج نے ایک اوم منڈلی بنائی تھی جس میں شہر کی بانی عورتیں کافی تعداد میں شامل ہوگئی تھیں اب لڑکیوں کے لئے یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ ان کا منہ کالا کرکے انہیں گدھے پر سوار کردیا جائے اور تمام شہر میں پھرایا جائے، سب سے پہلے ایک لڑکا اور دو لڑکیوں کو تختۂ مشق بنایا گیا۔

بقیہ صفحہ ۳ پر دیکھو

میری زندگی کا سب سے عجیب واقعہ

ایک ولی کامل سے میری ملاقات

از شکیلہ بیگم بھوپال

سو فیصدی سچی آپ بیتی

میری ایک سہیلی ہیں جو اپنا نام اس لئے ظاہر کرنا پسند نہیں کرتیں کہ ناظرین "مست قلندر" کی رجوعات ناطقہ تنگ کر دیں گی، میرے اصرار پر وہ اپنی آپ بیتی لکھوا رہی ہیں۔

میں نہایت مضبوط دل کی عورت تھی، اتفاق سے میرے ایک عزیز قریب انگلستان گئے اور ان کی واپسی میں اسقدر عرصہ لگا کہ جدائی کے رنج سے مجھے دنیا تیرہ و تار نظر آنے لگی، میری صحت نے بھی جواب دیدیا، میں بحالی صحت کو مسوری گئی ہوئی تھی، مجھے دنیاوی مشاغل سے بیگانگی پیدا ہو گئی تھی، البتہ فقیر، سادھو، درویش، ان لوگوں کی باتوں میں لطف آتا، اور میں اپنے گوہر مقصود کو پانے کے لئے ہمیشہ ایسے لوگوں کی تلاش میں رہا کرتی تھی، اور ان سے دعائیں کروایا کرتی تھی۔

ایک روز میں شام کو گھر سے اُدھر جنگل کی طرف نکل گئی، بہت دور چلنے کے بعد سنسان ویران جنگل میں گھنے پیڑوں کے نیچے ایک پھوس کا ڈھیر تھا، اور اس پر بھیڑ کے بال سے نہایت سفید لیکن گھونگر یالے بالوں کا ایک ڈھیر سا پڑا تھا، میں نے قریب جا کر جیسے ہی ان بالوں کو ٹھوکر سے چھونا چاہا۔ ایک انسانی سر نمودار ہو گیا، میری حیرت اور خوف کی انتہا نہ رہی، میں لرزنے لگی، پیچھے مڑ کر ساتھیوں کو آواز دی، وہ بہت دور تھیں، لیکن سر اٹھا ہوا نورانی صورت کے انسان نے میری تسلی کرتے ہوئے کہا، "بچہ ڈرو مت ہم فقیر ہیں"، میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا، بابا میرا قصور معاف کر دو، اپنا سر جھکا دیا۔ سفید اور ریشم کی طرح ملائم گھونگر یالے بالوں والے بابا اٹھ کر بیٹھ گئے، انکا تمام بدن ان بالوں سے ڈھکا ہوا تھا، انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا: "بچہ تیرا دل اچھا ہے یہاں کیسے آئی"۔ میں نے کہا بابا بالکل اتفاقیہ خدا نے ادھر بھیجدیا، آپ ہندو ہیں یا مسلمان انہوں نے کہا میں ہندو بھی ہوں مسلمان بھی، عیسائی بھی، جتنے دنیا میں مذہب ہیں سب کو سچا جانتا ہوں، میرے پریم کا رشتہ اس سے بندھا ہوا ہے، یہ سب مذہب جس تک جانے کے راستے ہیں، میں دروازہ میں پہنچ گیا ہوں مجھے راستہ کی تلاش نہیں اس لئے میرا کوئی مذہب بھی نہیں"، ولی یا رشی کی باتیں سن کر میں بیٹھ گئی اور میں نے کہا، بغیر کسی مذہب کے آپ نے خدا کو کیسے پالیا، انہوں نے کہا "روح کی پرواز سے"، میں نے کہا روح پرواز کے بعد تو واپس ہی نہیں آتی، انہوں نے کہا وہ روح جو دنیا کی کثافتوں میں گھر کر تباہ ہو جاتی ہے، اس میں قوت حیات زیادہ نہیں رہتی، ایک روز وہ بھی جسم خاکی کو چھوڑ کر نکل جاتی ہے، اور فوراً اپنے جزو میں شامل نہیں ہوتی، بلکہ کچھ عرصہ ادھر اُدھر بھٹکتی پھرتی ہے، لیکن دھیان گیان کرنیوالی روح طاقتور ہوتی ہے، اور اسکی کشش پرم آتما یا خدا یا روح کے اس عظیم الشان مرکز کی طرف ہوتی ہے، جس کی لہر سے کائنات کی تخلیق ہوئی ہے، کبھی کبھی وہ ادھر جاتی ہے اور پھر آجاتی ہے میری عمر ڈیڑھ سو سال کی ہے۔ پچاس سال صرف مجھکو سفید بال ہوئے گذرے ہیں، اسوقت سے اسی جگہ ہوں، یہ کہکر جب بابا کھڑے ہوئے تو ان کے سفید بال تقریباً ۵-۶ گز لمبے تھے، بابا بیٹھے ہوئے اس ڈھیر میں ایسے لگتے تھے جیسے روئی کے ڈھیر میں کوئی چیز اندر دھنس جاتی ہے اور سوائے روئی کے گالوں کے اندر کچھ دکھائی نہیں دیتا، بابا کے ناخن دو بالشت لمبے تھے انہوں نے قریب ہی ہاتھ بڑھا کر ناخون سے اخروٹ کے پیڑ کی مضبوط چھال نہایت آسانی سے اس طرح اتار لی، جیسے ہم کوئی باریک چھلکا جدا کر لیتے ہیں میرا دل خوف سے لرزنے لگا، میں خاموش تھی۔

بابا نے ہنس کر کہا: "تم مجھکو بھوت خیال کر رہی ہو، ہتھیلی دکھا کر کہا یہ ہاتھ کی لکیریں دیکھو میں انسان ہوں، غیر جاندار کے ہاتھ میں یہ لکیریں نہیں ہوتیں، بابا کی زندگی کی لکیر بے انتہا گہری، موٹی، اور تمام ہتھیلی پر تھی، پھر بابا نے کہا، "تم جس بات کو کہنا چاہتی ہو اس کو کیوں نہیں کہہ ڈالتیں"۔

میں نے کہا: "میرے عزیز جلد آجائیں، انہوں نے ایک منتر بتایا یہ پڑھو چالیس دن کے بعد مراد پوری ہو گی، اور تمہارے اندر اسقدر قدرت پیدا ہو جائے گی کہ جو چاہو کر ڈالو، تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا" غرضکہ میں نے بابا کی ہدایت کے مطابق، گوشت، لہسن و پیاز وغیرہ ترک کر کے آدھی رات کو اور اندھیرے کمرہ میں منتر پڑھنا شروع کیا، بیس روز نہایت آسانی سے گذر گئے ۲۱ ویں دن میں نے دیکھا کہ زمین ابل کر ایک اندھے پیالہ

کی شکل میں سامنے نمایاں ہوگئی، مجھے بڑا خوف ہوا، مگر بابا کی ہدایت کو یاد کرکے چُپ ہوگئی اور منتر پورا کرلیا، دوسرے روز ایک شیر دکھائی دیا، اس کو بھی ضبط کیا، تیسرے دن ایک بچہ بغیر ماں کے چھوٹا سا روتا ہوا دکھائی دیا کہ مجھے گود میں لینے کو کہہ رہا ہے، اسپر بھی صبر کرلیا، چوتھی بار بہت بڑا بچھو نکل کر آیا اور میری ساری میں گھس گیا، مگر میں نے جنبش نہیں کی، پانچویں دن ایک خوبصورت عورت نے رو کر ہاتھ جوڑ جوڑ کر پانی مانگا اور کہا کہ ذرا سا پانی لادو میں ابھی چلی جاتی ہوں، ورنہ میں مرجاؤں گی، اور پھر پولیس تم سے میری لاش کی بازپرس کرے گی، میں اس پر بھی خاموش رہی، مجھ سے بابا نے کہہ دیا تھا کہ کسی فریب میں نہ آنا کچھ نقصان نہ ہوگا، چھٹے دن دو سیاہ بھینسوں میں سخت جنگ ہوئی وہ میرے اوپر بڑھے چلے آتے تھے، مگر میں حصار سے باہر نہ نکلی، ساتویں دن میں نے دیکھا کہ میرے دور افتادہ عزیز ہنستے ہوئے سامنے کھڑے ہوئے ہیں، میں انہیں دیکھکر بڑی خوش ہوئی، اور انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا کہ اب کیوں جنتر منتر پڑھتی ہو ہم تو آہی گئے میں اٹھ کر لپٹ گئی، یکایک مجھے سخت چوٹ محسوس ہوئی، بیہوشی کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو گھر سے ادھر ایک پہاڑ کے ٹیلہ پر پڑی ہوئی تھی، رات کا وقت ہو کا عالم، سناٹا، تاریکی، میرے بدن میں درد اٹھنا محال غرضیکہ میں حیران تھی کہ کیا کروں، گھر کے لوگ صبح گھر میں نہ پاکر حیران تھے دروازہ کی کنڈی بدستور لگی ہوئی تھی، شب کو میں سب کے سامنے سوئی تھی، تالہ ہوجو تھا چابی میرے پاس نہ تھی، مگر یہ ماجرا سن کر حیران تھے۔

گھر جاکر مہینوں میں مجھے آرام ہوا، چلتے وقت میں یہ شکل تمام ایک بار بابا کے پاس گئی اور انہوں نے حال سن کر کہا بیٹا! تم نے دھوکا کھایا، ایک دن صبر کرنا تھا، مگر در اصل تمہارے مقدر میں دنیا کا عروج نہیں، نہ تمہارا دل اس کے لئے بنا ہے، خدا نے تمکو کسی اور کام کے لئے بنایا ہے، وہ اپنے بندوں کی خدمت لیگا اور ایسے لیگا جس میں تم کو بڑے بڑے رنج و مصیبت برداشت کرنا ہوں گے، جب تمہاری روحانیت ترقی کرتی جائے گی، اور تم کو اپنے ہی دھرم کے دلی کے پاس جانا ہے، وہ یہاں سے کالے کوسوں دور بغداد میں ہیں، مگر تمہارے کانوں تک ان کی آواز نہیں پہنچی، میں نے کہا کیونکر انہوں نے کہا جس طرح یہ انگریز لوگوں کا جادو گھر فری میسن لاج ہے اسی طرح مسلمانوں کی بھی ایک جماعت ہے، اسکی شاخیں ہر ملک میں پھیلی ہوئی ہیں، ہندوؤں کے یہاں منتر اور تنتر ہیں، جس کو پڑھنے سے دنیا کی ہر چیز مہیا ہوسکتی ہے، دوست دشمن کے بگڑے کام بن سکتے ہیں، فری میسن لاج کے ممبر ہمیشہ دنیا میں اونچی سے اونچی چیزیں کرتے ہیں جو اسکا ممبر ہوا وہ ترقی کرکے کہیں کا کہیں پہنچ گیا، مگر مسلمانوں کی سبھا کا الٹا دستور ہے' ....

.... میں بھی اس سبھا کا ممبر ہوں، اس میں روحانی ترقی کی قید ہے، دنیا کی نعمتیں ایسے شخص کو نہیں ملتیں، مگر خدا کے یہاں اسکا درجہ بہت بڑا ہوتا ہے، دنیا میں بھی مجھکو سات تہ تک زمین کی ہر چیز نظر آتی ہے، یہ میرے گیان دھیان، یوگ سے بڑھائی ہوئی طاقت کا نتیجہ ہے اور اب میرا خدا یا پرماتما تک پہنچنے کے بعد کوئی مذہب نہیں رہا، اس لئے اس جماعت میں بھی میرا درجہ ہے، آج سے تم نفس کشی شروع کرو، فاقہ کرو، نفس کو تکلیف دو، بری بات برداشت کرو، دشمن کی سیوا کرو، تھوڑی بھوک رکھکر کھانا کھاؤ، اچھا کھانا سامنے رکھکر برا کھانا کھاؤ، جب تمہارے نفس کی خواہش اسقدر مٹ جائے کہ تمہارا دل سامنے رکھی ہوئی اچھی چیز کی طرف رغبت نہ کرے اور بری میں مزا آنے لگے تو اسکے بعد یہ تصویر سامنے رکھکر سو جانا تم خواب میں اپنے مرشد کے پاس پہنچ جاؤ گی" ہسوری سے آنے کے کوئی دو سال بعد جب بابا کی ہدایت کے مطابق میں نفس کشی پر غالب آگئی تو ایک رات تصویر کو سرہانے رکھ کر سو گئی، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک قہوہ خانہ کے دروازہ پر ایک شخص قہوہ پی رہا ہے عربی لباس ہے، اس کی حالت معمولی گداگروں سے زیادہ نہیں، لوگ اندر آجا رہے ہیں، یکایک بابا نے اس سے میرا تعارف کرایا، اور کہا "یہی وہ باخدا ہستی ہے جو عالم روحانیت کی دنیا پر چھائی ہوئی ہے، ہر ملک میں اس کے چیلے ہیں" میں نے ان بزرگ کے ہاتھ پر قسم کھائی کہ میں حرص دنیا، مال کا لالچ اور کسی کی محبت کو کبھی جگہ نہ دوں گی، انہوں نے میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا پانی چھڑکا میری آنکھ کھل گئی"۔

میری سہیلی کو بہت سے روحانی اسرار حاصل ہیں، مگر وہ ان کو ظاہر نہیں کرتیں ان کے مرشد ان کو خواب میں ہدایت دیتے ہیں، نیز انہوں نے ایک بغداد سے آنیوالے سے ملایا جس نے بتایا کہ درحقیقت ایک شخص ایسا موجود ہے جو تمام دن اللہ کے بندوں کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا ہے۔

میری سہیلی ایک بات سے بہت حیران و پریشان ہیں کہ ان کو آئندہ کے حالات کا علم قبل از وقت ہوجاتا ہے، اور اکثر وہ کہتی ہیں "کاش میں اس جماعت میں شامل نہ ہوتی" وہ اکثر کھوئی ہوئی سی رہتی ہیں، جیسے اس دنیا میں نہیں، اور جہاں تک دماغ کا تعلق ہے وہ بہترین حالت میں ہے، ان کو جھوٹ سچ کی صاف پہچان ہوجاتی ہے، وہ کہتی ہیں کہ میری زندگی بڑی بےمزہ ہوگئی، میں اگر چاہوں بھی تو زندگی کا لطف نہیں اٹھا سکتی ہر چیز کی اصلیت معلوم ہوجاتی ہے، کوئی محبت کا کتنا ہی اظہار کرے یہ کھنچ جائیں گی، ان کو معلوم ہوجائیگا کہ ظاہری ہے، اور بعض دفعہ ان کے ساتھ کوئی برائی کرتا ہے، برا بھلا کہتا ہے، یہ اس کو نہیں چھوڑتیں۔

قدر کرتی ہیں اُن کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے دل میں محبت ہے۔ اکثر زندگی کے حالات پر جو روشنی ڈالتی ہیں وہ صحیح نکلتی ہے۔ اور دو ایک بار ہا اس کو آزمایا کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے چند چیزوں کے نام یا حرف کچھ تحریر کرا دیئے جسے انہوں نے کبھی نہیں دیکھا مگر اس کی صحیح صحیح باتیں بتا دیتی ہیں۔

پرچہ پر چار آدمیوں کے نام لکھ کر اُلٹ دو اسکے پیچھے وہ ایسے نام لکھدینگی جو بات اس نام والے میں ضرور موجود ہوگی دوسروں کے تجربے کام بتا دینگی مگر خود اپنی زندگی سے عاجز ہیں اور کہتی ہیں کہ انسان کو جس حد تک خدا نے اپنی عبادت فرض کی ہے اس پر قانع رہے ان حدود سے بڑھنے کی کوشش نہ کرے وہ ہر مذہب کو مقدس خیال کرتی ہیں اور اکثر یہ شعر ان کے ورد زبان رہتا ہے

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

(بقیہ ۱۲ دنیا جہان کی دلچسپ سائینٹیفک خبریں) معشوقہ کی ناک کی قیمت. بمبئی کی ایک عورت کو اپنے عاشق سے ناک کٹوانے کے عوض میں ایک سو روپیہ معاوضہ ملے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ فتح محمد نامی ایک شخص نے اپنی معشوقہ کی ناک کاٹ کر اس کے چہرے کو بدنما کر دیا۔ ملزم نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا۔ کہ میری معشوقہ کسی اور شخص کے ساتھ بھاگ جانے کا ارادہ کر رہی تھی، کہ میں نے طیش میں آکر اس کی ناک کاٹ ڈالی عدالت نے اسے چار ماہ قید اور ڈیڑھ سو روپیہ جرمانہ کیا جس میں سے سو روپیہ معشوقہ مذکور کو دیا جائے گا۔

بھائی انور کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے جو پیسہ کما کر لاتے سب سیر سیاحت میں اڑا دیتے تھے، دفتر سے آتے دو ایک منٹ گھر ٹھہرتے پھر باہر نکل جاتے شاید گھر میں آرام لینا ان کے لئے لکھا ہی نہ تھا، یا انہیں گھر ہی سے نفرت تھی، میں ان سے اکثر پوچھا کرتا تھا، کیوں بھائی جان کبھی آپ کو آرام کی بھی سوجھی ہے یا نہیں، مگر ان کا ہمیشہ یہی جواب ہوا کرتا تھا، نہیں پیارے بھائی میری فطرت ہی ایسی ہے، خدا ہی سے کہو کہ انور کی طبیعت کو پھیر دے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ لکھنؤ بنارس کی سیاحت سے واپس آئے ہی تھے کہ ننھے اکرم کو چند ایک کھلونے دیکر اپنے کمرہ میں جا گھسے کمرے میں جا کر کپڑے بدلے اور ایک کوچ پر بیٹھ گئے، سامنے ایک میز کھینچ لی اور اس پر اپنا اٹیچی کیس کھولنا شروع کر دیا، میں باہر گیا ہوا تھا، واپس جو آیا تو ان کی آمد کی خبر سن کر ان کے کمرے میں گیا، مگر ان کو مصروف پا کر انکے پاس نہ ٹھہرا، بلکہ ساتھ والے کمرہ میں لیٹ رہا، میں سونے کی خاطر تو قطعاً نہ لیٹا تھا، مگر چونکہ موسم گرمی کا تھا، بجلی کے پنکھے کے نیچے خواب آگیں تلاطم نے آہستہ آہستہ بڑھ بڑھ کر مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا، نیند کی میٹھی میٹھی پرکیف موجوں نے مجھے غنودگی کے سمندر میں ڈبو دیا ـــ بس آنکھ لگ گئی۔

ابھی زیادہ وقت نہ گذرا ہوگا کہ کمرے میں کسی بچے کے ننگے پاؤں دوڑنے کی آواز آئی، میری آنکھ کھل گئی اور کروٹ جو بدلی تو دیکھا کہ ننھی صغرا اکرم کے کھلونے چھیننے اپنے چچا کے کمرے کی جانب بھاگی جا رہی ہے، اور اسکے تعاقب میں میاں اکرم بھی اپنی سبک رفتار دوڑ لگاتے آ رہے ہیں اور ساتھ ساتھ روتے چیختے اور گاہے گاہے مچلتے آ رہے ہیں، میں نے مڑ کر اکرم سے پوچھا "اسے کیا ہوا؟" ـــــ مگر یہ لفظ ابھی میرے منہ ہی میں تھے کہ صغریٰ چیخ مار کر چچا کے کمرے سے الٹے پاؤں بھاگی، اور دوسرے دروازے کی دہلیز کے ساتھ ٹھوکر جو کھائی تو اوندھے منہ گر پڑی۔

میں جلدی سے اٹھا اور بڑھ کر اسے اٹھا لیا، اور دلاسہ دیتے ہوئے پوچھا "کیوں بیٹی کیا ہوا؟" لڑکی گنگ تھی، سانس تو جیسا ہی نہ تھا، چہرہ زرد، پتلا نحیف جسم کانپ رہا تھا، رونگٹے کھڑے، پسینے سے کپڑے تر، آنکھیں یوں کھلی گویا ابھی نکلا چاہتی ہیں، سر کے بال یوں پریشان گویا کبھی مشاطہ کا منہ نہیں دیکھا، مجھکو شک ہوا کہ ضرور کہیں سے ڈر گئی ہے اور تھا بھی ایسے ہی مارے خوف کے بیچاری کے منہ سے بات نہ نکلتی تھی، اپنی توتلی زبان سے بصد مشکل اس نے صرف اتنا کہا اور وہ بھی رک رک کر "سانپ ......!!" اور دم رک رک جاتا تھا، پھر کبھی کمرے کیطرف اور کبھی میز کی طرف اپنی کانپتی ہوئی انگلی اٹھا کر کہتی "آبا سانپ.... ؟"

میں نے اکرم کی ماں کو کہا "جا کر دیکھو تو سہی"، اس نے میری سوٹی ہاتھ میں لی اور گئی مگر وہ بھی چیخ مار کر واپس دوڑ آئی اور چارپائی پر چڑھ گئی اصغری پھر مجھ سے چمٹ گئی، میں نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں پوچھا "کیوں بیگم کیوں؟"

اس نے ہانپتے ہوئے کہا "اجی ان کے کمرے میں تو سانپ ہے......!"

میں نے صغریٰ کو پلنگ پر بٹھاتے ہوئے پوچھا "لیکن ہے کہاں؟.... لاؤ سوٹی تو دو ـــ بلاؤ تو سہی ذرا اسلم کو ـــــ (پھر خود ہی چھوٹے بھائی کے کمرے کیطرف منہ کر کے زور سے آواز دی) بھئی اسلم دوڑیو آئیو ذرا ادھر آئیو ـــ اور سوٹی بھی لیتے آئیو ـــ (پھر چاروں طرف گھوم کر) اکرم! کہاں ہے اکرم؟ ـــــ ارے ادھر بھاگ" اسے بھی اٹھا کر پلنگ پر بٹھا دیا، کہتے ہیں چارپائی پر سانپ نہیں چڑھ سکتا۔

اتنے میں بھائی اسلم بھی آنکھیں ملتے ملتے آ گئے، مگر ان کے ہاتھ میں سوٹی نہ دیکھ کر سٹ پٹایا تو بہت آخر گھبراہٹ میں انہیں ایک بید کی چھڑی دی اور کہا "بھائی صاحب کے کمرے میں سانپ ہے، اب آنکھیں ملنے کا وقت نہیں اسے مارنا ہوگا"

بیگم بولیں "میاں جی! ـــ ان کے سامنے کی میز پر بیٹھا ہوا ہے ـــ اور وہ خود لیٹے ہوئے ہیں"

خیر ہم دونوں بھائی دبے پاؤں نہایت احتیاط سے کمرے کی طرف بڑھے میز پر اٹیچی کیس کھلا پڑا تھا، چیزیں بھی ساتھ ہی بکھری پڑی تھیں، اور تمام منتشر اشیا اور کاغذات پر ایک ہیبت ناک جسم سیاہ رنگ کا چمکیلا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا، اسکی چمکدار سرخ رنگ کی گول گول آنکھوں سے دہشت ٹپک رہی تھی، اپنی سفید چھاتی تانے ہوئے بھائی انور کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے اور سنئے بھائی صاحب سامنے کے کوچ پر گہری نیند سو رہے تھے، جونہی یہ نظارہ دیکھا میں ٹھٹک کر رہ گیا پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے زبان خشک ہو گئی

(بقیہ ص۴۹ پر ملاحظہ کیجئے)

سُندری!

طبعزاد خاص

از کنور پریمی

سُندری حسین تھی،
چندرما سے زیادہ — حسین!
اُس کا پھول سا — مکھڑا،
سڈول گردن — بڑی بڑی آنکھیں،
نازک ہاتھ پیر —
اُس پر — سادہ لباس، —
انسان کے روپ میں دیوی!! —
کل شباب کی پندرہ بہاریں،
بیتی تھیں — !
اُس کا پتی — چار برس کی،
عمر میں — اُس کی تقدیر سے،
وابستہ ہو چکا تھا — !
سولھویں برس — منگیتر
آنے والا تھا!! —
سُندری اپنے "خیالی دیوتا" کی،
ہردے میں اکثر —
پوجا کرتی — اور ایک طرح کی،
قلبی مسرت محسوس کرتی!! —
اب جب کبھی اُسے خیال آتا کہ —
وہ بچپن میں کتنی نادان تھی —
ماں سے پوچھنا — "برات کب آئیگی"! —
یہ سوچکر اب وہ — شرما جاتی —
معصوم سندری!! —

بچپن کی معصوم شوخیاں۔ خواب و خیال ہوگئیں
"اُسے اب شرم کرنا چاہئے" اکثر وہ کہتی!! —
شادی میں دو ماہ باقی تھے؛
شہر بھر میں وبائی امراض پھیلے تھے —
ہر طرف سے ہولناک موتوں کی —
خبریں آرہی تھیں —
سندری کے پتا شادی کے اہتمام میں
لگے تھے — !
"سُندری بیاہی جانیوالی ہے — اس کا انتظام
پہلے سے کرنا چاہئے ورنہ —" اکثر —
وہ سُندری کی ماتا سے ڈانٹ کر کہتے —
سندری — اب پہلی سی سندری نہ تھی!! —
شوخی کی جگہ — متانت! —
اور معصومیت کے بجائے — سنجیدگی —
اُس کے چہرے سے برستی تھی!! —
"تار آیا!" —
سندری کا پتی — دُنیا سے چل بسا!! —
سندری کچھ بھی — نہ سمجھ سکی!!!
گھر میں کہرام مچا تھا — سب رو رہے تھے —
وہ بھی رونے لگی!! — کیوں؟!!
ایک نامعلوم جذبہ کے ماتحت!! —
اُس کا پھول سا چہرا —
کمہلا گیا —

اُس کے جیون کی —
جگ مگ دُنیا — میں،
اندھیاری چھاگئی —
ایسی اندھیاری جس کا،
چھٹنا — کبھی ممکن نہ تھا؟
آہ! — "سہاگ ماری!" —
اُس کا جوبن، روپ، حُسن —
اور شباب — سب بے قیمت تھا —
وہ — وِدھوا تھی — جگ دِدھوا! —
وہی ماتا پتا — جو کل اُسے پیار بھری —
نظروں سے دیکھتے تھے —
آج — قہر کی نگاہوں سے دیکھنے لگے —!
اُس کا یہی قصور تھا کہ —
وہ وِدھوا ہے —
اور وِدھوا "سماج کی" —
ذلیل ترین ہستی ہے —
اُس کا وجود ناپاک ہے، — منحوس ہے
اور قابلِ نفرت!!! —
اُسکا سایہ — قابلِ گریز ہے اور کمبختی کے مترادف!!
آہ!! — سماج!!! —
کتنے کٹھن ہیں سماج کے بندھن —
خود ساختہ اور نفرت آمیز!!! —
~~~ (کنور پریمی) ~~~

(بقیہ ۴۸ پلیپر ویٹ) میں کانٹے پڑگئے، بدن کانپ اُٹھا، آنکھوں سے آنسو ڈھلک پڑے یہ طلسم ہوا کہ سانپ نے سر پلا دکھائی دیتا ہے، یقیناً بھائی صاحب کو ڈس چکا ہے۔ اور وہ ابدی نیند سو رہے ہیں نعوذ باللہ تعالےٰ۔ اسلم آواز دینا چاہتے تھے، مگر میں نے وہیں پر روک دیا اور دبی آواز میں کہا مبادا وہ جاگ اُٹھیں اور اگر اس نے کاٹا بھی نہ ہو تو اب کے ضرور ہی ڈس ہی دے — بڑھئے مگر آہستہ آہستہ — نہیں نہیں!! — ذرا ٹھہرو — میں ابھی آتا ہوں۔ اور لپک کر ساتھ کے کمرے سے اپنی رائفل اُٹھا لایا، ہمارا خاندان نشانہ کے واسطے مشہور تو ہے ہی، مگر مجھے رائفل میں خصوصیت حاصل ہے بس گولی بھری اور جھکتے ہوئے ایک دروازہ کی آڑ میں سے سانپ کی مہیب پھن پر نشانہ سے ہی مارا — سانپ کی جگہ مٹی اُڑی۔ بندوق کے دھماکہ کے ساتھ ہی بھائی جان دھڑک کر جاگ اُٹھے اُن کی نظر جو میز پر پڑی تو بے اختیار چلا اُٹھے — ارے بیوقوف ہی ہونا! میرا دو سَو روپے کا پیپر ویٹ توڑ ڈالا

* میرے ایک مشفق دوست نے مجھے تحفہ دیا تھا۔
~~~

جب کبھی کسی تبتی خانقاہ میں جانے کا اتفاق ہوتا۔ تو مجھے خاص طور پر محتاط رہنا پڑتا تھا۔ اس لئے کہ اگر لاماؤں کو میری اصل حقیقت معلوم ہو جاتی تو کئی طرح کے خطرے پیش آنے کا احتمال تھا۔ یہ تو میں نہیں کہتا کہ وہ مجھے جان سے مار ڈالتے۔ کیونکہ تبت میں انسان کی جان کا ہمیشہ خاص طور پر احترام کیا جاتا ہے۔ ڈر اس بات کا تھا کہ اگر مجھ کو لاماؤں نے زیر حراست کر لیا تو پھر میرے لئے کسی خانقاہ سے باہر نکلنے کی بھی کوئی صورت ممکن ہو گی یا نہیں؟

چونکہ میں خانقاہوں میں اکیلا نہ جاتا بلکہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا تھا کہ دوسرے یاتری لوگوں کے ساتھ مل کر جاؤں۔ اس لئے مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ صحیح وقت پر مجھے کونسا ایسا فعل کرنا چاہئے جس سے کسی کی توجہ خاص طور پر مجھ پر نہ پڑ سکے۔ عام طور پر میں کسی خانقاہ کے اندر رہتے ہوئے بہرے اور گونگے آدمی کا بہروپ بنا لیتا تھا اسلئے چونکہ میں کچھ بولتا چالتا نہ تھا لاما لوگ میری گفتگو کے غیر ملکی لہجہ کو معلوم نہ کر سکتے تھے۔

ہر چند یہ امر واقعہ ہے کہ تبت کی خانقاہوں میں کئی خفیہ کمرے اور مقدس مقامات ایسے ہوتے ہیں جن میں یاتری لوگ بھی نہیں جا سکتے تاہم ان مقامات کی سیر و سیاحت وسیع معنوں میں دلچسپی سے خالی نہیں ہوتی۔

ان خانقاہوں میں دو چیزیں خصوصیت سے قابلِ ذکر پائی جاتی ہیں ایک تو بیش بہا زیورات دوسرے اس قسم کے کتب خانے جن میں نادر و نایاب مسودے جمع ہیں جس طرح کسی زمانہ میں کیتھولک عیسائی اپنی کتب مقدسہ کو سائبان کے نیچے لے کر چلا کرتے تھے اسی طرح یہ لوگ بھی اکثر مقدس کتابوں کو کپڑا تان کر اسکے نیچے رکھتے ہیں بعض اور کمرے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں اس قسم کی چیزوں کو غیر معمولی حفاظت کے ساتھ تیار کر کے رکھا جاتا ہے جنہیں اہلِ مغرب ناشائستہ خیال کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا ناپ چھ فٹ تک اونچا دیکھا گیا ہے۔

ہر قسم کی احتیاط عمل میں لاتے رہنے کے باوجود ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میری حقیقت لاماؤں کے روبرو منکشف ہوتے ہوتے رہ گئی۔

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ میں چونکہ بعض مقامات مقدسہ کی سیر کرنا چاہتا تھا اس لئے کئی روز تک تو میں نے یاتریوں کی آمد کا انتظار کیا۔ تاکہ ان کے ساتھ ہی مل کر چلوں۔ مگر اتفاق ایسا پیش آیا کہ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جو اس مقام پر جانے کا خواہشمند ہوتا۔ جہاں میں جانا چاہتا تھا۔ اور چونکہ میرے پاس وقت کم تھا اور میں نے سوچا تھا کہ اس خاص خانقاہ میں صرف آٹھ گھنٹے رہوں گا۔ اس لئے میں نے طے کیا کہ لاؤ اکیلے ہی چل کر اس جگہ کی سیر کر آئیں۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے کبھی ایسا نہ کیا تھا۔

خانقاہ کے اندر جا کر میں ایک بہت بڑے کمرہ میں داخل ہوا جس کے سرے پر بہت دیوتاؤں کی مورتیاں قطار میں کھڑی کی ہوئی تھیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے کئی ہاتھ اور ٹانگیں تھیں۔ چونکہ میرا خیال تھا کہ میں اس جگہ اکیلا ہوں اور کوئی دیکھنے والا نہیں۔ اس لئے میں اس طرح بے تکلفانہ کمرہ کا گشت کرتا پھرا جیسے ہم لوگ اپنے وطن یعنی مغرب میں کسی عجائب خانہ کو دیکھتے ہوئے کرتے ہیں۔ ان بتوں کے پاس جا کر میں نے بڑے غور سے ان کی آنکھوں کا معائنہ کیا تو اس بات کا مبہم سا شبہ میرے دل میں موجود تھا کہ لاما لوگ ان مورتیوں میں کسی کو چھپا دیتے ہیں اور میری خواہش وہ خفیہ راہ معلوم کرنے کی تھی جس سے لاما لوگ یا ان کے کارکن بتوں کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ چونکہ مجھے سامنے کی طرف کوئی اس طرح کا رستہ دکھائی نہ دیا جس سے بتوں کے اندر جانا ممکن ہوتا اس لئے میں ان مورتیوں کے پچھلی طرف جا کر ادھر سے ان کا معائنہ کرنے لگا۔

لیکن میں بہت دور آگے نہ گیا تھا کہ کمرہ کی دیواروں میں بنے ہوئے دس پندرہ خفیہ دروازے ایک ساتھ کھل گئے اور بیس پچیس لامے بے تحاشا باہر نکلے انہوں نے مجھے فوراً نرغہ میں لے لیا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ لوگ دیوار کے پیچھے سے میری نقل و حرکت دیکھتے رہے تھے۔ زیادہ خرابی یہ ہوئی کہ بتوں کا طواف کرنے کے لئے میں نے غلط رستہ اختیار کیا۔ اہلِ تبت کا دستور ہے کہ جب کبھی وہ بتوں کی پرکرما یعنی طواف کرنے لگیں تو ہمیشہ بائیں طرف

سے دائیں طرف کو چلتے ہیں تاکہ اُن کے اپنے جسم کا داہنا حصہ بتوں کی طرف رہے اور اُن کی تعظیم میں فرق نہ آنے پائے لیکن بدقسمتی سے میں نے اسکے بالکل الٹ کام کیا یعنی دائیں طرف سے چلکر بائیں سمت کو ہولیا حالانکہ تبت کا کوئی باشندہ ایسا کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہوتا۔

جب لاماؤں کو معلوم ہوا کہ میں بہرا اور گونگا ہوں اور اُن کے بیشمار سوالات کا جن کی بوچھاڑ اولوں کی طرح مجھ پر کی جارہی تھی کوئی جواب نہ دیتا تھا تو ان کا شبہ اور زیادہ بڑھ گیا۔

زیادہ خرابی یہ ہوئی کہ لاماؤں میں سے ایک میرے بہرے پن اور گونگے پن کا علاج کرنے کے لئے میری آنکھوں کو تکنے لگا، اب یہ بات قابل ذکر ہے کہ تبت کی سیاحت کے دوران میں میری نیلی آنکھیں ہمیشہ میرے حق میں ایک خطرہ ثابت ہوئی ہیں، جی تو چاہتا تھا کہ اپنی آنکھوں کو بھی رنگ کر کالا کرلوں، لیکن جیسا میں نے پیشتر ایک موقعہ پر بیان کیا ہے، میں ان کو لگاتار نہ تکتے رہنے کے ذریعہ سے اس قسم کا نقصان پیدا نہ کرنا چاہتا تھا، جو آنکھوں کے لئے دائمی اثر رکھنے والا ہو، اب یہ مصیبت پیش آئی کہ میں اپنے جس عیب کو چھپانا چاہتا تھا، اسی کو ان لوگوں نے بڑھتے ہوئے شک وشبہ کی وجہ سے زیادہ غور کے ساتھ دیکھنا شروع کردیا

خدا کو ہی بہتر معلوم ہے کہ وہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے لیکن اسوقت میں نے اوسان بحال رکھے اور یہی بات میرے بچاؤ کا ذریعہ ثابت ہوئی، مجھکو معلوم تھا کہ اہل تبت کسی مقدس آدمی کی دعا میں خلل انداز ہونا بہت پاپ سمجھتے ہیں، اس خیال کو پیش نظر رکھ کر میں نے جلدی سے آنکھیں بند کرلیں اور وہاں چپ چاپ سمادھی لگا کر بیٹھ گیا کہ دیکھنے والے سمجھیں میں گہرے مراقبہ کی حالت میں ہوں۔

اب لاما لوگ بے بس ہوگئے، مجھکو اسطرح مراقبہ کی حالت میں بیٹھے دیکھکر کسی میں اتنی جراءت نہ تھی کہ میرے قریب آسکے، لیکن میں نے دیکھا کہ وہ سب کے سب حالت انتظار میں کھڑے تھے کہ کب میری دعا کا خاتمہ ہو اور کب وہ باز پرس کریں۔

میں اپنے دل میں یہ سوچکر حیران تھا کہ انہوں نے میری نسبت کیا رائے قائم کی ہے، اتنا تو خیر میں جانتا تھا کہ غالباً گورے رنگ کا آدمی انہوں نے اپنی عمر میں کبھی نہ دیکھا ہوگا، مگر ساتھ ہی یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ میرے عجیب طرز عمل کو دیکھکر وہ حیرت زدہ ہوئے ہوں گے اور اب میری طرف شک وشبہ کی نظروں سے ضرور دیکھ رہے ہوں گے۔

میں نے سوچا یہ موقع صبر کے امتحان کا ہے، اگر میں لگاتار کئی گھنٹے اسی طرح مراقبہ کی حالت میں بیٹھا رہا تو ان لوگوں کو یقین ہو جائیگا کہ یہ آدمی کوئی خدارسیدہ بزرگ ہے، لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا حالت زیادہ تشویشناک ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ دو گھنٹوں کے بعد میں نے دیکھا کہ ہجوم غیر معمولی طور پر بڑھ گیا اور کئی اور لامے میرے درشن کو اسجگہ جمع ہوگئے ہیں، انجام کار حاضرین کی طرف سے سنکھن پو سنکھن پو کے نعرے لگائے جانے لگے، اسوقت میں نے جانا کہ اس خانقاہ کا راہب اعظم یعنی ایبٹ (Abbot) خود میرے درشن کرنے کے لئے آیا ہے اس کے سر پر کسی طرح کی مخروطی ٹوپی تھی اور اس کو پہن کر اسکی صورت میں ایک خاص قسم کا رعب پیدا ہوگیا تھا، میں نیم باز آنکھوں سے اسکی نقل وحرکت کو دیکھتا رہا، اس نے ایک سرسری نظر میری طرف ڈالی اور اسکے بعد انداز سلوت سے چلتا ایک طرف رخصت ہوگیا۔

کسی گورے آدمی کے لئے لگاتار کئی گھنٹے اسی طرح سمادھی کی حالت میں بیٹھنا بڑا ہی تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ہم اہل مغرب اس قسم کی مذہبی ریاضت کے عادی نہیں ہوتے، لیکن دوسری جانب اہل مشرق میں وقت کوئی قیمت ہی نہیں رکھتا حتیٰ کہ ان لوگوں کی بعض مذہبی اور نیم مذہبی رسومات سات سال کی خاموشی سے وابستہ ہوتی ہیں ان حالات میں ان لاماؤں کے لئے جو میرے اردگرد جمع تھے میرا ایسا سکوت وسکون کوئی قیمت نہ رکھتا تھا، یہاں تک کہ کئی گھنٹے گذر گئے لیکن میں نے دزدیدہ نظروں سے دیکھا کہ وہ منہ کھولے ابتک حالت انتظار میں کھڑے تھے۔ حالت کو بد سے بدتر بنانے کا سامان ایک اور واقعہ نے پیدا کردیا، میں نے اپنے نتھنوں کو چوڑا کرنے اور انہیں اہل تبت کی ناک سے مشابہ بنانے کے لئے نتھنوں کے اندر جو ڈاٹ چڑھا رکھے تھے ان میں سے ایک ڈھیلا ہونے لگا، اب مجھکو ڈر پیدا ہوا کہ اگر اس ڈاٹ کو اوپر چڑھانے کے لئے ہاتھ ہلاتا ہوں تو یہ سمجھ لیں گے، مراقبہ ختم ہوگیا لیکن اگر میں نے اس کو نہ چھیڑا تو وہ یقیناً نیچے گر جائے گا، اور اس سے ان لوگوں کے دلوں کو میرے برخلاف اور بھی زیادہ بدگمانی ہوگی، لیکن خوش قسمتی سمجھئے کہ وہ ڈاٹ ڈھیلا ہونے کے باوجود اندر ہی اٹکا رہا باہر نہ گرا۔ پانچ گھنٹے لگاتار اسی حالت میں گذر گئے، یعنی میں صبر وسکون کے ساتھ بیٹھا رہا، اور وہ لوگ میرے گرد اس انتظار میں جمع رہے کہ کب میرا مراقبہ ختم ہو اور وہ مختلف سوالات مجھ سے پوچھیں، پانچ گھنٹوں کے بعد آخرکار وہ وقت آگیا جب ان لوگوں کو کھانا کھانا تھا، اسوقت ان کی اشتہا شک وشبہ واستعجاب پر غالب آئی، میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ خدا ان سب کو غارت کرے اور یہ اسجگہ سے کھانا کھانے چلے جائیں تو میں بھاگ کر جان بچاؤں۔

لیکن سوئے اتفاق سے معاملہ میری امید کے خلاف پیش آیا، کچھ بحث و مباحثہ کے بعد دو لاماؤں نے جو سب سے زیادہ شکی مزاج رکھتے تھے آپس میں طے کیا کہ ان میں سے ایک کھڑا ہو کر میری نگرانی کرتا رہے اور باقی آدمی جا کر کھانا کھا آئیں۔

میں اسوقت جن گہری مشکلات میں گھرا ہوا تھا ان کا حال محتاج بیان نہیں، فرار کی کوئی صورت ممکن نہ تھی، کیونکہ گو خانقاہ میں آمد و رفت کے چار دروازے تھے تاہم وہ بھی جو ان میں سب سے زیادہ قریب تھا مجھ کئی سو گز کے فاصلہ پر واقع تھا، اگر میں اٹھ کر دوڑنا شروع کر دیتا تو وہ لاما جو کھڑا میری نگرانی کر رہا تھا، شور و غل مچا دیتا اور میرے باہر نکلنے سے پہلے ہی پہلے سب دروازے بند کر دیئے جاتے۔

لیکن دوسری جانب یہ بھی امر واقعہ ہے کہ میں اپنی دکھاوے کی عبادت کو غیر معین عرصہ تک لمبا نہ کر سکتا تھا، اتنی دیر تک بیٹھے ہی سے میرے جوڑوں میں درد ہونے لگا تھا، آخر اس ڈھونگ کو کسی نہ کسی وقت چھوڑنا ہی پڑے گا، سوال پیدا ہوتا تھا کہ اسوقت کیا ہوگا؟ اس میں تو کسی بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی کہ جونہی میں نے ذرا سی حرکت کی یہ لوگ پھر میری آنکھوں کا معائنہ شروع کر دیں گے، اور اگر ان کے دلوں میں شبہات پیدا ہو گئے تو پھر یقیناً مجھے حراست میں کر لیا جائیگا۔

اسوقت جب میں سخت مایوس و ملول، یاس کے بحر عظیم میں غوطے کھا رہا تھا، ایک نہایت عجیب و غریب حیرت انگیز واقعہ جسے معجزہ کہنا چاہئے پیش آیا۔ ایک بغلی دروازہ آہستگی سے کھلا اور ایک لاما باہر نکلا شکل صورت میں وہ دوسرے لاماؤں سے مشابہ تھا، لیکن مبہم طور پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان سے مختلف ہے بڑی آہستگی سے چلتا وہ اس مقام تک آیا، جہاں میرا پہرہ دار کھڑا تھا، تھوڑی دیر وہ اس سے دبی آواز میں باتیں کرتا رہا، پھر اس کو اپنے ساتھ لیکر رخصت ہو گیا، لیکن اس کو ساتھ لیجانے سے پہلے اس لاما نے جس کا ذکر کیا جا رہا ہے، اپنے بائیں ہاتھ سے خفیہ طور پر مجھکو اشارہ کر دیا کہ "جاؤ"

ظاہر ہے کہ میں نے اس اشارہ سے فائدہ اٹھانے میں ذرا بھی تاخیر نہ کی جسقدر تیزی کے ساتھ ممکن تھا، میں وہاں سے نکلکر بھاگا اور پانچ منٹ کے اندر اندر اسجگہ سے کافی دور پہنچ گیا۔

میرا خیال ہے کہ جو آدمی اس موقعہ پر میرے بچاؤ کا ذریعہ ثابت ہوا، وہ تبت کے داناؤں میں سے ایک ہوگا اور اس زمانہ میں خانقاہ کے اندر لاما کی حیثیت میں رہ کر زندگی بسر کرتا ہوگا، اگر واقعی ایسا ہے تو غالباً اس نے اپنی دانشمندی سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ میں تبت میں رہ کر کسی کو نقصان پہنچانا نہ چاہتا تھا، بہر حال یہ دوسرا موقعہ تھا کہ غیر متوقع امداد میرے بچاؤ کا ذریعہ بنی، اس قسم کا پہلا واقعہ مجھکو ختن کے قریب ترکستان میں پیش آیا تھا اس موقعہ پر ناگاہ ایک سوار جسکا انداز شاہانہ، لیکن چہرہ پر مسکنت کے آثار تھے، کہیں سے نمودار ہوا اور مجھے آگاہ کر دیا کہ ایک مختصر سا رسالہ تمہاری گرفتاری کے لئے چلا آتا ہے، میں نے پراسرار سوار کا اشارہ پاتے ہی کسی پوشیدہ مقام پر چھپ کر اپنے بچاؤ کا سامان کر لیا، رسالہ کے آدمی بہت دیر مجھکو ڈھونڈتے پھرے، لیکن بے سود، مزے داری کی بات یہ ہے کہ وہ پراسرار سوار کوئی بالکل ہی غیر معروف ہستی رکھتا تھا، یعنی ان نواحات میں کسی کو معلوم نہ تھا کہ ایسا کوئی شخص وہاں رہتا ہے۔

اسجگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اہل تبت میں بہت ہی کم ایسے آدمی پائے جاتے ہیں، جو کسی شخص کی عبادت میں خلل اندازی کا باعث بنیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے جو شخص اس قسم کا فعل بد کرے اس کو بعد از مرگ نہایت کڑی سزا ملتی ہے، اہل تبت خیال کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مراقبہ کی حالت میں ہوتا ہے تو اسکی روح آسمان کی بلندی کو پہنچی ہوتی اور گردونواح کے حالات سے بالکل بے خبر ہوتی ہے، پس اس حالت میں اگر کسی شخص کو یکایک بیدار کیا جائے تو جس طرح ہم اہل مغرب خیال کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی سکتہ کی حالت میں ہو تو اس کو یکایک ہوش میں لانے سے اس کو بھاری نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے، اسیطرح تبت کے آدمی اس حالت کے متعلق خیال کرتے ہیں۔

جو آدمی کسی شخص کو مراقبہ کی حالت سے بیدار کرے اسکی سزا اہل تبت میں دوزخ ہے، یاد رہے کہ اہل تبت کے دوزخ اہل مغرب کے دوزخ سے بہت زیادہ بھیانک اور ڈراؤنے ہوتے ہیں، میرے کہنے کا مطلب اس دوزخ سے ہے جس میں لوگ مرنے کے بعد جانے سے ڈرتے ہیں، حالانکہ بیشمار لوگ ایسے ہیں (خصوصاً وہ جو مغرب میں آباد ہیں) جنہوں نے اس زندگی کو ہی دوزخ کی زندگی بنا لیا ہے، تبت چونکہ سرد ملک ہے اور گرمیوں میں بھی فقط سہ پہر کو ذرا سی گرمی ہوتی ہے، اس لئے اہل تبت کو اگر کسی چیز کی شکایت ہے تو سردی کی، اگر ان کو بتایا جاتا کہ دوزخ میں ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے تو وہ سمجھتے کہ وہاں بدن گرم کرنے کے معاملہ میں کافی آرام رہے گا، اس خیال کو پیش نظر رکھ کر تبت کے لاماؤں نے جو معاملہ کے ہر ایک پہلو کو سوچ سمجھ کر ہی عقیدے تیار کرتے ہیں عوام میں یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ دوزخ میں سخت سردی ہوتی ہے، اس لئے تبت کے آدمی سردی کے ڈر کے مارے دوزخ میں جانا نہیں چاہتے۔

(چھٹی قسط ختم)

دلچسپ معمہ نمبر ۶
150
انعامات
۱۵۰ روپیہ کے مختلف انعامات
پہلا انعام
۷۵ روپے نقد
75/-
اور رسالہ ہی کے ساتھ
بلا فیس کوپن
فیس اسٹلیم فی حل
چار آنے مہر
قسمت آزمائی کا نادر موقع!
آخری تاریخ ۲۵ اگست ۱۹۳۹ء
ڈاک خانہ کی مہر ہونی چاہیئے
میعاد میں توسیع بالکل نہ کی جائے گی
مست قلندر کے دلچسپ معمہ جات کے سلسلہ میں مبلغ ۱۵۰ روپیہ نقد کے انعامات تقسیم کئے جائینگے
دلچسپ معمہ نمبر ۱۔ ۲۔ ۳۔ اور ۴ ——— کے انعامات حاصل کرنے والے حضرات کی فہرست دیکھ کر اور کچھ نہیں تو آپ ادارہ کی انصاف پسند بے لاگ اور ایماندارانہ پالیسی کے قائل ضرور ہو گئے ہونگے دلچسپ معمہ کی سکیم اگرچہ اُردو میں بالکل نئی ہے لیکن ناظرین و ناظرات مست قلندر کی توجہ روز بروز ادھر بڑھ رہی ہے وجہ کیا کہ یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ اُن کے ذہن نشین ہوتی جارہی ہے کہ اوقات فرصت میں یہ ایک بہترین قسم کی دماغی تفریح ہے۔ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام دلچسپ معمہ نمبر ۶ کے حل کرنے سے نہ صرف انکی ذہنی اور دماغی قوتوں میں اضافہ ہوگا۔ بلکہ انعامات بھی ملیں گے۔
دلچسپ معمہ نمبر ۶ میں شرکت فرما کر اپنی دلچسپیوں میں اضافہ کیجیے!
دلچسپ معمہ نمبر ۶ بالکل آسان ہے۔ کیونکہ میں اس بات کا امکانی طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی لفظ غیر مستعمل زبانِ اُردو استعمال نہ کیا جائے۔ آپ کوشش کیجیے محنت کبھی رائگاں نہیں جائیگی۔ کیا عجب کہ پہلا انعام آپ ہی کی راہ دیکھ رہا ہو اسلئے آج ہی بلکہ ابھی دلچسپ معمہ نمبر ۶ کو حل کرنا شروع کر دیجیے اشارات نیچے درج کئے جاتے ہیں
وہ دُور چوٹی پہ اِک گھروندہ دکھائی جو دے رہا ہے کچھ کچھ،
وہی ہے منزل، وہی ٹھکانا، تمہاری قسمت وہیں لڑی ہے،
کمندِ کوشش کو پھینک دیکھو، چڑھو بھی اوپر پہنچ بھی جاؤ،
کہ کامیابی، تمہاری راہ میں بچھائے آنکھیں وہیں کھڑی ہے،

دلچسپ معمہ نمبر ۶ کے اشارات

اشارات معمہ نمبر ۶

دائیں سے بائیں جانب

(۱) سہ سب کہاں ۔ کچھ لالہ و گل میں ..... ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہو گئیں ۔

(۶) جمشید کی بہن کا نام ہے جو ضحاک سے منسوب تھی اور عروس نو کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے ~~~~~~

(۱۰) اگر اس لفظ کو الٹ دیجئے گا تو لذت ملے گی ~~~~~~

(۱۱) عام طور پر لوگ اسے اپنی ہتھیلی پر نہیں رکھ سکتے ~~~~~~

(۱۳) سہ آہ کو چاہئے ..... عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے ۔ تری زلف کے سر ہونے تک ~~~~~~

(۱۴) "سامری" کے بگڑے ہوئے ہجے ~~~~~~

(۱۵) اگر بیمار کے پاس یہ نہ ہو تو اس کی تکالیف میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے ۔ ~~~~~~

(۱۸) بمعنی کنارہ ~~~~~~

(۱۹) گورے گورے گالوں پہ کالے کالے یہ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں ~~~~~~

(۲۰) دل ~~~~~~

(۲۴) اس کی تکلیف سے ہمارے نظام ہستی میں نقص پیدا ہو جاتا ہے ۔ ~~~~~~

(۲۵) جو شخص بلا ہتھیار کے دشمن کے مقابلہ کو جاتا ہے اس کے لئے یہ لفظ بالکل موزوں ہے ۔ ~~~~~~

(۲۷) مست خراب لا مذہب کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے (اس لفظ کو الٹ دیجئے) ~~~~~~

(۲۸) ایسے کام میں بہت غور و خوض کے بعد ہاتھ ڈالا جاتا ہے ۔ ~~~~~~

(۳۰) غذا ~~~~~~

(۳۲) جب بہت زیادہ بارش ہو چکتی ہے تو اس کو دیکھتے ہی ہم خوفزدہ ہو جاتے ہیں ۔ ~~~~~~

(۳۴) "صدارت" بے ترتیب ~~~~~~

(۳۶) مصائب و آلام میں مبتلا ہو کر مرنا نہیں بلکہ .... کمال ہے ۔ ~~~~~~

(۳۷) سمجھدار حضرات اسے ہمیشہ پسند کرتے ہیں ~~~~~~

(۳۸) بمعنی ساتھ ~~~~~~

(۴۱) موسم سرما کی سختیاں اس سے کچھ نہ کچھ تو دور ہی ہو جاتی ہیں ~~~~~~

(۴۲) بمعنی رسم ~~~~~~

(۴۳) شعرا عارض گلگوں کی تشبیہ گل ..... سے بھی دیتے ہیں ۔ ~~~~~~

(۴۵) جما ہوا پانی ~~~~~~

اشارات معمہ نمبر ۶

حصہ بالائی سے زیریں جانب

(۱) عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ نازک خیال لوگوں پر اس کا اثر بہت زیادہ پڑتا ہے ۔ ~~~~~~

(۲) اس کی ذرا سی غفلت سے بُرے نتائج مرتب ہو جاتے ہیں ۔

(۳) اس پھول کی بھینی بھینی خوشبو نازک دماغ لوگوں کے لئے حد درجہ لطف پرور ہوتی ہے ۔ ~~~~~~

(۴) اس لفظ کے آخر میں "ر" کا اضافہ کرتے ہی "پھیلا" مل جائیگا

(۵) یہ نہ ہو تو انگوٹھی کا حسن فنا ہو جاتا ہے ~~~~~~

(۷) ذرا گہری نظر سے دیکھئے تو یہ مقولہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے "ہوتی ہے فتح اس کی جو ..... مانتا ہے" ~~~~~~

(۸) اس سے قوت شامہ عجیب لطف لیتی ہے ~~~~~~

(۹) سہ کیونکہ اس کی نگہ ناز سے جیتا ہوگا
..... دے اس پہ یہ تاکید کہ پیتا ہوگا ~~~~~~

(۱۲) اگر آپ اس لفظ کو الٹ دیں تو "بے تکا" بن جائے گا ~~~~~~

(۱۶) مقابلتاً ایسا موتی زیادہ قیمتی ہوتا ہے ۔ ~~~~~~

(۱۷) موسم بہار میں یہ بہت جاذب نظر ہوتا ہے ~~~~~~

(۲۱) ہندوستان کے ہمدرد لیڈروں کا خیال ہے کہ ہندو مسلم ..... ہو کر آزادی حاصل کر سکتے ہیں ~~~~~~

(۲۳) مقابلتاً اس کی زیادتی طبقۂ غرباء کے لئے حد درجہ مضرت رساں ہوتی ہے ~~~~~~

(۲۴) جب یہ اپنا کمال دکھانے لگتا ہے تو اس کی ہر جنبش تنفس ساز ہوتی ہے

(۲۶) اگر سر درد زباں ہی کا ..... رہے تو عاشق عاشق نہ رہے ۔

(۲۹) زمانہ حال میں کسی ایسے دوست سے جو رتبۂ اعلیٰ پر پہنچ گیا ہو اس کی امید فضول ہے ~~~~~~

(۳۱) شعراء اکثر اشعار میں اپنے معشوق کیلئے یہ لفظ بھی استعمال کرتے ہیں ~~~~~~

(۳۲) کمزور دماغ حضرات اس کا اثر فوراً قبول کر لیتے ہیں

(۳۳) جب تک آپ اس حرف کو شروع میں نہ استعمال کریں "لطف" ہی نہ بنے گا ۔ ~~~~~~

(۳۵) دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اسے پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتے ۔ ~~~~~~

(۳۹) کوئی کتنا ہی سنگدل کیوں نہ ہو مگر آخر کار ..... سے کامیابی نصیب ہو جاتی ہے ~~~~~~

(۴۰) سہ کوئی شے نظر بھر کے ..... دیکھتا ہوں
نہیں بس تمہیں جا بجا دیکھتا ہوں ~~~~~~

(۴۴) بمعنی دبیز ۔ موٹا ~~~~~~

دلچسپ معمہ نمبر ۶ کو حل کرنے کی شرائط

(۱) حل روشنائی سے صاف بھرا ہونا چاہئے۔ پنسل وغیرہ کے لکھے ہوئے یا مشکوک حل یا قلمزد کئے ہوئے حل مقابلہ میں شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) تمام حل ماہ اگست ۱۹۳۹ء کی ۲۵ تاریخ کی آخری ڈاک سے روانہ کئے جاسکتے ہیں متعلقہ ڈاکخانہ کی ۲۵ تاریخ کی مہر لفافہ پر ثبت ہونا چاہئے۔ ہر کی فیس گورنمنٹ پوسٹل کی صورت میں ادا کی جا سکتی ہے اس سے زیادہ کے لئے پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر کا بھیجنا لازمی ہے

(۳) ایک خاندان اور ایک ہی پتہ رکھنے والے حضرات اپنے حل ایک لفافہ میں بھیج سکتے ہیں اور اسی صورت سے منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر بھی روانہ کرسکتے ہیں منی آرڈر و پوسٹل آرڈر مینیجر دلچسپ معمہ نمبر ۶ رسالہ مست قلندر کے نام بھیجے جائیں اور اسی نام سے حل ارسال کئے جائیں۔

(۴) پوسٹل آرڈر کا کراس CROSS ہونا ضروری ہے

(۵) صحیح حل ایڈیٹر معمہ کے پاس محفوظ ہے جو حل اس کے مطابق ہوگا وہ صحیح قرار پائے گا۔

(۶) ایک نام کے کوپن پر صرف ایک ہی انعام دیا جائیگا۔

(۷) اگر ایک لفظ سے دو لفظ بنتے ہیں اور وہ دونوں غلط ہیں تو دو غلطیاں شمار ہوں گی۔

(۸) اگر حل کا کوئی خانہ خالی رہ جائے گا تو پورا حل بیکار کردیا جائے گا۔

(۹) اپنے حل کی ایک نقل اپنے پاس رکھنا لازمی ہے تاکہ بوقت اشاعت صحیح حل سے مقابلہ کیا جا سکے۔

(۱۰) صحیح حل ماہ ستمبر ۱۹۳۹ء کے رسالہ میں شائع کیا جائے گا اور اس سے اگلے ماہ فہرست انعام یافتگان شائع کی جائے گی۔

(۱۱) او تسیلہ انعامات فہرست شائع کرنے کے ایک ہفتہ بعد روانہ کئے جائیں گے۔

(۱۲) اگر کسی شخص کا نام فہرست انعام یافتگان میں نہ ہو اور وہ اپنے کو مستحق سمجھتا ہو تو تاریخ اعلان انعامات سے ایک ہفتہ کے اندر اندر ایڈیٹر معمہ کے نام شکایت بھیجے لیکن شکایت کے ساتھ مبلغ ایک روپیہ فیس نظر ثانی بھیجنا لازمی ہے۔ اگر اسکی شکایت درست ہے، تو اس کو انعام دیا جائیگا اور رقم نظر ثانی واپس کردی جائیگی۔ ورنہ فیس نظر ثانی ضبط ہو جائے گی۔

(۱۳) بسلسلہ صحیح حل معمہ کے کسی قسم کے بحث و مباحثہ خط و کتابت یا ملاقات شخصی کی اجازت نہیں۔

(۱۴) ایڈیٹر معمہ کا فیصلہ قطعی اور قانوناً قابل تسلیم ہوگا۔

(۱۵) فیس معمہ کسی صورت میں واپس نہ ہوگی نہ آئندہ کے معمہ کی فیس کے سلسلہ میں محسوب کی جائے گی۔

(۱۶) جملہ حل ہمارے رسالہ کے مطبوعہ کوپن پر بھرے جانا چاہئیں سادہ کاغذ پر بھیجے ہوئے ردی سمجھے جائیں گے اور فیس داخلہ ضبط کرلی جائیگی جو حل ان شرائط کے خلاف ہوگا ردی کر دیا جائیگا۔ اور فیس ضبط ہو جائے گی۔

(۱۷) ایک ہی نام سے تین فیس ادا شدہ کوپن بھیجنے پر ایک بلا فیس اضافی کوپن بھی بھیجا جا سکتا ہے۔

(۱۸) حل کے فارموں کے وقت پر نہ پہنچنے یا راستہ میں گم ہو جانے وغیرہ کے متعلق دفتر پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

گذارش احوال واقعی

دلچسپ معمے کی اسکیم اگرچہ اردو میں بالکل نئی ہے مگر ہم ہر مشکل کے باوجود اسے کامیاب کرکے ہی دم لیں گے جوں جوں اشتہاری معموں کے زخم خوردہ احباب کی توجہ مست قلندر کے کالموں میں ہر ماہ جدید فہرست تقسیم انعامات کو دیکھ کر (کیونکہ ہم صرف انعام پانے والے حضرات کے مکمل پتے بلکہ بعض کی عکسی تصاویر بھی برابر شائع کر رہے ہیں) ہمارے شوقیہ معمہ کی جانب منعطف ہوگی اور جیسے جیسے وہ ادارہ کی انصاف پسند بے لاگ اور ایماندارانہ پالیسی کے قائل ہوتے جائیں گے ان کا جوش اور شوق ترقی کریگا اور تب بعد میں زیادہ سے زیادہ حل ہمارے پاس پہنچنے لگیں گے ہم انعامات کی رقم میں اضافہ کرتے جائیگے جب بمبئی کا اسٹر نیڈ ویکلی اپنے Cross Word Puzzle کے صحیح حل کے لئے ہزاروں روپے اپنے خریداروں میں تقسیم کرسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک دن مست قلندر بھی کیوں نہ کرسکے گا۔ سردست فیصلہ کیا گیا ہے کہ اپنے ہاں دلچسپ معموں کے سوا جو آئندہ سلسلہ وار مست قلندر کے کالموں میں شائع ہوں گے **اٹھارہ سو روپیہ نقد** کے متفرق انعامات خریداروں میں تقسیم کئے جائیں گے۔ **ایڈیٹر دلچسپ معمہ**

متفرق نوٹ

ہر شخص جتنے حل چاہے روانہ کرسکتا ہے۔ زیر۔ زبر۔ پیش۔ ہمزہ۔ جزم استعمال کرنا غیر ضروری ہے (ڈ) اور (ڈ) کی اشکال پورے طور پر نمایاں ہونی چاہئے نون غنہ کی یہ پہچان ہے کہ اس پر نقطہ نہیں لگایا جائے گا (ی) اور (ے) اپنی اصلی صورت یا اسکے خلاف استعمال ہوسکتی ہیں دوچشمی (ھ) اور ہائے ہوز (ہ) اپنی اصلی حالت یا اس کے برعکس استعمال ہوسکتی ہیں۔ اس معمہ میں ایک ہی لفظ متعدد بار استعمال ہوسکتا ہے انعامات صرف انہی پتوں پر روانہ کئے جائیں گے جو حل پر لکھے ہوں گے انعام یافتگان ہم کو اپنے جدید پتہ پر انعام روانہ کرنے کی ہدایت نہ کریں۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ اپنے مقامی ڈاکخانہ سے اندریں باب مراسلت کریں۔ اگر کوئی بھی حل ہمارے محفوظ صحیح حل کے مطابق نہ ہوگا تو انعام اول ایک غلطی والوں میں تقسیم کردیا جائے گا اور ایک غلطی والوں کا انعام دو غلطی والوں کو دیدیا جائے گا اگر دو سے زیادہ کا حل صحیح ہوگا تو رقم انعام بحصہ مساوی تقسیم کردی جائے گی بسلسلہ منی آرڈر کوپن کے ہمراہ رسید منی آرڈر کا بھیجنا لازمی ہے رسالہ مست قلندر لاہور کے متعلقہ پریس کے عملہ و دیگر متعلقین کو معمہ میں شرکت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ مست قلندر کی قریبی اشاعت میں انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب حضرات کے نام اور مکمل پتے شائع کردئے جائیں گے۔ **ایڈیٹر دلچسپ معمہ**

چوتھی قسط

کتابی صورت میں لانے کیلئے حق کاپی رائٹ محفوظ

میری شرمناک زندگی!

ایک حسن فروش عورت کی آپ بیتی!

میری خوبصورتی میرے لئے وبال جان ہو گئی

نئے پڑھنے والے یہاں سے شروع کریں - ایک آبرو باختہ ماں کی بری چال لڑکی جس کی تعلیم و تربیت ایسے ماحول میں ہوئی کہ سوائے ماں کے نقش قدم پر چلنے کے اس کے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ کسی دوکاندار کی چیزیں چرانے کے جرم میں ۲½ برس کے لئے ایک صنعتی اسکول میں بھیجدی جاتی ہے اس وقت اس کی عمر ۱۳½ سال کی تھی ۲½ سال تک سپرنٹنڈنٹ وسکول کی نگرانی میں ہر قسم کی جسمانی مشقت جھیلنے کے بعد وہ لکھتی ہے کہ آخر کار وہ دن آگیا جب میں پھر پوپلر اور ٹیرن سے علیحدہ ہو کر آزادی کی ہوا میں سانس لینے کے لئے پھر ایک مرتبہ لندن روانہ ہوئی - اب میں خاصی جوان ہو چکی تھی - میری شبابی رعنائیاں پھٹی پڑتی تھیں - میری رفتار میں لچک اور گفتار میں ترنم پیدا ہو چکا تھا - محرسات شباب کی خلا کو اسکول کی اکثر آبرو باختہ لڑکیاں اپنے حالات اور دوسرے شرمناک افسانے بیان کر کے ایک حد تک پر کر چکی تھیں - لندن ایسے عشرت پسند شہر کے حسن پرست طبقہ نے میرے حسن معصوم کا کس طرح استقبال کیا اور مجھے کیسے کیسے سنسنی خیز واقعات سے دوچار ہونا پڑا - وہ اب بیان کرتی ہوں ~~~~~~ (گذشتہ اشاعت سے آگے)

باب ۴

صنعتی اسکول سے آزاد ہونے پر بھی میری ماں کے اخلاق حسنہ کو دیکھتے ہوئے مجھ پر یہ پابندی عائد کی گئی تھی کہ تا وقتیکہ میں ۱۸ برس کی نہ ہو جاؤں میں ۔Y.W.C.A وائی ۔ ڈبلیو ۔ سی ۔ اے ہوسٹل میں جو میڈیا ویل میں ہے سکونت اختیار کروں - میری موجودہ ملازمت ریجنٹ اسٹریٹ کے خیاطاں کے ایک بڑے کارخانہ میں تھی - مجھے وہاں ایک پاؤنڈ فی ہفتہ تنخواہ ملتی تھی - میں اپنے اس نئے ہوسٹل میں ایک میٹرن کے ساتھ بھیجی گئی جس نے بوقت رخصت مجھ سے پرزور الفاظ میں اس امید کا اظہار کیا کہ یقیناً میں اپنی موجودہ زندگی میں اپنے اسکول کے نام کا ہمیشہ خیال رکھوں گی - لیکن صرف دو ہی دن گذرے تھے کہ میں اپنے اسکول کو بالکل بھول گئی میں ایک پاؤنڈ فی ہفتہ کی آمدنی اور اپنی آزادی کے نشہ میں سرشار تھی اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں ایک پاؤنڈ فی ہفتہ کما رہی ہوں سمجھتی تھی کہ دنیا کے لئے ایک کار آمد ہستی ہوں اور اپنے جذبات پر قابو نہ پاکر ہوسٹل کے غیر شناسا چہروں سے فخریہ انداز میں اظہار کرنے پر مجبور ہوتی تھی کہ میں ایک پاؤنڈ فی ہفتہ کماتی ہوں -

میری جائے ملازمت کا کمرہ ریجنٹ اسٹریٹ کی پانچویں منزل پر تھا - جہاں مجھے پرانے فائلوں کی ورق گردانی میں مصروف رہنا پڑتا تھا - ہمارے شعبہ کی افسر مس لارچ ایک نہایت خاموش طبع عورت تھی وہ ہمیشہ ٹھیک ۹ بجے صبح اپنے بیگ کو بغل میں دبائے اپنی چھتری ہلاتی ہوئی آتی تھی اور دن میں دو تین مرتبہ میرے ہم عصر لڑکیوں سے کہتی تھی - لڑکیو! اگر تم ہوشیاری سے کام کرو گی تو چند دن میں وہاں پہنچ جاؤ گی جہاں میں اس وقت موجود ہوں " وہاں صرف اپنی میز پر بیٹھ کر کام نہیں کرنا پڑتا تھا - بلکہ مختلف شعبہ جات میں متعدد بار اپنی فائل لیکر جانا پڑتا تھا - اکثر زینہ سے اترتے چڑھتے میں یا ذرا تاریک کونے میں ہماری دوکان کے بچے خریداران ہمارے لبوں پر عارضی مہر محبت ثبت کر دیتے تھے جس کے متعلق ہم اکثر بسلسلہ لنچ "سینڈوچز" کھانے کے سلسلہ میں جھگڑتے تھے - ہر ایک لڑکی دوسری پر یہ ظاہر کرتی تھی کہ فلاں جوان رعنا جلدی یا آگیا ہے - دودھ کا کھاتے ہوئے بجائے اس کے دوسری لڑکی سے عشقاً اظہار محبت کر گیا - ورنہ حقیقت میں وہ اس کی تیغ نگاہ کا گھائل ہے - اوقات ملازمت کے بعد بسلسلہ اظہار محبت اکثر سینما کے ٹکٹ تین پنس والے بنفشئی پھولوں کے گچھے بطور تحفہ مل جاتے تھے - میرے ہوسٹل میں مختلف پیشہ

ومختلف الخیال لڑکیاں رہتی تھیں۔ اور زیادہ تر تو ۲۵ برس سے ۳۰ برس تک کی عورتیں تھیں، جو خفیہ طور پر با وجود کئی بچوں کی ماں ہو جانے کے بھی اپنے کو باکرہ ظاہر کرتی تھیں، جن عورتوں کی عمر ڈھل چکی تھی وہ تو نہیں ورنہ ذرا اچھی معلوم ہونیوالی عورتیں اور نو عمر لڑکیاں اکثر قانون ہوسٹل کو توڑ کر اپنے شباب آور جذبات سے مجبور ہو کر یا اپنے چاہنے والوں کے جذبات حسن پرستی کے تقاضوں سے لاچار ہو کر اکثر راتوں کو ہوسٹل سے غائب رہ کر، عاشق و معشوق کی سیاہ کاریوں کو چھپانیوالے مقامات پر شب باش ہوا کرتی تھیں اور شام کو ٹھنڈی ہواؤں میں بیٹھ کر اپنے گذشتہ شرمناک، دلچسپ اور جذبات نواز افسانے سنا سنا کر مجھ ایسی ناتجربہ کار کے دل میں طوفان خیز خیالات پیدا کر دیتی تھیں، ہوسٹل کی سپرنٹنڈنٹ مس کراوتھر مجھ پر بہت مہربان تھی اور ہمیشہ کہتی تھی کہ وہ مجھے شل اپنی اولاد کے چاہتی ہے، میں اپنی آزادی ملنے کے قریب ایک ماہ بعد مس کراوتھر کے ساتھ سینما دیکھنے گئی جہاں Man & Superman تماشہ دکھلایا جا رہا تھا، مجھے یہ تماشہ بہت زیادہ پسند آیا، اور میں واپسی پر کئی دن تک مس کراوتھر سے اس تماشہ کا ذکر کرتی رہی۔

میں نے اپنی آزادی کی اطلاع اپنی ماں کو دی تھی، مگر جب وہ مجھے دیکھنے نہ آئی تو مجبور ہو کر میں خود اس سے ملنے کے لئے جزیرہ تماکینو چلی گئی، وہ اس زمانہ میں بالکل دل شکستہ ہو رہی تھی، اس کی حالت ایسی تھی کہ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو ضرور اس سے اظہار ہمدردی کرتا، مگر میں تو اسکی صورت دیکھتے ہی سمجھ گئی کہ یا تو کسی موجودہ چاہنے والے کی ٹکر میں مبتلا ہے یا کسی ایسے شخص کے لئے رنج کر رہی ہے، جو اسکے متاع حسن سے دل کھول کر فیضیاب ہو کر اسے چھوڑ گیا ہے اور بہ حقیقت کچھ دیر کے بعد خود اس کی زبان سے ظاہر ہو گئی، جیسا کہ میں قبل بیان کر چکی ہوں"

چند مہینے ہوسٹل میں رہنے کے بعد میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اپنی والدہ کے خاندانی عزت دار اشخاص سے ملنے کی کوشش کروں، جن سے میں اپنی والدہ کے حیا سوز اخلاق کی بنا پر اتنے عرصہ سے جدا ہوں، مگر ہمت نہ ہوتی تھی، ڈرتے ڈرتے میں نے مسز کلیک کو جو اس بورڈنگ اسکول کی منتظم تھی، جس میں میں اپنی ماں کی دیوانگی کے زمانہ میں رہ کر تعلیم پائی تھی فون کیا، جن پُرخلوص الفاظ سے اس نے میرے فون کا جواب دیا اسے سنکر میں بمشکل اپنی خوش قسمتی پر یقین کر سکی، اس نے مجھے فوراً چاء پر مدعو کیا، میں بکمال نشاط و مسرت ان کے مکان پر گئی، وہ میری منتظر تھی، کمرہ میں جا بجا اس کی شاگردوں کی بنائی ہوئی تصاویر آ[illegible] تھیں اور چونکہ اسے خود مصوری سے ذوق تھا اس لئے اس کی اکثر بنائی ہوئی تصاویر بھی اسکے مکان کی [illegible] کو دوبالا کر رہی تھیں، کمرہ نشست میں میز وغیرہ

ہر طرف کوئی نہ کوئی جاذب نظر چیز موجود تھی، اور بصورت رفتار بہ قریب قریب ناممکن تھا کہ کوئی شخص میز پر رکھی ہوئی کسی چیز کو بغیر دھکا دیئے ہوئے کمرہ میں بآسانی چلے اور اس سے تھوڑا بہت شور ہونا یقینی تھا، جو اس وجہ سے زیادہ پریشان کن ہو جاتا تھا کہ مسز کلیک ایک ایسی ہستی تھی جو ذرا سے شور سے بھی خوفزدہ ہو جاتی تھی، وہ ایک نہایت متین طبیعت کی عورت تھی اور جنگ عظیم کی وفادارانہ خدمات کے صلہ میں O.B.E. کا خطاب پا چکی تھی، مگر اس پر بھی وہ نہایت با اخلاق تھی اس نے میری پہلی ہی ملاقات پر مجھے اختتام ہفتہ کی تعطیل میں اپنے ساتھ اپنے دیہاتی مکان پر چلنے کی دعوت دی، میں تبدیلی ہوا اور نئے مقام کو دیکھنے کے شوق میں راضی ہو گئی، وہ مجھے اپنے ساتھ اپنی چھوٹی موٹر پر لے گئی جس کو وہ ۶۰ برس کی عمر ہونے پر بھی بآسانی چلاتی تھی، غرضکہ میں ہفتہ میں ½ ۲۵ دن اپنی ملازمت پر اور ہوسٹل میں بسر کرتی تھی اور ½ ۱ دن مسز کلیک کے ہمراہ دیہاتوں کی سیر کرتی تھی، دیہاتوں میں میری ملاقات اکثر خاندانوں کی لڑکیوں اور عورتوں سے ہوتی رہتی تھی، خالہ الزبتھ سے بھی ملاقات ہوئی جنہوں نے میری موجودہ زندگی کی تعریف کرتے ہوئے اپنی خیانت ذہنی کی بنا پر میرے ماضی پر بھی تبصرہ کرنا چاہا، مگر مسز کلیک کی گرم نگاہوں نے ان کے منہ پر مہر خاموشی لگا دی۔

ان [illegible] ملاقاتیوں میں سب سے زیادہ مہربان خاتون مسز براؤن تھیں وہ اور ان کے شوہر جو ملازمت سے پنشن پا چکے تھے، دیہاتی مقام پر ایک خاموش زندگی بسر کرتے تھے۔ چونکہ وہ لاولد تھے، اس لئے دونوں بہت جلد مجھ سے مانوس ہو گئے، اور ہمیشہ اچھی اچھی نصیحتیں کرتے تھے دونوں لب کی سرخی، چہرہ کے پاؤڈر، جوتے کی اونچی ایڑی، اور اوپر کو بہت اٹھی ہوئی پوشاک کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھتے تھے، ایک دن میں نے ایک نئی پوشاک سلوائی تھی، جو فیشن موجودہ کے لحاظ سے میرے گھٹنوں سے ذرا ہی نیچی تھی، دیہات جانے کے سلسلہ میں میں نے اسے زیب تن کیا اور اپنے حسن کی دلکشی میں زیادہ اضافہ کرنے کے خیال سے پاؤڈر اور لپ اسٹک کا بھی استعمال کیا" مجھے اس صورت سے دیکھکر مسز براؤن نے پہلے تو اپنے چہرہ سے تعجب کا اظہار کیا، پھر بکمال شفقت کہنے لگیں میری پیاری یقیناً تم نہیں جانتی ہو، مگر یہ واقعہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں نہ کبھی پاؤڈر لگایا، نہ سرخی کا استعمال کیا، اونچی ایڑی کے جوتوں سے ہمیشہ نفرت کرتی رہی، اور موجودہ زمانہ کی اسکرٹ کا ہمیشہ مضحکہ اڑاتی رہی، کیونکہ یہ چیزیں انسان میں ہمیشہ خود نمائی پیدا کرتی ہیں، جن سے لطافت روحانی فنا ہو جاتی ہے" مسٹر اور مسز براؤن کی

متوسط طبقہ کی حیثیت سے ایک مطمئن زندگی تھی ۔ وہ دونوں مجھ پر صد درجہ مہربان تھے اور مثل اپنی اولاد کے چاہتے تھے ۔ کبھی کبھی خالہ الزبیتھ بھی مسز براؤن کے یہاں آتی تھی ۔ میں ہمیشہ اُسکی گفتگو سے خوفزدہ رہتی تھی ۔ مگر جس طریقہ سے بچھو سے یہ اُمید کرنا کہ وہ ڈنک نہ ماریگا ایک حماقت ہے اسی طرح خالہ الزبیتھ سے سوائے بُرائی کے بھلائی کی اُمید کرنا عبث ہے ایک مرتبہ باتوں باتوں میں اُنہوں نے میری والدہ کے تذکرہ کے سلسلہ میں فرمانے لگیں "غریب اُلیڈیتھ پر واقعی ایک سخت وقت پڑ گیا تھا ۔ مگر اُس کے بعد سے اگر وہ چاہتی تو اپنے کو درست کر لیتی لیکن وہ تو کچھ ایسی گری کہ پھر سنبھلنا اُس نے پسند ہی نہیں کیا ۔" یہ سنتے ہی میرے جسم کا خون خشک ہو گیا کیونکہ میں خوفزدہ تھی کہ خالہ الزبیتھ اس کے بعد ہی میری زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ ظاہر کر دینگی کہ میں ایک دوکان میں چوری کرنے کے جرم میں صنعتی اسکول میں بسزا دو سال تک رکھی گئی مگر خدا کا شکر ہے کہ مسز براؤن نے خالہ کی باتوں پر زیادہ توجہ نہ دی اور وہ دوسرے موضوع پر بحث کرنے لگی ۔"

اب یہاں سے میری الفت انگیز زندگی کا آغاز ہوتا ہے ۔ ایک دن میں خالہ الزبیتھ کے ہمراہ مسز براؤن کے یہاں جا رہی تھی کہ خالہ نے ایک مکان کے باغ کی دیوار سے کسی کو پکارا اُس آواز کے جواب میں ایک خوبصورت نوجوان نمودار ہوا ۔ اس نوجوان کا نام ایلک تھا ۔ اس کا حسین خوبصورت بالوں والا چمکتا ہوا چہرہ آنکھوں کے ذریعہ ہوتا ہوا ۔ دل میں اُتر گیا ۔ اُس کے خوبصورت جسم پر گلابی کھلی ہوئی ٹینس قمیض بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی ۔ وہ بے توجہی سے اپنے ایک ہاتھ میں کتاب لئے جس وقت میرے سامنے کھڑا ہوا تو وہ خود کسی بہترین مصور کا ایک اعلیٰ شاہکار معلوم ہوتا تھا اُس نے میری خالہ کی آواز کا جواب دیا ۔ اور میری جانب ایک گہری نظر ڈالی ۔ یہ بالکل سچ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسا حسین دلکش چہرہ نہ دیکھا تھا ۔ کچھ ہی دیر کی گفتگو میں وہ راز جو دل کی گہرائیوں میں تھا بغیر تبادلۂ الفاظ کے ہم پر ظاہر ہو گیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں ۔

اس پہلی ملاقات کے بعد اُس کے گھر میں میری آمد و رفت شروع ہو گئی ۔ میرا ایلک بزمانہ تعلیم اپنے عہد طفلی میں ایک پاؤں سے معذور ہو گیا تھا ۔ اُس کی اس کمزوری نے مجھے اُس کی جانب زیادہ التفات پر مجبور کر دیا ۔ وہ ایک مصور تھا اور اپنے بھائی کے ساتھ اسٹوڈیو میں کام کرتا تھا ۔ اس نے بدھ مذہب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اور عیسائی مذہب سے اُسے زیادہ پسند کرتا تھا ۔ اس نے شروع شروع مجھے بھی ایک کتاب "لائٹ آف ایشیا" (Light of Asia) نامی مطالعہ کو دی تھی ۔ مگر میری توجہ نہ دیکھتے ہوئے اُس نے اس مذہب کے متعلق مجھ سے مزید سوالات نہیں کئے ۔

اُس کی معلوماتِ عامہ نہایت وسیع تھی ۔ اُسکا لہجہ بوقتِ گفتگو بے حد دلکش ہوتا تھا ۔ اور یہ کشش مجھ کو اُس کی جانب اور زیادہ کھینچے لئے جا رہی تھی ۔ وہ ہمیشہ بکمال ہمدردی گفتگو کرتا تھا ۔ وہ بہت مشکل سے لفظ "میں" استعمال کرتا تھا بلکہ عام طور پر ایسے موقع پر "ایک خیال کرتا ہے" "ایک سمجھتا ہے" استعمال کرتا تھا ۔ اکثر دوسری لڑکیاں اُس کے اس محاورہ پر ہنستی تھیں مگر مجھے کبھی ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوئی ۔ گو کہ مجھے خود یہ استعمال کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا ۔ لیکن اعتراض کے خیال کے ساتھ اس کی دلشکنی کا خیال میرے ہونٹوں پر مہر سکوت لگا دیتا تھا اور میری تمام خوش طبعی سنجیدگی میں تبدیل ہو جاتی تھی ۔ ہم دونوں دنیا سے بے خبر ہو کر گھنٹوں بیٹھے گفتگو کیا کرتے تھے ۔ اور جب میں اُس زمانہ کی یاد کرتی ہوں تو سچ مچ مجھے اس کا یقین ہو جاتا ہے کہ میں اُس کی مثل ایک دیوتا کے پرستش کرتی تھی ۔ بایں خودداری گو زبان سے کچھ نہ کہتی تھی مگر دل سے متمنی تھی کہ کاش جلد سے جلد میرے سرچشمہ تمنا کی گہرائیاں ظاہر ہو جائیں ۔ گو ہم دونوں بظاہر ایک دوسرے سے قریب تھے ۔ مگر اُس کی سنجیدگی مجھے بعض اوقات شکوک سمندر میں غرق کر دیتی تھی ۔ مگر اُس کے بعد ہی اُس کی محبت آگیں نظریں میرے پژمردہ نخلِ محبت میں سرسبزی پیدا کر دیتی تھیں ۔ ½ ۵ دن مجھے اپنے جائے قیام لندن میں بسلسلۂ ملازمت رہنا دشوار ہو جاتا تھا ۔ ایک ایک دن بہت مشکل سے کٹتا تھا مگر ہفتہ کا بقیہ ½۱ دن اسقدر سرعت سے تمام ہو جاتا تھا کہ میں حیران رہ جاتی تھی ۔ اس عرصہ میں ایک ضروری دفوری وجہ سے ہم دونوں کو ذرا غمگین ہونا پڑا ۔ لیکن میرے لئے یہ غم بھی فالِ نیک ہوا ۔ کیونکہ وہ اب سنجیدگی سے اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا ۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک نہایت اہم کام کی بنا پر میرے "ایلک" کو کیمبرج جانا پڑا ۔ جہاں پر وہ کچھ عرصہ قیام کرنے پر مجبور ہو گیا ۔ اس عارضی مفارقت نے اسکی تمام سنجیدگی کو حقیقت میں تبدیل کر دیا ۔ اس نے بوقت روانگی مجھے خط بھیجنے کا وعدہ کیا تھا ۔ اور میری مسرت کی کچھ انتہا نہ رہی ۔ جبکہ ہر ہفتہ طویل خطوط دس اور بارہ صفحات کے میرے پاس آنے لگے ۔ اور ان میں میرے دل کی تواضع کے لئے وہ وہ باتیں تحریر ہوتی تھیں ۔ جو وہ زبان سے کبھی ادا نہ کر سکا تھا ۔ میں ان تمام صحیفۂ محبت کو بکمالِ شوق پڑھتی تھی ۔ اور دنیائے بے خودی میں کھو جاتی تھی ۔ عام طور پر اُسکے خطوط منگل کے دن وصول ہوتے تھے اور اس اعتبار سے میرا ہفتہ منگل کے دن سے شروع ہوتا تھا ۔ اور بقیہ دنوں میں میں موجودہ ہفتہ کے خط کو دن میں کئی کئی بار شروع سے آخر تک پڑھکر لطف اندوز ہوتی تھی ۔ دیہاتی سیر میں نے یک قلم ترک کر دی تھی ۔ کیونکہ دیہات کے سبزہ زار اور پھولوں سے لدے ہوئے خاموش کنج ۔ مجھے

پیارے "ایلک" کی یاد دلاکر مغموم بناد یتے تھے۔ دَورِ خزاں کسی باغ میں دائمی نہیں ہوتا۔ میرے چمنِ دل میں بھی بہار آئی یعنی میری روح کی مسرت میرا پیارا "ایلک" واپس آگیا۔ اب اُسکی گفتگو میں گونہ تبدیلی پیدا ہوچکی تھی۔

بہار کی ایک جذبات پرور شام کو جب ہر طرف پھول کھلے ہوئے تھے۔ طیور اپنے اپنے آشیانوں میں سکون و راحت کا لُطف لے رہے تھے عطر بیز ہوائیں دل و دماغ کو معطر کررہی تھیں۔ میں اور "ایلک" باغ میں بنچ پر بیٹھے ہوئے لُطف کی باتیں کررہے تھے۔ کہ آہستہ آہستہ اُس نے نرمی سے اپنے ہاتھوں میں میرے ہاتھ کو لے لیا۔ مجھے اُس کی اس حرکت سے ایک عجیب لذت محسوس ہوئی۔ مگر ساتھ ہی تھوڑی دل میں ایک گھبراہٹ پیدا ہوئی اور تنفس میں اشتداد محسوس ہوئی۔ میں ایک عالمِ بے چینی میں کھڑی ہوگئی۔ وہ بھی آہستگی کھڑا ہوگیا۔ اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کبھی کبھی ہلکے ہلکے دباتے ہوئے ٹہلنے لگا۔ یہاں تک کہ ہم باغ کی دیوار کے پاس پہونچ گئے۔ اور یہاں پہنچکر اُس نے میری آنکھوں میں اپنی رسیلی آنکھیں ڈالتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ میرے شانے پر رکھے، اُسکی اس لمس سے میرے جسم بھر میں ایک کپکپی سی پیدا ہوگئی۔ بے جا طور پر ہونٹ تھرتھرانے لگے۔ رفتارِ تنفس میں تیزی پیدا ہوگئی، اسکا حسین چہرہ میرے قریب تر ہوجاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک عجیب کیفیت کے تحت میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اور ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ اُس کے گرم گرم ہونٹ میرے لبوں سے پیوست ہوگئے۔ میں اس حرکت سے بیہوش سی ہوگئی۔ اور جب ہوشیار ہوئی میری آنکھیں پپوٹوں کی نقاب دور کرنے کے قابل ہوئیں تو اُس کے مسرور چہرہ پر نظر پڑتے ہی میرے ہونٹوں پر بے اختیارانہ مُسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ اور ایسا ہونے ہی ایک دو بار ہی نہیں بلکہ متعدد بار "پیاری" (Darling) کے لطیف نغمہ کے ساتھ مجھے سابقہ مسرت یعنی اتصالِ لب کی خوش نصیبی ہوئی۔

اب میرے خیالات گہرائی کے ساتھ ساتھ وسعت پذیر بھی ہونے لگے۔ دل میں خواہشِ پیہم پیدا ہوئی کہ صرف معاشرتی طور پر ہی نہیں بلکہ قانونی اور مذہبی طور پر بھی ہم قیامِ زندگی تک کے لئے ایک دوسرے سے منسلک کردیئے جائیں۔ میں ایک لڑکی کی ساحلی تعطیلات کے ہوائی قلعوں کی طرح عالمِ تصورات میں خود کو بہترین لباس میں ملبوس "ایلک" کے پہلو میں قربان گاہ کے قریب کھڑی دیکھتی تھی۔ کبھی اُس کے ساتھ گرجا کے بڑے اور بھاری دروازے میں سے نکلے ہوئے دیکھتی تھی کبھی ایک دیہاتی مکان میں خود کو اور "ایلک" کو زن و شو کی حیثیت سے اس انداز سے دیکھتی تھی کہ ہمارے بچے ہمارے سامنے کھیل رہے ہیں اور ہم ان کی طفلانہ مسکراہٹ سے روحانی مسرت حاصل کررہے ہیں۔ مگر یہ تمام خوشنما خواب ختم ہوگئے۔ یہ مسرت پرور ہوائی قلعے ایک رات کو مسمار ہوگئے۔ اختتامِ ہفتہ کی تعطیل میں میں جان سے زیادہ عزیز "ایلک" کے ساتھ زندگی کے عشرت آگیں لمحات بسر کرنے دیہات گئی ہوئی تھی۔ خالہ الزبیتھ نے رات کے کھانے کے بعد مجھے علیحدہ کمرہ میں لیجاتے ہوئے۔ ایک خاص معاملہ پر گفتگو کرنے کی خواہش کی۔ میں نہ سمجھتی تھی کہ مجھے ایسے اندوہگیں واقعہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔ میں بخوشی اُس کے الفاظ

اے موت جینے دے ابھی!

ابھی تو عشق کی وحشت نوازیوں سے
غرورِ حُسن کے پردوں کو چاک کرنا ہے

ابھی کسی کے قیامت بدوش اشکوں میں
بھگو کے دامنِ ہستی کو پاک کرنا ہے

ابھی شرابِ جوانی کے خُم لنڈھا کے مجھے
غُرورِ زہدِ حسینوں کا خاک کرنا ہے

ابھی تو غرب کی افسوں فروش حکمت میں
ہر ایک طفلکِ مشرق کو تاک کرنا ہے

ابھی کسی کی حسین انکھڑیوں کو چُومنا ہے
ابھی تو اپنی جوانی کو پاک کرنا ہے

ابھی تو بھوک کے ماروں کی سرد آہوں سے
جلا کے قصرِ امارت کو خاک کرنا ہے

ابھی اُداس جوانی کے سوزِ نغمہ سے
کسی کے حُسن کو اندوہناک کرنا ہے

ابھی جوانوں کو دینا ہے درسِ خودداری
ابھی ردائے غلامی کو چاک کرنا ہے

ابھی اے موت! میں جی سے گذر نہیں سکتا
قسم حیات کی مجھکو، میں مر نہیں سکتا

سننے پر آمادہ ہوگئی۔ جب اُس نے ایک نصیحتانہ لہجہ میں مجھ سے کہنا شروع کیا۔
میری بچی۔ تم ایلک کی محبت میں مبتلا ہوکر اپنے کو بیوقوف بنا رہی ہو۔ تم شاید جانتی نہیں ہو۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ "ایلک" کی عرصہ گذرا ایک بہت اچھی حسین اور باعزت لڑکی سے منگنی قرار پاچکی ہے۔ اور تم غالباً جانتی ہوگی کہ ایک ایسی اچھی لڑکی سے منگنی ہوجانے کے بعد کسی مرد کو دوسری کسی لڑکی سے محبت کرنے کا قطعی حق نہیں رہتا۔ اور اسیطرح دوسری لڑکیوں کو بھی یہ حق نہیں ہوتا کہ ایسے مرد سے محبت کریں۔ یہ مانا کہ "جون" ("ایلک" کی منگیتر) "ایلک" سے چار برس بڑی ہے۔ لیکن "ایلک" کے اور "جون" کے رشتہ دار اس شادی کو مناسب سمجھتے ہیں۔ پھر وہ ایک نہایت سنجیدہ مزاج لڑکی ہے۔ اُس کا باپ ذی عزت ڈاکٹر ہے "ایلک" کو ایسی ہی لڑکی کی ضرورت ہے اور اس صورت میں کسی لڑکی کا اس شادی میں دخل دینا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ تم اپنے نامعقول اور حماقت آمیز خیالات کو اپنے دماغ سے نکال ڈالو، تم ابھی کمسن ہو اور ایلک سے کہیں زیادہ ناتجربہ کار ہو میں یہ نہیں کہتی کہ یہ سب تمہارا قصور ہے، میں "ایلک" کو بھی ملامت کرتی ہوں کہ اس نے اپنے اطوار سے تم میں کیوں ایسے جذبات پیدا کئے افسوس کہ اس نے اپنی مجبوریوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی، تمہارے دل کے ساتھ کھیلنے کی کوششیں کیں، مگر میری پیاری بچی اس معاملہ میں جو کوئی سنے گا تم کو زیادہ قابل ملامت سمجھیگا، اس لئے میں قبل اسکے کہ تمہارا رازِ محبت دنیا پر ظاہر ہو، تمہیں سمجھاتی ہوں کہ تم اس حماقت سے باز آؤ۔" یہ سنتے ہی دنیا میری نظروں میں تاریک ہوگئی، کمرہ کے روشن چراغ پُرغضب نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے معلوم ہوئے، میں سکون پر قدرت نہ پاسکی اور اس عمارت سے جو میرے لئے حد درجہ سکون بخش تھی بے تحاشہ بھاگی، سڑک کو طے کرتی ہوئی باغ میں آئی، "ایلک" اسوقت باغ میں تنہا موجود تھا، میں نے اپنے غم و غصہ کی حالت میں اسے بہت کچھ سخت و سست کہا اور اس سے صاف لفظوں میں کہدیا کہ میں آئندہ اس کی صورت تک نہیں دیکھنا چاہتی مگر اسوقت اپنی تمام سنجیدگی کے برخلاف نہایت عاجزانہ اور معذبانہ لہجہ میں اس نے اپنی معذوری کا اظہار کیا، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر کیا کہ میری بے پناہ محبت کے زیر اثر میری دل شکنی کے خیال نے اسے ہمیشہ روکا، ورنہ نہیں معلوم کتنی مرتبہ اس نے چاہا کہ وہ مجھ پر ظاہر کردے کہ اسکی منگنی ہوچکی ہے، مگر میری دل شکنی کا خیال مانع آگیا، اور اس معاملہ میں اسکی زبان کی طاقت سلب ہوگئی، پھر اس نے مجھ سے استفہامیہ لہجہ میں دریافت کیا "کیا میں یہ یقین نہیں کرسکتی ہوں کہ ایک مرد بیک وقت اپنے قلب میں دو عورتوں کی محبت کو پرورش دے" اور اس معیار کے ساتھ کہ میری محبت حقیقی محبت اور "جون" کی محبت صرف پابندی قانون کی حیثیت رکھتی ہوگی، گو میں کمسن تھی مگر اتنا سمجھ لینا میرے لئے مشکل نہ تھا کہ "ایلک" کی اسوقت کی گفتگو اپنے اندر حقیقت کی لطافت نہیں رکھتی بلکہ وہ مصلحت وقت یعنی ریاکاری کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کررہا ہے۔ اسکی موجودہ ہنسی ایسی ہی ہنسی تھی جیسی اس شخص کی جو مبتلائے آلام ہوکر اپنے الفاظ کی شان کو قائم رکھنے کے لئے ہنس ہنس کر کسی مصیبت سے نجات پانیکی کوشش کرتا ہے "ایلک" کے قرب میں میرے نصیب کی جو جو مسرتیں تھیں وہ جھکولے چکی تھیں اور وہ "ایلک" جو کسی زمانہ میں ایک وفاپرست عاشق ظاہر ہوتا تھا، اب میری نظروں میں ایک دغاباز ریاکار حسن کے بھوکے شکاری کی حیثیت رکھتا تھا میں یہ جانتی تھی کہ اگر میں بھی ایلک کی طرح مکار ہوجاؤں تو اس کو آسانی سے اپنے دام میں گرفتار کرسکتی ہوں، لیکن ساتھ ہی ساتھ "جون" کا معصوم چہرہ، اور محبت انگیز دل تصور میں میرے سامنے آگیا، اور ایسا ہوتے ہی مجھکو صرف اپنے خیالات ہی سے نہیں، بلکہ خود اپنے جسم سے نفرت ہوگئی اور بالآخر میں نے طے کرلیا کہ میرے دل کو خواہ کتنی ہی تکلیف پہنچے، مجھے عشرت انگیز زمانہ کی یاد میں خواہ کتنے ہی آنسو کیوں نہ بہانے پڑیں، میری پرسکون خاموش راتیں کتنی ہی اضطراب مسلسل میں کیوں نہ تبدیل ہوجائیں یعنی کچھ بھی کیوں نہ ہوجائے۔ مجھے "جون" کا دل نہ دکھانا چاہئے، یہ تھی میری پہلی بے لوث محبت اور یہ تھا اسکا تلخ خوفناک انجام۔

جس طرح ایک مست شراب باوجود توبہ کرلینے کے شراب کی قربت سے فوری ...... گریز نہیں کرسکتا، اسی طرح گو میں بھی دل میں عہد کرچکی تھی کہ اب "ایلک" سے کوئی سروکار نہ رکھوں گی، مگر پھر بھی کوئی ایسی پوشیدہ طاقت کارفرما تھی جو میرے پیروں کو اٹھا کر اسکے مکان کے قریب مجھے پہنچا دیتی تھی اور وہ مجھے اپنے مکان کے سامنے پاکر پرتپاک الفاظ میں میرا خیر مقدم کرتا تھا ہم دونوں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھ جاتے تھے، اور موسمی، سیاسی، اور معاشرتی موضوع پر گفتگو کرتے تھے، اکثر ایسے بھی مواقع پیش آئے کہ ہم دونوں دور تک تنہا سیر کرتے ہوئے نکل گئے، لیکن اب گو ایلک نے حد درجہ کوشش کی مگر میں نے کبھی اس کو ایسا موقع نہیں دیا کہ وہ دائرہ اخلاق کی باحدود دوستانہ سے ذرا بھی متجاوز ہوسکے، اور رفتہ رفتہ میں "ایلک" سے دور رہنے کی کوشش میں کامیاب ہوگئی، اختتام ہفتہ کی تعطیل میں بجائے دیہات جانے کے میں ان لوگوں کے ساتھ جو میرے گرد پروانہ صفت گھومتے تھے ۱½ دن کی تعطیل گذارنے کی کوشش کرلی تھی، میں ظاہر طور پر اس حسن پرست طبقہ پر توجہ کرکے اپنے اندوہ تنہائی کو کم کرنے میں، کامیاب ہوگئی، اکثر ان اچھی صورتوں کو اپنے سفلانہ جذبات کی بنا پر پوجنے والوں نے، بسلسلہ خریداری

دوکانات کے گوشوں میں، موٹر گاڑیوں میں، ریلوں میں، ریلوں میں سینما ہال کے اندھیرے میں، باغوں کے خوشنما کنج میں، ریسٹورانٹ کے تنہا کمروں میں، میرے شیریں لبوں سے شیرینی حاصل کی کوشش کی، اور اظہار واقعہ کے سلسلہ میں مجھے کہنا پڑتا ہے کہ وہ لوگ میری طبعی کمزوری اور لاچارگی کی بنا پر زیادہ تر کامیاب ہوئے، یہ لوگ میری جائے ملازمت سے ہوسٹل کے دروازہ تک اور میری ہر تفریح میں یقیناً میرے ساتھ رہتے تھے، ان کی حریص آنکھیں ان کے لمس لب سے سرور ہونیوالے جذبات بعض اوقات مجھے حد درجہ محزون بنا دیتے تھے، اور اکثر تنہائی میں بے اختیارانہ میری زبان سے نکل جاتا تھا کاش میں خوبصورت نہ ہوتی"۔ میری ہم عمر اور نسبتاً سادہ شکل لڑکیاں میری اس عالمگیر مقبولیت کی بناء پر مجھ سے رشک ہی نہیں بلکہ حسد کرنے لگی تھیں، مگر باوجود اس درجہ کثیف معصیت کی فضا میں نفس پرور ہونے کے میں یہ سچ کہتی ہوں کہ میری عصمت کی نورانی شمع ابتک باآب وتاب روشن تھی، مگر یہ حسن وجوانی کے دشمن مجھے چین نہ لینے دیتے تھے، اور ایک واقعہ نے تو مجھے سخت ذہنی ودماغی اذیت پہنچائی، ایک شب کو جب میں اپنی ماں سے ملاقات کرنے کے بعد واپس ہو رہی تھی، رات زیادہ ہوگئی تھی، بارش ہو رہی تھی، اور وہ رات بہت سرد رات تھی، میں موٹر لاری میں بیٹھی تھی مجھے بغیر چھتری کے دیکھکر میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک پستہ قد شخص نے درخواست کی میں اسکی چھتری میں پناہ لوں، میں نے اس میں کوئی حرج نہ سمجھتے ہوئے اسکی درخواست کو قبول کرلیا، یہاں تک کہ ہم لورپول اسٹریٹ پہنچ گئے، موٹر لاری سے اترنے کے بعد اس شخص نے موسمی حالت کا اظہار کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا کہ جسم کو حدت پہنچانے کے لئے اگر ہم لوگ تھوڑی سی کافی پئیں تو زیادہ بہتر ہوگا، میں نے اس کی نیکی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسکے خیال کی مخالفت نہ کی، اور ہم لوگ قریب کے ایک ہوٹل میں بیٹھکر کافی پینے لگے، کافی پیتے ہوئے برسبیل تذکرہ اس نے میرے ذریعہ معاش اور جائے قیام کو دریافت کیا اور یہ معلوم کرکے کہ مجھے ہوسٹل پہنچنے میں اچھی خاصی مسافت طے کرنا پڑے گی، تجویز پیش کی کہ پیدل چلنے سے زیادہ بہتر ہوگا کہ ٹیکسی پر اس راستہ کو طے کیا جائے، کیونکہ اب تک اسکا سلوک میرے ساتھ حد درجہ شریفانہ تھا، اس لئے میں نے مسکراتے ہوئے اپنی منظوری کا اظہار کیا، اس نے میری اس معصوم مسکراہٹ کے اپنی تماش بین طبیعت کے ماتحت کچھ اور ہی معنی لئے، جن سے میں قطعی واقف نہ ہوئی، کیونکہ اس سے پہلے تجربات کی بناء پر میری نظروں میں مرد اسقدر اخلاق سے گرے ہوئے اور بے اعتبار نہ تھے، میں بخوشی اسکے ساتھ بیٹھکر ٹیکسی میں روانہ ہوئی، ابھی آکسفورڈ اسٹریٹ کے برقی قمقموں

کی روشنی ہم سے جدا ہی ہونے پائی تھی کہ وہ آہستہ آہستہ مختلف بیجا حرکات کی بناء پر میری جانب بڑھنے لگا، پہلے پہل میں نے اس کی اس حرکت کو ایک اتفاقی بات سمجھا اور خود ٹیکسی کے بازو کی جانب ذرا اور ہٹ گئی، مگر ادھر سے مسلسل کوششیں ہوتی رہیں، اور میرے لئے سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ اور ٹیکسی کے بازو کی جانب ہٹوں یہاں تک کہ میرا بایاں بازو ٹیکسی کے اندرونی آخری حدود سے بالکل پیوست ہوگیا اور اپنے جسم کو اسکے جسم سے دور رکھنا میرے لئے بالکل ناممکن ہوگیا، جب اس کو اطمینان ہوگیا کہ میں اب زیادہ نہیں ہٹ سکتی تو اسکے وہ دونوں ہاتھ جو اب تک اسکے دونوں گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے، میری جانب بڑھنے لگے، یہاں تک کہ اسکا داہنا ہاتھ میری گردن سے گذرتا ہوا میرے داہنے شانہ پر پہنچ گیا اور دوسرے ہاتھ کا میرے پوشیدہ جسمانی حصہ سے تصادم ہوگیا، میں اس اچانک حملہ سے حد درجہ خوفزدہ اور پریشان ہوئی، مگر پھر بھی مجھ میں ہمت نہ ہوئی کہ میں دوسری عورتوں کی طرح اس بے حیا کے منہ پر طمانچہ لگا دوں، میں حتی الامکان مدافعت کرتی رہی، مگر ایک پرجوش مرد سے میری ایسی کمزور لڑکی بھلا کس طرح پیش پاسکتی تھی، میری پوشاک کا بالائی حصہ اس کے طاقتور ہاتھوں سے بہت کچھ بے ترتیب ہوگیا، باوجود میری مسلسل کوشش کے اسکی انگلیوں کی طاقت اسکی مرضی کے موافق کام کر رہی تھی، اسکے پرشوق ہونٹوں نے میرے ہونٹوں کی سرخی اور چہرہ کے پاؤڈر کو بہت کچھ نقصان پہنچایا، جب ہر صورت میں لاچار ہوگئی تو روتے ہوئے چلانے لگی، وہ میرے اس آخری حربہ سے خوفزدہ ہو کر میرے قریب سے ذرا ہٹ گیا، اور خاموشی سے کچھ سوچتا رہا، ٹیکسی میں کافی تاریکی تھی اس لئے میں یہ نہ سمجھ سکی کہ وہ اپنے فعل بد پر اپنے چہرہ سے ندامت کا اظہار کر رہا ہے، یا کسی اچانک حملہ کے لئے اپنے کو پھر تیار کر رہا ہے، قطعی ناممکن تھا، یہاں تک کہ میرا ہوسٹل آگیا، ٹیکسی رکی، پہلے وہ نیچے اترا اور مجھے ٹیکسی سے اترنے میں اپنے بازو کا سہارا پیش کیا، لیکن میں اسکی سابقہ حرکات کی بناء پر اس سے سخت ناراض تھی، اس لئے میں نے سہارا نہیں لیا، وہ ہوسٹل کے زینوں تک مجھے پہنچانے آیا، اور وہاں اس نے نہایت شرمسارانہ لہجہ میں اپنے حیاسوز بزدلانہ فعل پر اظہار شرمندگی کرتے ہوئے معافی مانگی، اور اس نے مجھے دوسری عام آبرو باختہ لڑکیوں کی طرح سمجھا، اپنے اس احمقانہ خیال پر اس نے اظہار افسوس کرتے ہوئے اس بات کا یقین دلایا کہ جبتک میں اس کو معاف نہ کردوں وہ خود اپنے کو معاف نہ کرے گا، میں اس کو معاف کرتے ہوئے ہوسٹل کے زینوں کے

چلنے لگی اور اسکے الفاظ کو صداقت پر مبنی سمجھتے ہوئے اس واقعہ کو ایک اتفاقی حادثہ سمجھا۔ اسی طرح مجھے ایک دوسرے واقعہ سے اور دوچار ہونا پڑا! میری جائے ملازمت کی کمپنی کے سامنے والی بیمہ کمپنی کا ایک کلرک مجھسے بااخلاق سلام کرکے رسمی گفتگو کیا کرتا تھا، اسکی عمر تقریباً ۲۵ سال تھی ایک دن ہائڈ پارک میں میری اور اسکی ملاقات ہوگئی، دیر تک ہم میں موسمی حالت اور موجودہ وزارت پر تبادلہ خیال ہوتا رہا، ہم دونوں ساتھ سیر کرکے واپس ہوئے اور قریب کے ایک ہوٹل میں بیٹھکر چا پینے لگے، بوقت رخصت اس نے مجھ سے استدعا کی کہ میں کل شام کو اس سے رچمنڈ پارک میں ملوں، میں نے وعدہ کیا اور دوسری شام کو میں نے رچمنڈ پارک پہنچکر اس کو اپنا منتظر پایا، ہم کچھ دیر ادھر اُدھر ٹہل کر گفتگو کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اسکے حلق میں آواز پھنس رہی ہے تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنی آواز صاف کرتے ہوئے کہا، بہتر ہوگا کہ ہم کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر گفتگو کریں۔ اور ایک درخت کا انتخاب کرتے ہوئے اُس نے مجھ سے بیٹھنے کے لئے درخواست کی۔ میری خواہش تھی کہ ابھی کچھ دیر اور یہ ٹہلتی رہوں مگر اُس کے بڑھتے ہوئے اصرار کو دیکھ کر خاموشی سے اُس کی تکمیل تمنا پر آمادہ ہوگئی۔ درخت بہت گھنا تھا۔ اندھیرا بھی ہو چلا تھا۔ درخت کے سایہ کی تاریکی نے ہم کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ یہ جگہ عام گذرگاہ سے ذرا فاصلہ پر تھی۔ اُس نے بیٹھتے ہی اپنے ہاتھ کو میرے بازو پر رکھتے ہوئے دردمندانہ طور پر ایک آہ کھینچی۔ اور ذہنی اذیت کے ماتحت کہنا شروع کیا۔ میری گھریلو زندگی حد درجہ المناک ہے میں اور میری بیوی تخیلات میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ازدواجی زندگی میں شادی کے بعد سے آج تک میں بدقسمت ثابت ہوا ہوں۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ میں بعیش و عشرت بسر کرسکوں۔ میں باوجود یہ جانتے ہوئے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ ایک بچہ کی گذشتہ دو برس سے پرورش کے مصارف برداشت کررہا ہوں۔ اے بادشاہِ حسن جس دن سے میں نے تمہیں دیکھا ہے میری دنیا بدل گئی ہے۔ دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ تمہارے حسین تصور سے خالی نہیں ہوتا۔ اے میری پیاری میں سمجھتا ہوں کہ تم اور فقط تم میرے خوابوں کی تعبیر ہو۔ تمہاری ایسی حسین اور خوش مزاج ہستی میں نے آجتک اپنی عمر میں نہیں دیکھی۔ اور وہ ناقابل اظہار محبت جو مجھ کو تم سے ہے آجتک کسی سے نہیں ہوئی۔ میری پیاری میری حسین محبوبہ اپنے لطف و کرم سے میری رنجیدہ و غم آگیں زندگی کو عشرت و مسرت سے بدل دو"۔ میں خاموشی سے اُس کی گفتگو سُن رہی تھی جس کے ابتدائی جملوں نے میرے دل میں رنج اور ہمدردی کے ملے ہوئے جذبات پیدا کئے مگر آخری جملوں سے میرے دل میں اُس کی جانب سے بیزاری پیدا ہوگئی میں ابھی اُس کو جواب بھی نہ دینے پائی تھی کہ اُس نے یکایک مجھے اپنی جانب کھینچکر اپنے جسم سے ملالیا اور اُس کا ایک ہاتھ میرے جسم کے شبابی حصوں سے متواتر مَس ہونے لگا میں گھبراسی گئی مگر پھر بھی نہیں معلوم کیوں میں اُس کی بڑھتے ہوئے ہاتھ کی حرکت کو نہ روک سکی یہاں تک کہ اُس کے گرم اور خشک ہونٹ میرے لبوں سے مس ہوگئے۔ ابھی میں پورے طور پر اُس کے حرکات کو سمجھ بھی نہ پائی تھی کہ اُس نے ذرا زور دے کر مجھے گھاس پر لٹا دیا۔ اور چاہا کہ میرا مرکز شباب سینہ اُس کے چوڑے سینہ سے مل جائے۔ میرا اُس کی اس ناشائستہ حرکت پر غصہ کے مارے بُرا حال تھا۔ میری سانس بہت تیزی سے چل رہی تھی۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں جسم بھر کی قوت جمع کرکے اُس کو اپنے سے دُور کیا اور بکوشش حواسوں پر قابو پاکر بجائے چلانے کے خاموشی سے کھڑی ہوگئی۔ اور ہلکے ملامت آمیز لہجہ میں اُسے متنبہ کیا کہ نہ میں اُس سے محبت کرتی ہوں اور نہ اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہوں۔ اور نہ دوسری عزت باختہ لڑکیوں کی طرح بے حیا اور بے شرم ہوں میں ابھی تک باکرہ ہوں اور اُس سے ایک شرافت آمیز سلوک کی متمنی ہوں۔ وہ یہ سُنکر ایک تلخ لہجہ میں چپکے چپکے بڑبڑاتا ہوا اُٹھا اُس نے اپنے پتلون کی گرد جھاڑی اور کھڑے ہوکر بے تابانہ مجھ سے لپٹتے ہوئے میرے لبوں اور رخساروں کو اپنے کمینہ خیالات کا آئینہ بناتے ہوئے کہا۔ میری سب سے زیادہ پیاری اچھا نہ سہی۔ مگر وعدہ کرو کہ اگر تمہارے خیالات کبھی تبدیل ہوئے تو سب سے پہلے تم مجھے مطلع کرد گی"۔ میں نے اسکی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اُس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی میں ذرا تیز قدم چلنے لگی۔ آگے بڑھ کر میں نے بھی اپنے کپڑوں کی گرد جھاڑی اُس نے مجھے مدد دینا چاہی مگر میں نے "شکریہ" کہتے ہوئے اُسے باز رکھا۔ کچھ دیر کے بعد ہم ایک چاء کی دوکان پر پہونچے۔ اور دونوں نے نہایت بے لطفی کے ساتھ خاموشی سے چاء پی۔ اُس کے بعد اُس نے مجھے ایک موٹر لاری پر سوار کیا۔ اور بے نیازانہ طریقہ پر اپنے ہیٹ کو حرکت دیتے ہوئے چلا گیا۔

ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ملے مگر نتیجہ کے طور پر سب یکساں ثابت ہوئے اکثر لوگ جب اپنے شباب پرست تخیلات کی تکمیل نہ کرپاتے تو مجھ سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن کسی نے ابتداً میں دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ رچمنڈ پارک میں میری بے حرمتی کرنے والے شخص نے مجھ سے بہت گہرے دوستانہ تعلقات قائم کئے وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اُس کی بیوی نے ظاہرا طور پر نہایت گرمجوشی سے میرا استقبال کیا مگر مجھے اُس کی عقل پر نہایت

تعجب ہے کہ وہ میری اندازِ گفتگو سے یہ نہ سمجھ سکی کہ میں ظاہر کر رہی ہوں کہ میں اُس کی اس تمام بناوٹ سے واقف ہوں۔ وہ ایک معمولی خدوخال کی پستہ قد عورت تھی۔ مگر نمائشی چیزوں کی امداد سے وہ کوشش کرتی تھی کہ اپنے مخاطب کے لئے زیادہ سے زیادہ جاذبِ نظر ہو جائے۔ وہ اپنے شوہر کے ہمراہ میرے ایسی سترہ برس کی جوان لڑکی کو آتے دیکھ کر قطعی متعجب نہیں ہوئی۔ بلکہ دورانِ گفتگو میں مسکراتے ہوئے اُس نے یہ بھی مجھ پر ظاہر کر دیا کہ ہم ہر ایک اپنے اپنے دوست رکھتے ہیں۔ اور یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ایک دوسرے پر اعتراض کریں۔ اُس کے مکان کا جملہ فرنیچر معلوم ہوتا تھا کہ ماہانہ کرایہ پر لیا گیا ہے۔ اُس کے کمرہ نشست میں زیادہ تر عورتوں کی نیم عریاں تصاویر اور غسل خانہ کے قریب قریب عریاں مناظرات تھے۔ اُس کی گفتگو کا سب سے بڑا موضوع عشق و محبت تھا۔ مجھے اس عورت سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی۔ اور یہ میری اور اُس عورت کی آخری ملاقات تھی۔ میری واپسی پر اس عورت کا شوہر کچھ دور تک میرے ساتھ آیا اور خاموش مقامات پر اپنی بے سروپا داستانِ محبت دہرانے لگا۔ اس مرتبہ بھی جرأت کر کے اُس نے پھر کھوئی ہوئی محبت کا صلہ لینا چاہا۔ مگر میں اُس کی ذہنی حالت سے باخبر تھی اس لئے میں نے اُس کو ایسا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائے۔ ایسے ہی اور بہت سے واقعات پیش آئے اور آخر کار میں نے تہیہ کر لیا۔ کہ میں اب اپنے آپ کو اسقدر آزاد نہ رکھوں گی۔ میں تنہا تھی میں لوگوں سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس وسیع دنیا میں جو کوئی مجھ سے ملتا تھا۔ مجھے اپنی بداخلاقانہ ہوسناکیوں کا شکار بنانا چاہتا تھا۔ اور پھر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی "**اے کاش میں خوبصورت نہ ہوتی**"

یہ تو خیر جو کچھ تھا وہ تھا ایک اور تازہ مصیبت مجھ پر نازل ہوئی۔ ایک دن ابھی میں اپنی ملازمت پر پہنچ کر میز کے سامنے کھڑی ہوئی تھی کہ مجھے اور ایک اور میرے ساتھ کام کرنے والی لڑکی کو مالک نے اپنے دفتر کے کمرہ میں طلب کیا اور کہا کہ وہ ہم دونوں کے کام سے بہت خوش ہے۔ مگر چونکہ کاروبار میں مسلسل نقصان ہو رہا ہے اس لئے موجودہ ملازموں میں تخفیف کرنا لازمی ہے چونکہ لڑکیوں میں ہم دونوں کی ملازمت سب سے زیادہ کم ہے اس لئے مجبوراً ہم دونوں کو آج کی تاریخ سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔ خزانچی ہم کو آج تک کی تنخواہ کے علاوہ ایک ہفتہ کی مزید تنخواہ ادا کریگا۔ یہ سنتے ہی پیروں کے نیچے سے زمین سی نکل گئی۔ یہ ہم دونوں کی سب سے پہلی ملازمت تھی اور اُس کے ختم ہوتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ ہماری دنیا ختم ہو گئی ہم دونوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ہم دونوں نے اپنی تنخواہ وصول کی۔ اور بخاموشی اپنی اپنی جائے قیام پر روانہ ہو گئیں۔ دوسرے دن سے میں نے ادھر اُدھر ملازمت کی کوشش کی اور ایک ہفتہ کی مسلسل تلاش کے بعد مجھے ایک نئے سرے کارخانہ عیاطی میں ملازمت مل گئی۔ وہاں پر مجھے ٹائپ کئے ہوئے لیبل پارسلوں پر لگانا پڑتے تھے۔ اُن کو اپنی نگرانی میں ڈاکخانہ سے جا کر ٹکٹ لگا کر پارسل کلرک کے حوالہ کرنا پڑتے تھے۔ اور ٹکٹوں کا حساب باقاعدہ رکھنا پڑتا تھا۔ وہاں مجھے یہ توقعات دلائی گئی تھیں کہ اگر میں دلچسپی و ایمانداری سے کام کرتی رہوں گی تو بہت جلد مجھکو عملہ دفتر میں ترقی دیکر تبدیل کر دیا جائیگا۔ اس اُمید پر اپنی لیاقت علمی میں اضافہ کی غرض سے میں نے ایک رات کے اسکول میں نام لکھا لیا۔ میرے ساتھ کام کرنے والی لڑکیاں نہیں بلکہ معمر عورتیں تھیں جن کا مذاقِ طبیعت حد درجہ گرا ہوا تھا اور اس لئے مجھے یہ مقام ناپسند تھا۔ مگر بے روزگاری کا پُرخوف چہرہ پیشِ نظر ہوتے یہ جس طرح ممکن ہوتا۔ نباہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عملہ دفتر میں ایک ادھیڑ عمر کے کلرک نے حدِ اخلاق سے زیادہ تجاوز کرنے کی کوشش کی۔ میں اکثر تلخ تجربات حاصل کر چکی تھی۔ اس لئے ذرا اُس سے دور ہی دور رہتی تھی۔ مگر ایک موقع پر اتفاق وقت نے ہم دونوں کو تنہا کر دیا۔ جہاں اُس نے دوسرے حسن پرست لوگوں کی طرح دست ہوس دراز کرنا چاہا اُس کا جواب میں نے اس درجہ سخت الفاظ میں دیا کہ اُس کو خاموش ہی ہونا پڑا۔ اُس دن سے وہ باطنی طور پر میرا دشمن ہو گیا۔ اور آخر کار اُس کی خصومت کی قربان گاہ پر میری ملازمت کی قربانی ہو گئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ ڈاکخانہ کے ٹکٹ میری ہی تحویل میں رہتے تھے۔ میں اپنی میز کے ایک خانہ میں ٹکٹ رکھتی تھی۔ مگر نہ اس خانہ میں کوئی قفل تھا نہ دفتر کے کمرہ میں۔ دن اور رات دروازہ اور کھڑکیاں کھلی رہتی تھیں صرف دفتر کا باہری دروازہ بند کیا جاتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت جب میں اپنی میز پر پہونچی تو منیجر نے مجھے طلب کر کے ٹکٹ کی جانچ کی اُس میں معمولی رقم کے ٹکٹ کم نکلے۔ یہ معلوم کرتے ہی اُس نے میرے چہرہ کی طرف غور سے دیکھا اور کہا "مس اسٹرلنگ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ٹکٹ کی حفاظت اور اُس کا باقاعدہ حساب تمہارے ذمہ ہے۔ اور اس حقیقت سے تم انکار نہیں کر سکتیں۔ کہ ٹکٹوں کی ایک اچھی تعداد غائب ہے۔ میں اس معاملہ کو طول نہیں دینا چاہتا۔ بہتر ہے کہ تم خزانچی سے ملو" اور کچھ دیر سکوت کے بعد "ایک مرتبہ کا چور ہمیشہ چور ہی رہتا ہے" یہ سنتے ہی مجھ پر بجلی گر پڑی میں سمجھ گئی کہ کسی شخص نے منیجر کو میری سابقہ زندگی سے واقف کر دیا۔ اُس نے مجھے

صفائی پیش کرنیکا موقع ہی نہیں دیا، اور میں شدتِ غم سے اشکبار ہوگئی میرے لاچار آنسوؤں کو اس نے اعترافِ گناہ سمجھتے ہوئے مجھے کمرہ سے باہر چلے جانے کو کہا، اور میں روتی ہوئی واپس ہوئی۔

میں نے بمشکل تمام مسز براؤن سے ان واقعات کا اظہار کیا، مسز براؤن نے۔ . اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے منیجر کے سامنے میری خاموشی پر مجھے ملامت کی اور میری مذمت کی کہ کیوں نہ میں نے اپنی صفائی پیش کی، مگر اب وقت گذر چکا تھا، مسٹر براؤن نے میرے لئے بہت کوشش کی لیکن کہیں ملازمت نہ ملی، یہاں تک کہ جنوری کی سیل کا زمانہ آگیا، اور مجھے عارضی طور پر اپنی پرانی ملازمت مل گئی اور اسکے بعد ایک اورسکارخانہ خیاطی میں میں اوقات گذاری کرنے لگی، یہاں صرف چھ شلنگ فی ہفتہ تنخواہ تھی جو کسی صورت سے میری ضروریاتِ زندگی کیلئے مکتفی نہ ہوتی تھی، مسز براؤن اور خالہ الزبتھ کے بہت زور دینے پر میرا سوتیلا باپ میرے مصارفِ ہوسٹل پورا کرتا تھا، اور اس بار سے سبکدوش ہو جانے پر مجھے زیادہ پریشانی نہ ہوتی تھی، اس دوکان پر زیادہ تر جنسی معاملات پر گفتگو ہوتی تھی، اور اسکے اکثر کمروں میں متضاد جنسوں کی باہم ملاقاتیں ہوتی تھیں، اکل و شرب کا بھی حسبِ موقع اہتمام ہو جاتا تھا، یہاں کی کام کرنیوالیاں زیادہ تر فطری حیا کی روشنی سے بے نور تھیں اور بعض اوقات سنہری کاشت کاٹتی تھیں، لیکن کچھ دنوں کے بعد میں یہاں کی فضا سے بیزار ہو گئی اور خود ملازمت ترک کر دی، چند دنوں کے بعد مسز براؤن کی سفارش پر میں ایک دستکاری کی دوکان پر کام کرنے لگی، اس دوکان کی مالکہ ایک بہت باتونی عورت تھی جو اپنی لچھے دار گفتگو سے خریداروں کو پھانسنے کی کوشش کرتی تھی، اس دوکان کی قیمتیں عام طور پر دوسری دوکانوں سے دونی اور چوگنی تھیں، اس لئے آمدنی بہت کم ہوتی تھی اور اپنی مالی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے مالکہ کو مجھے علیحدہ کرنا پڑا، اور کچھ دن گذرنے پر وہ دوکان بھی بند ہو گئی۔

اپنی مالی حالت کو دیکھتے ہوئے میں بیکر اسٹریٹ پر ایک دوسری قیامگاہ میں جو صرف میری ایسی مفلس کام کرنیوالی لڑکیوں کے لئے تھا منتقل ہو گئی، یہاں صرف ۲ شلنگ فی ہفتہ جملہ ضروریات کے لئے ادا کئے جاتے تھے، اس ہوسٹل کی نگران اور مالک ایک باایمان نیکدل خاتون تھی، جو ہمیشہ خدا کے خوف سے دوسروں کو ڈرایا کرتی تھی اور اکثر مفید تمثیلاً طور پر بہت سے ایسے افسانے بیان کرتی تھی، جن کو یقین کر لینا ہمارے لئے ناممکن تھا، جب میری بے روزگاری کا ناخوشگوار زمانہ کسی طرح ختم نہ ہوا تو ایک سنیچر کی شام کو مسز براؤن نے میرے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اسطرح معمولی عارضی ملازمتوں سے میرے لئے کچھ فائدہ نہیں، میری آواز اور صورت گواہی دیتی ہے کہ اگر میں تھیٹریکل لائن میں کام کروں، تو میرے لئے بہت زیادہ نفع بخش ہوگا، مسٹر براؤن اکثر تماشہ لکھنے والوں سے واقف ہیں، ذرا اپنی امکانی کوشش کریں گے اور اس صورت میں کامیابی کی توقعات بہت زیادہ ہیں، میں اس تجویز کو سن کر اپنے درخشاں مستقبل پر غور کرتے ہوئے تیار ہو گئی، خطوط لکھے گئے اور میں اپنی پرانی پوشاکوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے جواب کے لئے چشم براہ منتظر ہو گئی، ایک ہفتہ کے بعد دوسرا ہفتہ گذر گیا، مگر مسٹر براؤن کے پاس اولاً تو بہت کم جوابات موصول ہوئے، اور جو جوابات بھی آئے تو قریب قریب سب نے کساد بازاری اور میری عدم واقفیت سابقہ کا عذر پیش کرتے ہوئے معافی چاہی، اور میں بے روزگار کی بے روزگار رہی، آخرکار ایک دن میرے موجودہ ہوسٹل کی مالکہ نے نہایت سخت مزاجی سے مجھ سے کہا "میں دیکھ رہی ہوں کہ بہت سے ہفتے گذر چکے ہیں اور تم کام پر نہیں جاتی ہو، آخر تم کیوں کوئی کام نہیں کرتیں، تم کیا کرنا چاہتی ہو، تم کو یہ معلوم ہونا چاہئے ہے کہ یہ جگہ صرف کام کرنیوالیوں کے لئے ہے اور بیکار زندگی بسر کرنیوالیوں کو اپنے لئے کوئی علیحدہ مقام تلاش کرنا چاہئے"۔ اسکے ان الفاظ نے میرے سابقہ تخیلات کو دماغ سے نکال دیا، اور خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونیکی کوشش کرتے ہوئے ایک مقامی اشتہار دینے والے کو اپنی درخواست بھیجی، جس کے اشتہار کا مضمون یہ تھا۔

تعلیم یافتہ اور قبول صورت لڑکیوں کو تجارتی دنیا کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے، سابقہ تجربہ غیر ضروری ہے"۔

میری اس نئی تعلیم کا میری زندگی پر کیا اثر پڑا، اور مجھے کیا کیا نئے تجربات ہوئے، یہ قسط آئندہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ (چوتھی قسط ختم)

آدھی رات کی خاموش گھڑیوں میں سریندر اپنے بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا، ایک خیال تھا جو اس کو پریشان کر رہا تھا، وہ سو جانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر نیند نے آنے سے قسم کھا لی تھی، پریشان کن خیالات رہ رہ کر اسکے دل کو چھیڑ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کملا بیوی اسکی راہ تکتی ہوگی، مگر جب کہ اسکی جیب کا آخری پیسہ بھی صرف ہو چکا تھا تو وہ کیا لیکر اس کے پاس جائے، تنخواہ جو ملی تھی اسکا نصف تو مکان کا کرایہ اور دوسری ضروریات میں خرچ ہوگیا اور باقی نصف کا اس نے کملا کو ہار خرید کر دیدیا، ہار کے بعد گھڑی کی فرمائش تھی اور کئی روز تک۔ وہ کملا کے پاس خالی ہاتھ جا چکا تھا اور اگر آج بھی وہ گھڑی کے بغیر جاتا تو کملا بیحد مایوس اور دلگیر ہوتی جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا ـــــ اسکے بعد اسکا خیال فوراً بیوی کے زیورات کی طرف بڑھا مگر پیشتر اسکے وہ عمل کرے وہ گیا کہ رات کافی گذر چکی تھی اور دوکانیں بند ہو چکی ہوں گی ـــــ ـــ

ابھی اسکا خیال یہیں تک رہا تھا کہ کملیش کی آمد سے چونک پڑا کملیش کو دیکھکر اس نے اپنا منہ کمبل میں چھپا لیا۔

آج دشمنوں کی طبیعت علیل ہے کیا، کملیش نے رس بھری آواز میں پوچھا اور مسکرانے لگی، مگر سریندر بدستور خاموش اپنا منہ چھپائے رہا۔

"آپ اسقدر بے چین کیوں ہو رہے ہیں؟" کملیش پھر بولی اور سریندر کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگی

"سوجاؤ کملیش! مجھے معاف کرو۔ اس وقت میرا دماغ بہت پریشان ہے" سریندر اس کے ہاتھ کو ہٹاتے ہوئے روکھے پن سے کہنے لگا "جب تم جانتی ہو کہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں تو مجھے کیوں چھیڑتی رہتی ہو"

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپنے تو مجھے ہمیشہ ہی خوش رکھا ہے۔ آپ تو بڑے اچھے پتی ہیں۔ آپ کو پاکر میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتی ہوں۔ اُٹھئے، ذرا دیکھئے میں آپ کے لئے کیسی اچھی چیزیں لائی ہوں"

"اپنی چیزیں ابھی رکھ دو۔ پھر کسی وقت دے دینا"

"نہیں نہیں ایسا نہ کہئے ورنہ آپکی کملیش کا کومل ہردے دکھ جائے گا"

"اُف! تم مجھے سونے نہیں دوگی۔ اچھا میں جاتا ہوں" یہ کہہ کر سریندر جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔

"آپ کہاں جائیں گے؟" کملیش نے حیرت سے پوچھا۔

"کہیں بھی" یہ کہکر جو سریندر کی آنکھیں کملیش پر اُٹھیں تو چکا چوند ہو گئیں ـــــ وہ اپنے بہترین لباس میں محبت کی دیوی اور حسن و شباب کا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔

"اوہ! تو گویا آپ دوسرے کمرے میں ایک گھنٹہ سے سنور رہی تھیں! بھلا اس بے وقت کی شہنائی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟" سریندر تصنع سے بولا۔ "آپ کا جی بہلانا"

"خیر، ممکن ہے کہ یہ کسی حد تک صحیح ہو۔ مگر کملیش! سچ پوچھو تو تم آج اس دن سے بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہو رہی ہو جب تم دلہن بنی تھیں" سریندر نے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کہا۔

"مجھے بناؤ نہیں۔ نہ چھیڑئے" کملیش نگاہیں نیچی کئے ہوئے بولی اور سریندر کے پہلو میں سمٹی ہوئی بیٹھ گئی۔ اور اس کی انگلیوں کو اپنی مٹھی میں دبالیا۔ کملیش کی قربت اور پہلو کے لمس نے اسکے رگ و پے میں بجلی سی دوڑا دی۔

یہ وہی کملیش تھی، سریندر جسے کے سنگ سے بھی بچتا تھا لیکن آج وہ خود بخود اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا، اس وقت ماضی سریندر کے لئے ایک بھولا ہوا خواب تھا اور حال زندگی کا مسرور ترین، رنگین ترین حصہ۔

"دیکھوں تو کملیش! میرے لئے کیا کیا چیز لائی ہو؟" سریندر نے اس کی آنکھوں میں ـــــ ان آنکھوں میں جن کی گہرائیوں میں حسن کروٹیں بدل رہا تھا اور شراب جوانی تڑپ رہی تھی ـــ آنکھیں ڈال کر پیار سے پوچھا۔

"میں کوئی ایسی چیز نہیں لائی ہوں جسے آپ چھو سکیں۔ دیکھ ضرور سکتے ہیں ـــــ پریم کی مدھر تا جوانی کا رس اور روپ کا سندیس" کملیش نے محبوبانہ انداز سے کہا اور سریندر کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا۔

برسات کا موسم تھا۔ کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں باہر بوندا باندی پانی برس رہا تھا اور خنک ہوائیں جسم میں گدگدی پیدا کر رہی تھیں پھر رات میں کملیش اور سریندر کی روحیں گرمائی ہوئی تھیں۔ سریندر نے محسوس کیا کہ اپنی جس شریک حیات کو اس نے ایک عیار عورت کی خاطر نظر انداز کر دیا تھا اس کی گرم گرم سانسوں سے محبت اور جوانی کی بو آ رہی تھی۔

سریندر دیر تک خاموش بیٹھا ہوا اپنے شانے پر کملیش کے نرم نرم گال کے دباؤ سے لذت اندوز ہوتا رہا۔ اس کے بعد اس نے بے اختیار ہو کر

(بقیہ صفحہ پر دیکھیں)

سفید پانی کی بیمار عورتیں

جو عورتیں سفید پانی کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ یعنی وقت بے وقت زردی مائل یا سفید رطوبت اُن کے مخفیہ جسم سے نکلتی رہتی ہے وہ اپنی بھری بھری۔ جوانی کو چند روز میں خاک کر دیتی ہیں۔ کیونکہ سفید پانی کی بیماری سے غفلت برتنا اور اس کا علاج نہ کرنا بے حد خطرناک ہوتا ہے۔ یہی سفید رطوبت دراصل جوانی اور شباب کا جوہر ہوتا ہے۔ جو رفتہ رفتہ بدن سے خارج ہو جاتا ہے اور عورت کو بیکار کر دیتا ہے۔ اس بیماری کے شروع میں عورت کے تمام بدن میں بے کلی اور پنڈلیوں۔ کمر ناف کے نیچے میٹھا میٹھا درد ہوتا ہے۔ پھر سر چکرانے لگتا ہے۔ کام کی زیادتی یا چلنے پھرنے سے بے حد تکان اور کمزوری محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کے بعد ماہواری ایام میں کچھ ایسی گڑبڑ پڑتی ہے۔ جو بعض اوقات عورت کی صحت کا بالکل ہی خاتمہ کر ڈالتی ہے۔ پس ایسی حالت میں اس سفید بیماری (یعنی سیلان رحم) سے عورت کو غفلت ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔

سفید پانی کو روکنے کی ترکیب اگر کوئی عورت سیلان رحم کی مریض ہے اور اس کے خفیہ جسم سے سفید پانی یا رطوبت نکلتی رہتی ہے تو اس کو روکنے اور اس کا علاج کرنے کی سب سے آسان اور سب سے سستی ترکیب یہ ہے کہ وہ ایک شیشی دوا "**روک**" استعمال کرے۔ یہ دوا تقریباً بارہ سال سے تجربہ میں آ رہی ہے اور سیلان رحم کی بیماری کو تیسرے دن ختم کر دیتی ہے۔ ہزارہا عورتوں نے اس دوا کے ذریعہ اس بیماری سے نجات حاصل کی ہے۔ دوا شروع کرنے کے تیسرے دن ہی مریضہ بول اٹھتی ہے کہ دوا روک نے کتنی جلدی اُسے صحت کا یقین دلا دیا۔ کیونکہ استعمال شروع کرنے کے تیسرے روز سفید رطوبت کا خارج ہونا بند ہو جاتا ہے۔ اور پھر پوری شیشی ختم ہونے تک مرض کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ پس ان عورتوں کو سفید پانی کی بیماری ہو انہیں چاہیئے کہ اپنی جوانی کی حفاظت کریں اور **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۱۲۳ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر دوا روک کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا کر استعمال کریں۔ سفید رطوبت سے نجات مل جائے گی۔ ایک شیشی دوا روک کی قیمت صرف تین روپے ہے۔ اور سات آنے محصول پارسل لگتا ہے۔

عورت کا سینہ

بچوں کو زیادہ دودھ پلانے سے یا اور کسی بیماری یا بے احتیاطی سے بعض اوقات عورت کا سینہ (یعنی پستان) بہت نرم اور ڈھیلے پڑ کر نیچے کو ڈھلک جاتے ہیں۔ اور اس طرح عورت کی ظاہری جوانی ختم ہو جاتی ہے۔ عورت کے ظاہری حسن کے لئے اس کے سینہ کو بھی جوان ہونا ضروری ہے۔ اگر نرم اور نیچے کو ڈھلکے ہوئے پستان پر مشہور دوا "**بریسٹین**" کا استعمال کیا جائے۔ تو یہ ثمر شباب (یعنی پستان) پھر از سر نو گول اور سخت ہو جاتے ہیں۔ اور عورت پھر نوجوان لڑکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر گود میں بچہ ہو۔ اور وہ دودھ پیتا ہو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ دوا نقصان نہیں کرتی۔ اس زمانہ میں بھی دوا "بریسٹین" استعمال ہو سکتی ہے۔ پستان کو دوبارہ سخت اور گول کرنے کے لئے یہ دوا سالہا سال سے مشہور ہے۔

ایک شیشی کی قیمت چار روپے پندرہ آنے (محصول ڈاک سات آنے)

منگانے کا پتہ:۔ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۱۲۳ دہلی**

ماہواری ایام کی خرابیاں

عورت ذات کو ماہواری ایام کا باقاعدہ آنا بہت ضروری ہے۔ اگر کسی باعث ایام کم آتے ہوں یا درد اور تکلیف دے کر آتے ہوں یا بند ہو گئے ہوں۔ یا مہینہ میں دو بار۔ رک رک کر آتے ہوں یا ایام ماہواری کی اور کوئی خرابی ہو، دورے وغیرہ پڑتے ہوں تو یقین کیجیے کہ ماہواری ایام کو درست اور باقاعدہ اور ہر ماہ وقت مقررہ پر لانے کے لئے سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ مریضہ کو ایک شیشی دوا "**کورس**" استعمال کرا دی جائے۔ دوا کورس کا حیرت انگیز اثر دیکھ کر ہر شخص خوش ہو جاتا ہے۔ اس دوا کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ ماہواری ایام کو باقاعدہ کر دیتی ہے۔ اور پھر بغیر تکلیف کے ہر ماہ ایام ماہواری آتے ہیں۔ اور پھر ایام کے دنوں میں درد وغیرہ کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بڑی معرکہ کی دوا ہے اور سالہا سال سے ہندوستان میں شہرت حاصل کر رہی ہے۔ ایک شیشی "کورس" کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے اور سات آنے محصول پارسل پر لگتے ہیں۔ آج ہی **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۱۲۳ دہلی** کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی۔ پارسل منگا لیجیے۔

ایک خط گمنام خاتون کے نام

از جناب ایم۔ اے۔ خاں گورکھپوری

خاتون!

مست قلندر کے گذشتہ نمبر میں آپکا مضمون "مرد عورتوں کو کس طرح بیوقوف بناتے ہیں" مجھے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، شاید آپ کو مرد کی فطرت کا مطالعہ کرنے کا اچھی طرح موقع نہیں ملا، آپ کا یہ رائے قائم کرلینا کہ مرد عورت سے مطلب بننے کی بنا پر محبت کرتا ہے، شاید غلط ہو، ہوسکتا ہے کہ آپ کو کسی مرد سے محبت کرکے ناکامی ہوئی ہو اور آپ اس ماحول سے گھبرا کر پریشان ہوگئی ہوں۔

معاف کیجئے گا اگر میں یہ لکھوں کہ مرد کبھی عورت سے محبت ہی کی خاطر محبت کیا کرتا ہے، اگر کوئی مرد اپنے دلی جذبات سے مجبور ہو کر اپنی شریک حیات کے خط و خال کی صحیح تعریف کرتا ہے تو آپ کے طبقہ نے یہ خیال کرلیا کہ مرد اسے بیوقوف بنا رہا ہے مجھے بھی یہ اکثر دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے کہ زیادہ تر سنجیدگی اور کشیدگی کا باعث عورتیں ہی ہوا کرتی ہیں، کیونکہ اگر عورت اپنے مرد کو قابو میں رکھنا چاہتی ہے تو اسے یہ لازم ہے کہ اسکی جو عادت مرد کو ناپسند ہے اسے ترک کرنیکی کوشش کرے، کیونکہ کوئی مرد یہ ہرگز برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا کہ اسکی شریک حیات اس کیلئے سوہان روح بن جائے"۔

مستقل مزاج مرد کبھی مصیبت سے نہیں گھبراتا، مرد کو فطرت نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ دنیا کے شدید ترین مصائب و حوادث کا تن تنہا مقابلہ کرے، مصیبتوں اور پریشانیوں سے پاگل نہیں ہوتا بلکہ اُن سے لڑنے کے لئے سینہ سپر رہتا ہے، چونکہ فطرت نے طبقہ نسواں کو روز ازل سے ہی کمزور اور ناقص العقل بنایا ہے اسی بنا پر (معاف فرمائیے گا) آپنے یہ فتویٰ صادر کردیا۔ کہ مرد مصیبتوں اور پریشانیوں میں پاگل ہوجاتا ہے۔ خاتون! کاش آپ انصاف سے کام لیتیں

خاتون معاف فرمائیے گا۔ شاید آپ کے نزدیک محبت کا مفہوم دوسرا ہو۔ اگر واقعی عورت اور مرد ایک دوسرے سے پاک محبت کرتے ہیں تو محبت میں جوانی اور بڑھاپا چہ معنی دارد؟

بیوفائی کا سہرا آپ کے ہی طبقہ کے سر چڑھ کر پھلا پھولا اور پروان چڑھا۔ محبت میں من و تو کا سوال باقی نہیں رہتا یا یوں سمجھ لیجئے کہ ایک کی روح دوسرے کی روح کی مالک ہوتی ہے پھر یہ کیا مذاق کہ آپ فرماتی ہیں "مرد صرف عورت کے جسم کا مالک ہوتا ہے"۔

محترم خاتون! بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ مرد سے بات بات پر جنگ چھڑ جاتی ہے اور پھر مہینوں اور برسوں صلح کی نوبت نہیں آتی جس سے عورت مرد کے لئے رحمت کی بجائے زحمت بن جاتی ہے۔ تو پھر آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ مرد کو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟

محترم خاتون! آپ میری اس بیباکی پر جو بھی رائے قائم کریں مگر حقیقت کو چھپانے میں ذرا گھبراہٹ سی معلوم ہوتی ہے۔ عورتیں مردوں کو فریب دینے میں ایک مہذب اور مشاق ٹھگ کا کام کرتی ہیں۔ عورتوں کی فریبکاریوں سے دنیا مالامال ہے۔ عورت نے جدھر مرد کا شانہ پکڑ کر گھما دیا بیچارا گھوم جاتا ہے۔ پھر بھی آپ کے معزز طبقہ سے یہ حکم صادر ہوتا ہے کہ مرد عورتوں کو بیوقوف بناتے ہیں۔ آپ بھلا انصاف تو کیجئے یہ ظلم مردوں پر کہاں تک روا ہے؟

گمنام خاتون! آپ مجھے کچھ بھی خیال کریں۔ لیکن اتنا لکھنے کی میں جرأت کروں گا کہ آپ نے مردوں کی فطرت کو صحیح طور سے نہیں سمجھا کاش! آپ ٹھنڈے دل سے انصاف اور دوربینی کی عینک لگا کر مرد کو دیکھتیں۔ جو عورت اور صرف عورت کی محبت میں گرفتار رہکر عورت کا ہی ہوجاتا ہے۔ اگر مرد نے تم کو فریب دیا ہے تو خاتون یقین جانو کہ ابتدا ضرور تمہاری جانب سے ہوئی ہوگی۔ کیونکہ مرد کو فریب دینا فطرت نے سکھایا ہی نہیں۔

خاتون! اب میں اپنا خط ختم کرتے ہوئے یہ پھر کہوں گا کہ اگر آپ اس معاملہ میں زیادہ نہ اُلجھیں تو بہتر ہوگا کیونکہ دنیا والوں نے اس گتھی کو سلجھانے کی بہت کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔ یہ ام کہانی روز ازل سے چلی آرہی ہے اور رہتی دنیا تک رہے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے جذبات مجروح ہوں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آئندہ آپ اس قسم کے زہر آلودہ خیالات سے پرہیز کریں گی۔

خاتون! عورت اور مرد کا ساتھ ایسا ساتھ ہے جیسا کہ دو قالبوں میں ایک جان ہو۔

آپ کا نام معلوم کرنیکا

"اُمیدوار"

ناظرین کرام خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ منیجر۔

"حبِ کالی کھانسی" - رب السوس ۶ ماشہ، ننکر تیغال ۳ ماشہ، کاکڑا سینگی ۳ ماشہ، تخم خشخاش سفید ۶ ماشہ، تخم خشخاس سیاہ ۶ ماشہ، گوند ببول ۲ ماشہ، گوند کتیرا ایک ماشہ، مویز منقٰی بریان ۴ عدد۔

ترکیب - تمام ادویہ کو اچھی طرح باریک پیس کر لعاب آب کو کنار میں حل کر کے چنے کے برابر گولیاں بنالیں ایک گولی روزانہ شربت بنفشہ ۶ ماشہ میں حل کر کے چٹائیں۔ انشاء اللہ بحد مفید ثابت ہوگا۔

"حبِ آتشک" - فلفل سیاہ ۴ عدد، رسکپور ۲ ماشہ، قرنفل ۲ عدد، ہنگلہ بایں عدد میں کھرل کر لیں پھر چنے کے برابر گولیاں بنائیں روزانہ ایک گولی منقہ میں رکھ کر صبح کو دودھ سے کھلائیں، غذا میں دودھ چاول استعمال ہونا چاہئے، مرچ ترشی تیل وغیرہ سے قطعی پرہیز کرنا چاہئے، مجرب ہے۔

"سفوف جریان" - گوند ڈھاک ایک تولہ، گوند ببول ایک تولہ، گوند سینبھل ایک تولہ۔ گوند کتیرا ایک تولہ۔ ساذج ہندی ۹ ماشہ۔ الائچی خورد ۹ ماشہ۔ عقرقرحا ۹ ماشہ۔ موصلی سفید ۹ ماشہ۔ سمندر جھاگ ۹ ماشہ۔ تخم ریحاں ۶ ماشہ کمرکس ۶ ماشہ۔ تخم اوٹنگن ۶ ماشہ۔

ترکیب - کوٹ چھان کر سفوف بنالیں اور سفوف کے ہم وزن مصری ملالیں اور ایک تولہ روزانہ پاؤ سیر دودھ کے ساتھ کھائیں۔

سرعت، جریان، ہر قسم کا پندرہ بیس روز کے استعمال سے جاتا رہیگا، ضعف باہ کے لئے بھی مفید ہے۔ دوران استعمال میں ترشی تیز مرچ اور مجامعت سے پرہیز کریں۔

نسخہ مجرب برائے خارش - گندھک آملہ سار، بابچی دانہ، مردار سنگ، ہلدی کتھہ سفید، سنگ جراحت ہر ایک چھ ماشہ۔ نیلا تھوتھا ۳ ماشہ سب کو باریک پیس کر سفوف بنائیں اور اس میں سے بقدر ضرورت لیکر روغن تلخ میں کھرل کر کے رات کو جائے خارش پر ملیں صبح کو آب گرم سے غسل کریں خشک تر ہر قسم کی خارش سے زیادہ سے زیادہ تین روز میں صحت ہو جائے گی۔

حبِ مقوی اعظم - سم الفار سفید ایک ماشہ، شنگرف رومی ایک ماشہ، افیون خالص ۶ ماشہ۔ تینوں چیزوں کو کھرل میں ڈال کر زردی بیضہ مرغ ایک عدد شامل کر کے حل کریں، اسی طرح اکیس روز تک ایک ایک انڈے کی زردی ڈال کر حل کرتے رہیں پھر چنے کے برابر گولیاں بنا کر رکھ لیں اور روزانہ ایک گولی دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ یہ گولیاں نہایت مقوی باہ اور ممسک ہیں۔

لعوق کھانسی - زنجبیل، پیپلا مول، فلفل دراز، برگ بانسہ، بلیلہ، سب ہم وزن کوٹ چھان کر ہمراہ شہد یا شربت زوفا چٹنی بنائیں بوقت ضرورت چٹائیں، اگر کھانسی شدید ہو تو بار بار چٹائیں ورنہ ایک ہی دو دفعہ سے آرام ہو جائے گا۔

بچھو کے کاٹے کا علاج - بچھو کے کاٹے سے جسقدر سخت تکلیف اور کرب بے چینی ہوتی ہے خدا کی پناہ۔ اس کے دفعیہ اور فوری سکون کے لئے کہ مریض روتا پیٹتا ہوا آئے اور خوش وخرم واپس جائے۔ تمام کرب بے چینی آہ و بکا بھول جائے، دوا کا اثر معجزنما ہو، تدبیر یہ کریں کہ روشن دان جیسی سے روئی کا پھایا بھر کر تمام جسم پر لگائیں، فوری سکون پیدا کرے گا، مجرب المجرب عمل ہے۔

لقوہ کا نہایت مجرب نسخہ - چھلکا ریٹھہ ۲ تولہ۔ قند سیاہ ۲ تولہ۔ چھلکا ریٹھہ خوب کوٹ کر قند سیاہ کے ساتھ ملاکر دوبارہ اچھی طرح کوٹ لیں جب گولی بننے کے قابل ہو جائے تو چنے کے برابر گولیاں بنالیں ایک گولی صبح ایک گولی شام کھانے کے بعد پانی کے ساتھ استعمال کریں۔

ورم اور چوٹ کا علاج - تارپین کا تیل آدھ سیر لے کر اس میں دو تولہ انبہ ہلدی اور ۶ ماشہ افیون خالص خوب حل کریں، اور نیم گرم کر کے مالش کیا کریں۔ ہر قسم کے ورم درد اور چوٹ کو فوراً آرام ہوگا۔

(بقیہ صـ ۶۹ **ترغیب**) کملیش کے لبوں میں اپنے ہونٹ پیوست کر دیئے ——— وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا۔ ایک مخمور انگڑائی لیکر کملیش بولی "مجھے نیند آرہی ہے۔ اب سو جانا چاہئے ——— جاؤں؟" "کملیش!" سریندر نے والہانہ انداز سے کہا اور اس کو اپنی پوری قوت سے آغوش میں بھینچ لیا۔ آنکھیں چار ہو گئیں اور کملیش کے رنگین لبوں پر ایک شرگیں تبسم مچلنے لگا ——— (خاص)

جرمنی میں کشیدہ کاری کی مشین تیار ہوگئی

اب آپ کی بہو بیٹیوں کو ہنر سیکھنے کا موقع ہے۔ جرمنی میں ایک مشین تیار ہوئی ہے جس کے ذریعہ کشیدہ کاری کا کام بہت آسان ہو گیا ہے جو کام کشیدہ کاری کا ہاتھ سے دو گھنٹے میں ہوتا ہے وہ اس مشین کے ذریعہ صرف پانچ منٹ میں تیار ہو جاتا ہے۔ ہر قسم کے کپڑوں پر تکیہ کے غلاف میز پوش۔ پلنگ کی چادریں۔ غرضیکہ جس چیز پر کشیدہ کاری کی ضرورت ہو اس مشین کے ذریعہ دیکھتے دیکھتے ہو جاتی ہے۔ ہر لڑکی بہت آسانی کے ساتھ اس مشین سے کام کر سکتی ہے۔ بہت آسان ترکیب ہے۔ کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ترکیب استعمال کا مکمل فارم مشین کے ساتھ ہوتا ہے۔ بس وہی استاد ہے۔ ہر شریف گھرانے کی بہو بیٹیوں کو اس کارآمد مشین کی ضرورت ہے۔ لہذا آپ کو چاہیئے کہ **منیجر کامیاب بکڈپو۔ پی۔ بی بکس ۲۴۳ دہلی** کو خط لکھ کر یہ مشین بذریعہ وی۔ پی پارسل منگائیں۔ ایک مکمل مشین کی قیمت صرف **تین روپے** ہے محصول پر سات آنے خرچ ہوں گے۔ آپ کی بچیاں یہ مشین اور اس کا کام دیکھ کر باغ باغ ہو جائیں گی۔ واضح رہے کہ یہ مشین جرمنی کی بنی ہوئی ہے۔ دیسی نہیں ہے۔ آج کل کے بعض تاجر دیسی مشین فروخت کر کے پبلک کو الجھن میں ڈال رہے ہیں۔ لہذا دیسی مشین ہرگز نہ خریدیئے کیونکہ وہ جرمنی مشین کی طرح کارآمد نہیں ہے۔ آپ صرف جرمنی مشین طلب کیجئے۔ اور اس کے لئے کامیاب بکڈپو کا مندرجہ بالا پتہ یاد رکھئے۔

سوزاک کا شرطیہ علاج

پرانا سوزاک ہو یا نیا۔ اور خواہ کتنی ہی تکلیف بڑھ گئی ہو اگر ایک شیشی کلوزول اس بیماری کو دور نہ کر دے تو ہر حال میں قیمت واپس۔ یہ وہ دعوے ہے جو علی الاعلان سالہا سال سے منظر عام پر ہے۔ کلوزول دوا نے سینکڑوں مریضان سوزاک کو تندرست کر دیا ہے۔ ہر ولایتی دوا کے مقابلہ پر کلوزول اول نمبر رہی۔ اور نوے فی صدی سوزاک کے مریضوں کو مکمل تندرست کر کے دکھا دیا۔ خود سینکڑوں ڈاکٹر معترف ہیں کہ کلوزول سے بہتر سوزاک کا دوسرا کوئی علاج نہیں۔ ایک ہفتہ کے بعد مریض خود بخود اس دوا کا معتقد ہو جاتا ہے کیونکہ کلوزول کی ایک ایک خوراک اپنا اثر ثابت کرتی چلی جاتی ہے اور پوری شیشی استعمال کر چکنے کے بعد مریض مکمل تندرست ہوتا ہے اگر اس دوا کی کسی بھائی کو ضرورت ہو تو **جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۲۴۳ دہلی** کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالی جائے۔ ایک شیشی کلوزول کی قیمت دو روپے نو آنے (محصول علاوہ)

پیشاب کے بعد سفید قطرہ

اگر کسی مرد کو پیشاب کرنے کے بعد یا پیشاب سے پہلے یا بیوی کے قریب جانے سے پیشتر ہی سفید قطرہ آجائے (یعنی مادہ خارج ہو جائے) تو اسے جریان کی بیماری کہتے ہیں جریان بڑا موذی اور دردناک مرض ہے اسکا فوراً علاج ضروری ہے۔

علاج ہندوستان کے لاتعداد ڈاکٹروں کا فیصلہ ہے کہ جریان کا مرض دور کرنے کے لئے دوا "**جوہر اعظم**" سے بہتر اور کوئی علاج نہیں۔ اس دوا کے استعمال کے بعد یہ مرض بالکل جاتا رہتا ہے۔ اگر رات کو سوتے میں احتلام (یعنی خواب) ہو جاتا ہے۔ یا پیشاب کے پہلے یا بعد میں سفید رطوبت خارج ہوتی ہے یا سرعت کی شکایت ہے تو اس سے غفلت ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ ایک خط **جنرل منیجر زنانہ دواخانہ پی بکس ۲۴۳ دہلی** کے پتہ پر لکھ کر جوہر اعظم دوا کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی منگا کر استعمال کیجئے۔ جریان کا مرض ایسا جاتا رہیگا۔ جیسے تھا ہی نہیں۔ ایک شیشی جوہر اعظم کی قیمت صرف تین روپے آٹھ آنے۔ (محصول پارسل اندرون ہند معاف) ممالک غیر کے منگانے والوں سے محصول علیحدہ لیا جائیگا کیونکہ وہاں زیادہ محصول لگتا ہے۔

(زنانہ دواخانہ کی تمام دوائیں تیاری (۔ ۲ ۔) کے وقت ہاتھ سے نہیں چھوئی جاتیں۔)

مست قلندر کے اقوال!

موتیوں اور جواہرات سے زیادہ قیمتی مضمون

اگر تم زندگی کو کامیاب بنانا چاہتے ہو۔ تو ایسے لوگوں سے دور رہو جنہیں وقت کا خیال نہیں۔ نیز اپنا اصول بنالو کہ جو کام تمہیں کرنا ہے۔ وہ وقت پر بلکہ اسے وقت سے پہلے کرو۔

امریکہ کے مشہور پریذیڈنٹ واشنگٹن نے ایک دفعہ اپنے سیکرٹری کو خاص وقت پر آنیکا حکم دیا۔ لیکن سیکرٹری دیر کرکے پہنچا۔ اور کہنے لگا "جناب میری گھڑی ٹھیک نہیں تھی"۔ واشنگٹن نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔ "دیکھئے سیکرٹری صاحب یا تو آپ اپنی گھڑی بدل دیجئے۔ ورنہ مجھے اپنا سیکرٹری بدلنا پڑے گا"!

اسی طرح ایک بار جارج سوئم کا سیکرٹری مقررہ وقت سے دیر سے پہنچا اور بادشاہ سے کہا "حضور نہ آنے سے تو دیر سے آنا بہتر ہے"۔ بادشاہ نے ترش رو ہو کر کہا۔ نہیں یہ بات نہیں اور دیر میں آنیسے تو نہ آنا بہتر ہے

~~~

ایک مرتبہ ایک بزرگ بیمار ہوئے مرض بہت سخت تھا۔ تکلیف بہت زیادہ تھی۔ ایک شخص جو عیادت کو آئے تھے کہنے لگے شہر میں ایک شخص ہے جسکے پاس آپکے مرض کی مجرب دوا ہے منٹوں میں افاقہ ہو جاتا ہے مگر وہ شخص ذرا ترش رو اور بدمزاج ہے اگر خوش رہا تو دو باتیں بھی کرلیتا ہے اور دوا بھی دیدیتا ہے۔ ورنہ سائل کو اس بری طرح سے ڈانٹتا ہے۔ کہ توبہ ہی بھلی۔

یہ سن کر بزرگ نے فرمایا۔ میاں ایسے بدخلق اور بدمزاج شخص سے دوا لیکر استعمال کرنے سے تو بہتر ہے۔ کہ بغیر علاج کئے مر جائے۔ ایسے بدمزاج آدمی کا کسی حال میں احسان مند ہونا اچھا نہیں۔

~~~

اگر تم عروج و ترقی کے بام پر بلند اور قصر رفیع پر پہنچنا چاہتے ہو تو تمہیں ان پانچ زینوں کو طے کرنا ضروری ہے تعین مقصد، عزم بالجزم، صحیح اصول کار، صبر و استقلال اپنے اوپر اپنے مقصد پر اپنی کوششوں پر اور اپنی کامیابی پر کامل اعتماد اور یقین رکھو۔ اگر تمہیں حصول مقصد کی راہ میں دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے۔ تو ہراساں اور بزدل نہ ہو۔ بلکہ مشکلات و شدائد کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ اگر تم ایسا کروگے تو تمہارے اندر حصول مقصد کا ظفرمندانہ جذبہ پیدا ہو جائیگا اور تم اپنے اندر مزید شدت قوت کیساتھ آگے بڑھنے کی طاقت محسوس کرنے لگوگے راستے کی ہموار

کامیابی سے بھی خوش اور بشاش ہونا سیکھو کیونکہ آغاز کی چھوٹی چھوٹی کامیابیاں تمہارے لئے بڑی بڑی کامیابیوں کی راہیں کھول دیں گی۔ تمہارا سینہ تنا ہوا ہونا چاہیئے۔ اور پیشانی اونچی، دماغ رواں اور جولان ہونا چاہیئے تخیل آزاد اور بلند، تمہارا کام جتنا اہم اور مقصد جتنا بلند ہوگا، ابتدا میں کام کی رفتار اتنی ہی سست ہوگی اسلئے خندہ پیشانی کیساتھ مشکلات کے مقابلہ کیلئے تیار رہو۔ اگر تم ایسا کروگے تو دیکھو گے کہ مشکلیں کسطرح آسانیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

~~~

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو تو اپنی کامیابی پر اپنے اندر یقین پیدا کرنیکی کوشش کرو، اور دماغ کو یہ سوچنا سکھاؤ کہ تمہاری کامیابی یقینی ہے اور اس کام میں اپنے کسی دوست کی امداد حاصل کرو اگر تم کسی ایسے شخص کو جو تم سے محبت اور ہمدردی رکھتا ہے اور تم پر اعتبار کرتا ہے اس بات پر آمادہ کرلو کہ وہ تمہاری آئندہ کامیابی کا کامیابی سے پہلے ہی اعلان کردے اور تمہاری حوصلہ افزائی کرے تو سمجھ لو کہ منزل مقصود کی نصف مسافت طے ہوگئی۔

ایسے خوش نصیب اور بلند بخت افراد کے سوانح حیات کا مطالعہ کرو۔ جو تمہاری طرح تخیل پرست رہے ہوں۔ اور جو اپنے خیالات کی امداد سے حصول مقاصد میں بامراد اور کامیاب ہوئے ہوں۔ ایسے افراد کے واقعات و احوال کا مطالعہ تمہارے اندر جوش و ولولہ پیدا کرے گا۔ اور جس طرح انہوں مختلف قسم کے مشکلات و شدائد کا مردانہ وار مقابلہ کرکے اپنا راستہ صاف کیا۔ اسی طرح تم بھی مشکلات پر عبور کرکے آگے بڑھنے کے قابل بن جاؤ گے۔

~~~

انسان کا جسم بالکل مشین کی مانند ہے اس میں بہت سے انجن اور پرزے لگے ہوئے ہیں۔ اور جب تک انجن کے تمام پرزے اور مشین کے تمام اجزا مکمل اور درست حالت میں نہ ہوں اس وقت تک تو ہم اس سے کوئی قوت ہی حاصل کرسکتے ہیں۔ اور نہ عملی طور پر کوئی کامیابی حاصل ہوسکتی ہے بالکل یہی حال انسانی کل کا ہے۔ ایک مشین چلانے کے لئے اچھے پرزوں کی ضرورت ہے ان پرزوں کو چلانے کے لئے سب سے پہلے طاقت کی ضرورت ہے خواہ وہ بجلی کی صورت میں یا انسانی عمل کی صورت میں ہو یا کسی اور طریقہ سے طاقت پیدا کی جائے اس طاقت کو برقرار رکھنے کی تدبیر بھی ساتھ ہی ساتھ کارفرما ہو، پرزوں

کی خرابی کو دور کرنے اور اُن کے گھسنے یا خراب و خستہ ہونے کی حالت میں فوراً نئے پرزوں کا لگانا یا پرزوں میں نئی جان اور نئی طاقت کا پیدا کرنا یہ بھی مشین کا لازمی جزو ہے۔ اگر یہی مثال لی جائے۔ تو انسانی جسم کا ایندھن ہماری غذا ہے۔ اور اگر غذا کا اچھا اور پورا اہتمام نہ کیا جائے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہمارے اعضا جلد خستہ ہو جائیں گے۔ اور انسان کی مشین زیادہ عرصہ تک کام نہیں دے سکے گی۔

اگر ہم اچھی چیزیں غلط طریقہ اور غلط مقدار میں کھائیں۔ تب بھی ہمارے جسم کے بعض اعضا ان سے فائدہ نہیں اُٹھائیں گے، اور ان کو قوت حرارت نہ ملنے کے باعث جسم میں ایک عام خرابی پیدا ہو جائے گی، قوتِ حیات رفتہ رفتہ کم ہونے لگے گی، اور آپ قبل از وقت بوڑھے ہو جائیں گے۔ یا کسی فوری مرض کا شکار ہو جائیں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح زیادہ تیل یا زیادہ طاقت دینے سے مشینری خراب ہو جاتی ہے۔

ہمارا جسم قدرت کی عجوبہ کاریوں کا ایک طلسم خانہ ہے، خون ہی کو لیجئے ہمارے جسم میں ۴-۵ سیر سے زیادہ خون نہیں ہوتا۔ تاہم اسی پر آپ کی زندگی کا دارومدار ہے۔ آپ کا قلب روزانہ آپ کے جسم میں خون کو پمپ کر کے تمام اعضا میں پہنچاتا ہے۔ ڈاکٹروں کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے۔ کہ خون کو روزانہ ایک میل لمبا سفر جسم کے اندر کرنا پڑتا ہے، خون میں بیشمار باریک ذرے ہمیشہ تیرتے رہتے ہیں، خون کے ہر قطرہ میں کم سے کم ۵۰ لاکھ سُرخ اور ۳۰ ہزار سفید ذرات موجود ہوتے ہیں۔ یہ ذرے، اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر ۳ ہزار ذرے ایک دوسرے سے ملا کر رکھ دیئے جائیں۔ تو ان کی لمبائی صرف ایک انچ ہو گی، انہیں ذروں کی امداد سے خون آکسیجن کو جذب کرتا ہے۔ آپ کو یہ سنکر تعجب ہو گا کہ ان ذروں میں فولادی جزو بھی کافی مقدار میں موجود ہوتا ہے۔ اور فولادی جزو کی شمولیت کی وجہ سے ہی ہمارا خون سُرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ اور جب ہمیں غصہ آتا ہے۔ تو ہمارا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے

ہمارے جسم کی رگوں کا جال بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے، اگر ان رگوں کو رسی کی طرح ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلائیں تو بحر اٹلانٹک کو عبور کر سکتے ہیں۔

اگر تو معبودِ حقیقی کی پرستش نہیں کرنا چاہتا۔ تو اس کی بنائی ہوئی چیزوں کو بھی استعمال نہ کر، اگر تو اپنی قسمت پر نہیں رضامند ہو سکتا۔ تو کوئی اور خدا تلاش کر، اگر تو گناہ پر آمادہ ہے۔ تو کوئی ایسا مقام تلاش کر جہاں خدا نہ ہو۔ جب سب کچھ دہی ہے۔ تو ہم بھی وہی ہیں۔ جو اس کی مرضی سے بنے۔ پس ہمیں وہ صفات اختیار کرنی چاہئیں جن سے وہ خوش ہو۔ زہد و عبادت کا پہلا مقصد دل کی پاکی ہے۔ اگر دعا کا سرچشمہ دل ہو یعنی اگر تو دعا اخلاص سے مانگی جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اکثر و بیشتر معقول آرزوئیں اور تمنائیں بر نہ آئیں۔ دعا اور عبادت کے دوران میں انسان کو اپنی کمزوریوں کا حقیقی احساس ہوتا ہے۔ احساس دعوتِ عمل ہے۔ اور عمل وہ خضرِ راہ ہے۔ جو عامل کو منزلِ مقصود سے ہر دم روشناس کر دیتا ہے، بہتر ہے۔ کہ دنیا تجھ کو گنہگار جانے، بہ نسبت اس کے کہ تو خدا کے نزدیک ریاکار ہو۔ خدا کی راہ میں مرنا ابدی زندگی ہے۔

رسالہ مست قلندر میں اشتہار دیکر نفع اُٹھایئے

سات دن میں نئی جوانی — ایک عجیب علاج

ایک محقق کا کمال جس نے ہزارہا نامردوں کو جواں مرد بنایا

جوان بنانے کے کتنے ہی اشتہار شائع ہو رہے ہیں۔ جن کی گنتی مشکل ہے۔ مشاہدات نے ثابت کیا ہے۔ کہ کوئی دوا یا علاج اس مقصد کے لئے کامیاب نہیں ہو سکا۔ محققین مدت سے اس تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔ کہ آخر نامردی کے علاج میں کونسا طریقہ مفید اور کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور ہم کیونکر اس کے علاج میں فتح یابی حاصل کر سکتے ہیں چنانچہ چند سال کی لگاتار اور لا انتہا کوششوں اور تجارب کے بعد "ری جووین" ایک ایسا نایاب علاج دریافت کر لیا گیا۔ جو حقیقت میں نامرد کو مرد بنا دیتا ہے۔ گیا گزرا مرد عیش بری باتوں میں مبتلا رہ کر اپنے جوہر حیات کو برباد کر چکا ہو۔ سیدھے سات دن میں تعجب انگیز طریقہ پر مکمل مردمی حاصل کر لیتا ہے۔ اگر اسکی قوت بہ شرمندگی ہوتی ہو جوانی میں بڑھاپے کے آثار نظر آنے لگے ہوں غرضیکہ جوہر حیات کو برباد کرنے کے بعد جو بری علامات ظاہری و اندرونی پیدا ہو گئی ہوں ان سب کو دور کر دیتا ہے۔ اس علاج کا کمال یہ ہے۔ کہ مریض آدھ گھنٹہ میں دوا کا اثر محسوس کرنے لگتا ہے۔ مگر شرط یہی ہے۔ کہ کامل سات دن تک پرہیز کرنا ہو گا اور صبر سے کام لینا پڑیگا۔ اگر بے صبری سے کام لیا۔ تو اصول علاج میں خرابی آ جائے گی۔ اس لئے اس کورس کو صرف وہی حضرات منگوائیں جو سات دن تک ضبط سے کام لینے کا اقرار کریں:-

آپ مرد بننا چاہتے ہیں تو میدان میں آیئے۔ اور "ری جووین" کا کرشمہ دیکھئے۔ نہیں بتایا جا سکتا۔ کہ طاقت کا کیا حال ہو گا۔ آپ خود ہی دیکھ لیں گے۔ کہ "ری جووین" یقیناً جادو کی طرح اثر کرتا ہے۔ تیر کی طرح لگتا ہے۔ اور ساری شرمندگی اور ندامت جو بوقت خاص اٹھانی پڑتی تھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور حیرت ہونے لگتی ہے کہ ہم کیا تھے۔ اور کیا بن گئے۔ تجربہ کر لیجئے۔ سچائی کو آزمائیے۔ آپ کی کمزوری طاقت میں تبدیل ہو کر آپ کو مجبور کر دے گی۔ کہ شادی کی اور کھائے۔ سر خوراک جسم میں خون ہی خون بنائے گی۔ مردہ اعصاب کو جگائے گی۔ بس ان ہی دنوں میں صبر سے کام لیا جائے گا۔ اعضا تناسل کی جملہ خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ اس علاج کے موجد نے دو دواؤں کا کورس تیار کیا ہے۔ ایک کھانے کی دوا "ویلیٹن" اور دوسری لگانے کی دوا "فاسفورس آئل" ہے۔ اس کورس میں دونوں دوائیں پوری مقدار میں ہوتی ہیں۔ جو ایک مریض کے لئے بالکل کافی ہوتی ہیں۔ یہ طاقت مردمی اور دوبارہ جوانی کا طلسمی بکس کہلاتا ہے۔ خدا کی ذات پر یقین کیجئے جس نے اس کورس کے محقق کو معلومات اور تجربات کی دنیا میں خدمت خلق کے لئے وقف کر دیا ہے۔ آزمایئے اور حیرت کیجئے "ری جووین" اس صدی کا کمزوری کا انمول علاج ہے۔ ہر عمر اور ہر مزاج کا انسان اس سے ہر موسم میں فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

مکمل کورس قیمت پانچ روپے (صہ ر) ڈاک کے محصول پر سات آنے خرچ ہوں گے۔ (اگر فائدہ نہ ہو تو قیمت واپس یا دوبارہ دوا مفت اور مشورہ مفت (جھوٹ بولنا حرام ہے)

ملنے کا پتہ

سعید برادرس اینڈ کو کلاں محل نمبر ۲۰ دہلی

مست قلندر لاہور
آپ بیتی نمبر
اگست ۱۹۳۹ء
نہ مرے نہ مرنے دے
ملٹری رسٹ واچ کا عجیب کرشمہ
ہندوستان میں پہلی بار یہ گھڑی آئی ہے۔ دس فٹ کی اونچائی سے پھینک دیجئے۔ بند ہو جائے تو قیمت واپس کی گارنٹی۔ وقت کی بہت سچی۔ پرزے ضرورت سے زیادہ مضبوط اور قیمت ان تمام خوبیوں کے باوجود انتہائی تعجب خیز یعنی صرف گیارہ روپے آٹھ آنے۔ فیکٹری نے ہندوستانی پروپیگنڈہ کیلئے بارہ ہزار گھڑیاں ہندوستان کو دی ہیں۔ اور ہدایت کی ہے کہ ان کو نصف قیمت میں فروخت کیا جائے۔ تاکہ عوام میں اس فیکٹری کے عجیب و غریب مال کا تجربہ ہو جائے۔ اور لوگ معلوم کر سکیں کہ کم قیمت میں بھی کمپنیاں اعلیٰ درجہ کی گھڑیاں سپلائی کر سکتی ہیں۔ لہذا عام اعلان کیا جاتا ہے کہ جن حضرات کو اس مضبوط اور سچی وقت کی گھڑی کی ضرورت ہو۔ وہ ہم سے نصف قیمت یعنی صرف پانچ روپے بارہ آنے میں منگا سکتے ہیں۔
بارہ ہزار کی تعداد پوری ہو چکنے کے بعد اصل قیمت ہو جائے گی۔ آج ہی پتہ ذیل پر خط لکھ کر یہ ملٹری گھڑی بذریعہ وی۔ پی پارسل طلب کر لیجئے۔ سات آنے محصول ڈاک علاوہ
ملنے کا پتہ
بی کے برادرس اینڈ کو ۲۲ فولاد خان اسٹریٹ دہلی
امریکن چھ فیر والا ریوالور
لائسنس کی ضرورت نہیں
چرخی جس میں پانچ کارتوس رکھے جاتے ہیں
خوفناک لمبی نال
بہت خوفناک
لبلبی
نئی سنہ ۱۹۳۹ء کی ایجاد
STEVENS CO. CROMWDL CONN. USA
اس ریوالور کی خوبیاں بیان کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہے۔ مگر پھر بھی آپ کو یہ بتا دیتے ہیں کہ یہ پستول امریکہ سے ابھی حال میں ہی تیار ہو کر آئے ہیں جن میں خوبی یہ رکھی گئی ہے کہ اصلی پستول کی طرح اس میں کارتوس رکھنے کی چرخی بنی ہوئی ہے۔ اور اس کے اندر
کارتوس آ جاتے ہیں۔ گھوڑا دبانے سے چرخی خود بخود گھومتی ہے۔ اور کارتوس کی اس زور سے چھوٹنے کی آواز آتی ہے کہ خود چھوڑنے والا بھی حیران رہ جاتا ہے۔ اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے اس پستول سے بہتر اس وقت کوئی ریوالور نہیں ہے۔ انسان دور سے دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔
ایجنٹ بی کے برادرس اینڈ کو فولاد خاں اسٹریٹ ۲۲ دہلی

جملہ حقوق محفوظ

مستی و قلندری

ہم تو سمجھتے تھے کہ یوگوسلاویہ ہی میں بیویوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ دنیا میں اور بھی ایسے مقامات ہیں۔ جہاں کے بازار سے آپ حسب خواہ بیوی مول لے سکتے ہیں، چنانچہ جنوبی سرویا میں ایک منڈی ہے، جہاں ہر قسم کی بیویاں اسی طرح فروخت ہوتی ہیں جس طرح آپ کے بازار میں عام ضرورت کی اشیا بکتی ہیں، پہلے تو ان کی قیمت کچھ زیادہ تھی، مگر جب سے دنیا کی مالی حالت خراب ہوئی ہے وہ بہت سستے داموں مل جاتی ہیں۔ چنانچہ آپ آسانی سے ساٹھ پچاس ساٹھ پونڈ میں ایک نئی نویلی خوبصورت دلہن اپنے لئے خرید سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر آپ اپنی پرانی بیوی کا نئی بیوی سے تبادلہ کرنا چاہیں تو پرانی بیوی کیساتھ پچیس تیس پونڈ نقد دیدیں اور ایک دوسری نئی کنواری بیوی خرید لیں

ابھی تک آپ فوٹو کے ذریعہ شادی کی نسبت ہی ہونے پر ہنسا کرتے تھے۔ اب فوٹو سے شادی بھی ہونے لگی ہے۔ اس کے متعلق ہندوستان ہی کے ایک سرمایہ دار صاحب کا واقعہ سن لیجئے:۔

لودھیانہ کے ایک سرمایہ دار صاحب کے صاحبزادے ان دنوں ولایت میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے والد بزرگوار نے انہیں لکھا کہ "بیٹا تمہاری شادی کا دن مقرر ہو چکا ہے، اس لئے فوراً گھر چلے آؤ"

مگر صاحبزادے صاحب مغرب کی رنگینیوں میں اسقدر منہمک تھے کہ انہوں نے باپ کو لکھ دیا "مجھے فی الحال فرصت نہیں ہے البتہ اپنا فوٹو بھیج رہا ہوں میری ہونے والی بیوی کی اس کے ساتھ شادی کر دی جائے اور شادی کے فوراً بعد بیوی کو میرے پاس روانہ کر دیا جائے"۔ چنانچہ صاحبزادے صاحب کی ہدایت کے مطابق لڑکی کی شادی فوٹو کے ساتھ کر دی گئی:۔

آپ نے مردوں سے ترک تعلق کرنیوالی عورتوں کی انجمن کا تذکرہ ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ آج مردوں کی ایک ایسی ہی انجمن کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ انجمن فلاڈلفیا میں قائم ہوئی ہے، جس میں ابتک کئی ہزار مرد داخل ہو چکے ہیں، اس کے ہر ممبر کو عہد کرنا پڑتا ہے کہ وہ مرتے دم تک نہ کسی عورت سے گفتگو کریگا۔ نہ کسی عورت کو ہاتھ لگائیگا، نہ کسی عورت سے معاشرتی یا تجارتی تعلقات پیدا کریگا۔ انتہا یہ ہے کہ اس انجمن کے ارکان کو ماں بہن سے بھی تعلق رکھنے کی اجازت نہیں

اس انجمن کی رائے ہے کہ دنیا کے تمام فتنوں اور فسادات اور معصیت و گناہ کا باعث عورت ہے۔ جو شخص انجمن کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ ممبری سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ ہمیں یہ تو نہیں معلوم کہ مردوں سے ترک تعلق کرنیوالی عورتوں کی انجمن کا کیا حشر ہوا۔ لیکن جو حشر ہوا ہوگا، اسے ہم سمجھتے ضرور ہیں۔ اور اسی طرح ان مردوں کی مردانگی کا جو انجام ہوگا۔ اسکے سمجھنے سے بھی قاصر نہیں، جس طرح ایک تاثیث سے جدا کرکے کوئی عورت خوشگوار و کامیاب زندگی نہیں گذار سکتی ہے، اسی طرح مرد بھی عورت سے بے تعلق اور بیگانہ رہ کر خوشی اور کامیابی کی زندگی نہیں گذار سکتے۔

رنگون کے تعلیمی بورڈ نے یہ طے کیا ہے کہ تمام لڑکیاں گرلز اسکول ہی میں پڑھیں اور لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ساتھ نہ پڑھایا جائے۔ لڑکیاں اس کے خلاف اسکول کے دروازے پر دھرنا مار کر بیٹھ گئی ہیں، لڑکیوں نے کہا کہ ہم تو اپنے اسکول کو چھوڑ کر دوسرے اسکول میں نہیں جائیں گی۔ یہ "رنگون میونسپل اسکول" کا ہے۔ "بینڈ آف" کے اسکول میں بھی لڑکیوں نے دوسرے اسکول میں منتقل ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ لڑکیوں کی طرح لڑکے بھی اس فیصلہ کے خلاف ہیں، لڑکیوں کے والدین کی میٹنگ ہونے والی ہے، دیکھیں آپ نے رنگون کے لڑکے لڑکیوں کی مستی و قلندری، خود آگ لگانے کے بعد جب آگ بھڑک اٹھے تو اس کے بجھانے کی کوشش عبث ثابت ہوتی ہے۔ اب لڑکیاں لڑکوں ہی کے ساتھ پڑھنے پر مصر ہیں تو اس کا الزام لڑکیوں پر نہیں بلکہ ان کے والدین پر ہے، جو لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ رہنے کا خوگر بنا کر اب انہیں لڑکوں سے علیحدہ رہنے کے لئے میٹنگ کرا رہے ہیں آج یہ بلا رنگون میں ہے کل ہندوستان بھر میں عام ہو جائیگی، اس لئے کہ ہندوستان میں ایسے روشن خیال اور خوش فہم لوگوں کی کمی نہیں ہے، جو مخلوط تعلیم کو لازمۂ تہذیب اور زینۂ ترقی سمجھتے ہیں۔

استنبول میں ۷۰ برس کی ایک بڑھیا پر پندرہ سال کے ایک کسان لڑکے کو بھگا لیجانے کا الزام میں مقدمہ چل رہا ہے، لڑکا بہت تندرست اور اچھا کھلاڑی ہے، اس کو کھیل کے میدان میں دیکھ کر بوڑھی عورت اس پر ریجھ گئی اور

اور دن رات اسے اپنے ساتھ بھاگ جانے کیلئے ترغیب دینے لگی آخر بڈھا بڑھیا کے دام مکر و فریب میں آکر اس کے ساتھ بھاگنے پر رضامند ہوگیا۔ لیکن استنبول پیرس یا لندن تو تھا نہیں۔ پولیس نے ان دونوں کو گرفتار کر لیا معلوم نہیں عدالت نے بڑھیا کی مستی و قلندری کے متعلق کیا فیصلہ کیا۔

عام طور پر سائنسدانوں کو خشک طبع خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت اسکے خلاف ہے، چنانچہ آجکل ماسکو کے موسیقی خانہ میں ۵۵ ممبروں کا ایک آرکیسٹرا موسیقی سے دلچسپی رکھنے والوں کا سامان تفریح بنا ہوا ہے جن میں پندرہ پروفیسر، ۲۰ اسسٹنٹ پروفیسر اور باقی مختلف سائنٹفک اداروں کے ارکان اور سائنسدانوں کے اعزا ہیں۔ یہ لوگ سائنٹفک تحقیقات و تجربے سے فرصت پاتے ہیں تو موسیقی خانہ میں جاکر داد موسیقی لیتے ہیں۔

جزیرہ ہیرد میں مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک سے زائد شادی کرنے کے متعلق ایک دلچسپ جنگ کا آغاز ہوگیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس معرکہ آرائی میں فتح و ظفر کا سہرا صنف کرخت کے سر بندھتا ہے یا صنف نازک کے، اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جزیرہ ہیرد کے مردوں نے طے کیا ہے کہ وہ ایک بیوی پر اکتفا نہ کریں گے متعدد شادیوں سے اپنے گھر کو رشک جنت بنائیں گے۔ مردوں کے اس فیصلے سے عورتوں میں غیظ و غضب کا طوفان برپا ہوگیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک نسوانی کانفرنس منعقد کرکے ڈنکے کی چوٹ مردوں کو اعلان جنگ دیدیا ہے کہ اگر مرد ایک عورت سے زیادہ بیویاں رکھنے پر مصر رہے تو وہ بھی ایک سے زیادہ خاوند رکھنے کا فیصلہ کئے بغیر دم نہ لیں گی دیکھئے تریا ہٹ رہتی ہے یا مرد ہٹ، اگر جنگ یورپ کی طرح جزیرہ ہیرد کے مردوں عورتوں کی جنگ بھی عالمگیر ہو جائے تو کچھ عجب نہیں، اگر ایسا ہوا تو ایک عجیب و غریب معاشرتی انقلاب برپا ہو جائیگا۔

دنیا بھی عجیب نیرنگستان ہے کہیں چھ آنہ سیر اور آٹھ آنہ سیر کے حساب سے خوبصورت سے خوبصورت دوشیزائیں فروخت ہوتی ہیں اور کہیں ایک حسینہ کے صرف ایک بوسے کی قیمت ۲۶ ہزار ادا کرنا پڑتی ہے۔ لندن کی ایک عدالت نے ایک مس صاحبہ کی مسکراہٹ میں فتور آ جانیکا جرمانہ ایک ڈرائیور سے ۲۰ ہزار روپیہ دلایا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے۔

مس الزبتھ لندن کی ایک حسین ترین دوشیزہ ہے جس کی مسکراہٹ اپنی برقپاشی اور دلفریبی کیلئے خاص شہرت و امتیاز رکھتی ہے۔

یہ مس صاحبہ ایک سڑک پر خرام ناز فرماتی چلی جا رہی تھیں کہ سامنے سے ایک موٹر آئی اور ان سے ہم آغوش ہو گئی۔ لیکن بھلا ایک پیکر ناز ایک کار کے بوس و کنار کا تحمل کیونکر کر سکتی تھی، مس صاحبہ دھم سے زمین پر گر پڑیں اس حادثہ نے مس صاحبہ کی صورت بگاڑ دی اور اب ان کے تبسم ناز میں پہلی سی کشش و جاذبیت باقی نہ رہی، اب وہ مسکراتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منہ بسور رہی ہیں۔

مس الزبتھ نے موٹر ڈرائیور کے خلاف عدالت میں ہرجانے کا دعویٰ کیا جج نے سمجھا شاید مس صاحبہ اس حیلے سے ڈرائیور سے کچھ روپے بٹورنا چاہتی ہیں۔ چنانچہ اس نے مس صاحبہ کو مسکرانے کا حکم دیا تاکہ وہ دیکھ کر معلوم کر سکے کہ آیا واقعی اسکی مسکراہٹ میں فتور پیدا ہوگیا ہے چنانچہ مس صاحبہ نے جج کے حکم کی تعمیل میں مسکرانے کا پارٹ ادا کیا تو جج کو ان کے دعوی کو تسلیم کر لینا پڑا اور اس نے مس صاحبہ کو مدعا علیہ کیخلاف ۲۰ ہزار کی ڈگری دیدی۔

بیچارے مردوں کا ستارہ آجکل بری طرح گردش میں ہے دنیا کے ہر حصہ میں عورتوں کے ہاتھوں ان غریبوں کی بری طرح مٹی پلید ہو رہی ہے۔ مردوں کی اس بیبسی اور بے بسی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ پیرس کی ایک بازاری حسینہ نے کسی ترغیب سے پہلے تو اپنے عاشق زار کو مادر زاد برہنہ کر لیا اور اسکے بعد ہنٹر لیکر اس بری طرح مارا کہ عاشق صاحب حواس باختہ ہو کر بھاگ کے آگے آگے یہ ننگ دھڑنگ عاشق نوک دم چلا جا رہا تھا اور پیچھے پیچھے یہ حسینہ ہنٹر لئے ہوئے دوڑ رہی تھی اور ساتھ ہی تماشائیوں کا پورا مجمع براتی بنا ہوا تھا۔

آخر پولیس نے ان حضرت مجنوں کو بھی گرفتار کر لیا اور ان کی تند مزاج لیلےٰ کو بھی، مقدمہ درج ہوگیا ہے دیکھئے کس کے حق میں فیصلہ ہوتا ہے خیال ہے کہ غریب شوہر ہی مجرم قرار دیا جائیگا۔ کیونکہ یہ عورتوں کی حکومت کا زمانہ ہے

یہ تو ایک بازاری حسینہ کی کارگذاری تھی اب لندن کی ایک شریف النفس بیوی کی بھی سرگذشت سن لیجئے۔ اس نیک بخت نے چپکے سے جا کر شوہر کیخلاف طلاق کی درخواست دیدی، مقدمہ کی تاریخ آئی بیوی کا بیان ہوا بیوی نے فرمایا میں اس مجنوں اور خبط الحواس انسان سے بیزار ہوں بیچارہ شوہر حیران تھا کہ اس سے کونسی ایسی مجنونانہ حرکت سرزد ہوگئی کہ بیوی صاحبہ آپے سے باہر ہیں عدالت نے پوچھا تم کو کیا شکایت ہے۔ بیوی نے فرمایا دیوانہ جب بوسے لینے پر آتا ہے تو لگاتار بوسے لئے جاتا ہے یہاں تک کہ میں تنگ آ جاتی ہوں یا تو میرا شوہر بوسوں کی تعداد مقرر کرے ورنہ مجھے طلاق دلائی جائے ہم شوہر نے کہا۔ بیوی میں تم سے باز آیا مجھے ایک سر کے ایسی بےحیا بیوی کی ضرورت ہی نہیں جو خانگی معاملات کو عدالت میں لاتے ہوئے غیرت نہ محسوس کرتی ہو

ایک گولی کا جادو

امساک کی حیرت میں ڈال دینے والی طلسمی گولیاں آپ چاہیں تو "خوش وقتی" کا استعمال کیجئے اس کے برابر امساک کی کوئی دوا دنیا میں نہیں ہے عورت کو اپنی محبت میں گرفتار کرینگا اس سے بہتر عمل آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ خوب لطف اٹھایئے ناممکن ہے کہ بغیر ترشی یا نمک کے فراغت ملجائے راجگان ہند اور رؤسا خفیہ طور پر یہی گولیاں منگا کر استعمال کرتے ہیں قیمت فی درجن دو روپے محصولڈاک آٹھ آنے علاوہ

سعید برادرس اینڈ کو کلاں محل دہلی

ایک قطرہ کا کرشمہ

امریکن ڈاکٹر کی حیرت انگیز ایجاد "جونٹینک آئیل" نامردوں کیلئے اکسیر ہے جنسی کمزوری۔ ناطاقتی کی شکایت کو دو منٹ میں دور کرکے وہ غضب کی قوت لاتا ہے۔ کہ انسان حیرت میں رہ جاتا ہے ضبط ناممکن ہوجاتا ہے ڈاکٹر مذکور کی اس ایجاد نے دنیا میں تہلکہ ڈال دیا ہے ایک قطرہ لگایئے اور اس دوا کی تاثیر سے فائدہ اٹھایئے۔ پان یا کپڑا یا نلسفے کی بالکل ضرورت نہیں قیمت فی شیشی دو روپے سات آنے ریٹائر محصولڈاک آٹھ آنے علاوہ :

سعید برادرس اینڈ کو کلاں محل دہلی

عورت کے پیٹ میں بچہ

جان کا خطرہ

جو عورتیں جسم کی کمزور ہوں انکو تو ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ کہ حمل نہ گرجائے اور جو منیو طاجسم کی عورتیں ہوں انکی بھی یقینی طور پر اپنے حمل کی حفاظت کرنی چاہیئے حمل جیسی نازک چیز کو ذرا سا ٹھوکا یا پیر پڑنے سے خطرہ لاحق ہوجاتا ہے اور بعض اوقات عورت کی جان کے لالے پڑجاتے ہیں جس کسی عورت کو حمل ہو

حمل گرجاتا ہو اسکو چاہیئے۔ کہ اکسیری دواخانہ کلاں محل دہلی کی لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کی بنائی ہوئی دوا **محافظ** کی ایک شیشی حمل کے زمانہ میں کھالے یہ دوا حمل کی حفاظت کرتی ہے۔ کمزور حاملہ کو طاقت دیتی ہے۔ اور تندرست حالت میں حاملہ کو بچہ کی پیدائش کے وقت تک رکھتی ہے سو جب بچہ پیدا ہوتا ہے ستو حاملہ بڑی آسانی کیساتھ فراغت پاجاتی ہے۔ عورتوں جیسی نازک جان کے لئے جبکہ حمل کا زمانہ ہو ہر ہر قدم بھاری ہوتا ہے۔ اگر ایک شیشی محافظ کی استعمال کرلیجئے تو حمل کے رہا تک نہ کوئی بیماری پاس آتی ہے اور نہ یہ خطرہ رہتا ہے۔ کہ حمل ساقط ہوجائیگا۔ ایک شیشی میں چالیس خوراک دوا ہوتی ہے قیمت فی شیشی چار روپے علاوہ محصولڈاک ۸ر علاوہ۔

لیڈی ڈاکٹر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۲۱ دہلی

سے طلب فرمایئے

پُر اسرار مسرت خوشبو

جسکو چاہو اپنا بنالو

بیسویں صدی جہاں سائنس اپنے کمالات پیش کررہی ہے۔ وہاں روحانی عاملوں نے بھی کشش محبوب کیلئے بیسویں صدی میں ایک اسراری روغن بنایا ہے۔ اس خوشبو کا کمال یہ ہے۔ کہ جس مسرت قسم محبوبہ کو چاہو۔ اپنا بنا سکتے ہو۔ اس خوشبو کے چند قطرے لگا کر اس کے پاس سے گذرجاؤ۔ وہ خود تمہاری تلاش میں بےچین نظر آئیگا محبوب کو مست و بیخود کرنے اور اس کو تڑپانے کیلئے اس طلسمی خوشبو کا کمال ضرور دیکھیئے۔ آپ خود حیران ہونگے کہ اس میں طلسمی اثر کونسا ہے کہ جس کو چاہو خود بخود کھنچا چلا آئے۔ یہ خوشبو چالیس دن کی محنت اور روحانی کشش کے ذریعہ تیار ہوتی ہے۔ اور عاشقوں کیلئے ان کی مراد پوری کرنے کا ذریعہ بن رہی ہے۔ سنگدل سے سنگدل عورت کو جو اس خوشبو کو سونگھ لے اپنا بنایا جاسکتا ہے۔ اس خوشبو کو تسخیر کا طلسم محبت کا جادو اور رام کرنے کا عطر کہا جاتا ہے۔ قیمت فی شیشی دو روپے ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ :۔

پتہ:۔ جرمنی ٹریڈ ایجنسی دریاگنج ۳ دہلی

جاپانی کمال

جہاں جاپانی ایجادات نے دنیا میں تہلکہ مچا رکھا ہے۔ اسکی ایک نئی ایجاد زنانہ نائٹ سوٹ ہیں۔ بہت ہی خوبصورت پھولدار کپڑا ہے۔ رات کو عورتوں کے استعمال کے لئے عجیب چیز ہے۔ کپڑوں کی حفاظت اور حسن و خوبصورتی کے لئے لاجواب چیز ہے۔ ہر عورت کے جسم پر بالکل صحیح آتا ہے۔ جاپان کی کاریگری ملاحظہ فرمائیے۔ کہ قمیص کا گلا اور گھیر بھی رنگ برنگ کے پھولوں سے سجایا گیا ہے۔ اور پاجامہ بھی رنگین پھولوں اور بیلوں سے آراستہ ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود قیمت سنکر حیران ہونا پڑیگا۔ یعنی مکمل سوٹ کی قیمت دو روپے بارہ آنہ ہے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنہ علیحدہ ہے۔

نامردی کیوں ہوتی ہے

یہ بات بہت سے ڈاکٹروں نے بڑے غور کے بعد معلوم کی ہے۔ کہ جن انسانوں کے بعینہ ڈھیلے پڑنے لگے ہوں انکو فوراً توجہ کی ضرورت ہے کیونکہ بعینہ (فوطہ) بھی مردمی طاقت کا ایک ایسا آلہ ہے جو صحیح حالت میں رہے۔ تو انسان نامرد نہیں ہو سکتا اور اگر کمزور ہو گیا ہو۔ تو درست کر کے پھر جوانوں کیطرح مردمی طاقت کو بڑھا دیتا ہے۔ اسی نظریہ کو سامنے رکھکر یورپین ڈاکٹروں نے سسپنسٹر تیار کر لئے ہیں۔ جو بعینوں کے لٹک جانے یا ان کا بھاری پن ہو جانے اور قوت مردمی کم ہو جانے کے لئے لاجواب ایجاد ہے۔ ایک آلہ مدت دراز تک کام دیتا ہے اور یہ تسلیم شدہ بات ہے۔ کہ اسکے استعمال سے انسان مردمی بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔ ایک آلہ کی قیمت دو روپے بارہ آنہ ہے ڈاک خرچ آٹھ آنہ علیحدہ ہے دونوں ایجادات منگانے کا پتہ:

ملنے کا پتہ: جرمنی ٹریڈ ایجنسی دریا گنج ۳ دہلی

مرد بدکار کیوں ہوتے ہیں!

اکثر کہ اولاد ہوتے ہوتے ان کی بیوی میں وہ کشش و خوبی نہیں رہتی۔ جو نوجوانی میں ہوا کرتی ہے۔ جب دوشیزگی ختم ہو جاتی ہے۔ تو وہ بازاری عورتوں کی دوشیزگی کی تلاش میں نکلتے ہیں اور گھر سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اگر عورتیں اس بات کو سمجھ لیں۔ کہ دوبارہ دوشیزہ بن سکتی ہیں۔ اور کیونکر اپنے مرد کو قابو میں کر سکتی ہیں۔ تو ان کا مرد کبھی بدکار نہ ہو۔ مردوں کو قابو کرنے اور عیاشی اور بدکاری سے بچانے کے لئے صرف ایک ہی دوا ایجاد ہوئی ہے جس کو پرکیف کہتے ہیں عورتیں اسے استعمال کرتی ہیں بوقت ...... بس مرد ہمیشہ کے لئے بے داموں غلام بن جاتا ہے۔ زیادہ لکھنا خلاف تہذیب و اخلاق ہے بہترین نو ایجاد دوا ہے۔ دوشیزگی کا کیف اس دوا میں پوشیدہ ہے۔ ایک شیشی دوا سے ہمیشہ کے لئے دوشیزگی قائم ہو جاتی ہے۔ قیمت فی شیشی تین روپے ہے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ

پتہ: لیڈی ڈاکٹر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۲ دہلی

عورت کا بدنما سینہ

جن عورتوں کی چھاتیاں کثیر الاولادی یا بیماری کے سبب سے ڈھیلی پڑ گئی ہوں سختی نام کو نہ رہی ہو سینہ بے ڈول معلوم دینے لگا ہو جوانی میں بڑھاپے کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ تو ایسی عورتوں کو موزوں استعمال کرا دینے سے سینے کی سختی اور ابھار اور موزونیت دوبارہ آجاتی ہے۔ اگر عورت بچہ کو دودھ پلانے کے زمانہ میں بھی اس کا استعمال کرے تو کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا عورتوں کے سینہ کی حفاظت کیلئے اس سے بہتر دوا نہیں ہے چند ہی دنوں میں چھاتیوں کی نرمی دور ہو جاتی ہے اور بے ڈول چھاتیاں گول اور خوبصورت بن جاتی ہیں۔ ایک شیشی دوا سے پوری طرح فائدہ ہو جاتا ہے بچہ کو دودھ پلانے کے زمانہ میں اس دوا کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت چار روپیہ ہے۔ ڈاک کے محصول پر آٹھ آنہ خرچ ہونگے۔ اس دوا سے ہزاروں کے سینے بن گئے ہیں۔

پتہ: لیڈی ڈاکٹر اکسیری دواخانہ کلاں محل ۲ دہلی

مست قلندر کے فلمی نامہ نگار مقیم بمبئی کے قلم سے

بمبئی ٹاکیز۔ اشوک کمار بمبئی ٹاکیز سے الگ ہو گیا ہے۔

ہنس پکچرز۔ "گلابی بھندہ" کا نام بدل کر "میرا حق" رکھا گیا ہے۔ اس میں بالو راؤ پینڈھارکر کے علاوہ انالسٹی ستارہ شادیوی دل۔ مالو نکر۔ جوگ اور شانتا تھاکر اداکار ہیں۔ ڈائریکٹر ونائیک "بیوی" یعنی Better Half کی تیاری میں مصروف ہیں۔

پربھات۔ کمپنی لیمیٹڈ ہو گئی ہے۔ ۱۷ جولائی کو مس شانتا آپٹے نے ایک غلط فہمی کی بنا پر سٹوڈیو کے سامنے بھوک ہڑتال کر دی۔ جو کہ برابر دو دن جاری رہی آخر ڈائرکٹروں سے سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ اور شانتا حسب معمول کام کر رہی ہے۔

ساگر۔ ڈائریکٹر محبوب کی پنجابی اور اردو فلم "علی بابا" کی شوٹنگ دوبارہ جاری ہو گئی ہے۔ "ایک ہی راستہ" لاہور میں ریلیز ہو گئی ہے۔ جسے ازحد پسند کیا جا رہا ہے۔

نیو تھیٹرز۔ سہگل کے جانے کی خبر افواہ ثابت ہوئی لیکن ومالا چج علیحدہ ہو گئی ہے۔ ڈائرکٹر بروا نے Storm کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ یمنا۔ سانیال۔ نیکا۔ ستارہ۔ آشا وغیرہ وغیرہ اداکار ہوں گے۔ ڈائریکٹر حافظ جی کی فلم "غازی صلاح الدین" کا کام التوا میں پڑ گیا ہے۔

فلم کارپوریشن۔ "دل ہی تو ہے" قریب الاختتام ہے۔ مسٹر یوسف نند کر ان کے ہاں آ گئے ہیں اسی طرح مسٹر گھوٹے کی خدمات بھی حاصل کر لی گئی ہیں۔

پیراماؤنٹ۔ ڈائریکٹر اے۔ آر۔ خان نے "سیاہ دل" مکمل کر لیا ہے اب نئے فلم کی تیاریاں کر رہے ہیں جنید یوم تک اس کا مورت کر دیا جائیگا۔

وشنو اکلا۔ فلم "طوفان" کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بیرونی مناظر کی شوٹنگ کے لئے احمد آباد گجرات کا علاقہ منتخب کیا گیا ہے۔

رنجیت۔ مسٹر اے آر کاردار "ہولی" کی شوٹنگ میں مشغول ہیں۔ اس میں خورشید۔ ایستور لال اور تارا بائی کام کر رہے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۸) دنیائے فلم کی تازہ ترین خبریں) ڈسٹری بیوٹرز کا فیصلہ۔ شمالی ہند کے ڈسٹری بیوٹرز کے اس بیہودہ فیصلہ کے پیش نظر کہ آئندہ کسی فلمی یا غیر فلمی رسالہ اخبار کو اشتہار بلاک اور خبریں بہم نہ پہنچائی جائیں۔ جی تو چاہتا تھا۔ کہ بطور جواب الجواب کسی قسم کی فلمی دلچسپیوں میں حصہ نہ لیا جاوے۔ لیکن چونکہ مست قلندر صرف شمالی ہندوستان والوں کا ہی نہیں۔ ہندوستان کے ہر قصبہ گاؤں اور شہر کے رہنے والے اسے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ دوسرا شمالی ہند والوں کا حق مست قلندر سے لطف اندوز ہونے کا ہے۔ ایسا ہی جنوبی مغربی مشرقی اور وسطی ہند والوں کا بھی ہے۔ اس لئے ہم بڑی خوشی سے یہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ ڈسٹری بیوٹرز کا فیصلہ مست قلندر پر بالکل اثر انداز نہ ہوگا، مست قلندر کی فلمی دلچسپیوں میں ہرگز کسی قسم کی کمی نہ آئے گی وہ بدستور سابق جاری رہیں گی۔ نامہ نگاران مقیم بمبئی و کلکتہ کو ہدایات بھیجدی گئی ہیں۔ کہ وہ سابق سے زیادہ سرگرمی کے ساتھ فلمی دنیا سے متعلق دلچسپ خبریں بھیجتے رہیں

ضرورت - ۱۵ جولائی کے پرچہ کے ٹائیٹل پیج پر جو تصویر شائع ہوئی تھی۔ اس پر غلطی سے مس گلزار کا نام چھپ گیا تھا۔ حالانکہ تصویر دراصل ۔۔۔۔

از سید عزت علی فہمی الہ بادی

ہمارے یہاں ایک بات اگر معیوب نہیں تو ناگوار ضرور معلوم ہوتی ہے کہ جسے ہم کل تک بہن کہتے رہے ہوں یا جو ہم کو بھائی کہتی ہو لیکایک اپنے والدین کے نادری حکم کی بنا پر ایک ایسے رشتہ میں منسلک کر دیئے جائیں۔ کہ جسکے بعد یہ سوچنا بھی کہ کل ہم ایک دوسرے کو کس لقب سے یاد کرتے تھے۔ گناہ ہے۔

حالانکہ آپکو اس بیسوی صدی میں نازنین جیسی لڑکی ذرا مشکل سے ملے گی۔ جو یہ بھی نہ جانتی ہو۔ کہ شادی کی غرض و غایت کیا ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد کیا کچھ ہوتا ہے۔ لیکن یقین کیجئے۔ کہ نازنین تھی ہی ایسی لڑکی۔ بالکل بھولی بھالی بچی جس نے شریف گھرانے میں سانس لیا۔ اور پلکر جوان ہوئی۔ اُس کے والدین گو تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن اس پرانی رسم کے بہت مقلد تھے کہ لڑکی کو اپنے عزیزوں کے یہاں خصوصاً جبکہ وہ جوان ہو چکی ہو۔ ہرگز نہ بھیجنا چاہیئے۔

نازنین بیچاری صرف اسقدر جانتی تھی۔ کہ شادی کے بعد لڑکی کو اپنے شوہر کے یہاں جس کو کہ اس کے والدین خود پسند کرتے ہیں! اکیلا بھیجدیا جاتا ہے پھر خدا معلوم۔ اس کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے۔ اور صرف اتنا ہی خیال اس کے بدن میں جھرجھری پیدا کرنے کو کیا کم تھا۔ کہ اگر میری بھی شادی کر دی گئی تو میں بھی وہاں اکیلی بھیجدی جاؤنگی۔ بالکل اکیلی یا میرے اللہ پھر کیا ہوگا میں کس طرح ایک غیر کا سامنا کروں گی۔ آخر لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ کیا والدین اپنی لڑکیوں کو جوان ہونے پر نہیں رکھ سکتے ؟

نازنین کی شادی کے پیام آنے شروع ہوئے لیکن اس کے والدین چاہتے تھے۔ کہ لڑکا ایسا سیدھا ہو اور تعلیمیافتہ کہ ہماری نازنین کو کسی بات کی تکلیف نہ ہو اسی وجہ سے ابتک ان کے معیار انتخاب پر کوئی پورا نہ اترا تھا۔

آنے والی بات اگر انسان کو پہلے ہی سے معلوم ہو جائے تو اس میں لطف ہی کیا رہ جائے۔ کون جان سکتا تھا۔ کہ نازنین کا مقدر کیا کھیل کھیلنے والا ہے۔

نازنین کے والدین کی نظرِ انتخاب اپنی نازنین کے لئے حمید پر پڑ چکی تھیں۔ جو کہ انکا قریبی رشتہ دار تھا۔ نازنین نے متعدد بار حمید کو دیکھا تھا اور وہ اسے بھائی صاحب کہا کرتی تھی۔ اور حمید خود بھی اس کے ساتھ برادرانہ محبت کرتا تھا لیکن ان دونوں کو قطعی اسکی خبر نہ تھی۔ کہ وہ مستقبل قریب میں ایک لطیف تر رشتے میں منسلک ہونیوالے ہیں۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ آجکل والدین خود تلاش کرتے ہیں۔ کہ کون لڑکا ہماری لڑکی کے لئے درست ہے۔ خدا معلوم یہ بدعت ہندوستان سے کب دور ہوگی۔ اگر ہندوستان کے تمام کنوارے اور کنواریاں مل کر بھوک ہڑتال کر دیں۔ تو ممکن ہے۔ کہ حکومت اس کے لئے کوئی قانون نافذ کر دے جسکی رو سے لڑکے اور لڑکی کو پورا اختیار ہو کہ وہ اپنا شریک زندگی خود منتخب کریں۔ لیکن ایسا کیوں ہونے لگا۔ خیر

آخرکار رفتہ رفتہ دونوں کو معلوم ہو گیا۔ کہ انکی ایک دوسرے سے شادی ہونے والی ہے۔

حمید نے تو خدا معلوم اس کا کیا اثر لیا۔ لیکن ہاں نازنین کو یہ جان کر ایک عجیب اچنبھا ہوا۔ اور اس کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو گیا۔

بھائی صاحب سے ——— شادی

وہ کئی روز تک تخلیہ میں اس پر غور کرتی رہی۔ اب کیا ہوگا۔ اس نے سینکڑوں بار اپنے دل سے سوال کیا ——— یا اللہ اب کیا ہوگا ——— دماغی پہلو نے آئندہ زندگی کا ایک خاکہ اس کے سامنے پیش کیا۔ یعنی کہ میں اکیلی وہاں بھیج دی جاؤنگی۔ اس کے جذبات میں طوفانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ یا میرے اللہ اب کیا ہوگا میں کیا کروں کس سے کہوں ——— بھائی صاحب سے شادی ہوگی غضب ہو رہا ہے اس کے اوپر ایک وحشت سی طاری ہو گئی۔ اداسی ڈراونے خیال کی بنا پر بیچاری لڑکی ہر وقت مضطرب رہنے لگی۔

نازنین کو اوّل تو اتنی سمجھ نہ تھی۔ کہ وہ شادی کی مخالفت کا خیال بھی کرتی یا اسے بھائی صاحب میں کوئی عیب نظر آرہا تھا۔ اسے تو یہ خیال ستا رہا تھا۔ کہ شادی کے بعد کیا ہوگا۔ جس نے آج تک اپنے بھائی سے بھی آنکھ ملا کر بات نہ کی ہو۔ وہ دوسرے سے کس طرح سے بے تکلف باتیں کر سکیگی۔

نہیں نہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ اس سے اچھا تو مر جانا ہے۔ آخر ابا جان کو کیا ہو گیا ہے۔ ابھی کل کی بات ہے۔ کہ مجھے ماموں میاں اور خالہ کے یہاں جانے تک کو منع کرتے تھے۔ اور اب بھائی جان کے یہاں مجھے خود بھیجدیں گے۔ اکیلا یا میرے اللہ اب میں کیا کروں۔ یہ آخر ابا کو کیا ہو گیا۔ وہ بھی ابا کو منع نہیں

کرتی ہیں۔ نہ انہیں یاد دلاتی ہیں۔ کہ وہ آخر کیا کر رہے ہیں؟

اس کا دماغ پراگندہ ہو رہا تھا۔ پاگل کی طرح مکان میں گھبرا گھبرا کر پھرا کرتی

اسے یہ میری گڑیاں یہ سب یہیں رہ جائینگی۔ اور میں بھائی صاحب کے یہاں چلی جاؤنگی

اور پھر بالکل اکیلی۔ یا میرے معبود آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔

شادی کی تاریخ میں صرف پانچ روز باقی تھے۔

عجیب و غریب انقلاب

نازنین پر جو ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ اس کا اندازہ تو کچھ وہی لڑکی کر سکتی ہے جس پر یہ افتاد پڑی ہو صرف الفاظ میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس حیرت انگیز انقلاب کے باعث اپنے آپے میں نہ تھی۔ اس کے معصوم ننھے دل میں ایک ہول اٹھ گئی تھی سینے میں ایک ناقابل برداشت درد اور اضطراب تھا۔ رفتہ رفتہ اس کو محسوس ہونے لگا۔ کہ اس کے ظاہری جسم میں ایک تبدیلی ہو رہی ہے۔ نازنین مسلسل محسوس کر رہی تھی۔ کہ اس کا نسوانی جسم مردانگی میں تبدیل ہو رہا ہے۔ اس عجیب و غریب رد و بدل نے اسے اور بھی پریشان کر دیا۔ یہاں تک کہ شادی سے ایک روز قبل اسکی نسوانیت پر مردانگی پوری طرح غالب آ چکی تھی۔ جسمانی اعضا میں مکمل انقلاب آ گیا۔ البتہ اس کا ظاہری جسم اب بھی گواہی دے رہا تھا۔ کہ وہ "عورت ہے" ظاہری نشیب و فراز بدستور قائم تھا لیکن اس کے جسم میں بقیہ اعضا پوری طور پر مردانگی اختیار کر چکے تھے۔ یہ زبردست کایا پلٹ نازنین کی دماغی کشمکش میں اور بھی معاون ثابت ہوئی۔ اب تک تو وہ یہی سوچ رہی تھی۔ کہ شادی کے بعد کیا ہوگا۔ لیکن اب وہ یہ بھی سوچنے لگی۔ کہ شادی کے بعد میں کیا جواب دونگی کہ مجھے آخر کیا ہو گیا ہے۔ اور کیسے ہو گیا ہے۔ اور پھر حامد صاحب کو کیسے یقین ہوگا۔

شادی کے دنوں میں ہم غلام ہندوستانی لڑکیوں سے کسی صلاح و مشورہ کا لینا یا انکے قلبی احساسات کا پتہ لگانا اپنی ہتک خیال کرتے ہیں یا شدید شرم محسوس کرتے ہیں اسی وجہ چند روز پیشتر ہی سے لڑکی کو کال کوٹھڑی میں مہندی لگا کر ایک چارپائی پر چھپا کر دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ عجیب و غریب رسم ضروری ہو لیکن یہ تو نازنین کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اگر واقعی اس کو شادی سے پیشتر ایسا موقع دیا جاتا کہ وہ اپنے حیرتناک جسمانی انقلاب کا حال بیان کر دیتی۔ تو ممکن تھا۔ کہ شادی ملتوی کر دی جاتی لیکن اس بیچاری کو اس کا موقع ہی نہ دیا گیا۔

بہرحال شادی کی تاریخ آئی نکاح ہوا (ایک قدرتی اور سائینٹفک مرد کا) اور نازنین بانو وداع ہو کر اس گانے کے ساتھ "بابل گھر چھوڑا تیرا" اپنی سسرال پہنچیں یہ قاعدہ ہے کہ خوبصورت لڑکی پا کر لڑکے کے گھر والے ضرورت سے زیادہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ لڑکی اللہ میاں کے خاص ہاتھوں کی بنائی ہوئی نہ ہو بلکہ کسی ٹھیکیدار سے بنوائی گئی ہو تو یہ خوشی صرف لڑکے کے والدین تک ہی محدود رہتی ہے۔ آج نازنین بانو کے سسرال میں ضرورت سے زیادہ خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ہر طرف چہل پہل اور پکار مچی تھی۔ پھر یہ واقعہ بھی ہے کہ جہاں ہماری ہندوستانی عورتیں دو چار بھی جمع ہو جاتی ہیں۔ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تریپوری میں کانگرس کا اجلاس منعقد ہے۔

حجلہ عروسی مشرقی طرز پر آراستہ کیا گیا۔ نواڑ کی چارپائی (مسہری) پر قالین چادر پھولدار تکیہ وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال سب ہی کچھ رہا ہوگا یہ شادی شدہ حضرات جانیں" رات کے دس بجے کے قریب نازنین دلہن کو اسی کمرے میں بھیجدیا گیا۔ ذرا دیر بعد میاں حمید بھی ارمانوں کا ایک بھرا عالم لئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

اس رات کے واقعات ہمکو باوجود ہزار کوشش کے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ ورنہ ہم ضرور لکھ دیتے۔ خدا معلوم حمید کو بھی معلوم ہوا یا نہیں کہ انکی نازنین بانو بھی انہیں کی طرح مرد بن چکی ہیں۔ البتہ یہ دیکھا گیا کہ قریب بارہ بجے رات حمید سیدھے اس جادو خانہ سے نکل کر جہاں وہ زندگی کے چند اہم شعبدے دکھانے گئے تھے۔ یکمشت اپنے دوست محمود کے پاس چلے گئے۔ اور باقی رات وہیں رہے محمود نے دلہن کے متعلق مختلف سوالات کئے لیکن اسکی کسی بات سے یہ پتہ نہ لگا۔ کہ انکی دلہن صاحبہ مرد ہیں عورت نہیں۔ ہاں کبھی کبھی انکی بات سے یہ پتہ لگتا کہ دلہن صاحبہ انہیں پسند نہیں۔ (بھلا پسند ہوں بھی تو کیسے)

دوسرے دن رسم کے مطابق نازنین بانو پھر اپنے میکہ آ گئیں۔ ماں باپ اس رشتہ سے بہت خوش تھے۔ کہ ہماری نازنین کے لئے حمید جیسے لڑکے کا انتخاب بہت اچھا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے۔ نئی دلہن کو شادی کے بعد اسکی بے تکلف سہیلیاں بہت ہی تنگ کرتی ہیں۔ اور کوشش کرتی ہیں۔ کہ وہ کسی طرح اس رات کا ذکر کر دے۔ معلوم نہیں کہ دلہنیں وہ سب بات بتلاتی بھی ہیں یا نہیں (کیونکہ اس کا مجھے ابھی ذاتی تجربہ نہیں) لیکن نازنین جیسی شرمیلی لڑکی کے متعلق تو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایسی باتیں کبھی نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی دگرگوں تھا۔ حیرت انگیز انقلاب نازنین کو مجبور کر رہا تھا۔ کہ وہ اپنی داستان کسی بے تکلف سہیلی سے بیان کر دے چنانچہ اس نے بھی عزیز ترین سہیلی قمر بانو سے تمام و کمال حالت بیان کر دی کہ کس طرح وہ عورت سے مرد بن گئی۔ اور اس کے شوہر نے اس انقلاب کا کیا اثر لیا۔

بڑی عجیب بات تھی۔ قمر بانو تو ششدر رہ گئی۔ اسے تو یقین ہی نہ آتا تھا لیکن چونکہ نازنین کی گفتگو انتہائی سنجیدہ تھی۔ اس کو یقین کرنا ہی پڑا۔ یا ممکن ہے۔ کسی اور صورت سے اس نے یقین کرا دیا ہو۔ خدا بہتر جانتا ہے۔

نازنین نے کہا ایک کام کرو۔ لیکن ابا اور اماں کو قطعی علم نہ ہو۔ تم کسی لیڈی ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔ اور کوئی ایسی دوا لاؤ۔ جس سے یہ مصیبت دور ہو جائے لیکن بہت ہوشیاری سے یہ کام ہو۔

قمر بانو فوراً لیڈی ڈاکٹر کے یہاں گئی۔ سارا ماجرا بیان کیا۔ ڈاکٹر خود حیران رہ گئی۔ اور اس نے قدرے تامل کے بعد کہا "اب عورت بننا محال ہے جو ہو گیا سو ہو گیا"

نہیں نہیں ڈاکٹرنی صاحبہ ایسا مت کیجئے ورنہ وہ غریب مرجائیگی کوئی ایسی ترکیب کیجئے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر آجاوے روپیہ کیا کچھ نہیں کرسکتا خواہ وہ جائز طریقے سے حاصل ہو یا ناجائز۔ ڈاکٹرنی نے سوچا۔ جتنا ہو اتنا سکا رہے کیوں ہاتھ سے جانے۔ کم از کم اس طرح میری قیمتی دوائیں تو فروخت ہی ہوجائینگی۔ ہینڈ بیگ اٹھا۔ تمہارے ساتھ آئی۔

نازنین کے والدین نے لیڈی ڈاکٹر کو دیکھا تو بہت پریشان ہوئے۔

لیکن لیڈی ڈاکٹر نے نازنین کی والدہ کو اندر آنے سے منع کردیا۔

ڈاکٹرنی صاحبہ خود غیر شادی شدہ تھیں یعنی مس تھیں، انہوں نے مکمل معائنہ کیا۔ اور معلوم ہوگیا کہ وہ مرد ہوچکی ہے۔

لیڈی ڈاکٹر پر نازنین کا بے مثال حسن اثر کرچکا تھا۔ اس نے تم سے کہا اب کوشش بیکار ہے۔ یہ اب عورت نہیں ہوسکتی اسکو یونہی رہنے دو۔

نازنین بھی مایوس ہوچکی تھی۔ ایک ہفتہ بعد حمید کا ایک رجسٹری شدہ لفافہ آیا۔ یہ طلاق نامہ تھا جس میں تحریر تھا کہ میری زندگی تمہارے ساتھ نہیں گذر سکتی۔ اس لئے طلاق دیکر تمہیں ہمیشہ کے لئے آزاد کرتا ہوں۔

دونوں کے والدین سنکر سر پکڑ کر رہ گئے۔ ہر کوئی حیران تھا۔ کہ اس بیک طلاق کے کیا معنی۔

جب مصیبت پڑجاتی ہے تو جھیلنا ہی پڑتی ہے۔ اور انسان اسے برداشت ہی کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ دونوں خاندانوں میں حالات پرسکون ہوگئے۔ اور ایک سال بعد سب بھول گئے۔ کہ سال گذشتہ کیا سوہان روح واقعہ ہوا ہے۔ نازنین تو اس غم میں گھل گھل کر آدھی ہوچکی تھی۔

لیڈی ڈاکٹر برابر آتی جاتی رہتی تھی۔ اور نازنین کے والدین خیال کرتے تھے کہ دونوں کی دوستی ہے۔ یعنی دو تو ن گیاں گیاں ہیں۔ اکثر نازنین بھی دل بہلانیکی غرض سے وہاں چلی جاتی۔

لیڈی ڈاکٹر کے دل میں نازنین کی محبت مسلسل بڑھتی رہی۔ بہترین حسن جمال کی موجودگی میں مردانگی یقیناً ایک نعمت الٰہی ہے۔

ڈاکٹرنی نے رفتہ رفتہ۔ نازنین کو بے تکلف کرلیا۔ اور بالآخر ایک روز معاملۂ دل کہہ ہی ڈالا۔

میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ نازنین ——— اور ڈاکٹرنی صاحبہ میں جی آپ سے محبت کرتی ہوں۔

تو پھر ——— تو پھر کیا دیکھئے نا جب دل چاہتا ہے آجاتی ہوں اور بلالیتی ہوں۔

نہیں نازنین میرا مطلب کچھ اور ہے۔

آخر کیا۔

مطلب تو کچھ نہیں ——— میں چاہتی ہوں۔ ہم تم شادی کرلیں بصورت
Civil Marriage

شادی ——— نازنین نے حیرت سے کہا۔ شادی کرلو۔ کس سے مجھ سے

ہاں۔ ہاں تم سے۔

لیکن میں تو۔

نہیں۔ نہیں نازنین اب تم عورت نہیں ہو ——— لیکن شادی تو۔

اب زیادہ مت ستاؤ۔ دیکھو کتنی مدت ہوگئی۔ اور تم خاموش ہو۔

میں کیا کہوں۔ آج آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کررہی ہیں۔

نازنین تم کیا جانو میں کیا کہہ رہی ہوں۔ میں ایسی باتیں کبھی بھی ہوش جیسی کہنی چاہئیں۔

لیکن ڈاکٹرنی صاحب ——— لیکن ویکن کچھ نہیں۔ اب تم اقرار کرو۔

نازنین نے مذاق کے لہجہ میں کہا آخر تم خفا کیوں ہوتی ہو۔ میں اقرار کئے لیتی ہوں۔ آؤ شادی کرلیں۔

وعدہ کرتی ہو ——— لیڈی ڈاکٹر نے کرسی سے اچھلتے ہوئے کہا۔

ہاں ایک دفعہ کیا ہزار دفعہ ہم تم شادی کرنے کیلئے تیار ہیں۔

لاؤ ہاتھ ——— لو ہاتھ

پکی بات ——— ہاں ہاں بالکل پکی بات۔ جب چاہے کرلو۔

ڈاکٹرنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو سمجھ لو کہ ہماری شادی ہوگئی ہم نے بصورت
Civil Marriage

نازنین بولی۔ دیکھو کسی سے کہنا مت کہ تم نے نازنین سے شادی کی ہے ——— اور تم بھی کسی سے ذکر مت کرنا۔

پھر خدا معلوم دونوں میں کیا باتیں ہوئیں ——— لیکن ٹھیک ایک سال کے بعد لیڈی ڈاکٹر کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔

نازنین اب بہت خوش رہتی ہے۔ اس کے والدین شادی کا نام لیتے ہیں۔ تو وہ بہت صفائی سے کہہ دیتی ہے۔

امی اب شادی قیامت تک نہ کرونگی۔ شادی تو صرف ایکبار ہوتی جو اور ہوگی۔ خدا معلوم وہ حمید والی شادی کیطرف اشارہ کرتی ہے۔ یا لیڈی ڈاکٹر والی کیطرف۔

اب مشکل اس بات کی ہے۔ کہ آخر میونسپلٹی کے دفتر پیدائش میں لڑکے کے باپ کا کیا نام لکھایا جاوے۔ آیا نازنین بیگم یا ——— آخر کیا۔

کیا کوئی صاحب تبلا سکتے ہیں۔

میں زندہ دل مفکران اور نوجوان حضرات کو دعوت غور دیتا ہوں۔ متشکر ہوں گا۔

ترے بغیر

جناب سلطان احمد صاحب صدیقی گورکھپوری

بے کیف ہے بہارِ گلستاں ترے بغیر — ہر سمت بوئے گل ہے پریشاں ترے بغیر

دل مضطرب ہے آنکھیں ہیں گریاں ترے بغیر — صبحِ وطن ہے شامِ غریباں ترے بغیر

کب ہے چمن میں لطف کا ساماں ترے بغیر — ہوتی نہیں بہارِ خراماں ترے بغیر

رنگ نگار خانۂ فردوس تھا وہ گھر — معلوم ہو رہا ہے جو ویراں ترے بغیر

وہ رشکِ گل ملے تو یہ کہدینا اے صبا — پھرتا ہے کوئی چاک گریباں ترے بغیر

دیوانے کی لحد پہ وہ حسرت سے کہتے ہیں — سونا پڑا ہے کوہ و بیاباں ترے بغیر

باور نہ ہو تو گورِ غریباں پہ جا کے دیکھ — بے شمع ہے مزارِ شہیداں ترے بغیر

کیونکر اُسے بہار کے آنے کی ہو خوشی — کرتا نہیں جو سیرِ گلستاں ترے بغیر

آ۔ اے ہمارے ساقیٔ رعنا [illegible] کیونکے کٹے گا موسمِ باراں ترے بغیر

آ۔ روئے پُر ضیا سے ہٹا کر نقاب آ — دنیائے آرزو ہے پریشاں ترے بغیر

سلطان دیکھ کر ہے تجھے مسکرا رہا
کل رو رہا تھا۔ اے گلِ خنداں ترے بغیر

ہائے وہ اُن کا پہلا تبسم

مدتوں قائم رہیں گی اب دلوں میں گرمیاں
میں نے تو ڈے لیا اُس نے نظر پہچان لی

وہ شام بھی کسقدر دلفریب تھی —— سلونی۔ سہرزا۔ نشاط انگیز میں تمہارے مکان کے بائیں باغ میں بیٹھا ہوا کلیوں کی لسنگی اور گلوں کی شگفتگی کے نظارہ میں محو تھا۔

وہ زمانہ موسم گل کا زمانہ تھا۔ باغ کے تمام پھولوں میں عجیب لطافت و نکھار پیدا ہو گئی تھی۔

پیارے پیارے خوشرنگ غنچوں میں ہوا کی دلفریبی اور دلکشی رقصاں تھی ننھی ننھی صنوبر اور سرو کی ٹہنیوں میں غضب کی دلآویزی آشکار تھی طائروں کی دلربا موسیقار اور دلنواز چہکار سے سارا باغ گونج رہا تھا پتہ پتہ خوشی سے بے خود و سرشار جھوم رہا تھا۔ میں کیف و انبساط کی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔

ایسی سہانی شام میں تم آئیں —— آہستہ آہستہ، چپکے آئیں اور میرے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ میں تمہاری پیاری پیاری انگلیوں کے لمس سے اپنی محویت سے چونکا اور مڑ کر تمہیں دیکھا۔

تم مسکرائیں۔ عجیب مسکراہٹ! اس تبسم میں ہزاروں کیف و سرور اور رعنائیاں اور دلفریبیاں نہاں تھیں۔ وہی پہلا تبسم تھا —— جس نے میری دنیا بدل دی

از سبط ہاشمی (ناقابل ادیب)

دلچسپ معمے کے ڈیڑھ سو روپیہ نقد کے انعامات حاصل کرنیوالوں کے نام صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے
تار کا پتہ مست قلندر لاہور
ہندو ہے ایک آنکھ مسلمان دوسری
رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵
رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۸۵
خوش باش دمے کہ زندگانی این است
جلد ۲
نمبر ۶
بعضے بہ تماشائے خط و خال خوش اند
بعضے بہ تمنائے زر و مال خوش اند
اینہا ہمہ اسباب پریشانیہاست
خوشحال کسانیکہ بہر حال خوش اند
رسالہ مست قلندر لاہور
ستمبر ۱۹۳۹ء
اردو میں اپنی قسم کا واحد بےنظیر کثیر الاشاعت ماہوار رسالہ
اُن زندہ دل انسانوں کیلئے جنہوں نے زندگی کا منتہائے مقصود تلاش کیا ہے۔
ہمیشہ خوش رہنے اور دوسروں کو خوش کرنے ہیں جو خدا کی حقیر ترین مخلوق کو بھی
محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو اپنے قول یا فعل سے کسی کی دلآزاری نہیں کرتے جن کا
مذہب ہے خدا کے ہر ایک بندے سے بلا امتیاز رنگ و قومیت محبت کرنا۔
قیمت فی پرچہ تین آنے
ایڈیٹر ڈاکٹر پربھتی سنگھ
سالانہ چندہ ایک روپیہ پندرہ آنے

فہرست مضامین

مست قلندر لاہور کا عام بوجہ انسٹھ تا ستر صفحات ہونے کے باوجود سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ پندرہ آنے (عہ) ہے یعنی ہندوستان بھر کے اردو رسائل کے چندہ سے کم ہے اس لطف یہ کہ اس قلیل ترین چندہ میں ۶۶ خاص نمبروں کی قیمت بھی شامل ہے

مست قلندر کی مصدقہ اشاعت ہندوستان کے تمام اردو رسائل سے زیادہ ہے ہر ماہ کم ازکم چار لاکھ زندہ دل حضرات اس کے لئے چشم براہ رہتے ہیں۔ اس لئے اشتہار دیکر فائدہ کثیر حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

پانچ سوالوں کا ایک ہی جواب
ستمبر ۱۹۳۹ء
(۱)
ہندوستان بھر کے
اردو رسالوں سے سستا
کون سا رسالہ ہے
؟
(۲)
سب سے زیادہ ٹھوس اور
کارآمد مضامین ہر ماہ کونسا
رسالہ شائع کرتا ہے
؟
(۳)
وہ کون سا رسالہ ہے جس کی قیمت اسکی لاگت
سے بھی بہت کم ہوتی ہے یعنی جو ہر ماہ دیتا ہے،
(الف) سرورق پر سہ رنگا بلاک (ب)
فوٹو بلاکس کی متعدد مگر منتخب تصاویر (ج) بڑے سائز کے
۸۸ صفحات کا ٹھوس میٹر اور اس سب کے باوجود
بکتا ہے صرف تین آنے میں
؟
(۴)
وہ کونسا رسالہ ہے جسے ہندو
اور مسلمان یکساں ذوق و شوق اور دلچسپی
کے ساتھ پڑھتے ہیں،
؟
(۵)
دنیا جہان کی دلچسپیوں مزاحیہ کارٹونوں
بہترین افسانوں اور تڑپا دینے والے ترانوں
کا حامل کونسا رسالہ ہوتا ہے
؟
رسالہ مست قلندر لاہور
یقین نہ ہو تو اس پرچہ کا مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے

فہرست انعام یافتگان دلچسپ معمہ نمبر (۶)

{پہلا انعام :- پانچ غلطی والوں میں}

(۱) کرم الدین صاحب کمپونڈر بمقام گھونڈ ڈاکخانہ گھونڈ براستہ کھالڑا ضلع لاہور
(۲) مرزا مصطفےٰ حسین صاحب پہلا مالا اجالا نمبر ۳ تار تھ میل روڈ بمبئی نمبر ۹
(۳) حافظ خورشید حسن صاحب قریشی پبلک پراسیکیوٹر و گورنمنٹ پلیڈر سیالکوٹ

{دوسرا انعام :- چھ غلطی والوں میں}

(۱) لالہ جینت رائے صاحب ڈھنڈہ کھیڑہ گنجیڑ ڈاکخانہ بنکٹ سر ریاست پٹیالہ
(۲) عبدالرحمان خان صاحب علوی سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس گونڈہ۔
(۳) الحاج ثبیت خان صاحب شروانی مقام و ضلع دتاولی علیگڑھ
(۴) حکیم محمد ہالی خان صاحب معرفت حامد علی خان صاحب لوہا چ کمپنی آنریبل بمبئی نمبر ۱
(۵) سیسرلا گنجانند معرفت لال مہتہ ترنبارن ضلع امرتسر۔
(۶) شمشیر علی صاحب کوارٹر نمبر ۵۸/۲ پوسٹ انگس ضلع ہوگلی بنگال
(۷) ڈاکٹر اے۔ پی۔ ڈیمس سب پوسٹماسٹر بارہ اناؤ ——
(۸) ڈاکٹر ہدایت اللہ بمقام گھونڈ ڈاکخانہ خاص براستہ کھالڑا ضلع لاہور
(۹) غلام محمد سلطان بیگ معرفت حکیم جی ایم بیگ وارثی قندھاری بازار لکھنؤ
(۱۰) محمد ابراہیم مدرس ڈسٹرکٹ مڈل سکول جاہمن براستہ کھالڑا ضلع لاہور

{تیسرا انعام :- سات غلطی والوں میں}

(۱) مسٹر ای۔ لیوک ٹی۔ ایم۔ آئی لمیٹڈ سہارنپور ——
(۲) سید قمر علی صاحب بر مکان حکیم مبارک علی صاحب جیواجی گنج سرائے ملاجی کوارٹر نمبر ۱، لشکر گوالیار ——
(۳) عبدالحلیم صاحب قریشی امیدوار سپروائزر ڈسٹرکٹ کوآپریٹو بنک بجنور یوپی
(۴) محمد شمیم صاحب معرفت گلزار برادرس ۱۷ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ
(۵) بالکشن صاحب سلھی آڈیٹر دفتر اکونٹنٹ جنرل پٹیالہ ——
(۶) سید عبداللہ معرفت عبداللہ خلوہ ملز جمعہ بازار مچھلی شہر ضلع جونپور
(۷) سجاد علی خان صاحب سپروائزر فالو تگو محلہ اسمٰعیل پور گورکھپور سٹی
(۸) محمد یوسف صاحب اکونٹس آفس سید پور ضلع رنگپور ——
(۹) منشی دیبی پرشاد خلف منشی جہاجن رائے قوم کائستھ سکینہ محلہ تنڈوی جوب امروہہ ضلع مرادآباد ——
(۱۰) مسز حکیم جی ایم بیگ وارثی قندھاری بازار لکھنؤ ——
(۱۱) محمد عزیز الرحمٰن مکان نمبر ۲۰۔۳۴۲ علیسی میاں بازار حیدرآباد دکن
(۱۲) حکیم جی۔ ایم بیگ وارثی قندھاری بازار لکھنؤ ——
(۱۳) عمرالدین صاحب ہیڈ ماسٹر ڈسٹرکٹ مڈل سکول جاہمن براستہ کھالڑا۔
(۱۴) ایم بیگم دختر حکیم جی۔ ایم بیگ وارثی قندھاری بازار لکھنؤ
(۱۵) سید امیر حسن مولوی ٹولہ محلہ رسی بٹاں شہر لکھنؤ ——
(۱۶) مادھو پرشاد صاحب سکینہ اسٹیشن ماسٹر گوری گنج ضلع سلطانپور
(۱۷) مسٹر جے۔ سی۔ بلن سٹیشن روڈ پٹنہ ——
(۱۸) ل۔ ب۔ معرفت مسٹر ایم اے محمود محلہ لال باغ گنگی سنگل لکھنؤ
(۱۹) ظہیر الحسن بس انسپکٹر محلہ چمن گنج محمد علی پارک کانپور ——
(۲۰) محمد نسیب شجیر ایل۔ بی اسکول اردو موضع اجری بیبر ڈاکخانہ بنولیہ ضلع اناؤ

فہرست انعام یافتگان بچوں کا معمہ دلپسند

(۱) پہلا انعام۔ جیبی گھڑی۔ تنویر فاطمہ لکھنؤ (۲) دوسرا انعام۔ ٹائم پیس۔ شونرائن جینڈ اٹک (۳) تیسرا انعام۔ فونٹین پن۔ نور احمد میرٹھ (۴) چوتھا انعام۔ دلچسپ کہانی کی کتاب۔ رحمت علی اندور (۵) پانچواں انعام۔ بائسکوپ پاکٹ مشین معہ تصاویر۔ اقبال علی حیدرآباد دکن (۶) چھٹا انعام۔ جادو کی طلسمی کتاب معہ تصاویر۔ اکبر علی آگرہ (۷) ساتواں انعام۔ لوہا کھینچ مقناطیس پتھر۔ راج بہادر احمد پور شرقیہ (۸) آٹھواں انعام۔ جادو کا بٹوہ۔ خیراتی رام کپور تھلہ (۹) نواں انعام۔ دائمی پنسل۔ کنہیا سنگھ بجنور (۱۰) دسواں انعام۔ جادو کا بٹوہ۔ محمد شریف منٹگمری (۱۱) گیارھواں انعام۔ جادو کا بٹوہ۔ سوشیل کماری۔ لاہور (۱۲) بارھواں انعام۔ جادو کی طلسمی کتاب۔ ساگر دت ناتھ (۱۳) تیرھواں انعام۔ جادو کی طلسمی کتاب۔ انور علی سیالکوٹ (۱۴) چودھواں انعام۔ جادو کی طلسمی کتاب۔ حمید احمد نیو دہلی (۱۵) پندرھواں انعام۔ جادو کی طلسمی کتاب۔ بشیر احمد پٹنہ (۱۶) سولھواں انعام۔ جادو کی طلسمی کتاب۔ محمد صدیق لکھنؤ (۱۷) سترھواں انعام۔ جادو کی طلسمی کتاب۔

صحیح حل دلچسپ معمہ نمبر (۶)

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
ن	م	ا	ی	آ	ن	■	ش	ہ	ن	ا	ز
ط	ح	■	ا	ح	گ	ر	■	ا	ک	■	ہ
ر	ا	م	س	ی	■	چ	ا	ر	ہ	گ	ر
■	س	■	م	■	■	ل	ب	■	ت	ل	■
■	ب	■	ی	و	م	■	د	ل	■	ش	س
س	■	■	ن	ہ	ت	ہ	ا	■	د	ن	ہ
ا	ہ	م	■	■	ح	و	ر	■	■	■	د
ح	■	ز	ب	■	د	س	■	ب	و	ل	ی
ر	ص	ا	ت	د	■	■	ج	ی	ن	ا	■
■	■	س	■	و	ص	ف	■	م	■	م	ع
گ	■	ل	■	ل	و	ی	■	■	گ	■	ج
ر	ی	ت	■	ت	ر	■	ب	ر	ق	■	ز

حل کنندگان کیلئے خاص ہدایات

اگر آپ دلچسپ معمہ نمبر ۶ کو حل کر کے قبل ازیں بھیج چکے ہیں تو صحیح حل سے اپنے حل کا مقابلہ کرنے کے بعد ذیل کے نقشہ کی خانہ پری کر کے جلد از جلد دفتر مست قلندر میں بھیج دیجئے۔

انتباہ } اگر ۱۵ ستمبر ۱۹۳۹ء تک آپ کی جانب سے یہ مطبوعہ نقشہ ہمارے پاس نہ پہنچا اور آپ کی اس غفلت سے آپ کے حصہ کا انعام باقی کے انعام یافتگان میں تقسیم ہو گیا تو اس کے ذمہ دار آپ ہونگے

(ایڈیٹر دلچسپ معمہ)

نقشہ

جس کو کاٹ کر فوراً بذریعہ ڈاک روانہ کرنے سے آپ انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

جناب ایڈیٹر صاحب دلچسپ معمہ مست قلندر لاہور۔ بتسلیم

میں نے دلچسپ معمہ نمبر ۶ کا صحیح حل دیکھا۔ اور اپنے حل سے مقابلہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ میری ... غلطیاں ہیں۔ چونکہ آپ عموماً ۷ غلطیوں تک انعامات تقسیم کر رہے ہیں اس لئے میرا نام بھی انعام یافتگان کی فہرست میں شائع کر کے ممنون فرمائیے۔ میں نے ..... کوپن کی فیس بذریعہ منی آرڈر / پوسٹل آرڈر یا بصورت ٹکٹ روانہ کی تھی فقط

نام ....

پورا پتہ ....

....

نوٹ:۔ ۷ سے زیادہ غلطیوں والے اس نقشہ کو بھیجنے کی زحمت گوارا نہ کریں

نوٹ } "میری شرمناک زندگی" بوجہ عدم گنجائش افسوس کہ اس مرتبہ شائع نہ ہو سکی آئندہ اشاعت میں اس کی کسر نکال دی جائے گی (ایڈیٹر)

مست قلندر لاہور
ستمبر ۱۹۳۹ء
انقلاب
قیامت آگئی!
انقلاب
دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہوئی لیکن ایڈیٹر مست قلندر کی دو نئی تصانیف کے
مطالعہ کے بعد آپ سمجھنے لگیں گے کہ گویا سچ مچ قیامت آگئی!
بیوہ کے خطوط
ایک نوجوان اور حسین و جمیل بیوہ پر سوسائٹی نے کیسے کیسے ہولناک مظالم ڈھائے اور اُسے "مالِ مفت" سمجھ کر کس کس طریقہ سے ذلیل و رُسوا کیا۔ اس کی داستانِ غم اُسی کی زبانی سُنیئے جس کا ایک ایک فقرہ آپ کے دل و جگر میں تیر و نشتر بن کر اُترتا جائیگا۔ اور کچھ عجب نہیں کہ آپ کے سرد و منجمد خون کو پگھلا کر آنکھوں کی راہ آنسوؤں کی شکل میں بہا دے آپ بیتاب ہوجائیں گے ایکا ایکی۔ اور تڑپ جائیں گے سر سے پا تک۔
بیوہ کے خطوط میں آپ بڑے بوڑھے مذہبی پیشواؤں، سماج سدھارکوں نیز سماج کے جنم داتا کرتا دھرتا، موٹی توند والے تلک دھاری پنڈتوں کو بے نقاب ہوتے دیکھیں گے تو فرطِ حیرت سے آپ کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ جائیں گی۔ لوگ جس کو دیکھ کر تعظیماً سر جھکا دیتے ہیں۔ اپنا ہادی رہنما اور مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں اس کی پرائیویٹ زندگی اتنی گھناؤنی ایسی شرمناک اور نفرت انگیز ہوسکتی ہے۔ یہ بات پہلی مرتبہ بیوہ کے خطوط کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگی۔ بیوہ کے خطوط کا سلسلہ جب اوّل اوّل مست قلندر کے کالموں میں جاری ہوا تو سماج کے پاسبانوں میں ایڈیٹر مست قلندر کے خلاف پیچ و تاب اور غصہ کی ایک عالمگیر لہر دوڑ گئی تھی اور اکثر و بیشتر سماج سدھارکوں کو فرداً فرداً یہ گمان بلکہ متعجب ہونے لگا تھا کہ میرے اعمال نامہ کا ہو بہو چربہ ظالم ایڈیٹر مست قلندر کے پاس کیسے پہنچ گیا؟" کتاب کا حجم ڈیڑھ صد صفحات اور قیمت صرف ۱ ہے۔ وہیلر بک اسٹالوں سے خرید کیجئے یا براہِ راست ٹکٹ بھیج کر منگوائیے
چند حسینوں کے خطوط!
کچھ تو تصویریں تھیں اور چند حسینوں کے خطوط۔ بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا
اُردو میں اپنی قسم کی پہلی کتاب جس میں حسینوں کے جذبات محبت کی ہو بہو تصویریں پیش کی گئی ہیں۔ محبت کس طرح پیدا ہوتی ہے اور پروان چڑھتی ہے؟ بشرطیکہ پاک اور سچی ہو۔ کیا یہ سچ ہے کہ سات پردوں میں چھپے ہوئے محبوب کو بھی محبت ایک بار خود اور وارفتہ مزاج بنا دیتی ہے؟ حُسن کی سرکار میں عشق کی رسائی کیسے ہوسکتی ہے؟ کیا عاشق و معشوق ایک ہی ہستی کے دو پہلو نہیں ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو دونوں طرف آگ برابر کیوں نہیں لگتی؟ عشق ہے کہ حُسن کیلئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار۔ مگر حُسن ایک مورت کی طرح بے حس کوئی مرے یا جیئے اس کی بلا سے اس تغافل کیش کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے پیکر جمال دوشیزہ کیا چاہتی ہے؟ اس کے سوئے ہوئے جذبۂ عشق کو کس طرح بیدار کیا جائے۔ مرد کی وہ کونسی خوبی ہے جو عورت کے والہانہ جذبات کو ایک دم دائرۂ اعتدال سے باہر لے آئے۔ ان سب باتوں کو شراب سے زیادہ مدہوش کُن۔ چاندنی سے زیادہ فرحت بخش۔ شہد سے زیادہ شیریں اور امرت سے زیادہ حیات پرور زبان اور رقص حُور سے زیادہ دلکش انداز میں کسی دلگداز افسانہ کی سی دلفریبی اور جاذبیت کے ساتھ الفاظ کا جامہ پہنایا گیا ہے اگر آپ کا دل بھی درد رسیدہ ہے۔ اگر آپ بھی کسی کافر ادا قیامت بدوش حسینہ کے تیرِ نظر یا تیغِ ابرو کے گھائل ہوچکے ہیں اور اکثر شبِ تنہائی میں چھپ چھپ کر گا چکے ہیں اس گیت کو "لگ گئی چوٹ کلیجوا میں ہائے رام" تو ایک خط کو کئی کئی بار پڑھیں گے۔ مرغِ بسمل کی طرح تڑپیں گے۔ بیتاب
منیجر مست قلندر لاہور
۶
ہو کے۔ بے چینیوں اور بیقراریوں میں انتخاب کو محسوس کریں گے۔ مگر ہر بار ایک نئی لذتِ درد کا احساس آپ کو بار بار مطالعہ

مست قلندر لاہور ——— ۶ ——— ستمبر ۱۹۳۹ء
صحرا نورد کے خطوط
مصنفہ میرزا ادیب
جس کا مطالعہ آپ کو ایسی دُنیا میں لے جائے گا جس کے چپے چپے پر شفق کی رنگینیاں بکھری
پڑی ہیں جس کی فضاؤں میں طلسم و کیف کی دُنیائیں لہرا رہی ہیں جس کے ذرّے ذرّے
میں شراب کی مستیاں انگڑائیاں لے رہی ہیں ٹائیٹل پیج نہایت حسین و جمیل، کتابت و طباعت
نہایت اعلےٰ ——— کتاب میں آٹھ تصویریں بھی ہیں ——— قیمت (عہ)
ملنے کا پتہ مکتبہ اردو لاہور
فلم اسٹار البم سنہ ۱۹۳۹ء
ہندوستان کی حسین و جمیل ایکٹرسوں کی لائف سائز تصاویر سے تیار شدہ سب سے بڑا البم
سالِ رواں کا نادر ترین تحفہ جسے مکمل کرنے کے لئے روپیہ پانی کی طرح صرف کیا گیا ہے
ہندوستان کے شہرہ آفاق فلم ایکٹر اور ہوش ربا حسین و جمیل ایکٹرسوں کے پوشیدہ حالات زندگی جو اس سے پہلے کبھی کہیں شائع نہیں ہوئے اگر آپ گھر بیٹھے جاننا چاہتے ہیں،
تو جہازی سائز کے اس فلم اسٹار البم کو آج ہی منگوا لیجئے جس میں ملک کے چیدہ چیدہ ایکٹرسوں کے پرائیویٹ پوزز (Private Poses) بڑی محنت
اور کوشش سے حاصل کر کے یکجا کئے گئے ہیں۔ اس البم کو مکمل کرنے کے لئے مست قلندر کے فلمی نامہ نگار کو ہندوستان کے خاص ایکٹروں اور ایکٹرسوں سے
بنفس نفیس ملاقات کرنا پڑی اور اس دوران میں بعض ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو شاید ہمیشہ ہی شائقین فلم کی نگاہوں سے اوجھل رہتیں۔ البم کا سائز ہے
اور اس میں ہر ایک فلمی ستارے کی آرٹ فوٹو (بڑی تصویریں) ایسی صاف اور نمایاں ہے کہ آپ داد دیئے بغیر نہ رہیں گے مختصر فہرست ملاحظہ ہو
دنیائے فلم کے نامور ایکٹر
(۱) اے ایم کمار (۲) اشوک کمار
(۳) نجم الحسین بی اے (۴) کے ایل سہگل
(۵) سہراب مودی (۶) دی شانتارام
ڈائریکٹر پربھات فلم کمپنی پونہ
(۷) یعقوب (۸) موتی لال
(۹) وغیرہ (۰) وغیرہ
مکمل حالات زندگی
(۱۳) مس گوہر (۱۴) مادھوری (۱۵) سلوچنا (۱۶) مایا
(۱۷) کانن بالا (۱۸) مس آزوری (۱۹) نسیم (۲۰) لیلا ڈیسائی
(۲۱) کامنی (۲۲) کملیش کماری (۲۳) ارملا گپتا (۲۴) زہرہ
(۲۵) راج کماری (۲۶) اندو رانی (۲۷) شاہزادی (۲۸) شیریں بانو
(۲۹) اناکشی راؤ (۳۰) اوشا (۳۱) ممتاز (۳۲) حسن بانو
(۳۳) نجن (۳۴) یاسمین (۳۵) سورنا وغیرہ (۰) باوجود ورجنل
تصاویر کے کاغذ ولایتی لکھائی چھپائی دیدہ زیب اور قیمت
صرف ایک روپیہ دو آنہ (عہ) معہ محصولڈاک ہے۔ لیکن پہلے
یکصد خریداروں کو خاص رعایت دی جائے گی یعنی صرف ۱۳ معہ
محصولڈاک ——— آج ہی طلب فرمائیے ——— ملنے کا پتہ
مینیجر مست قلندر لاہور
دنیائے فلم کی نامور ایکٹرسیں
(۱) جمنا (۲) زبیدہ (۳) بتو (۴) سپربھا
(۵) شانتا آپٹے (۶) اُما شاستی (۷) وسنتی (۸) آزوری
(۹) رتن پربھا (۱۰) رتن بائی (۱۱) درگا کھوٹے (۱۲) دیوکا رانی
حب جوانی
کے کھانے سے پٹھے مضبوط، دل، دماغ، جگر و معدہ اور گردہ و مثانہ طاقتور ہو جاتے ہیں۔ غذا ہضم ہو کر جزو بدن بنتی ہے۔
جریان و احتلام اور رقت و سرعت کی شکایت دُور ہو کر قوت باہ بحد بڑھ جاتی ہے۔ اور طبعی امساک ہونے لگتا ہے۔
جب کسی خلافِ فطرت فعل یا کثرت یا بڑھاپے کے سبب قوت باہ بالکل جاتی رہی ہو۔ یا خاص موقعہ پر سستی اور کمزوری
معلوم ہوتی ہو۔ تو ان تمام حالتوں میں یہ گولیاں اکسیر اعظم ہیں۔ مخلوق اور ناکارہ لوگوں کیلئے مسیحائی اثر رکھتی ہیں۔ قیمت ۳۲ گولیاں
ڈیڑھ روپیہ (عہ) علاوہ محصول (مفت ایک خط لکھ کر فہرست فی الفور طلب کیجئے۔ عنبرین فارمیسی جلال آباد مظفر نگر یوپی

بیکار گریجویٹ
تلاشِ ملازمت میں در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اب نیم پاگل سے ہوتے جا رہے ہیں۔ حضرتِ غالب کا یہ شعر ہر دم وردِ زبان رہتا ہے
نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
انجلینا لولائٹ
وہ خاتونِ مغرب جو اپنے آپکو دنیا کی حسین ترین عورت سمجھتی ہے
دنیائے مستی و قلندری کے بادشاہ

رسالہ مست قلندر لاہور

جلد (۲۰) بابت ستمبر ۱۹۳۹ء نمبر (۶)

ایک ہوش ربا منظر

اللہ رے اُن مست نگاہوں کا فسانہ / وہ جلوۂ بے رنگِ محبت کا زمانا
وہ عارضِ گلرنگ پہ بکھرے ہوئے گیسو / پھولوں کی زباں میں وہ گھٹاؤں کا فسانا
وہ سازِ تجلّی کے مچلتے ہوئے نغمے / ہنستی ہوئی نظروں کا وہ معصوم ترانا
اُڑتے ہوئے آنچل پہ ستاروں کا تبسم / وہ عرش کے بکھرے ہوئے جلووں کا خزانا
وہ کیفِ مسلسل۔ وہ سکوتِ مترنم / نازک سی جوانی کا وہ نازک سا فسانا،
وہ نیچی نگاہوں کی اُچٹتی ہوئی چوٹیں / وہ دِل پہ بھٹکتے ہوئے تیروں کا نشانا
شرمائی نگاہوں سے وہ پیغامِ محبت / احساس کی سوئی ہوئی دنیا کو جگانا
گفتار میں وہ طور کی معصوم کہانی / رفتار میں سیلاب کی موجوں کا فسانا
مخمور نگاہوں میں وہ چھلکے ہوئے ساغر / آنکھوں سے وہ جامِ مئے انوار پلانا،
موٹر کی سواری کا وہ نظارۂ دلکش / وہ حُسن کی خودداریِ فطرت کا زمانا
وہ جذبۂ دل کی مرے خاموش گذارش / وہ اُن کا تجاہل سے نگاہوں کو چرانا
وہ اُن کا اشاروں ہی اشاروں میں یہ کہنا / ہشیار کہ آسان نہیں دل کا لگانا
وہ میرا نگاہوں ہی نگاہوں میں یہ کہنا / اے جانِ تمنا مجھے اب بھول نہ جانا

یاد آئے گا اے آرزو تا زندگی مجھکو
وہ کافرِ فطرت کی خدائی کا زمانا

چاند ہمارے تمام آسمانی ہمسایوں سے نزدیک ہے بڑی بڑی دُور بینوں کے ذریعہ اس کی سطح کو دیکھکر ہمارے خیالات میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے اور یہ خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح چاند میں پہنچکر اس کی سیاحت کی جائے اگرچہ وہ ہماری دنیا سے کم از کم اڑھائی لاکھ میل کی دُوری پر ہے۔ گیلیلیو کے کمزور اور نامکمل آلۂ بصارت سے دیکھنے پر چاند ہمیں اٹھارہ سات ہزار میل کی دُوری پر نظر آتا تھا آج کل ایک نئی قسم کی دُوربین بن رہی ہے جس کے ذریعہ سے ہم چاند کو دنیا سے صرف چوبیس میل کی دُوری پر دیکھ سکیں گے۔

اچھا تو آئیے میں آپ کو چاند کی سیر کرا دوں۔ مگر ہاں پہلے میری کچھ اور باتیں سُن لیجئے۔ سب سے پہلے چاند کی سفر کی تکالیف۔ چاند کی سطح پر کامیابی کے ساتھ پہنچنا اور اپنی دنیا کی واپسی کا خیال نظرانداز کر دیجئے دوسرے وہاں سانس لینا۔ سردی اور گرمی کا برداشت کرنا بھول جائیے۔ تیسرے کھانا۔ لباس اور اس قسم کی دوسری ضروریات کے خیالات اپنے دماغ میں نہ آنے دیجئے۔ اگر آپ ان سب خیالات کو اپنے دماغ کے ہرگوشہ سے نکال سکتے ہیں تو آئیے ہم چاند کی سیر کریں۔

شاید سب سے پہلے جو بات ہمیں چاند میں پہنچکر معلوم ہوگی وہ آواز کی غیر موجودگی ہوگی۔ خاموشی ہر جگہ مسلط ہوگی چاند پر پانی کی غیر موجودگی چیزوں کو صاف بھی کریگی اور ساتھ اس کے چپیدہ بھی بنائے گی وہاں مکان کے چھت کی ضرورت صرف آفتاب کی گرمی سے بچنے کے لئے ہوگی کیونکہ وہاں بارش کا نام بھی نہ ہوگا۔ کھڑکیوں یا دریچوں کی زیادہ ضرورت نہ ہوگی کیونکہ وہاں ہوا اور گرد نہیں ہے جس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے ہمیں اس کا استعمال کرنا پڑے۔ دیواروں کی بھی خاص ضرورت نہ ہوگی دنیاوی حساب سے وہاں کا ایک دن دو ہفتوں کا ہوگا۔ وہاں سے ہم لوگوں کی دُنیا اپنا راستہ طے کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ دن کے وقت بھی آفتاب اتنا سیاہ نظر آئے گا جیسا کہ دنیا میں ہمیں رات کے وقت نظر آتا ہے۔ آسمان کی چھت میں ستاروں کے جواہرات ایسے ٹکے ہونگے جو جھلملانے کا نام بھی نہ لیں گے غرض وہاں بھی ایک ایسی دنیا ہوگی جو ہماری دُنیا سے بالکل مختلف ہوگی۔

ہماری دنیا اپنے محور پر ہمیشہ گھومتی رہتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ آفتاب کے چاروں طرف بھی گردش کرتی رہتی ہے۔ اسکی دوہری چال کا منظر چاند سے نہایت دلفریب معلوم ہوگا۔ اس کا قطر چاند سے چوگنا ہوگا۔ اسکی شکل میں بھی چاند ہی کی طرح تغیر و تبدل ہوتا رہے گا۔ جس طرح ہم لوگ دنیا سے چاند کی شکل میں ردّ و بدل پاتے ہیں اسی طرح چاند سے ہم لوگ دنیا کی شکل میں ردّ و بدل پائینگے۔ دُنیا کی شکل چاند سے بھی زیادہ چمکیلی نظر آئے گی۔ جب ہم لوگ چاند سے دُنیا کے چمکتے ہوئے چہرہ کو دیکھیں گے تو دنیا سے جیسا چاند کا چہرہ نظر آتا ہے وہ ہیچ معلوم ہوگا۔ دُنیا کے سمندر اور شمال و جنوب کے برفانی حصے آفتاب کی بے انتہا روشنی منعکس کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ دُنیا کے اردگرد بادلوں کی آمد و رفت ایک عجیب لُطف منظر پیش کریگی۔ غرض دُنیا ایک نہایت ہی چمکیلا سیارہ معلوم ہوگی۔

دُنیا میں ہم لوگ آفتاب کو ایک ایسا سوار سمجھتے ہیں جو صبح کو طلوع ہوتے ہی اپنے شعاعوں کے برچھے سے ستاروں کی فوج کو منتشر ہی نہیں کرتا بلکہ مار بھگاتا ہے اور اُن کا آسمان کی رزمگاہ میں نام و نشان بھی نہیں نظر آتا ہے۔ لیکن چاند سے دیکھنے کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب اور ستاروں میں صلح ہوگئی ہے۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پہ یکساں نظر آتے ہیں۔ ادھر آفتاب چمکتا ہے تو ادھر ستارے بھی درخشاں نظر آتے ہیں ان دونوں کا بیک وقت چمکنا ایک عجیب منظر ہوگا۔

چاند کی طرح دُنیا میں بھی تغیر و تبدل ہوتا ہوا معلوم ہوگا جس طرح چاند

ہر مہینہ میں ہلال اور بدر بنتا ہے اسی طرح دنیا بھی چاند والوں کے لئے ہلال و بدر کا منظر پیش کرے گی۔ دنیا والوں کو جس زمانہ میں چاند کا حصہ گھٹتا ہوا نظر آتا ہے اس زمانہ میں چاند والوں کو دنیا کی شکل بڑھتی ہوئی نظر آئے گی۔

چاند سے ہم لوگ آفتاب کو یکایک غروب اور یکایک طلوع ہوتے ہوئے دیکھیں گے۔ وہاں صبح کے دلفریب نظارے اور شام کے دلکش مناظر دیکھنے میں نہ آئیں گے۔ وہاں آفتاب خراماں خراماں نہیں چلیگا۔ وہ اپنے کام میں بہت سرگرم نظر آئے گا۔ ابھی رات ہوگی اور ابھی دن ہوجائے گا۔ روشنی اور تاریکی بہت جلد ایک دوسرے پر غالب ہوتی ہوئی نظر آئینگی۔

دنیا سے جب ہم لوگ غروب آفتاب کا منظر دیکھتے ہیں تو اس وقت کرۂ باد بالکل سرخ ہوجاتا ہے۔ کرۂ باد سے روشنی چھن چھن کر ماہتاب پر پڑے گی جو اس کو پیتل کا رنگ رنگ دیگی۔ جب چاند پر رہنے والوں کے لئے آفتاب میں گہن لگتا ہے تو ٹھیک اسی وقت دنیا والوں کا چاند گہن کا منظر پیش کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ چاند والوں کے لئے آفتاب کا گہن دنیا والوں کے لئے ماہتاب کا گہن ہے۔

جس وقت دنیا کا کامل چہرہ چاند سے نظر آئے اس وقت اگر کوئی چاند کا رہنے والا دوربین لگا کر دیکھے تو اسے چاند کا سایہ زمین پر آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا نظر آئے گا اگر ہم دوربین کے ذریعہ کسی دنیاوی پہاڑ کی چوٹی پر سے دیکھیں تو ایک بہت چھوٹا نشان بادلوں کے سایہ سے بھی دبیز زمین پر کھسکتا اور رفتہ رفتہ زائل ہوتا ہوا نظر آئے گا۔

چاند سے ہم لوگ کبھی ٹوٹتا ہوا ستارہ نہیں دیکھیں گے۔

برخلاف اسکے دنیا سے ہم لوگ ہر شب ستارہ کو ٹوٹ کر گرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ دنیا کے کرۂ باد میں جب ستارہ ٹوٹ کر گرتا ہے تو زمین کے ذرات جو فضا میں پھیلے رہتے ہیں اس کی ٹکر سے چمک اٹھتے ہیں لیکن ان کی یہ چمک بہت جلد ختم ہوجاتی ہے۔ دنیا پر سینکڑوں ستارے ٹوٹ کر گرتے ہیں مگر کرۂ باد جو کہ دنیا کا محافظ ہے ان ٹوٹے ہوئے ستاروں کو سطح دنیا پر پہنچنے میں مانع ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دنیا پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چونکہ دنیا پر سینکڑوں ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے ہیں اس لئے ہمیں یقین ہوتا ہے کہ چاند پر بھی گرتے ہونگے چونکہ چاند پر نہ فضا ہے نہ بادل اس لئے ٹوٹے ہوئے ستاروں کو چاند کی سطح پر پہنچنے کے لئے کوئی شے رکاوٹ نہ ڈالیگی۔ اس لئے جو ستارے ٹوٹ کر وہاں گرتے ہوں گے وہ بندوق کی گولی کی مانند طاقت رکھتے ہونگے اور اسی طاقت سے آکر چاند کو ضرب پہنچایا کرتے ہونگے۔

ہر شخص کبھی نہ کبھی یہ ضرور سوال کرتا ہے کہ
کیا چاند میں زندگی کا نام و نشان ہے یا کبھی رہا ہے۔؟

چاند میں اگر کبھی زندگی کا نام و نشان رہا بھی ہوگا تو یہ کرۂ باد یا فضا کے ساتھ ہی ساتھ ختم ہوگیا ہوگا۔ کیونکہ بغیر کرۂ باد کسی متنفس کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ اگر کسی قسم کی ذی فہم ہستی چاند پر کبھی موجود رہی بھی ہوگی اگرچہ چاند پر زندگی کا وجود یقین کے لائق نہیں تو ان کے مکانات سڑکیں وغیرہ اب موجود ہونگی۔ جب وہاں کرۂ باد ہی نہیں ہے تو رطوبت بھی نہ ہوگی۔ اور یہی چیزیں انسان کے کاموں کی سب سے بڑی دشمن ہیں ہوا پانی۔ پالا اور آکسیجن ہی ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے کاموں کو بہت جلد برباد کر ڈالتی ہیں۔ اگر یہ برباد کرنے والی اشیاء نہ ہوتیں اور انسان بغیر کرۂ باد کے زندہ رہ سکتا تو اس کا ہر کام غیر فانی ہوتا۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر چاند میں ذی فہم ہستی کبھی رہی ہوگی تو اسکی نشانیاں ابتک موجود ہونگی اور غیر فانی ہوں گی۔ مگر ستاروں کے ٹوٹ کر گرنے سے وہاں نقصان ضرور ہوتا ہوگا۔

بہت ہی سے حقیقت زندگی رکھنے والے مثلاً ایسے پودے چاند پر پائے جاسکتے ہیں جن کو اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے آکسیجن اور رطوبت کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے۔ چاند میں زندگی ہو یا نہ ہو مگر اس کی حالت دنیا سے بالکل مختلف ہوگی۔

چاند کے درمیان میں جو سیاہ حصہ نظر آتا ہے قدیم مشاہدہ کرنے والوں نے اسے سمندر یا بحر سمجھ رکھا تھا۔ لیکن ایک سمندر کو بالکل ہموار ہونا چاہئے اور وہ سیاہ حصہ بالکل ہموار نہیں ہے۔ اس سیاہ حصہ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ پہاڑیاں ہیں اور اسی قسم کی دوسری ناہمواریاں ہیں۔ یہ تاریک قبہ چاند کے بہت بڑے حصہ کو چھپائے رہتا ہے۔

جب ہم لوگ کسی معمولی دوربین کے ذریعہ دنیا میں کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی کا سایہ کسی پتھر پر دیکھتے ہیں تو یہ بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ چاند کے اونچے اونچے پہاڑ بھی جن کی بلندی سر زمین ماہتاب سے دو تین میل بلند ہوتی ہے بہت ہی چھوٹے نظر آئیں گے۔

اس تاریک حصہ کے علاوہ چاند پر ایک عجیب شے ہے یہ ایک پہاڑی ہے جو چاند کی سطح سے پانچ سو فیٹ بلند ہے۔ جب آفتاب کی شعاع اس کے صاف و شفاف چہرہ پر پڑتی ہے تو یہ پہاڑی چمک اٹھتی ہے۔ اس میں روشنی آجاتی ہے۔ لیکن جب اس پر سایہ ہوجاتا ہے تو سوائے ایک خط کے اور کچھ نہیں نظر آتا مسلم پہاڑی غائب ہوجاتی ہے۔

یہ ۲ ہزار ایک سو ساٹھ میل کا کرہ جس کے تجسس میں دنیا کے سائنسدان

چل دیئے

غیر مطبوعہ

از حضرت ماہر القادری

چشمِ نم پر مسکرا کر چل دیئے
آگ پانی میں لگا کر چل دیئے

اِک ذرا آئے تھے آکر چل دیئے
اپنی پرچھائیں دکھا کر چل دیئے

ساری محفل لڑکھڑاتی رہ گئی
مست آنکھوں سے پلا کر چل دیئے

گردِ منزل آج تک ہے بیقرار
اِک قیامت سی اُٹھا کر چل دیئے

میری اُمیدوں کی دُنیا ہل گئی
ناز سے دامن بچا کر چل دیئے

مختلف انداز سے دیکھا کئے
سب کی نظریں آزما کر چل دیئے

گلستاں میں آپ آئے بھی تو کیا
چند کلیوں کو ہنسا کر چل دیئے

وجد میں آکر ہوائیں رہ گئیں
زیرِ لب کچھ گنگنا کر چل دیئے

وہ فضا، وہ چودھویں کی چاندنی
حُسن کی شبنم گرا کر چل دیئے

وہ تبسم، وہ ادائیں، وہ نگاہ!
سب کو دیوانہ بنا کر چل دیئے

کچھ خبر اُن کی بھی ہے ماہر تمہیں
آپ تو غزلیں سُنا کر چل دیئے

پریتم کی یاد

از جناب ربط ہاشمی
فاضل ادب

آج ایسے برکھا رُت میں تم کہاں ہو پریتم، تمہاری پیار کی باتیں ایک ایک کرکے آج یاد آرہی ہیں۔

~~~~~~

ماہتاب ابر میں روپوش ہوگیا ہے۔ فضا پہ تیرگی چھا گئی ہے۔

بارش کی بوندیں زوروں پہ پڑ رہی ہیں ایسے میں تم کہاں ہو پیارے،

~~~~~~

بجلی چمکتی ہے۔
بادل گرجتا ہے
مجھے ڈر لگتا ہے

تم رہتے تو میں تمہاری آغوش میں چھپ جاتی۔
سینہ سے لگ جاتی۔
آج ایسے بادل میں تم کہاں ہو ساجن!

~~~~~~

آج تم میرے پاس ہوتے،

میں تمہیں میٹھی میٹھی باتیں سناتی۔ شیریں، محبت میں ڈوبی ہوئی باتیں کہتی۔
آہ تم کہاں ہو؟
کاش ایسے وقت میں
تم میرے پاس ہوتے!
~~~~~~

ممکن ہے میری اس جرأت پر کہ اپنی کالج لائف کے شرمناک واقعات کو نہایت بے باکی اور دلیری سے قلمبند کر رہی ہوں بہت سے لوگ چیں بہ جبیں ہو جائیں اور مجھ سے نفرت کرنے لگیں لیکن ضرورت اس کی ہے کہ وہ میرے افسوسناک واقعات سے متاثر ہو کر مجھ سے نفرت نہ کر کے سوسائٹی اور والدین کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ تمام ذمہ داری انہیں کے سر ہے۔ سوسائٹی آئے دن کالج گرلز کے شرمناک اور دل کو تڑپا دینے والے واقعات سنتی رہتی ہے مگر اسکے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اور وہ اس طرح پنبہ بگوش بیٹھی ہے جیسے اسے کچھ معلوم ہی نہیں۔ اس کو کبھی اس کی فکر نہ ہوئی کہ تعلیم پانے والی نوے فیصدی لڑکیوں کی اخلاقی زندگی کے پست معیار کو بلند و اعلےٰ کرے۔ اس کے برعکس وہ واقعات پر ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہے۔ میں بلا خوف تردید کہہ سکتی ہوں کہ کالج گرلز کے اخلاق و اطوار پر طلسم داریوں کا پردہ پڑا ہے اور تعجب ہے کہ ان ظاہر داریوں کا ہر شخص دلدادہ ہے والدین اور معلمین بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔

میری کالج لائف کے افسوسناک واقعات کو معلوم کر کے شاید آپ بھی مجھ سے نفرت کرنے لگیں لیکن اصول اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مجھ سے نہیں بلکہ میرے واقعات سے نفرت کر کے سوسائٹی کی سرد مہری اور تغافل شعاری کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ میرے واقعات موجودہ اصول تعلیم پر آپ کے اعتقاد کی دیوار کو مسمار کر دینگے۔

خود غرض اور فرض ناشناس لوگوں کو ہرگز یہ گوارا نہیں کہ واقعات نہایت آزادی سے ان کے گوش گذار کئے جائیں کیونکہ اس طرح انہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ خاموشی اور ضمیر فروشی میں انہیں سکون و اطمینان ملتا ہے اور جب حقیقت بیانی کا انہیں اسقدر تلخ احساس ہوتا ہے تو حقائق کو روشنی میں لانیوالوں کو بھی اس کی جرأت نہیں ہوتی۔ تاہم وقت اور ضرورت راستہ صاف کر دیتے ہیں۔

چونکہ میں کالج گرل رہ چکی ہوں اس لئے مجھے خوب معلوم ہے کہ اس کی چار دیواریوں میں کیسے کیسے رنگین اور شرمناک ڈرامے کھیلے جاتے ہیں۔ میں اعلےٰ درجہ کے ایک متوسط خاندان کی لڑکی ہوں۔ اس خاندان کے لوگ اپنی لڑکیوں کو اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجتے ہیں اور قبل ازیں کہ وہ لڑکیاں مطلوبہ تعلیم سے فارغ ہو سکیں انکی باقی ماندہ زندگیوں کا مالک والدین دوسروں کو بنا دیتے ہیں، جو ان لڑکیوں کی زندگی کے ہر لمحہ پر حکومت کرتے ہیں۔

پندرہ برس کی عمر تک میرے تعلقات صرف والدین اور قریبی رشتہ داروں تک محدود تھے۔ مجھے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ دنیا کو ایک بدکاری و سرکشی کی حیثیت سے دیکھوں۔ اپنی عمر کے لڑکوں کی صحبت اور ملاپ سے ہمیشہ احتراز کروں۔ میں اپنے والدین کے ان احکام کا احترام کر کے نہایت سختی سے پابند رہی۔

جب میری عمر سولہ سال سے کسیقدر زائد ہو گئی تو مجھے شہر میں لیجا کر ایک کالج میں داخل کر دیا گیا۔ میرے قیام و طعام کا بھی وہیں انتظام

کیا گیا۔ یعنی میں ریزیڈنٹ اسٹوڈنٹ (Resident Student) تھی۔ ہائی اسکول میں تعلیم پانے کے دوران میں کسی غیر مرد سے واقف نہ ہو سکی تھی اور میں عورت و مرد کے تعلقات کے نشیب و فراز سے بالکل بے خبر رکھی گئی تھی۔ حتیٰ کہ ایک ہلکا سا تصور بھی اس سلسلہ میں میرے دل و دماغ میں موجود نہ تھا۔ کبھی اتفاقیہ طور پر ہمارے اسکول میں جنسی معاملات پر بحث چھڑ جایا کرتی تھی تاہم کچھ نہ جان کر بھی میں اپنی ہم جماعت لڑکیوں سے زیادہ جانتی تھی۔

لیکن کالج میں پہونچکر جنسی معلومات سے بہرہ ور ہونے کیلئے میرے دل میں ایک نامعلوم سی خواہش پیدا ہو گئی۔ اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کا جنون مجھے بے چین رکھنے لگا۔ قریباً وہ تمام لڑکیاں جن کے ساتھ میری نشست و برخاست تھی "راز" کی باتوں میں بہت دلچسپی لیتی تھیں اور وہ راز کی باتیں شادی، بچوں کی پرورش اور انسانی زندگی کے دوسرے مراحل و معاملات سے متعلق ہوتیں۔ تحریک پیدا کرنے والے ایسے مباحث سے سب کو برابر دلچسپی تھی۔ لیکن کسی کو صنفی زندگی کا صحیح علم نہ تھا۔ زچگی سے متعلق باریکیوں کی معلومات حاصل کرنے کے لئے ہمارے دل میں بجید خواہش ہوتی ہے مگر یہ باتیں ہم اپنے والدین سے نہیں دریافت کر سکتیں بلکہ مواقع اور اتفاقات کی منتظر رہتی ہیں۔ اس قسم کے سوالات کی جرأت ہم معلمین و معلمات سے بھی نہ کر سکتی تھیں کیونکہ "صنفیات" حدود کالج کا درس ممنوعہ تھی۔

ایک روز خفیہ طور پر ہم سب "جنسیات" پر تبادلۂ خیالات کر رہی تھیں۔ پرنسپل نے ہمیں ایسا کرتے دیکھ لیا اور انتباہ کی کہ شادی سے پہلے کسی لڑکی کا جنسیات سے واقف ہونے کی کوشش کرنا نہایت معیوب ہے۔ مدرسوں کے انہیں نظریات نے ہمارے تجسس اور منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ مگر مسلسل مباحثوں سے ہماری معلومات میں کسیقدر اضافہ ہوتا رہا۔ اور اس "کسیقدر" نے ہمیں تمام حالات سے باخبر ہونے کی خواہشمند بنا دیا۔ فرصت کے تمام اوقات ہم لوگوں نے اسی بحث کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ کبھی کبھی ہم لوگ بحث کرتے کرتے ناقابل بیان حد تک پہنچ جایا کرتی تھیں اور ہم میں سے ہر ایک اپنے دل میں اس خواہش کی پرورش کرنے لگی کہ اسے بھی ذاتی طور پر مشاہدہ کا موقع ملتا۔ مگر اب تک یہ باتیں ہمارے لئے سربستہ راز تھیں۔ خطرناک مضامین سے بھری ہوئی بند کتاب!"

کالج کے چار سال نے زندگی سے متعلق میرے تمام نظریات بدل دیئے۔ ناول کے مطالعہ سینما بینی اور اخبارات نے مجھے اپنی جوانی کا احساس دلایا اور میرے سوئے ہوئے جذبات کو جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا۔ میں بے چین سی رہنے لگی۔ یہ کوئی تعجب خیز بات نہ تھی۔ میری تمام سہیلیاں میری ہی طرح بے چین و مضطرب تھیں۔ مگر یہ باتیں ہمارے لئے بالکل ممنوعہ تھیں۔ ہماری عمر کے لڑکوں کو ہم سے بالکل الگ نہایت احتیاط اور نگہبانی سے پڑھایا جاتا تھا۔ اور ہم لوگوں سے ملنے جلنے کے سلسلہ میں ان کے ساتھ ایسی سختیاں برتی جاتی تھیں گویا ہم چیچک اور طاعون کی قسم کی کوئی بلائے ناگہانی تھیں۔ ہم لوگوں کو یہ بھی بتایا جاتا کہ لڑکوں کی ذات بڑی "خطرناک" ہوتی ہے — مگر کیوں؟ اور کیسے؟ یہ ہمیں معلوم نہ تھا اور نہ ہی سمجھایا گیا تھا۔

ایک روز شام کے وقت چند دوسری لڑکیوں کے علاوہ میں بھی ایک سہیلی کے گھر چائے پر مدعو کی گئی۔ ہماری اس سہیلی کے گھر میں اس کی ماں اور ایک بھائی کے علاوہ دوسرا کوئی نہ تھا۔ اس کے بھائی کی عمر میرے برابر ہی رہی ہوگی۔ اور ہاں قریباً چالیس سال کی عمر کا اسکا کوئی رشتہ دار بھی تھا۔ ہم لوگوں نے شام اپنی سہیلی کے گھر پر ہی گذار دی۔ اس کا بھائی بھی ہماری طرح کسی کالج کا طالب علم تھا۔ اس سے ملاقات کر کے گفتگو کرنے کی خواہش ہمارے لئے عین فطری تھی۔ اس سے مل کر ہم بہت خوش ہوئیں۔ لیکن بدقسمتی سے وہ ہم لوگوں سے بھی زیادہ شرمیلا اور محتاط واقع ہوا تھا۔ اس لئے اس سے تھوڑی دیر تک گفتگو کرنے کا شوق پورا نہ ہو سکا۔ وہ سارے وقت تک ہمارے پاس آنے سے ہچکتا رہا۔ مگر دوسرا آدمی ہمارے ساتھ نہایت آزادی اور دلچسپی سے بات چیت کرتا رہا۔ چونکہ وہ نوجوان نہیں تھا اس لئے اس سے احتراز کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ خاص طور پر میری طرف متوجہ تھا۔

اپنی سہیلی کے گھر بار بار جانے کے بعد اس آدمی سے مجھے ایک طرح کا تعلق پیدا ہو گیا۔ اس کا انداز گفتگو بہت دلکش اور مؤثر تھا اور اس کی بعض نادر باتوں سے اس کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ بھی ملتا تھا۔ کبھی کبھی اس کے جسم کا اتفاقیہ لمس میرے بدن میں کپکپی پیدا کر دیتا۔ چند ہی دنوں بعد اس نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگا تھا۔ میرے دل میں ایک تلخ احساس اتنی شدت سے پیدا ہوا کہ میں تلملا اٹھی۔ مگر خاموش رہ گئی اپنی سہیلیوں سے بھی اس کا تذکرہ نہ کیا۔ مگر نہ جانے کیوں اس واقعہ کے بعد بھی میں اس سے ملنے کی خواہشمند رہی۔

ایک روز میری سہیلی نے مجھے بلانے کے لئے اسی کو بھیجا میں اس کے ساتھ گئی۔ تمام راستہ تنہائی کی وجہ سے مجھ پر خوف طاری رہا۔ اس نے اپنی محبت کا یقین دلانے کے لئے بڑے سادے اور پُر تاثیر الفاظ استعمال کئے اور میں متاثر بھی ہوئی، —— اُف! ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اسکے بعد جو واقعات اسکے ساتھ گذرے ان کو قلمبند کروں۔

جب مجھے حقیقت کا احساس ہوا وقت گذر چکا تھا۔ بس اس وقت میں اتنا ہی جانتی تھی کہ میں ایک "گم کردہ راہ" لڑکی تھی۔ جنسیات کے اس "خوفناک مشاہدہ" کے بعد میں نے خود کو ایک پچھتے والی بات کے مصداق پایا۔ جس آدمی نے مجھے فریب دیکر خراب کیا تھا وہ شادی شدہ تھا اور عمر کے لحاظ سے بھی مجھ سے دگنا۔ جس وقت میں مستقبل کی خطرناکی سے آگاہ ہوئی میری آنکھ کھلی اور موقع کی نزاکت دیکھ کر میری روح پریشان ہوگئی۔ کیونکہ حالات کو سدھارنے کا موقع گذر چکا تھا۔

وہ مجھ سے پھر ملا۔ مگر اب میں معصوم لڑکی نہ تھی بلکہ میرا دامن عصمت و عصمت چاک کیا جا چکا تھا اور جنسیات کی لذتوں سے آشنا ہو چکی تھی۔ میں نے اس سے شادی کا مطالبہ کیا مگر وہ ٹھکرا دیا گیا اور میں کسی خاص فیصلہ پہ پہونچنے کے لئے چھوڑ دی گئی۔ شرمناک زندگی، والدین کی ذلت و بدنامی اور خودکشی! ان تینوں میں سے مجھے کسی ایک کو اپنے لئے پسند کرنا تھا۔ مجھے یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ خود کو دریا میں غرق کر کے والدین کی عزت و حرمت کی ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچالوں۔

میری زندگی کو خراب کرنے والا انسان سوسائٹی کا ایک سربرآوردہ رکن تھا جسے ہم "سماجی درندہ" کہتے پر مجبور ہوں۔ میں نے ہمیشہ کیلئے ایک مرتبہ تجربہ کیا کہ یہ اس کی محبت نہیں تھی جس نے مجھے خراب کر دیا بلکہ یہ اسکی وحشیانہ نفس پرستی کی مکروہ تحریک تھی جس نے اس کو اس "درندگی" اور بیدردی پہ آمادہ کیا۔ اور وہ ایک سیدھی سادی معصوم و بے خبر لڑکی کو ترغیب دیکر اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کرتا رہا —— ظالم!

غم اور شرم نے میری حالت ابتر کر دی اور قبل اس کے کہ میں اپنے آخری فیصلہ پر عمل کر سکتی میں بیمار ہو گئی۔ اور مجھے والدین کے پاس پہونچا دیا گیا۔ وہاں پہنچکر میں نے اپنی ماں پر راز کا انکشاف کر دیا۔ میری ماں چونک پڑی —— میرے والدین نے یہاں تک کوشش کی کہ اگر ممکن ہو تو میرے لئے ایک شوہر "خرید" کر دیں اور دنیا والوں کی نظر میں ایک پاکباز اور عصمت مآب عورت بنا کر رکھیں۔ مگر یہ تجویز مجھے پسند نہ آئی کہ ایمان فروشی کر چکنے کے بعد بھی اپنے گناہ کو کسی مرد کے سر تھوپ کر ایماندار کہلانے کی مستحق بنوں۔

خدا کا شکر ہے کہ میں چند ذلیل ترین اخلاقی جرائم کے ارتکاب کی ترغیب و تحریک کا نہایت دلیری سے مقابلہ کرتی رہی میرے والدین کافی امیر تھے اس لئے میں اپنے موجودہ گھر کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر بدنامی سے بچنے کے لئے ملک کے کسی دوسرے حصہ میں قیام کر سکتی تھی۔ اور میں نے ایسا ہی کیا بھی۔ آج میں اپنے بچے کے ساتھ جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ کیونکہ خودغرضوں اور نفس پرستوں کی انجمن —— سماج ایک معصوم لڑکی اور اس کے معصوم بچے کو سماج اور والدین کی پیشانی پر کلنگ کا ٹیکہ سمجھتی ہے حالانکہ وہ خود اس بیگناہ لڑکی کے جرم کا باعث ہے۔ اسکے باوجود وہ لوگ جو بھولی بھالی، ناتجربہ کار لڑکیوں کو گناہ کے تاریک غار میں دھکیل دیتے ہیں دنیا میں سرخرو اور سربلند ہیں۔ اور سوسائٹی کے "معزز" ارکان میں شمار کئے جاتے ہیں۔

چونکہ مجھ میں ہمت تھی اس لئے آج تک جیتے جا رہی ہوں اور ساتھ ہی ایک ننھی سی معصوم جان بھی تلف ہونے سے بچ گئی ہے ورنہ میری جیسی سینکڑوں فریب خوردہ لڑکیاں سماجی ظلم و مظالم کے خوف سے اپنی قیمتی ہستیاں بیرحمی سے فنا کر دیتی ہیں۔

میں چاہتی ہوں کہ میری سرگذشت سماج، والدین، معلمین اور کالج گرلز کی آنکھوں پر سے غفلت اور کوتاہ بینی کا پردہ اٹھادے۔ اور جن باتوں کو وہ تاریکیوں میں گم سمجھتے ہیں ان کو روشنی میں دیکھیں۔ اس قسم کے دردناک واقعات کالجوں میں آئے دن ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ان میں سے بہت کم منظر عام پر آتے ہیں ورنہ زیادہ تر صیغہ راز میں رکھے جاتے ہیں آج کل بھی جبکہ ساری دنیا تعلیم یافتہ لڑکیوں کی خودکشی پر محو حیرت اور انگشت بدنداں ہو کر اظہار رنج و افسوس کر رہی ہے کوئی ایسا نہیں جو تحقیقات کی طرف متوجہ ہو اور وہ اس "ہیبت ناک دیو" کو موت کے گھاٹ اتار دے جو ان الم انگیز سانحات کے پس پردہ سانس لے رہا ہے۔

میں اپنے دردناک واقعہ کے متعلق نہایت دلیری سے عرض کرونگی کہ میرے پاؤں میں ہرگز ہرگز لغزش نہ ہوتی اگر مجھے ان معلومات سے بہرہ مند کیا گیا ہوتا جو اس عمر کی ہر لڑکی کے لئے اشد ضروری ہیں کیونکہ اس عمر میں فطری طور پہ اسکی جوانی کے احساسات پوری قوت و شدت سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں یہ بھی کہونگی کہ کوئی لڑکی راہ راست سے نہیں بھٹک سکتی اگر اس پر انسانی تعلقات کی باریکیاں بخوبی واضح ہوں۔ بہت سے والدین اس معاملہ میں بہت سی واقفیت رکھنے کے باوجود اپنی لڑکیوں کو ان باتوں سے آگاہ کر دینا سخت بے حیائی اور معیوب سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں ہمارے معلمین اور بھی نکمے واقع ہوئے ہیں۔ یہی جنسیات سے لاعلمی لڑکیوں کی اخلاقی زندگی کی خرابیوں کا باعث ہوتی ہے۔

محبت اور جنسیات کا احساس ایک فطری جذبہ ہے جو ایک لڑکی کے دل میں پیدا ہو کر اس کو گدگداتا ہے اور یہ ایک مسلم امر ہے کہ کسی لڑکی کے طوفانِ جذبات کو نہیں روکا جا سکتا کیونکہ ان جذبات کی بیداری کا تعلق اس لڑکی سے نہیں بلکہ اس کی اٹھتی ہوئی جوانی سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی جتنی نگہبانی کی جاتی ہے وہ ترغیبات سے اتنی ہی متاثر ہوتی ہے۔ والدین

اور معلمین سوچتے ہیں کہ وہ لڑکیوں کو ہر طرح کے رومان سے محفوظ رکھ سکیں گے مگر ایک نامعلوم اور غیر محسوس شئے ان کی رگوں میں شباب رومان کی حرارت کو تیز کرتی رہتی ہے۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مرد بھیڑیئے ہیں جو معصوم ممنوں (لڑکیوں) کا شکار کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ میمنہ اگر چاہے تو خود کو بھیڑیئے سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ یہ اولین اور بدترین غلطی ہے کہ سوسائٹی اپنے اس فیصلہ میں بھی حق بجانب نہیں۔ جب تک کہ میمنہ کو یہ نہ معلوم ہو کہ بھیڑیا اس کے ساتھ کس سلوک کا منتظر رہتا ہے تو یہ ایک عجیب اور لایعنی بات ہے کہ وہ بھیڑیئے سے دور ہی بھاگنے کی کوشش کرے۔ اس صورتِ حالات کے باعث اگر کوئی لڑکی کسی مرد کے فریب میں آجاتی ہے تو اس کو آبرو باختہ کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اس لڑکی کا جو کام باقی رہ جاتا ہے وہ ہے گولڈ اسمتھ کا قول "مرنا" اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہ جاتی ہے تو اس کو ذلیل زندگی گذارنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اور وہ سوسائٹی کی نظروں میں ہمیشہ کے لئے "خراب" ہو جاتی ہے اگر اس کا باپ امیر ہے تو گذر اوقات کا سامان پیدا ہو جاتا ہے ورنہ اسے کوئی ناجائز صورت اختیار کرنا ہوتی ہے۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ اس کو خراب کرنے والا مرد اس سے شادی کر لے۔ مرد اکثر لڑکیوں کی آبرو ریزی کرنے کے بعد روپوش ہو جاتے ہیں

یہ بات ہماری عین بدنصیبی ہے کہ سوسائٹی حقیقت سے چشم پوشی کر کے یہ سمجھتی ہے کہ ان باتوں کا اثر خارجی طور پر صرف عام اخلاقیات پر پڑتا ہے۔ حالانکہ یہ کمزوریاں انفرادی عادات و اطوار پر بھی نہایت خوفناک طور سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ اگر ایک حساس طبع اور بیدار مغز لڑکی حقائق سے باخبر ہے تو وہ ہرگز خود کو ایسے ہولناک مظالم کے سپرد کر کے اپنی زندگی کو زندۂ جاوید عذاب میں منتقل کرنے کی جرأت نہ کرے گی۔ سماج کی طرف سے جو باتیں عمل میں آ رہی ہیں ان میں صداقت اور معقولیت کا شائبہ تک موجود نہیں ان باتوں کی مدافعت تب ہی ممکن ہے جب خوفناک حقائق سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمت اور ایمانداری سے کام لیا جائے۔ اور ان غیر ارادی ریاکاریوں کو بھی محسوس کیا جائے جو اخلاق کا گلا گھونٹ دیتی ہیں۔

میں یہ بانگ دہل کہوں گی کہ والدین اور معلمین زندگی کے اشد ضروری مسائل کو جانتے ہوئے بھی انہیں اپنی لڑکیوں کو نہیں بتاتے۔ کسی لڑکی کی نگہبانی، گھر ہو یا ہوسٹل، ہر جگہ ناممکن ہے۔ وہ اپنے اوپر جبری اختیار کو کسی حال میں پسند نہیں کرتی۔ اس کو اپنے جائز مطالبات سے روکنے کی جتنی بھی کوشش کی جائے ان کے لئے وہ اتنی ہی برسرِ پیکار ہو گی۔

اگر کوئی شخص واقعی اصلاح کی خواہش رکھتا ہے تو سب سے پہلے لڑکیوں کی خاص طور پر کالج گرلز کی اس شکایت کو دور کرنے کی کوشش کرے کہ انہیں جنسی زندگی کے اہم ترین مسائل سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے

~~~~~~

گذارش مضمون ہذا کو اگر وسیع النظری کے ساتھ پڑھا جائے تو متعدد خامیاں پائی جاتی ہیں اور بہت سی قابلِ اعتراض باتیں موجود ہیں چنانچہ ناظرینِ نظرات "مست قلندر" کی خدمت میں میری گذارش ہے کہ اگر آپ میں سے کوئی ان خامیوں کی تفصیلی تردید کرنے کی فہرست نکال سکے تو میں بہت خوش ہوں گا۔

مشق منظفر پوری

ارشاداتِ کبیر

(از جناب نواب زادہ سید علی کبیر خاں صاحب کبیر رئیس اعظم گورکھپور)

زندگی پُربہار معنی ہے
کوئی دشوار مسئلہ پوچھو
درِ اقدس پہ آکے بیٹھا ہوں
چاہیئے کیا کہ جستجو میں کروں
قصۂ دل سنا ہے تم نے کبھی

کوئی کچھ بھی کہے زمانہ ہے
اسکے سلجھانے کو زمانہ ہے
بس یہیں پر مرا ٹھکانا ہے
ایک گردش ہے اور زمانہ ہے
اک فسانہ میں اک فسانہ ہے

حسن فرسودہ ہو چکا ہے کبیر
یعنی گذرا ہوا زمانہ ہے

~~~~~~

(بقیہ **فرازمین چاند تک**) سرگرم کوشش ہے ہیں دنیا سے بہت چھوٹا ہے۔ اسکی کشش ثقل دنیا کی کشش کے مقابلہ میں صرف ⅙ حصہ ہے۔ اس لئے جس شخص کا وزن دنیا میں ایک سو پچاس پونڈ ہوگا اسی کا وزن چاند میں پچیس پونڈ ہوگا۔ . . . .

ناظرین وہ دن دور نہیں جب ہم لوگ اس خیالی تصور کو چھوڑ کر حقیقت میں چاند کی سطح پر کامیابی کے ساتھ قدم رکھیں گے۔ چاند اور دنیا کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ قائم ہو جائے گا۔ سید ذو الفقار حید نقوی منظفر پوری

(جملہ حقوق محفوظ)

کون بیوفا ہے؟ عورت ..... یا ..... مرد!؟

از جناب اقبال احمد صاحب شمیم کراچی

میرا ایک افسانہ "کیا عورت سچ مچ بے وفا ہوتی ہے" ماہ جون میں شائع ہوا تھا۔ جس کے جواب میں گذشتہ سے پیوستہ ماہ محترمہ خ۔ ب۔ حجاب کا ایک افسانہ "عورت نہیں مرد بے وفا ہے" نظر سے گذرا۔ نہ جانے انہیں یہ یقین کیسے ہو گیا کہ ہم سخن فہمی کی حد سے گذر کر غالب کے طرفداروں میں شامل ہو چکے ہیں۔

ـــــ! مرد کی ہوسناکی محتاج تشریح نہیں۔ مانا کہ وفا عورت کی سرشت ہے ـــــ! یہ وفا آج سے ایک صدی پہلے دنیا کے کسی گوشے میں پائی جاتی ہو تو اس میں کلام نہیں۔ مگر فی زمانہ یہ جنس بازارِ عالم سے عنقا ہے۔ یا اگر کہیں ہے بھی تو نہایت خفیف مقدار میں ـــــ! سچ پوچھئے تو وفا ـــــ مرد ـ یا ـــــ عورت کی ذات سے مخصوص نہیں کی جا سکتی۔ دونوں یکساں طور پر اخلاص مروت کے پتلے اور دونوں مکر و فریب کے گھناؤنے پیکر ہیں ـــــ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مغربی تہذیب کی بیباکیوں اور عریانیوں نے ہندوستانی عورت کو جسقدر انگلیوں پر نچایا ہے۔ اسکی مثال شاید تواریخ عالم میں ڈھونڈے نہ ملے۔ حیا۔ شرم۔ عفت اور عصمت جس پر عورت اپنی جان تک قربان کر دیا کرتی تھی ـــــ اسے بقول محترمہ حجاب صاحبہ کے ـــــ "ہوس کار لڑکوں کی چکنی چپڑی باتوں" کے عوض ـــــ ایسی حقیر قیمت پر بیچ دینا بھی شاید عورت کی سرشت میں پہلے نہ تھا ـــــ عورت آزادی چاہتی ہے۔ جلسوں اور ٹی پارٹیوں پر اپنی زلف دراز کو "شاعرانہ مبالغہ" کی قید سے چھڑا "نذرِ مقراض ہیر کٹنگ سیلون" کر کے۔ بلوریں شانوں اور بیضوی گردن کو گریباں کی منت سے آزاد کر کے چشمِ ہوس کو دعوت نظارہ دیتی ہے۔ اور پھر اس نمائش حسن پر دیوانی ہوئی جاتی ہے ـــــ!

عورت نے ہمیشہ دنیا میں انقلاب پیدا کیا ـــــ بڑی بڑی سلطنتوں کے تختے اس کے ایک اشارے سے الٹ دیئے گئے ـــــ ہندوستان بھی آج کل ایک نئے دور سے گذر رہا ہے ـــــ کل کیا ہو گا ـــــ؟

کوئی نہیں جانتا ـــــ مستقبل کا تاریک بادل ہماری نظروں سے آنے والے دنوں کو چھپائے ہوئے ہے ـــــ مگر آہ! میں چشم تصور سے اس آنیوالے مہیب وقت کا اندازہ کر کے کانپ جاتا ہوں ـــــ جب ـــــ مادر وطن کی بیٹیاں "تقلید فرنگ" میں عصمت کا آبدار موتی بازارِ عالم میں حقیر ذروں کی طرح لٹا دیا کریں گی ـــــ آسمان ـــــ اور زمین میری نظروں میں تھرتھرا رہے ہیں ـــــ آہ! خدا وہ وقت ہمیں نہ دکھلائے۔

آج ہندوستان کو ایسی عورتوں کی ضرورت نہیں۔ جو لپ سٹک اور پوڈر کو چوبیس گھنٹہ حرزِ جاں بنائے رکھیں۔ عشق ـــــ اور محبت جن کے لئے زندگی کا مقصود ہو ـــــ ہندوستان میں مرد اپنا وقار اور اپنی عزت کھو بیٹھے ہیں ـــــ عورت سب کچھ کر سکتی ہے ـــــ یہی دیکھنا ہے کہ مادر وطن کی یہ بیٹیاں مردوں کے کھوئے ہوئے وقار کو کب حاصل کرتی ہیں؟

(اقبال شمیم)

برسات کی پرکیف گھٹائیں ایک نشہ بنکر بلند و پست پر چھا رہی تھیں اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مشامِ جاں کو تازہ کر رہے تھے۔ اس پر لطف فضا میں دو پرچھائیں درختوں کے جھنڈ میں چھپتے چھپاتے۔ دیدہ بادوں ہوشیار نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی زمیندار کے باغ میں گھوم رہی تھیں آموں کے جھنڈ میں پہنچکر وہ ایک بڑے درخت تلے ٹھہر گئیں۔

"رتنا ہوشیار رہنا ـــــ!" موہن نے آم کے بڑے پیڑ پر ہاتھ پاؤں چلاتے ہوئے بن مانس کی طرح چڑھنا شروع کر دیا۔

"ہش ـــــ" اور وہ یک لخت ٹھہر گیا۔

"کیا ہوا ـــــ!"؟

"کچھ نہیں ـــــ!"

رتنا نیچے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ موہن درخت سے لپٹتا لپٹاتا چوٹی پر جا پہنچا۔ اس کی روح آسمانوں میں پرواز کر رہی تھی۔ اور ہاتھ آم کی تلاش

میں شاخوں میں ناچ رہے تھے۔ آج بہت دنوں کے بعد چوکیدار اس جھنڈ کی رکھوالی سے غافل تھا۔

موہن نے درخت سے اتر کر رتنا کے پاؤں پہ سرخ پکے ہوئے آموں کا ڈھیر لگا دیا۔

"یہ میری دیوی کے چرنوں پر ــــ!" موہن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رتنا کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ زمیندار کے باغ کے آم تمام گاؤں میں مشہور تھے۔ مگر کڑی نگرانی کے باوجود نگہبان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر رتنا اور موہن باغ کو تاخت و تاراج کر جاتے ــــ اور بوڑھے محافظ سے کچھ بن نہ پڑتا۔

شریر موہن اور الھڑ رتنا درخت کے تنے سے پیٹھ ٹیکے مالِ غنیمت کا مزا لے رہے تھے۔ ان کے دبے ہوئے قہقہے شوریدہ دلوں کے انبساط کے آئینہ دار تھے۔

"اری! ایک اور دے ــ بس ایک سرخ سا۔" موہن نے چپکے سے کہا۔

"نہیں ــــ ایک بھی نہیں ــــ!"

"رتنا! بس ایک ــــ!" موہن کو یکا یک اپنے کندھے پر مضبوط گرفت کا احساس ہوا۔ اور الفاظ اسکے حلق میں اٹک گئے۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

بوڑھے چوکیدار نے مسکرا دیا ــــ!

"کیوں بچہ جی ــــ! آج تو قابو آ ہی گئے نا ــــ ہا ہا ــــ بہت دن مزے کئے ــــــ"

موہن گھبرا گیا۔ ایسا موقع اسے پہلے کبھی پیش نہ آیا تھا ــ "ارے ــ اوہ تم ہو بڑے میاں ــــ" اس نے حواس مجتمع کرتے ہوئے کہا اور پھر چوکیدار کے کندھے پر سے نظر بچا کر اسکے جھونپڑے کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔

"ایے! یہ تمہارے جھونپڑے سے آموں کا ٹوکرا کون لئے جا رہا ہے ــــ!"

بڈھا ایک لخت مڑا۔ "آموں کا ٹوکرا ــ کہاں ــــ کدھر؟"

"یہاں ــــ ادھر" موہن نے دور سے جوابًا قہقہہ لگایا۔

"شریر کہیں کے ــــ اچھا ایک سہی ــــ!" بوڑھے نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا

دور ــــ درختوں کے جھنڈ میں دو مسرور قہقہے فضا میں نقرئی آواز کی طرح گونجنے لگے۔

رتنا ایک غریب کسان کی لڑکی تھی۔ مگر قدرت کے فیاض ہاتھوں نے اسے دولتِ حسن سے مالا مال کر رکھا تھا۔ کھلتا ہوا گندمی رنگ ستواں ناک اور بڑی بڑی غزالی آنکھیں ــــ وہ ایک مجسمۂ قیامت تھی۔ جو دنیا کے سینے پر تھرکتی پھر رہی تھی۔ موہن رتنا کی برادری کا ہی چشم و چراغ تھا۔ اس کے متناسب اعضا اور گٹھا ہوا جسم بھرے بھرے بازو۔ مردانہ وقار کا بہترین نمونہ تھے۔ موہن اور رتنا دو معصوم فرشتوں کی طرح بچپن سے اکٹھے پلے۔ اکٹھے کھیلے کودے اور بڑھے۔ موہن کا بوڑھا باپ اس بہترین جوڑے کو دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوا کرتا۔ اس کے مستقبل کے رنگین خواب موہن اور رتنا کی ذات میں منتقل ہو چکے تھے۔ وہ ان کو اکٹھے کھیلتے دیکھتا اور آنے والی زندگی کا چشمِ تصور سے خیال کر کے ایک نئی دنیا میں پہنچ جاتا۔ وہ ان مسرور روحوں کو شاداں و فرحاں دیکھتا۔ اور امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں اس کے دل کی مرجھائی ہوئی کلی پھر ترو تازہ ہو جاتی۔ دنیا کے مصائب۔ غریبی کی تکلیفیں اور قرضداروں کے تقاضے اس کے دل کو پژمردہ کر دیتے۔ مگر شام کو جب وہ رتنا اور موہن کو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے خنداں و رقصاں دیکھتا تو اسے تمام دن کی تکلیف وہ باتیں بھول جاتیں۔ وہ آنکھیں بند کر کے ہاتھ جوڑ کر دیوتاؤں سے پرارتھنا کرنے لگتا "ہے ایشور! تو رتنا اور موہن کو ہمیشہ سکھی رکھیو ــــ!"

جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ یہ آندھی رتنا اور موہن کی زندگی کے افق پر بھی نمودار ہوئی۔ اور ایک بگولے کی طرح ان کے جیون کے ہر لمحے پر چھا گئی۔ وہ اس کی لپیٹ میں خس و خاشاک کی طرح الجھ کر اڑتے گئے۔ وہ کمزور اور بوسیدہ کشتی کے تختوں کی طرح بے رحم لہروں کے تند دھارے کے ساتھ بہتے گئے۔ وقت کی تیز رفتار ندی نے انہیں بہت جلد شباب کے سمندر میں دھکیل دیا۔ ان کے معصوم دل اب ایک دوسرے کو دور سے ہی دیکھ کر دھڑکنے لگتے۔ ایک عجیب کیف ان کے جذبات پر چھا گیا۔ ننھے ننھے دلوں میں پرورش پائی ہوئی محبت کا کمزور پودا شباب کی بادِ سموم سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہ پاک اور بے لوث محبت جو ان کے دل کی گہرائیوں میں ایک غنچۂ خوابیدہ کی طرح سوئی پڑی تھی ایک بے پناہ جذبۂ بے قراری میں تبدیل ہو گئی۔

رتنا کا بے پناہ حسن ایسا نہ تھا۔ جو چھپائے چھپ سکتا۔ چاند بادلوں کی ہزار تہوں میں سے بھی اپنے رخِ ضیا بار کی تجلی دکھا دیتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ شمع جلے اور پروانے قربان ہونے نہ آئیں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ پھول چمن میں مہکے اور بھونرے اس پر فدا ہونے سے کترائیں۔ تمام گاؤں میں رتنا کے حسن کے چرچے تھے۔ وہ ایک غریب کسان کی لڑکی ہونے کے باوجود سب دلوں پر حکومت کرتی تھی۔ اس کی آنکھ کا ایک اشارہ ابرو کا ایک بل ــــ گردن کا ایک خم تمام گاؤں کو زیرو زبر کر سکتا تھا۔ مگر وہ معصوم دوشیزہ شرم و حیا کا ایک مجسمہ تھی۔ آنکھیں جھکائے گھونگھٹ نکالے پنگھٹ پر جاتی۔ اور اسی طرح لوٹ آتی۔ کسی کی جرأت نہ تھی کہ اس کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر دیکھے۔ موہن کا لٹھ اس کی حفاظت اور مدد پر ہمیشہ تیار

رہتا۔ گاؤں کے نوجوان دُور ہی دُور سے رتنا کو دیکھ کر آہیں بھر اکرتے —— کبھی کبھی کنویں سے دُور کھیت کی منڈیر پر بیٹھ کر رامو پنجابی گیت ایک خاص لے سے گایا کرتا۔ اُسکی آواز سُنہری فضا میں ایک عجیب سوز پیدا کر دیتی۔ لڑکیاں کنوئیں سے پانی کھینچتی کھینچتی ایک لمحہ کے لئے ٹھہر جاتیں۔ وہ اس موسیقی کے جادُو کے زیر اثر ایک لمحہ کے لئے بے خودسی ہو جاتیں اور شریر رامو یک لخت بنسری بجانی بند کر دیتا۔ لڑکیاں گھبرا کر جلدی میں پانی کا ڈول خالی کرنے میں زمین پر اُنڈیل دیتیں۔ اور وہ دُور سے اس نظارہ کو دیکھتا اور مُسکرا دیا کرتا۔ مگر رتنا —— اُن سب سے جُدا تھی۔ اُس پر موسیقی کا طلسمی اثر انداز نہ ہو سکتا تھا۔ وہ گردن جھکائے اپنے خیالات میں مستغرق پانی کا گھڑا بھرنے آتی اور اُسی تصور میں گم واپس چلی جاتی۔ اُسے اپنے گرد و پیش کا مطلقاً علم تک نہ ہوتا۔ "کاش وہ بچپن کے دن پھر لوٹ آسکتے" وہ سوچا کرتی۔ "وہ مسرور اور آزاد دن!" مگر گذرا ہوا وقت واپس نہیں آسکتا۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک ثانیہ ایک ایک پہر ایک ایسے ناپید اکنار سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔ جس کی اتھاہ گہرائیوں میں انسانی سفینوں کے ایسے کتنے خوش آئند ایام ہمیشہ کے لئے گم ہو چکے ہیں —— ناپائدار انسانی مسرتیں —— اِن کو قیام نصیب ہی کب ہوا —— !"

رتنا پر ہر نیا دن حُسن و جمال کا اضافہ کرتا چلا جاتا۔ یہ بے پناہ حُسن اُس کے باپ کے لئے ایک عجیب اُلجھن کا باعث ہو رہا تھا۔ وہ رتنا کے حُسن اور خوبصورتی کو دن بدن بڑھتے دیکھتا اور اسکے تفکرات ایک نئی پیچیدگی اختیار کر لیتے۔ "اے خدا میں رتنا کی زندگی کو کیسے مسرور بنا سکتا ہوں۔ غربت اور تنگدستی دُنیا میں دو ایسی بلائیں ہیں۔ جن کا شکار زندگی بھر ایک بے بس پرندے کی طرح پھڑکتا اور تلملاتا رہے۔ وہ اس جال سے اپنی جان چھڑانے میں خود کو زخمی بھی کر لیتا ہے۔ مگر کمبخت جال ہے کہ اُلجھتا ہی جاتا ہے وہ اِن پھندوں سے خود کو چھڑا نہیں سکتا۔ امارت اور سرمایہ داری کا خونخوار پنجہ اپنی فولادی انگلیوں اور تیز ناخنوں سے اُن کی کمزور گردنوں کا خون چوستا ہی جاتا ہے۔ حتّٰی کہ وہ بے بسی میں تڑپ تڑپ کر اپنے خون کا آخری قطرہ اس عفریت کی نذر کر دیتے ہیں —— کرمو جس نے خود آج تک چین اور سُکھ کا نام تک نہ سُنا تھا۔ اپنی بیٹی کی آئندہ زندگی کے تفکرات میں گھلا جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رتنا اور موہن ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ مگر موہن کے باپ کی مالی حالت تو خود اُس سے بھی خراب تھی۔ وہ جیتے جی رتنا کو اپنے ہاتھوں اندھیرے گڑھے میں کیسے دھکیل دے۔ یہی تفکرات۔ یہی غم اُس کی تمام پریشانیوں میں پیش از پیش تھے۔ لگان کی ادائیگی۔ قرضہ کی فکر ساہوکار کے تقاضے۔ سب اُسکے ذہن سے حرفِ غلط کی طرح مٹ چکے تھے۔ "رتنا اور اُس کی شادی" کا خیال اُس کی زندگی کے ہر لمحہ پر ایک تاریک اُمڈتے ہوئے بادل کی طرح چھا کر اُس کی زندگی کو تاریک تر بنا رہا تھا —— بھیانک اور تاریک مستقبل۔ اِس کے بھید کون جان سکتا ہے۔!

اُس کے بے چین دن اور پریشان راتوں نے اُس کا آرام اور نیند چھین لی۔ کرمو اسی کشمکش میں مبتلا رہا حتّٰی کہ حلقہ کا تحصیلدار اپنے سالانہ دورہ پر اُدھر آیا۔ وہ ایک درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ اُسکی سانولی رنگت آنکھوں کے حلقے۔ اور ناک کے گرد جھکی ہوئی لکیریں اُسے پیش از وقت بوڑھا بنائے دیتی تھیں۔ غموں نے اُسے ایک اچھے خاصے نوجوان آدمی سے ایک کمزور انسان کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا۔ رتنا —— کے حُسن کے چرچے ایسی چیز نہ تھے جس سے تحصیلدار کے کان ناآشنا رہتے۔ یہ بھنک اُس کے کان میں بھی پڑی مگر وہ خاموش رہا۔ دیر سے اُسکے احباب اُسے دوسری شادی کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ پہلی بیوی کے انتقال کا صدمہ اُسے ادھ موا کر گیا تھا۔ اِس لئے وہ کسی صورت عقد ثانی پر رضامند نہ ہوتا تھا۔ مگر اُس نے رتنا کو اچانک ایک صبح پانی کا گھڑا اُٹھائے جاتے دیکھا اور اُس کے تمام جسم میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔ ایسا حُسن اور ایسا جمال اُس نے آج تک کبھی نہ دیکھا تھا۔ شہر کی تاریک اور گندی فضا میں پلے ہوئے زرد چہرے پوڈر اور سُرخی کے رہین منت رخسار اور لب۔ سب مصنوعی تکلفات تھے۔ مگر یہاں دیہات کی آزاد فضا میں پلی ہوئی رتنا۔ ایک مجسم قیامت تھی۔ اُس کا چہرہ پوڈر اور سُرخی کے بغیر صحت اور خوبصورتی کا ایک دمکتا ہوا نمونہ تھا۔

تحصیلدار ایک شریف انسان تھا۔ وہ کسی غیر عورت کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنا ہی گناہِ عظیم سمجھتا تھا۔ مگر رتنا کو اُس نے غیر ارادی طور پر دیکھا نہ جانے اُس کی نظریں خاص اُس وقت اُس سمت اُٹھ گئی تھی اُس کا کمزور دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اور کسی نامعلوم قوت نے اُس کے کان میں چپکے سے کہہ دیا۔ کہ "دیکھو! یہ عورت تیری مغموم زندگی کو خوشگوار بنا سکتی ہے"۔ اور اُس نے خیال کیا کہ شاید قدرت نے اُس کی زندگی کے بھیانک دن ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور پھر اُسے اپنے کانوں میں کسی کے الفاظ گونجتے ہوئے معلوم دیئے۔ کہ "حُسن تیرے غمگین دنوں کی پریشانیاں اور بے چین راتوں کی آہ وزاریاں بارگاہِ قدس تک پہنچیں۔ تیری بے تابیوں مایوسیوں اور پُر درد نالوں کا خاتمہ اب اس دلفریب گیت پر ہوگا" اور اُسے اپنے تمام جسم میں ایک عجیب کیفیت کا احساس ہوا۔ اُس کے پژمردہ جذبات میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ دوسری شادی کے خلاف تھا۔ مگر رتنا کی صورت نے اُس پر کچھ ایسا طلسم کیا کہ وہ اپنی حیثیت اپنی عزت کو بالائے طاق

رکھتے ہوئے شادی کے لئے تیار ہوگیا۔

کرمو نے اس خبر کو سُنا اور فرطِ حیرت اور جوشِ انبساط سے منہ کھولے رہ گیا۔ اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کہ تحصیلدار ـــ جو اُس کے نزدیک مختارِ کل تھا۔ اُس کرمو سے جو اپنا مالیہ تک ادا نہ کر سکتا تھا۔ تعلقاتِ رشتہ داری قائم کرنے پر تیار ہو سکتا ہے۔ وہ اسے بھی ستم ظریف قدرت کا ایک حربہ سمجھا اور خاموش ہوگیا۔ مگر جب چپڑاسی دوبارہ کرمو کو بلانے کے لئے آیا۔ تو اُسے اپنے گردوپیش کا احساس ہُوا اور پہلی مرتبہ اُس کو خیال آیا کہ عزت اور امارت کا جوڑ نہیں ہو سکتا۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا حماقت ہے ـــ اور پھر یک لخت ہی اُسے رتنا کی پُر تکلف زندگی کا خیال آیا۔ اور کرمو مال و دولت کے اس سُنہری تخیل میں کھو گیا۔ اُس نے تحصیلدار کو زبان دیدی۔ مگر اُس کا دل اُسی طرح بے چین رہا۔

رتنا پر یہ خبر بجلی کی طرح گری۔ اُس نے چُپکے سے سُنا اور خاموش ہوگئی۔ اُس کی زندگی کا دلفریب تخیل اور سُہانے گذرے ہوئے دن جن کے پھر لوٹ آنے کے انتظار میں وہ اپنے کمزور دل کو تسلیاں دیتی۔ جدائی کی کٹھن راتیں گذارا کرتی۔ اُس کی نظروں کے سامنے تباہ ہو رہے تھے۔ تخیلات کا وہ قصرِ دلفریب جس میں وہ پہروں گھوما کرتی اُس کی آنکھوں کے سامنے پاش پاش ہو رہا تھا۔ او خدا! وہ حسین خواب کبھی پُورا نہ ہوگا ـــ وہ رنگین اور لطیف گھڑیاں کبھی دوبارہ نصیب نہ ہونگی ـــ" اور پھر اچانک ہی دولت کا دلفریب تخیل اُسے دھوکا دینے کے لئے آموجود ہوا۔ سکھ آرام چین ـــ دولت ـــ نوکر ـــ آسائش۔ اور یہاں سُوکھی روٹیاں۔ محنت ـــ مشقت اور تنگدستی ـــ اُس کا دل ڈگمگانے لگا۔ لیکن یہ محض ایک وقتی جذبہ تھا ـــ اور اب وہ اپنے لئے سب کچھ سوچ چکی تھی۔ دولت اور نام اُس کی محبت کو پائمال نہیں کر سکتے۔ محبت ایک ابدی مسرت کا سرچشمہ ہے۔ وہ کچھ سوچ کر اُٹھی اور تحصیلدار کے کیمپ کی طرف چل دی۔

گاؤں کے باہر ہری ہری گھاس پر سفید خیمے نصب تھے۔ تحصیلدار خیمہ کے باہر کرسی پر بیٹھا کسی سوچ میں مستغرق تھا۔ اُسے موہن اور رتنا کی شدید محبت کا علم ہو چکا تھا۔ وہ اپنے دل میں اس عقدے کو سلجھا رہا تھا۔ وہ اب محسوس کر رہا تھا کہ اُس کا اور رتنا کا جوڑ بالکل غیر مناسب تھا۔ لیکن وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا تھا۔ اُس کی کمزور طبیعت نے اُسے کرمو جیسے انسان کے آگے منت سماجت پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر اب وہ کمزور جذبہ گذر چکا تھا ـــ وہ موہن اور رتنا کی محبت کے درمیان خود کو ایک ناقابلِ عبور دیوار کی طرح حائل دیکھ کر اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہونے لگا تبھی وہ مسرور رُوحوں کی خوشی کو اپنے آرام کے لئے تباہ کر دینے کا کوئی حق نہیں"۔ اُس نے سوچا "میری آسائش جوان کے چین کو لوٹ کر حاصل ہوگی۔ دیرپا نہیں ہو سکتی۔ غم ـــ میرے لئے تو ہمیشہ سے تھا ـــ ایک یہ اور سہی مگر رتنا کی مسرت چھین لینا ـــ!"

وہ اس خیال سے ہی لرز گیا۔ دل ہی دل میں اُس نے کچھ فیصلہ کیا اور کھڑا ہوگیا۔ اچانک اُسے اپنے سامنے رتنا گھونگھٹ نکالے کھڑی دکھائی دی۔ اور وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلتا دکھائی دیا اور وہ جلدی سے پھر کرسی پر دھم سے بیٹھ گیا۔

میں آپ سے ایک بھیک مانگنے آئی ہوں۔ رتنا نے بمشکل رُکتے ہوئے کہا۔

تحصیلدار کا سر چکر رہا تھا۔ وہ گھبرا گیا۔ حلق سُوکھ گیا۔ الفاظ گلے میں پھنس گئے۔ اُس نے بڑے بڑے جلسوں میں ہزاروں آدمیوں کے سامنے تقریریں کی تھیں لیکن اس وقت ایک کمزور عورت کے سامنے اُس کی زبان چل نہیں سکتی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ "بھیک" کیا ہے وہ فیصلہ کر چکا تھا لیکن اپنا مطلب ادا کرنے کے لئے اُسے الفاظ نہ ملتے تھے۔ رتنا کو جواب ملنے میں دیر لگی تو اُس کا دل بیٹھ گیا۔ وہ سمجھی کہ اس خاموشی کا مطلب انکار ہے ـــ لیکن پھر اُسے ایک کمزور اور نحیف آواز سُنائی دی ـــ سینکڑوں میل کی گہرائی سے آتی ہوئی ـــ!

"نہیں! مجھے اب پتہ چلا ہے ـــ مجھ پر بھروسہ رکھنا ـــ!"

اُسے زمین اپنے چاروں طرف گھومتی دکھائی دینے لگی۔ اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کہ انہوں نے کیا سُنا۔ لیکن وہ مُڑی اور جلدی سے گھر کو چل دی۔ اُس کا ننھا سا دل کانپ رہا تھا۔ ......

..... اُس کا سانس پھُولا ہوا تھا۔ اپنی کامیابی کا اُسے شُبہ تک نہ تھا۔ اور یہاں جیسے محض اُسکے جانے کی ہی دیر تھی۔ اور سب کچھ اُس کے کہنے کے مطابق ہی ہوگیا۔ تمام رات اُسے خوشی سے نیند نہ آئی ـــ زندگی کی اُلجھنوں کا بھید کس نے پایا؟

اُدھر کرمو جس کے لئے زندگی کا یہ دن عجیب ترین سانحہ تھا۔ کچھ بھی نہ سمجھ نہ سکتا تھا۔ اُسے یقین ہی نہ آتا کہ تحصیلدار نے اُسکی بیٹی سے شادی کرنے کی درخواست کی ہے۔ تمام رات وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ ایک لحظہ کے لئے آنکھ لگی تو تخیل کے دلفریب دیوتا نے ایک عجیب بے ربط نظارہ اُس کے سامنے پیش کر دیا۔ اُس نے دیکھا کہ گاؤں کا نمبردار اُس کے سامنے منت سماجت کر رہا ہے۔ رتنا خود تحصیلدار بن گئی ہے۔ اُس کا مالیہ معاف ہوگیا ہے ـــ موہن ـــ! خیمے ـــ رتنا! ـــ وہ تو تاریک غار میں گرتی جا رہی ہے ـــ" اور وہ گھبرا کر جاگ اُٹھا۔ نیلگوں آسمان پر تارے جگمگا رہے تھے اور مغرب کی طرف سے ایک سیاہ بادل

اُفق پر نمودار ہو کر فضا کو خوفناک بنا رہا تھا۔

تحصیلدار نے صبح ہی صبح کرمو کو پھر بلا بھیجا ـــــ وہ رتنا اور موہن کی شادی اپنے خرچ پر کرا رہا تھا۔ کرمو فرطِ حیرت سے دیوانہ سا ہو گیا۔ کہاں تو وہ خود اُس کا شادی کے لئے اصرار۔ منت سماجت اور کہاں اپنے خرچ پر موہن اور رتنا کی شادی! لیکن کرمو کا محدود علم اُسے کسی نتیجہ پر نہ پہنچا سکا۔ موہن اور رتنا کی شادی اس دھوم دھام سے ہوئی کہ ناگوریں دیر تک اُس کی یاد دلوں میں قائم رہی۔ تحصیلدار نے موہن کو تحصیل میں نوکری دلوا دی اور یہ زندگی کے ناتجربہ کار ساتھی دنیا کے مکروفریب سے ناآشنا گاؤں کی پاک فضا کو چھوڑ کر شہر کی تاریک گلیوں میں آ بسے۔

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

رتنا وہ معصوم دوشیزہ جس نے آج تک بناوٹ اور آرائش کا نام تک نہ سنا تھا۔ اپنے گردوپیش سپیدی، سرخی، خوشبو اور غازہ کا ایک امڈتا ہوا طوفان دیکھتی اور اُس کا دل بیٹھ جاتا۔ وہ اپنی سہیلیوں کو ریشمی کپڑوں میں ملبوس دیکھتی اور اُسے اپنے سادہ کپڑوں پر نگاہ ڈالتے شرم محسوس ہونے لگتی۔ وہ آئینہ میں اپنی صورت دیکھتی اور پریشان ہو جاتی ـــــ "یہ آرائش اگر مجھے نصیب ہو جاتی ـــــ یہ ریشمی اور زرکار ساڑھیاں اگر مجھے مل سکتیں۔ تو میں ان سب سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتی ـــــ کاش مجھے یہ پوڈر مل سکتا۔ کاش مجھے یہ ـــــ" اور پھر یک لخت ہی اُس کے تخیل کی کڑیاں ٹوٹ جاتیں۔ اُسے اپنی ماں کی نصیحت یاد آ جاتی "بیٹی! محنت اور مشقت سے کمائی ہوئی سوکھی روٹی کھاتے ہوئے۔ دوسرے کے مرغن کھانوں پر نظر نہ رکھنا ـــــ!" اور وہ اپنے باغی دل پر جبر کر کے مایوس ہو جاتی۔ وہ اپنے بدلگام جذبات کو دل میں دباتی ان خیالات کو دل سے دور رکھنا چاہتی اور وہ ہر لحظہ اور ہر گھڑی۔ بار بار اُس کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتے۔ وہ گھنٹوں پہروں ان تصورات میں کھوئی رہتی۔ اُسے اچھے ملبوس اور اچھا کھانے پینے کا جنون دامنگیر ہو رہا تھا ـــــ خدایا! وہ دن ہمیں بھی میسر ہوں گے۔ جب میں دوسری کی طرح میں بھی ریشمی ساڑھی پہنے اپنے خاوند کے ساتھ باہر گھومنے جایا کروں گی ـــــ ایشور وہ دن بھی کبھی آئے گا کہ میں گنگا کی طرح روز "وہ ناچتی بولتی تصویریں" دیکھ سکوں گی ـــــ آہ! وہ دن کب نصیب ہوں گے ـــــ" اُس کے دل میں ہر لحظہ یہی خیالات یہی تصورات ایک غیر مسلسل آرزو کی طرح پیدا ہوتے رہتے۔ وہ اکیلی بیٹھتی تو اُس کا ذہن اور اُس کے ادراک کی تمام قوتیں اسی ایک مسئلہ کے سلجھانے میں منہمک رہتیں۔ مگر اُسے کوئی راستہ نظر نہ آتا۔ اور چپکے سے آہ بھر کر خاموش ہو جاتی۔

کسی کا محل دیکھ کر اپنا جھونپڑا پھونک ڈالنا حماقت ہے۔ مگر رتنا نے یہی کیا۔ اُس نے اپنی مغرب زدہ سہیلیوں کو دیکھا۔ اُن کے بناؤ سنگار کو دیکھا۔ اُن کے ریشمی اور زردوز کپڑوں پر نظر ڈالی اور اُس کے دل میں گدگدی ہونے لگی۔ حرص اور طمع کے جذبے جو اُس کی رُوح کی گہرائیوں میں خوابیدہ تھے۔ انگڑائیاں لیکر بیدار ہو گئے۔ انہوں نے اُس کے دل و دماغ میں ناچنا شروع کر دیا۔ چوبیس گھنٹے وہ انہی خیالات میں ڈوبی رہتی۔ موہن کے آنے کا وقت ہوتا تو بُرا بھلا۔ آدھا کچا آدھا پکا اُس کے سامنے رکھتی اور پھر اپنی سہیلیوں کے رنگین تخیل میں گم ہو جاتی۔

رتنا کا حسین خواب پُورے ہوتے دیر نہ لگی۔ ایک وید جی نئے نئے اُس گلی میں آ کر رہے۔ اُن کی بیوی ایشوری بناؤ سنگار میں سب سے بڑھ کر تھی۔ وید جی کا دواخانہ تو خیر یونہی سا تھا۔ کبھی کوئی مریض بھولے سے بھی نہ آتا۔ مگر ایشوری رانیوں کی طرح ہر وقت بنی ٹھنی رہتی۔ رتنا سوچتی کہ آخر ان کو اتنے پیسے کہاں سے ملتے ہیں۔ کام وام تو کچھ چلتا نہیں۔ مگر وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔ ایشوری نے رتنا کو دیکھا۔ اُس کی حریص نگاہیں اپنے زیوروں اور کپڑوں کی طرف بار بار اُٹھتی دیکھیں۔ اور وہ دل ہی دل میں مسکرا دی "ایک نیا شکار ہاتھ آ رہا ہے" اُس نے سوچا۔ رتنا پر اُس نے آہستہ آہستہ اپنا جال پھیلانا شروع کیا۔ وہ اُس کے لئے سب سے زیادہ عزیز سہیلی تھی۔ ایک دن رتنا کو اُس نے ایک ریشمی رومال تحفتہً دیا۔ خوشبو سے رتنا کا دماغ معطر ہو گیا ـــــ وہ بے خود سی ہو گئی،

ایشوری: کتنی اچھی عورت ہے ـــــ! وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

پھر جب کبھی رتنا اُس کے گھر جاتی۔ ایشوری کچھ نہ کچھ اُسے تحفہ دے ہی دیا کرتی ـــــ پوڈر کا ڈبہ۔ لپ سٹک۔ بندی لگانے کا رنگ۔ عطر کی شیشی۔ غرضیکہ ایشوری نے رتنا کو اچھی طرح اپنے قابو میں کر لیا۔

"اب کہاں جائے گی مُورکھ ـــــ!" وہ دل ہی دل میں مسرور ہو رہی تھی۔

"رتنا کل ہمارے ہاں مہمان آ رہے ہیں۔ ذرا تم بھی آ جانا" ایشوری نے ذرا مسکرا کر ایک خاص انداز سے کہا۔

"کل تمہارے لئے ایک نیا تحفہ آئے گا ـــــ"

رتنا بھی مسکرا دی ایشوری نے سوچا نشانہ ٹھیک بیٹھا۔

دوسرے دن ایشوری کا گھر خوب قرینے سے سجا تھا۔ رتنا ایشوری کی سیاہ ساڑھی باندھے۔ حسن و جمال کا ایک دلکش مجسمہ بنی۔ قدِ آدم آئینہ کے سامنے کھڑی مسرت سے دیوانی ہوئی جاتی تھی۔
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

"رتنا اگر تم چاہو تو تم بھی میری طرح ہو سکتی ہو" ایشوری نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"وہ کیسے ——؟" رتنا نے حیران ہو کر کہا۔
"بس جیسے میں کہوں۔ وہی کرنا۔ پھر یہ عیش یہ آرام سب تمہارا ہی ہوگا"
"بہت خوب ——" رتنا نے خوش ہو کر کہا۔
اتنے میں دروازے پر کسی نے دستک دی۔ ایشوری نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ایک بھاری بھرکم سیٹھ صاحب دروازے میں کھڑے مسکرا رہے تھے۔
"آئیے! تشریف لائیے" —— رتنا! یہ ہمارے سیٹھ صاحب ہیں —— اور یہ ہیں ہماری نئی سہیلی رتنا ——!"
"آداب عرض کرتا ہوں" سیٹھ صاحب نے جھک کر کہا۔
رتنا گھبرا گئی۔ اُس کے لئے زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ ایک غیر مرد کے سامنے ایسے بن ٹھن کر کھڑی تھی۔
ایشوری نے کہا "بھلا یوں بھی کوئی شرماتا ہے۔ سیٹھ صاحب تو اپنے آدمی ہیں ——!"
رتنا نے بھی شرم دور کرتے ہوئے مصنوعی مسکراہٹ سے سیٹھ صاحب کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔
"اوہ! مجھے خیال ہی نہ رہا —— تم بیٹھو میں ابھی آئی ——" اور ایشوری چپکے سے اُٹھ کر چل دی۔
رتنا پریشان ہو گئی۔ لیکن پھر سوچا۔ "سیٹھ صاحب تو اپنے آدمی ہیں"۔ ایشوری ابھی آتی ہی ہوگی۔
سیٹھ صاحب نے جیب سے سونے کا ایک نیکلس نکالا۔ اس کی چمک دمک آنکھوں میں سمائی جاتی تھی۔
"یہ آپ کے لئے ہے ——!"
رتنا خاموش رہی۔ اُس نے گردن جھکا لی۔
پھر نظر چرا کر نیکلس کی طرف دیکھا۔ اُس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ "تین چار سو سے کیا کم کا ہوگا"
دل میں جو تھوڑا بہت جذبۂ صداقت ٹمٹماتی ہوئی شمع کی طرح باقی تھا۔ اُس نے کہا "دیکھ ایک غیر مرد کے ہاتھ سے تحفہ لینے کا تجھے کوئی حق نہیں"۔ اور وہ جھجک گئی۔ مگر دوسرے لحظہ شیطان اُس کی رُوح میں سما چکا تھا اُس نے ہاتھ بڑھا دیا۔
"کیوں نہیں —— گلے میں پہننے کا شرف بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں"۔
اور ساتھ ہی اُس نے رتنا کو آغوش میں لے لیا۔ وہ ندامت سے پانی پانی ہو گئی۔ اُس نے مچل مچل کر اُن بازوؤں سے نکل جانے کی بہت کوشش کی مگر وہ گرم گرم سانس ہر لحظہ اُس کے رُخسار کے نزدیک ہی ہوتا گیا۔ اُس نے چاہا کہ چیخ مارے مگر آواز گلے میں بیٹھ گئی۔ اتنے میں دروازہ کے باہر پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ اور ایشوری مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔
"آہا! میری رتنا نیکلس سے کتنی خوبصورت معلوم ہو رہی ہے"

رتنا کو وہ نیکلس جھلستے ہوئے لوہے کی طرح گردن پر دہکتا ہوا معلوم دیا۔ اُس نے چاہا کہ وہ اُسے توڑ تاڑ پھینک دے۔ اُس منحوس سیٹھ کے منہ پر دے مارے لیکن پھر لالچ اُس پر غالب آ گیا۔ اور وہ چپکے سے بیٹھی رہی۔ چائے کا دور چلا اور سیٹھ صاحب رخصت ہو گئے۔
"رتنا یہ سونے کی چڑیا ہے۔ اسے قابو میں کر لو گی۔ تو زندگی بھر کیلئے نہال ہو جاؤ گی"
"ایشوری! تو نے آج اچھا نہیں کیا۔ اب میں تیرے گھر نہیں آؤنگی"
"واہ! بھولی چڑیا تو تو یونہی ناراض ہو رہی ہے۔ دیکھ کیا موہن تیرے لائق ہے؟ تو چاہے تو ایسے سیٹھ تیرے دروازے پر دھکے کھاتے پھریں —— دھکے ——!"
رتنا بغیر جواب دیئے گھر چلی آئی۔ آتے ہی نیکلس گلے سے اتار سنبھال کر ٹرنک میں رکھ دیا۔
"میں یہ اُس منحوس کے منہ پر دے ماروں گی۔ وہ یہ حقیر چیزیں دے کر عصمت خریدنا چاہتا ہے۔ ذلیل مردود!" اُس کے دل میں ایک عجیب کشمکش پیدا ہو رہی تھی —— گناہ —— ثواب —— حق —— باطل —— سورگ —— نرک —— ایک ہنگامہ تھا جو اُس کے جذبات کو مشتعل کر رہا تھا۔ کبھی وہ عیش و آرام حاصل کرنے کے لئے گناہ کے اس عمیق سمندر میں کود پڑنا چاہتی تھی۔ اور کبھی وہ اپنی سادہ زندگی پر ہی قانع ہونا چاہتی مگر غریبی کا تخیل اُس کے دھرم کا گلا گھونٹ کر اُسے دوسرے راستے پر چلنے کے لئے مجبور کرتا۔ وہ پاگلوں کی طرح نیکلس نکالتی اُسے الٹتی پلٹتی دیکھتی اور پھر رکھ دیتی۔ وہ اُس کی مالک تھی۔ اور وہ خوشی سے مسکرا دیتی۔ مگر جب اُسے یہ خیال آتا کہ یہ میں نے اسے کس قیمت پر حاصل کیا ہے تو وہ مغموم ہو جاتی۔ کتنے دن اُس کا تخیل یونہی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ مگر ایشوری کے ہر وقت سمجھانے سے اُس کے دل کو تسلی ہو ہی گئی۔
گناہ کی یہ پینگ جسے رتنا نے ایشوری کے بل بوتے پر چڑھایا تھا چڑھتی ہی گئی۔ گناہ کا یہ بھیانک راگ جو اُس کی مرتعش انگلیوں نے اپنے سازِ ہستی سے نکالا تھا۔ بلند ہی ہوتا چلا گیا۔ محبت۔ وفا —— اور عصمت کے گلے پر کند چھری چلائی گئی۔ اور وہ رتنا جو کبھی نیکی اور پاکیزگی کا دلفریب پیکر تھی۔ گناہ و فریب کا ایک گھناؤنا مجسمہ بنکر رہ گئی۔ رات کی تاریکیوں میں جب نیکی کے معصوم دیوتا سوئے ہوتے۔ گناہ کا عفریت اپنا تیر کمان کندھے پر لٹکائے تاریک گوشوں سے بل کھاتا ہوا نمودار ہوتا۔ اور اُس کی حکومت دُنیا پر شروع ہو جاتی۔ طویل بھیانک رات میں وہ اپنے خوفناک جراثیم پھیلاتا اور صبح ہوتے ہوتے اُن کو دوسری رات میں پھر نشوونما دینے کے لئے غائب ہو جاتا۔
موہن اکثر باہر دورے پر رہتا۔ اور یہاں جوانی کی طویل راتیں۔ ہر روز

ایک نئے سیاہ کار کی شرکت میں بسر ہونے لگیں ——— رتنا - دولت - عیش و آرام - زیور اور کپڑے چاہتی تھی - اور اب اُسے یہ سب کچھ میسر تھا - مگر دل کا سکون اُس کے لئے کہیں بھی نہ تھا - وہ گھنٹوں خاموش بیٹھی - اس کھوئے ہوئے سکون کی تلاش میں بھٹکتی - مگر وہ اُسے حاصل نہ ہوتا -

موہن نے اس عظیم الشان تغیر کو دیکھا - اور محسوس کیا - اُس نے اپنی بیوی کے اطوار بدلے ہوئے دیکھے اور اُسے شک پڑ گیا - مگر وہ بغیر دیکھے کچھ کہنا نہ چاہتا تھا -

"رتنا آج میں تو شہر سے پرے دورے پر جاؤں گا - ایک دو دن لگ ہی جائیں گے - ذرا کپڑے سید سے کر چھوڑنا ———"

موہن گھر سے رخصت ہو کر شہر سے باہر جا کر بیٹھ رہا - تمام دن وہ اپنے خوفناک ارادوں کو تشکیل دیتا رہا - غم سے اُس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا - اُس کے دل میں رتنا اُس نیک دیوی کا نام تھا - جس کی وہ پوجا کرتا تھا - اُس نے اپنے ذہن میں رتنا کی ایک ایسی خوبصورت تصویر قائم کر رکھی تھی کہ اُس کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ کرنا لاحاصل تھا "آج ہی مجھے سب کچھ پتہ چل جائیگا - میں اُس بیچاری پر ناحق شک کر رہا ہوں" - اُس کے تخیل کی ٹوٹی ہوئی کڑیاں - ایک طویل خاموشی میں بدل جاتیں - اور وہ دیر تک زندگی کی اس نئی افتاد کو سلجھاتا رہا - حتّٰی کہ شام ہو گئی اور رات کے تاریک عفریت اپنی غاروں سے شکار کی تلاش میں نکل پڑے -

موہن اپنا لٹھ کندھے پر رکھے - واپس گھر کی طرف چل دیا -

کھڑکی کی درزوں سے روشنی کی شعاعیں نکل رہی تھیں - موہن نے سوچا - رتنا شاید ابھی تک جاگ رہی ہے وہ دبے پاؤں آگے بڑھا - دروازے کے ایک سوراخ سے اُس نے اندر جھانک کر دیکھا - اُسکی رُوح فنا ہو گئی - آنکھوں سے شعلے برسنے لگے - سر گھومنے لگ پڑا - اور قریب تھا کہ وہ غش کھا کر زمین پر گر جاتا مگر اُس نے اپنی جواب دیتی ہوئی قوت کو سنبھالا -

رتنا ایک غیر مرد کے آغوش میں تھی - سامنے ایک بوتل اور شیشے کے دو گلاس پڑے تھے - موہن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا -

اُس نے دروازے پر دستک دی - نشے میں چُور رتنا لڑکھڑا کر اُٹھی - سیٹھ اس بے وقت دخل اندازی پر گالیاں بکنے لگا - مگر موہن کی صُورت دیکھتے ہی رتنا کا نشہ ہرن ہو گیا - وہ چیخ کر بھاگی اور اُلجھ کر گر پڑی - موہن کا لٹھ ہوا میں بلند ہوا - اور رتنا کے سر میں آ کر پیوست ہو گیا - سیٹھ اُٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا - موہن نے راستہ روک لیا -

"بدمعاش! اب کہاں جاتا ہے - اپنے گناہ کے شریک کے ساتھ ابدی نیند سو!"

اور دوسرے لٹھ نے سیٹھ کا خاتمہ کر دیا - ———!

وہ حیا کی دیوی رتنا جس نے تحصیلدار کو اپنی محبت کے سامنے پائے استحقار سے ٹھکرا دیا - وا حسرتا! کہ وہی رتنا ذلیل اور بے غیرت مردوں کی آتش ہوس چند روپلی سکوں کے عوض بجھانے لگ پڑے ——— آہ! یہ ایک ایسا راز ہے جسے انسانی دماغ سمجھنے سے قاصر ہے ———! عورت کا وجود دُنیا کے جسم معنوی پر ایک ناسور کی طرح ہے جس کے رستے ہوئے زخم اولادِ آدم میں گناہ کے ہولناک جراثیم پھیلا رہے ہیں ——— وہ اپنی عصمت کو جنس ارزاں کی طرح لٹا رہی ہے اور پھر بھی وفا کی پتلی کہلائے جانے پر مُصِر ہے ———!

اے عورت! تیرے بھید کو کون سمجھ سکا!

——— (اقبال احمد شمیم)

جگنو

یہ رات کا منظر بھی کیا فردوس نظر ہے
زینت دہِ افلاک وہ چمکتے ہوئے تارے
پھرتے ہیں فضاؤں میں اس انداز سے جگنو،
رقصاں ہوں سرِ دوش ہوا جیسے شرارے

گُل و لالہ

مَیں باغ میں کھڑا ہوں صنوبر کے سہارے
اور دیکھ رہا ہوں گُل و لالہ کے نظارے
آتے ہیں نظر ایسے یہ روبیدہ روش پر
جیسے کہ سرِ آب مچلتے ہوئے تارے

——— (خاص)

جامِ شراب کے تین گھونٹ

معراجِ تغزل

نفیس الشعراء حضرت نفیسؔ سندیلوی

وہ جب آکے جلوہ دکھا گیا، مرے دل میں آگ لگا گیا
مرا حال پوچھ کے اور بھی، مرا اضطراب بڑھا گیا

وہ بُرا بھی تھا تو بھلا بھی تھا، مرا غم گسار تھا یار تھا
دلِ مبتلا مرا کیا گیا، مجھے خاک ہی میں ملا گیا

جو جفا کرے تو وفا کہے، جو ستم کرے تو کرم کہے
مری جان ضیق میں پڑ گئی، کہ دل ایسے شوخ پہ آ گیا

یہ خطا تھی میری کہ کیا ہی کیوں، گلہ تغافلِ جاں ستاں
ترا مُسکرا کے یہ دیکھنا، مرے دل پہ بجلی گرا گیا

نہیں روؤں کس لئے ہائے اب، وہ کہاں ہے عیش کہاں طرب
کہ سب اپنے ساتھ وہ لے گیا، مجھے غم کا پتلا بنا گیا

میں کلیجہ تھام کے رہ گیا، کوئی بات بھی تو نہ کہہ سکا
کوئی برق تھی کہ چمک گئی، مرے سامنے سے وُہ کیا گیا

مجھے تابِ ضبط نہیں ہے اب، گئے ہوش و صبر و قرار سب
دلِ نامراد کو کیا کہوں، یہ ترے فریب میں آگیا

مری اسمیں دوستو کیا خطا، کبھی منہ سے میں نے بھی کچھ کہا
مرا رازِ عشق نہ چھپ سکا مری خامشی سے وہ پا گیا

ترے حُسن کا مجھے پاس ہے، مرے عشق کی یہی شان ہے
ترے جھوٹے وعدہ پہ ہو فدا، مجھے اعتبار جو آگیا

یہ نفیسؔ عہدِ شباب ہے، یہ شباب کیا ہے عذاب ہے
کوئی خوبرو جو نظر پڑا، دل اُسی پہ لوٹ کے آگیا

محسوساتِ رواںؔ

از حضرت رواںؔ دہلیک،

کرشمہ ہائے محبت دکھا کے لوٹ لیا
ہمارے دل کو ہمیں سے چھپا کے لوٹ لیا

کسی نے سازِ محبت بجا کے لوٹ لیا
سُنا جو گیت نہ تھا وہ سُنا کے لوٹ لیا

طلسمِ حُسن کا جلوہ دکھا کے لوٹ لیا
تمام بزم کو وحشی بنا کے لوٹ لیا

وہ آئے نزع میں جب لُٹ گئی متاعِ سکوں،
ہمیں تو آخری منزل پہ آ کے لوٹ لیا

کسی کے حُسن کی شاید تھی کوئی چنگاری،
کہ جس نے خانۂ دل کو جلا کے لوٹ لیا

کبھی یقین دلایا کبھی تسلی دی،
ہر ایک رنگ سے سمجھا بجھا کے لوٹ لیا

ہر ایک منظرِ دُنیا سے ہو گیا غافل
نہ جانے کیا مرے دل کو سُنگھا کے لوٹ لیا

تمہاری لوٹ بھی کیا لوٹ ہے رواںؔ توبہ
کہ جس کو چاہا نگاہیں اُٹھا کے لوٹ لیا

غزل

از جناب رفیق صاحب رفیقؔ

اور اگر کچھ بھی نہیں ہے اے خدا میرے لئے
وقف کردے اِک دلِ بے مدعا میرے لئے

انقلاباتِ جہاں کی ہے بنا میرے لئے
راہزن ثابت ہوئے ہیں رہنما میرے لئے

بنگئی ہے زیست پیغامِ قضا میرے لئے
ابتدا کی ہوگئی ہے انتہا میرے لئے

میری ہستی کچھ نہ تھی اِک خواب بے تعبیر تھی
یعنی سب کچھ تھا مگر کچھ بھی نہ تھا میرے لئے

اس سے بڑھ کر کچھ نہیں تفصیلِ حُسن و عشق کی،
ہر جفا تیرے لئے ہے ہر وفا میرے لئے

میں کہیں پیتے نہیں جاتا مگر سرشار ہوں،
ذرہ ذرہ میں بنا ہے میکدہ میرے لئے

آج تو بیتاب ہوں میں قافلے کے واسطے
ایک دن بیتاب ہوگا قافلہ میرے لئے

ہائے توبہ میں نے کیوں کی تھی بھری برسات میں
رات دن بیچین پھرتی ہے گھٹا میرے لئے

کاش ساقی آج میری تشنہ کامی دیکھکر
وقف کردے میکدہ کا میکدہ میرے لئے

صفحۂ دُنیا پہ میں اِک حرفِ باطل ہی سہی
پھر بھی برسوں روئینگے اہلِ وفا میرے لئے

موت اگر قسمت میں لکھی ہے تو آئے گی ضرور
ہاتھ اُٹھا کر مانگ لو تم بھی دعا میرے لئے

کس نے دامن سے ہوا دی تھی بوقتِ بے خودی
ہوگئی ناسازِ دُنیا کی ہوا میرے لئے

افسانہ

زہر کے لیبل والی بوتل

جناب انیس مرتضیٰ زبیری مارہروی مرتس

محمود اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اُس کی پرورش بہت ناز و نعم سے ہوئی تھی وہ بہت ہی ذہین ہنس مکھ اور خلیق تھا۔ اور بی اے میں تعلیم پا رہا تھا۔ گھر کا خوشحال تھا اسی وجہ سے اُسے کسی قسم کا تردد اور پریشانی نہ تھی۔ وہ سینما کا بہت دلدادہ تھا۔ کوئی کھیل ایسا نہ ہوتا تھا جس کو وہ کئی بار نہ دیکھ لے۔

ایک دفعہ شہر میں "باغبان" ہو رہا تھا۔ سینما ہال دونوں کھیلوں میں کھچا کھچ بھرا رہتا تھا۔ محمود بوجہ عدیم الفرصتی ابھی تک باغبان نہ دیکھ سکا تھا۔ آخر ایک دن جب کہ موسم بہت خوشگوار تھا۔ محمود صبر نہ کر سکا۔ اور کسی طرح وقت نکال کر سینما دیکھنے گیا۔

انٹرول کے بعد ایک دم سے ہال میں شور و غل مچنے لگا۔ سب آدمی اپنی اپنی نشستیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے کیونکہ کسی وجہ سے سینما ہال میں آگ لگ گئی تھی۔ سب سے زیادہ مصیبت عورتوں کی تھی جن کا درجہ فرسٹ کلاس کے قریب تھا۔ وہاں نفسا نفسی کا عالم تھا۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ اتنا کسے ہوش تھا کہ عورتوں کو بچانے کی کوشش کرتا۔ محمود کسی طرح کود پھاند کر دروازہ تک پہنچا ہی تھا کہ کسی شخص سے اتنے زور کی ٹکر ہوئی کہ دونوں گر پڑے۔ محمود کو بہت غصہ آیا۔ لیکن اُسے جب یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص ایک عورت ہے تو اُس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ محمود اُسے اُٹھا کر باہر لے آیا اور رومال اس کے زخموں پر باندھ دیا۔ لڑکی نے اپنے موٹر کی طرف اشارہ کیا۔ محمود نے اُسے وہاں پہونچا دیا۔ اس لڑکی نے جس کا نام زہرہ تھا محمود کو اپنا کارڈ دیا اور اسے اگلے دن چائے پر مدعو کیا۔

محمود نے زہرہ کو رات کی تاریکی میں اچھی طرح نہ دیکھا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ رات بھر وہ صبح کے انتظار میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اور اس کے دل میں گدگدی ہوتی رہی۔ آخرکار آفتاب عالمتاب مطلع انوار فلک پر نوید صبح لیکر طلوع ہوا۔ محمود ایک نفیس سوٹ پہنکر زہرہ کے گھر پہونچے۔ وہاں زہرہ اس کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی "آنکھیں بچھی ہوئی تھیں رہ انتظار میں" محمود نے مزاج پرسی کی۔ زہرہ نے کہا کہ میرے زخم اب اچھے ہیں آپکا شکریہ ادا کرنے سے میری زبان قاصر ہے۔ محمود نے کہا آپ ناحق مجھے شرمندہ کرتی ہیں یہ تو میرا فرض منصبی تھا۔ دوران گفتگو میں محمود رہزن تمکین و ہوش زہرہ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اور اس کے بے عیب حسن کی دل ہی دل میں تعریف کر رہا تھا اور سوچتا تھا:۔

ایک میں کیا خود اسے دیکھے اگر حسن آفریں
اپنی صناعی پہ حیراں خود وہ صورت گر رہے

اس کے بعد زہرہ اسے اپنے والد کے پاس لے گئی اور اس کا تعارف کرایا۔ زہرہ کے والد نے بھی اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ محمود نے چائے پی اور تھوڑی دیر کے بعد چلا آیا۔ لیکن اپنے آپ میں کسی شے کی کمی پانے لگا۔ دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ ہر وقت کھویا ہوا سا اور مضطر رہتا تھا۔ وہ جتنا ہی اس خیال کو نکالنا چاہتا تھا اتنا ہی عشق کی آگ اور بھڑکتی تھی۔ جب اسے یہ احساس ہوا کہ اس کی حالت بہت زبوں ہو گئی ہے۔ تو اس نے اپنی والدہ سے کہلوایا کہ اس کی شادی زہرہ سے کر دی جائے۔ ادھر زہرہ کی حالت بھی بہت خراب تھی وہ ہمہ وقت محمود کی یاد میں گریاں رہتی تھی۔ "دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی"

محمود کے والدین نے لڑکی کے متعلق تحقیقات کی۔ انہیں معلوم ہوا کہ وہ اعلیٰ خاندان کی ہے۔ انٹرنس پاس ہے سلیقہ شعار ہے۔ صوم و صلوٰۃ کی پابند ہے۔ بہرحال پیام دیا گیا اور شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ محمود کے لئے یہ خبر بہت ہی جانفزا تھی۔ اُس نے نہ معلوم کس بے چینی سے اتنے دن گذارے۔ بالآخر وہ دن بھی آ گیا جس دن محمود اور زہرہ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیئے گئے۔

اب محمود کی زندگی کا بہترین دور شروع ہو گیا۔ دن عید اور شب شب برات تھی محمود زہرہ پر جان نثار کرتا تھا اور زہرہ محمود کی دلدادہ تھی۔ لیکن دنیا کی اور چیزوں کی طرح یہ کیفیت بھی زیادہ دن نہ قائم رہی۔

ایک دن محمود کو زہرہ کے نام ذیل کا خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا:۔

میری پیاری اور دل و جان کی مالک

جب سے تم گئی ہو دل کی عجیب حالت ہے۔ ہر وقت بے چین رہتا ہوں۔ خدا تمہیں خوش و خرم رکھے اور ہنسی خوشی سے جلد ملائے تم کو

چند خاص باتیں لکھنا مگر معلوم نہیں کہ تمہارے خط کوئی کھول لیتا ہے یا تمہیں مل جاتے ہیں۔ ہاں اس بات کو نہ بھولنا۔ فقط تمہارا حرماں نصیب"

محمود کا اس خط کو پڑھکر بہت بُرا حال ہوا اور غصہ سے کانپنے لگا۔ اُسے زہرہ سے جس کا وہ دل و جان سے عاشق تھا نفرت ہو رہی تھی وہ کمرے میں ٹہلنے لگا اور صورتِ حالات پر غور کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خط اپنی میز پر ڈال کر چلا گیا اور رات کو بہت دیر میں واپس آ کر اپنے کمرے میں لیٹ کر سو رہا

اسکے بعد سے محمود زہرہ سے سیدھے منہ بات نہ کرتا تھا اور بہت کھنچا کھنچا رہتا تھا۔ زہرہ نے اپنے شوہر کے طرزِ عمل میں اس نمایاں فرق کو محسوس کیا۔ وہ سخت حیران تھی کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ اس زبردست انقلاب سے اس کو سخت صدمہ پہونچا تھا۔ محمود جب گھر میں آتا اپنے کمرہ میں چلا جاتا اور زہرہ کی طرف رُخ نہ کرتا۔

زہرہ ایک مرقعٔ حزن و یاس بن گئی تھی۔ صورت سے مدقوق معلوم ہونے لگی تھی۔ لیکن آخر کب تک اس طرح تلخ زندگی گذارتی اس نے سوچا کہ اب اس کا فیصلہ ہی کر لیا جائے۔ ایک رات جب محمود اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا زہرہ وہاں گئی اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آخر مجھ سے کونسا جُرم سرزد ہو گیا ہے جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ محمود نے ایک لفافہ کر کے دوسری طرف کروٹ لے لی اور میز کی طرف اشارہ کر کے کہا اپنے عاشق سے پوچھو۔

زہرہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا وہ تھوڑی دیر وہاں کھڑی رہی اور پھر اپنے کمرے میں آ کر دیر تک روتی رہی۔ لیکن اس کے بعد بھی زہرہ نے محمود کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہ پائی۔

بالآخر زہرہ نے ایک دن پرچہ پر لکھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں لیکن خیر میں اپنی قسمتی کا دشوں کا خاتمہ کئے دیتی ہوں۔ اور اپنی ناپاک ہستی سے آپ کے گھر کو پاک کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے خسر کے کمرے میں گئی اور ایک بوتل جس پر زہر کا لیبل لگا تھا اُٹھا لائی اُسے پی کر اطمینان سے آنکھیں بند کر کے پلنگ پر لیٹ رہی۔

اُسی دن محمود کو ڈاک سے ایک خط ملا جس میں لکھا تھا۔

عزیزہ زہرہ دُعائیں لو۔

مجھکو افسوس ہے کہ غلطی سے تمہارے بہنوئی نے میرا خط تمہارے خط میں رکھ دیا جس کا انہیں بعد میں احساس ہوا۔ اُمید ہے کہ تم کچھ خیال نہ کرو گی اور معاف کر دو گی۔ اگر مناسب سمجھو تو اس خط کو میرے پاس بھیجدو۔ میں تمہیں تمہارا خط بھیج رہی ہوں۔ فقط تمہاری بہن کبرا۔

اب محمود کی سمجھ میں یہ معمہ آیا اور اپنے گذشتہ فعل پر بہت نادم ہوا۔ خط لئے ہوئے وہ گھر میں آیا دروازہ میں اسے زہرہ کا پرچہ ملا۔ کمرہ کھولا تو زہرہ لیٹی ہوئی ہے پاس ہی بوتل رکھی تھی جس پر زہر کا لیبل لگا تھا محمود نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اور بہت چیخا چلایا۔ تمام گھر والے جمع ہو گئے جلدی سے ایک آدمی دوڑایا گیا کہ ڈاکٹر کو بُلا لائے۔

اس چیخ پکار سے زہرہ نے آنکھیں کھولدیں۔ اور بہت ہی حیران ہوئی کہ وہ اب بھی اس دُنیا میں ہے،"

محمود نے اپنا سر زہرہ کے پاؤں پر رکھ ... معافی کا خواستگار ہوا کیونکہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اس کا آخری وقت ہے۔ دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے یہاں یہ سب ہو ہی رہا تھا کہ اتنے میں محمود کے والد سخت غصہ میں آئے کہنے لگے۔

ہمارا ناک میں دم ہے۔ کوئی چیز نہیں رہنے پاتی۔ ایک بوتل میں جس پر زہر کا لیبل لگا تھا پانی بھر کر صاف کرنے کو رکھی تھی وہ بھی غائب ہے ؞

ہر قیدِ غمِ عشق سے بیگانہ بنادے
ساقی ترے قدموں پہ گھٹا لوٹ رہی ہے
ٹھہرا ہوا ان قرمزی ہونٹوں پہ تبسم
جذبات سے معمور اگر ہے ترا سینہ
کچھ دُور یہ ساون کی گھٹا جھوم رہی ہے
انساں ہے تو ہر قیدِ تعین سے گذر جا
مچلی ہوئی نظروں میں ہے رُکتی ہوئی مستی
قدرت کی نگاہوں میں محبت کی کشش ہے
شاطر یہ ترے بار نہیں حرفِ تمنا

او دیکھنے والے مجھے دیوانہ بنادے
میرے لئے ہر پھول کو پیمانہ بنادے
لہرائے تو کونین کو دیوانہ بنادے
ہر سانس کو اک عشق کا افسانہ بنادے
ایسے میں مجھے بھی کوئی دیوانہ بنادے
کونین کی روداد کو افسانہ بنادے
چاہے تو ابھی وہ مجھے دیوانہ بنادے
قدرت جسے چاہے اسے دیوانہ بنادے
کہنے پہ جو آجائے تو افسانہ بنادے

کملا حسنِ مجسّم تھی۔ میانہ قد۔ نازک جسم۔ نرگسی آنکھیں۔ گھنگھرالے بال اور صبیح چہرہ ایک زاہد صد سالہ کو بھی دیوانہ بنا دینے کو کافی تھے۔ وہ ایک حور تھی جو اس ناپاک دنیا میں نہ جانے کیوں بھیجی گئی تھی۔ اسکی قابلِ رشک صحت۔ اس کی نفاستِ طبع اُس کی سادگی کچھ ایسی چیزیں تھیں۔ کہ اسے ایک ہی بار دیکھ لینے سے خدا کی قدرت یاد آجاتی۔ اُس سراپا حسن کے آگے جمالِ قلوپطرہ بھی گرد تھا۔ شاید ہی صانعِ قدرت نے اس سے بہتر صورت کسی کو عطا کی ہو۔ کوئی شاعر اپنے بہترین شعر میں بھی اُسکے حسن کی تعریف نہ کر سکا تھا۔ کوئی مصور اپنی بہترین سے بہترین تصویر میں بھی اسکے نقوش کا ثانی پیش نہ کر سکا تھا۔

کملا اپنے حسنِ جہاں سوز سے بخوبی واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جس طرف سے وہ گذر جاتی۔ نوجوان حسرت بھری للچائی نظروں سے اُسے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ کئی نوجوان اپنے دل اُس کی راہ میں نچھاور کرنے کو تیار تھے۔ اُس کی نگاہِ غلط انداز کے لئے زمین و آسمان ایک کر دینے کے دعویدار بھی تھے۔ وہ جس راہ سے گذر جاتی حساس دلوں میں ہنگامے برپا کر جاتی۔ نوجوان سرد آہیں بھر کر خاموش ہو جاتے۔ کملا یہ سب کچھ جانتی تھی۔ وہ اپنے صید کو تڑپتے دیکھتی اور خوش ہوتی۔ اُسکے لئے نوجوان لڑکے تڑپنے کیلئے ہی پیدا ہوئے تھے اور لڑکیاں اُن کے تڑپنے اور تباہ ہونے کا تماشا دیکھنے۔

کملا کی خصوصیت (جو اُسے اُس جیسی دوسری لڑکیوں سے ممتاز کرتی تھی) اُس کی سادگی تھی۔ وہ ہمیشہ سفید کپڑوں میں ملبوس دکھائی دیتی جو اُس کی خوبصورتی کو اور بھی دوبالا کر دیتے۔

کملا کی ایک سہیلی تھی کلونت۔ دونوں ہم جماعت ہونے کے علاوہ ہم مذاق بھی تھیں اُن کی آپس میں گہری دوستی تھی۔ وہ ایک دوسری کے بغیر چین نہ لیتی تھیں۔

رمیش کو کملا سے محبت تھی۔ سچی محبت۔ وہ عام نوجوانوں کے بالکل برعکس جب کملا گذرتی خاموش اور مؤدب کھڑا ہو جاتا۔ جب عام نوجوان اُسے دیکھ کر آپس میں چھیڑ خانی شروع کر دیتے تو رمیش چپ چاپ سرد آہ بھر کر وہاں سے روانہ ہو جاتا ... وہ ایک بیس سالہ خوبصورت نوجوان تھا۔ جسے صانعِ قدرت نے حسن سے وافر حصہ عطا کیا تھا۔ وہ ایک مقامی بنک میں پچاس روپیہ ماہوار پر ملازم تھا۔

مری کی پُر رونق اور پُر رومان پہاڑی فضائیں مُردہ دلوں کے لئے پیغامِ حیات تھیں۔ شام کو ہر طبقہ کے لوگ سیر کرنے نکلتے۔ ایک ہی سڑک یعنی مال ہونے کی وجہ سے کافی رونق ہوتی۔ کملا اور کلونت کی عادت تھی کہ ہمیشہ اکٹھی سیر کو نکلتیں۔ دونوں نوجوان۔ خوبرو اور تعلیمیافتہ ہونے کی وجہ سے "مرکزِ نگاہ" ہوتیں وہ تہذیبِ نو کی دو رنگین تیتریاں تھیں جو بے خوف و خطر اِدھر اُدھر پھڑپھڑا رہی تھیں۔

دونوں سہیلیاں جب کبھی سیر کرنے نکلتیں تو اُن کا موضوعِ گفتگو عموماً ایک ہی ہوتا "مرد کی محبت"۔ وہ مرد کو محبت سے بالکل بے بہرہ ٹھہراتیں۔ دونوں اس بات پر متفق تھیں کہ مرد کے نزدیک محبت کا مفہوم ذاتی خواہشات کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ دونوں شادی سے متنفر تھیں۔ اور کملا تو شادی کے خلاف وہ لیکچر دیتی کہ بڑے سے بڑے برہمچاری بھی کیا دینگے۔ وہ اُن راہ چلتے گھورتے نوجوانوں کو دیکھتیں جن میں سے سب اُن کی محبت کے خواہاں تھے۔ اُن میں سے کوئی بدصورت تھا تو کوئی خوبرو بھی۔ کوئی کالا تھا تو کوئی گورا۔ کوئی اگر تنومند کمر بستہ لمبا چوڑا تھا تو کوئی تنومند بھی مگر اُن میں ایک سے ایک بڑھکر عاشقی کا دعویدار تھا۔ ہر کوئی یہی چاہتا تھا کہ یہ لڑکیاں مجھ پر فدا ہو جائیں۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے بن سنور کر اور کریم اور لونڈر کا استعمال کر کے مال پر نکلتے۔ مگر محبت سے بیگانہ۔ اُس پاک جذبہ سے بیخبر۔ کملا اُن نوجوانوں کو نفرت بھری نظروں سے دیکھتی اور کلونت سے کہتی "یہ مرد اُس وقت تک محبت محبت چلاتے ہیں۔ جب تک عورت اُن کے قابو میں نہیں آتی اور جونہی کوئی بدقسمت ان کے ہتھے چڑھی یہ محبت کے ہوائی قلعے دیکھتے ہی دیکھتے مسمار ہو جاتے ہیں۔ دور کیوں جاؤ پریم کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ بیچاری نے اُس کمبخت توہن کے

شستہری الفاظ میں پھنس کر اپنا سب کچھ اُسکے حوالہ کردیا۔ اور وہ موہن جو کل تک اُس کے لئے تڑپتا تھا آج مطلب نکل جانے کے بعد اس طرح غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ بیچاری نے اپنی عزت کی خاطر خودکشی کرلی۔ یہ تھے اُن لڑکیوں کے خیالات جو کسی حد تک صحیح بھی تھے مگر ان کو سو فی صدی صحیح کہہ دینا بھی ناانصافی پر مبنی ہوگا۔ اور صنف قوی کی زبردست توہین۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو کسی صنف کو وراثت میں نہیں ملا۔ یہ تو اللہ کی دین ہے۔ بعض مرد بیوفا ہوتے ہیں۔ تو اکثر عورتیں بھی محبت کے امتحان میں فیل ہو جاتی ہیں۔ اور آج کل تو مینس محبت ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی اس حالت میں صرف مردوں کو ہی مطعون کرنا بعید از انصاف ہے رمیش کو محبت اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہی تھی۔ وہ جل رہا تھا اس آتش ملتہب میں جس کی حشر سامانیوں اور فتنہ خیزیوں سے اک جہاں آگاہ ہے اُسے دفتر کے کام میں کچھ دلچسپی نہ رہی تھی۔ ایک سطر اگر ایک بھی درج کرنا ہوتی تو دوسری میں کر دیتا جس کی وجہ سے کئی دفعہ منیجر نے سرزنش کی۔ اسکی زندگی کا اگر کوئی سہارا تھا تو کملا کا دیدار۔ وہ اُس شمع حسن پر پروانہ وار فدا ہونا چاہتا تھا کیونکہ کملا کو دیوانہ وار چاہنے لگ گیا تھا۔

مثل مشہور ہے "دل کو دل سے راہ ہوتی ہے" محبت اپنے کہربائی اثر اور مقناطیسی قوت کے لئے مشہور ہے۔ اگر آپ کسی سے سچی محبت کرتے ہیں اور اُس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں تو ناممکن ہے کہ دوسرے کے دل پر اثر نہ ہو۔ یہ چیز ہی ایسی ہے کہ اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کملا نے دوسرے نوجوانوں میں رمیش کو بھی بارہا دیکھا تھا۔ اُس کی عام نوجوانوں سے برعکس عادات اُس کی خاموش آنکھیں اور شگفتہ صورت اُس سنگدل لڑکی پر اثر کئے بغیر نہ رہیں اُس نے محسوس کیا کہ اُسے اپنا نظریہ تبدیل کرنا ہی پڑے گا۔

کملا کو اُس اجنبی نوجوان سے کچھ اُنس سا پیدا ہو گیا۔ جذبۂ عشق نے اپنی غیر محسوس کارروائی شروع کردی۔ کیوپڈ نے کمان تانی اور ایک دن کملا کے دل کو بھی زخمی کردیا۔

برسات کا موسم تھا۔ شام کا وقت۔ ٹھنڈی ٹھنڈی عطر بیز ہوا چل رہی تھی۔ درخت نہائے دھوئے کھڑے تھے۔ قدرت کی ہر چیز نکھری ہوئی تھی اس حالت میں کملا اکیلی ہی سیر کرنے کشمیر پوائنٹ کی طرف چل دی۔ جس طرح کا سہانا سماں نوجوان متلاشی محبت کے دل کے لئے پیغام حیات ہوتا ہے۔ وہ اُس وقت سفید ریشمی ساری زیب تن کئے ہوئے تھی۔ جو ہوا کے خنک لطیف جھونکوں سے اسکے جسم کے گرد بل کھا رہی تھی۔ خمیدہ زلفیں حسین چہرے پر فدا ہو رہی تھیں۔ کملا اپنے پیش و پیش سے بے خبر چل رہی تھی اُسے دنیا و مافیہا کا متعلق ہوش نہ تھا۔ وہ فطرت کا مطالعہ کر رہی تھی کہ اتنے میں ایک دم پاس کی جھاڑی سے ایک بڑا سا کتا نکل کر بھاگا۔ کملا چونکہ اپنے خیالات میں از حد محو تھی۔ اس لئے چونک پڑی۔ اُسکی آہستہ سے چیخ نکل گئی۔

اے کاش وہ آجاتے!
ایک پامال آرزو کا گیت!

اے کاش وہ آجاتے
ان بہکی فضاؤں کو
رنگین بنا جاتے

جاں بخش تبسم سے
پژمردہ تمنا کے
پھولوں کو ہنسا جاتے

اے کاش وہ آجاتے!

پھر آتشیں نغمے کچھ
اس ربطِ اُلفت پر
وہ آکے سُنا جاتے

بے کیف مناظر ہیں
راحت کی مسرت کی
اِک آگ لگا جاتے

اے کاش وہ آجاتے!

ان مست نگاہوں سے
دیدار کی صہبا کے
دو گھونٹ پلا جاتے

ان سوتی اُمیدوں کو
پامال تمنا کو
ہاں آکے جگا جاتے

اے کاش وہ آجاتے!

زخم نصیب:۔ سید اشرف کاظمی (مصور)

دراصل دیوتائے محبت جب کوئی نیا تجربہ کرنا چاہتا ہے تو بالکل نرالے اور اچھوتے ڈھنگ سے اُسے عمل میں لاتا ہے۔ اُسکے لائحہ عمل کی نیرنگیاں قابل غور ہوتی ہیں۔ اُس وقت رمیش نزدیک ہی ایک پتھر کی اوٹ میں چٹان پر بیٹھا مصروفِ مطالعہ تھا۔ جونہی اُس نے چیخ سُنی۔ فوراً ہی اُٹھ کر جدھر سے آواز آئی تھی اُس طرف چل دیا۔ اب جو نظارہ اُس کی آنکھوں کے سامنے تھا کچھ وہ ہی جانتا تھا۔ سامنے اُس کے خوابوں کی حسین تعبیر اُس کے دل کی رانی سراپا جوانی شوخی کھڑی ہے۔ کملا کو اپنی از خود رفتگی کا احساس اُس وقت ہوا۔ جب رمیش

نزدیک پہنچ چکا تھا۔ جلدی سے ساڑی کا پلو سنبھال کر چلنے کو مڑی کہ رمیش بولا "گستاخی معاف! کیا یہ چیخ کی آواز آپ کی تھی"؟ کملا نے جواب دیا "جی ہاں۔ میں اپنے خیالات میں مستغرق سیر کر رہی تھی کہ اس جھاڑی کی اوٹ سے ایک کتا نکل کر بھاگا جس سے میں یکایک خوفزدہ سی ہوگئی۔ مگر یہ معمولی سا واقعہ ہے میں کچھ یونہی گھبرا سی گئی تھی"۔ یہ کہتے کہتے اسکو حجاب سا محسوس ہونے لگا۔ رمیش ٹکٹکی باندھے اُسے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھا۔ کہ وہ نازنین جس کو ایک نظر دیکھ لینا ہی قیامت خیز ہے اُس سے ہمکلام ہے۔ بولا "بعض حادثات بادی النظر میں معمولی ہوتے ہیں مگر آخر میں غیر معمولی نتائج کے حامل ثابت ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی شاید Turning point of my life ہو"۔ یہ کہتے کہتے اُس کی حسین آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ کملا عجب کشمکش و پیچ میں پڑ گئی اگر اُس نے رمیش کی عادات دوسرے نوجوانوں سے مختلف نہ پائی ہوتیں تو اُسی وقت اُسکے منہ پر تھپڑ رسید کرنے سے بھی نہ چوکتی۔ مگر چونکہ اُس کے دل میں رمیش کے لئے قدرتاً کچھ اُنس سا پیدا ہو گیا تھا۔ خاموش رہی مگر پھر بھی پندار نسائیت کو ٹھیس پہنچتے دیکھ بولی۔ "مرد کے نزدیک محبت کا مفہوم ہوس پرستی کے سوا کچھ نہیں" اور پھر شرما گئی۔ ان الفاظ نے رمیش کی بجھی ہوئی آتش عشق کو ہوا دے دی۔ بولا "نہ جانے آج کل لڑکیوں کے دماغوں میں یہ خیال کہاں سے سما گیا ہے کہ مرد محبت نہیں کر سکتا۔ ہر حالت میں مرد کو ہی ملعون ٹھہرایا جاتا ہے۔ حالانکہ مرد اور عورت محبت کے معاملہ میں یکساں ہیں۔ مرد عورت سے قبل از شادی محبت ظاہر کرتا ہے اور عورت اپنی محبت چھپاتی ہے۔ کہ مرد کی آتش شوق کو اور بھڑکایا جائے اور بعد از شادی عورت مرد سے محبت ظاہر کرتی ہے اور مرد اُس محبت کو جو اُس کے دل میں عورت کے لئے ہے چھپاتا ہے۔ مفہوم دونوں کا ہر دو حالات میں ایک ہی ہے مگر ایک کی کوشش محبت و وفا باشرم اور دوسرے کی ہوس پرستی اور جفا کہلاتی ہے"۔ کملا اس گفتگو کو سُنکر گھبرا سی گئی۔ بولی "مجھے بہت دیر ہوگئی ہے میں نے بہت وقت آپسے باتوں میں لگا دیا اب میں جاتی ہوں"۔ یہ کہہ کر مڑی اور تیز رفتاری سے گھر کی جانب روانہ ہوئی۔ تمام راہ اُس کا دماغ مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا رہا۔ اُس نے سوچا "آخر اُس نوجوان کا ان باتوں سے مقصد کیا تھا۔ نہ واقف نہ جان نہ پہچان۔ محبت کا فلسفہ شروع کر دیا۔ گو یا مجنوں کے شاگرد خاص ہونے کا فخر حاصل ہے۔ مگر ہیں شریف اتنی دیر اکیلے میں میرے ساتھ باتیں کرتے رہے اور ایک بھی غیر شریفانہ حرکت نہ کی۔ کلونت کو چل کر بتانا چاہئے"۔ یہ سوچ کر کملا اور تیز چلنے لگی۔

جب گھر پہنچی تو کلونت پہلے ہی اُس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ کملا اُسے لیکر اپنے کمرے میں چلی گئی اور اُس سے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ کلونت سب باتیں سُنکر بولی "ہاں وہ لڑکا معلوم تو شریف ہوتا ہے اُس دن دیکھو نا جب ہم بھیڑ میں گھر گئی تھیں تو ہمارے لئے کس طرح راستہ بنا دیا تھا اور خاموش کھڑا ہو گیا تھا۔ اُس وقت اُس کی بجائے کوئی آوارہ مزاج ہوتا تو مفت میں خجالت ہوتی"۔ اس کے بعد دونوں سہیلیاں اُسی نوجوان کا تذکرہ کرتی رہیں آخر ایک گھنٹہ بعد کلونت اُٹھ کر چلی گئی۔

اُس رات کملا جب بستر پر دراز ہوئی تو اُسی نوجوان کی صورت آنکھوں میں تھی بہتیری کوشش کی کہ وہ صورت سامنے نہ آئے مگر اسکے خیال نے دماغ سے ہٹنے کا نام نہ لیا تھا آخر بہت دیر بعد قدرے آنکھ جھپکی اور کملا سو گئی۔ سوتے میں اُس نے خواب دیکھا کہ وہ ایک بیابان میں پیادہ پا جا رہی ہے چاروں طرف موت جیسی خاموشی اور ہُو کا عالم۔ اتنے میں ایک بہت کریہہ المنظر بلا آئی جو کملا کو ہڑپ کرنے کو تیار ہوئی کملا چیخ مار کر پیچھے ہٹی کہ اتنے میں سامنے رمیش آگیا۔ رمیش کے ہاتھ میں بندوق تھی اُس نے بندوق سے اس بلا کا خاتمہ کر دیا۔ پھر خوفزدہ کملا کو گلے سے لگا لیا؟ یہاں کملا کی آنکھ کھل گئی۔ رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ سوچنے لگی کہ آخر اس پریشان خواب کا مطلب؟ کچھ دیر سوچنے کے بعد اُسے دن کے واقعہ کا فتور سمجھ کر پھر لیٹ گئی آخر بڑی دیر بعد نیند نے اُس کی حالت پر ترس کھا کر اُسے اپنی آغوش راحت میں لے لیا۔

رمیش پر اس واقعہ کا غیر معمولی اثر ہوا اُس کی وہ پہلی بے چینی کافی حد تک کم ہوگئی۔ اب اُسے کچھ اطمینان سا ہو گیا۔ اب اُسے یقین ہو گیا کہ اُس کی نیاز محبت بارگاہ ناز میں شرف قبولیت پا جائے گی۔

دوسرے دن جی۔ پی۔ او کے قریب رمیش اور کملا کا سامنا ہو گیا۔ کملا اور کلونت دونوں آپس میں اُسی کی باتیں کرتی آ رہی تھیں۔ رمیش نے جھجکتے جھجکتے ہاتھ جوڑ کر نمستے کہا۔ کملا پہلے تو بچائی مگر کلونت کے کہنے سے جواب دے دیا۔

اُدھر کملا نے ہاتھ جوڑ کر اُسے دیکھا اور اِدھر اُس نے اپنے تمام جسم میں ایک تیز برقی رو کا احساس کیا۔ یہ صنف مخالف کی کشش تھی جس سے آج تک کملا بے خبر تھی

اب اُن کی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا کبھی کشمیر پوائنٹ پہ ملتے تو کبھی پانچ پانڈو ملاقات ہو جاتی۔ مگر اتنے عرصہ میں کوئی بھی ملاقات پانچ منٹ سے طویل نہ ہوئی۔ کلونت ایسے موقع پر اِدھر اُدھر ہو جاتی۔ اور دونو محبت کے دیوانوں کو آپس میں ملنے کا موقع دے دیتی۔

ایک دن کملا بولی "مجھے آپ کی پہلی تقریر ابھی تک یاد ہے۔ اور اُسی تقریر نے مجھے آپ سے محبت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب میرا دل چاہتا ہے کہ

ہم ہمیشہ کے لئے اکٹھے ہو جائیں۔ یہ ہائے منٹی ملاقات مجھے پسند نہیں"
رمیش نے جواب دیا "آہ کملا کیا بتاؤں میرے دن اور رات کیسے گذرتے
ہیں۔ مگر کیا کروں کیا تمہارے والدین ہمیں ایک ہو جانے کی اجازت دینگے؟"
کملا بولی "جب ہم تم ایک ہو چکے ہیں تو پھر ہمیں روکنے والا کون ہے۔ میں آج
رات کو ایک چھوٹا واقعہ بتا کر تمہاری تعریف کرونگی اور ماتا جی سے تمہارے گھر
لانے کی اجازت لے لونگی۔" یہ سنکر رمیش بہت خوش ہوا اور دونوں رخصت ہو گئے۔

واپسی پر راستے میں کلونت اور کملا نے ایک قصہ گھڑا اور دونوں
بظاہر گھبرائی ہوئی گھر آئیں۔ آتے ہی کملا بولی "ماں جی آج غضب ہو گیا۔
میں اور کلونت مال پر سیر کر رہی تھیں کہ ایک شرابی ہماری طرف لپکا اور میرا
دوپٹہ کھینچ کر اتار لیا اور چاہتا تھا کہ کچھ شرارت کرے کہ ایک نوجوان نے
آگے بڑھکر اُسے دھکا دیکر پرے گرا دیا۔ اور اُس سے دوپٹہ چھین کر مجھے
واپس کر دیا۔ اور پھر دونوں کو بحفاظت وہاں سے دُور تک لے آیا"۔ ماں
بیچاری بہت سیدھی تھی بولی "ہاں وہ کوئی بڑا ہی شریف زادہ ہوگا جس
نے میری بچی کی عزت بچائی۔ کملا تو نے اُسے گھر تو لانا تھا میں بھی اُس کو دیکھتی"
کملا اور کلونت نے جب دیکھا کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے تو دونوں بولیں
"ہم اس لئے نہیں لائیں کہ مبادا آپ خفا ہوں کل اگر ملا تو اُسے ضرور لائینگی"
ماں نے کہا "ہاں" "اُسے کل ضرور لانا بلکہ چائے پر بلانا۔ تمہیں شرم نہیں آئی
کہ جس نے تمہاری عزت بچائی اُسے گھر ہی بلا لائیں"۔ اب کملا کو تسلی ہو گئی
دونوں سہیلیاں کچھ دیر بیٹھی باتیں کرتی رہیں آخر کچھ دیر بعد دوسرے دن
جلد آنے کا وعدہ کر کے کلونت اپنے گھر چلی گئی۔

دوسرے دن چار بجے ہی دونوں سیر کرنے چل کھڑی ہوئیں۔
آج کملا بہت خوش تھی۔ جب مال پر پہنچیں تو رمیش پہلے ہی انتظار میں کھڑا
تھا۔ دونوں اُسے لیکر گھر واپس آئیں۔ رمیش نے کملا کی ماں کو ہاتھ جوڑ کر
نمستے اور بیبے نمستے کہا جس کا جواب ماں نے بڑے پیار سے دیا۔ اور کہا۔
"آؤ بیٹا مجھے کملا کی زبانی تمہاری شرافت کا پتہ لگ چکا ہے کل تم ہی نے
اِن کی عزت رکھی۔ آؤ اس گھر کو بھی اپنا ہی گھر سمجھو کملا نے اپنے ہاتھ سے
تمہارے لئے چائے بنائی ہے چلو چائے پئیں۔ کملا! جلدی سے ان کیلئے
چائے لاؤ"۔ یہ کہہ کر بڑھیا اپنے کام میں لگ گئی اور وہ تینوں چائے پینے لگے۔
چائے پینے کے دوران میں کملا نے ایک بار پھر محسوس کیا کہ
اُسے رمیش سے از حد محبت ہو گئی ہے وہ رمیش کے بغیر ایک لمحہ نہیں رہ
سکتی۔ وہ کملا جو مرد کی محبت کا مذاق اُڑایا کرتی تھی آج خود اُس کا شکار
ہو گئی تھی۔ کلونت تھوڑی دیر بعد ضروری کام کا بہانہ کر کے وہاں سے اُٹھ گئی۔
اب دونوں خاموش اک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ زبانیں چپ مگر آنکھیں

مصروف۔ آخر کملا نے چائے کی پیالی دیتے ہوئے کہا "آپ آج بہت خاموش
ہیں بولتے کیوں نہیں" رمیش بولا "میں آج بہت خوش ہوں کچھ سوجھتا ہی
نہیں کہ کیا بولوں"
آخر اِدھر اُدھر کی باتیں آہستہ آہستہ شروع ہوئیں۔ مختلف Topics
کے بعد موضوع گفتگو شاعری پر آیا رمیش بولا مجھے تو یہ شعر بہت پسند ہے سہ
وہ آتے ہیں تو دل میں اِک خلش سی ہونے لگتی ہے
میں ڈرتا ہوں کہیں اِس کو محبت تو نہیں کہتے؟
کملا تڑپ گئی بولی "ہاں اسے محبت ہی کہتے ہیں کہ محبت ہی جانِ حیات ہے محبت
ہی روحِ زندگی ہے۔ اگر محبت نہ ہو تو دنیا ویران ہو جائے پیارے رمیش!
میری دنیا بھی ویران تھی گو میں بڑی خوش نظر آتی تھی مگر دل اُداس رہتا
تھا محبت نے میری اُداس دنیا کو رنگین بنا دیا ہے"
شام کے قریب رمیش اجازت لیکر وہاں سے چلا آیا۔ کملا کی ماں نے رخصت
کے وقت کہا "بیٹا رمیش! ہمارے ہاں روز آیا کرو تم بڑے پسند آئے
ہو" رمیش کو اور کیا چاہئے تھا۔ بولا "اچھا ماں جی" اور نمستے کہہ کر چل پڑا۔
اب رمیش ہر روز سہ پہر کے وقت کملا کے ہاں جانے لگا۔ کملا کی
ماں کے کہنے پر رمیش کملا اور کلونت کو اپنے ساتھ سیر کرانے لے جانے لگا۔ اسطرح
کملا اور رمیش کی محبت دن بدن بڑھتی گئی۔ آوارہ مزاج نوجوان اُن پر
اُنگلیاں اُٹھاتے۔ رمیش کی قسمت پر رشک کرتے۔ اور بعض کمینے تو مارے
حسد کے رمیش کی جان کے دَرپے ہو گئے۔ مگر جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے
اس طرح ایک مہینہ آنکھ جھپکتے گذر گیا۔ اتفاقاً انہی دنوں رمیش کو
Illustrated Weekly کے معمے صحیح حل کرنے کے عوض
پانچ ہزار روپیہ انعام ملا۔ اس سے بہتر اور کونسا موقع ہو سکتا تھا۔ رمیش نے کملا۔
کلونت اور کملا کی ماں کو چائے پر مدعو کیا۔ رمیش کی مہمان نوازی اور
اخلاق حمیدہ نے بڑھیا کو گرویدہ کر لیا۔ اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ کملا کا بیاہ
رمیش سے کر دے گی۔ چونکہ کملا کے والد جب وہ دس سال کی تھی انتقال
کر گئے تھے۔ اس لئے اب سب فکر اُس کی ماں کو ہی تھی۔ اُن کی کافی جائداد تھی
جس کی آمدنی دو صد روپیہ ماہوار تھی۔ راولپنڈی میں بھی ایک دو مکانات کرایہ
پر لگے ہوئے تھے اور کچھ زمین بھی تھی۔ اسی طرح دونوں ماں بیٹیاں آرام اور
عزت سے گذر اوقات کرتی تھیں۔
آخر وہ دن آیا جب کملا اور رمیش کی شادی خانہ آبادی ظہور پذیر ہوئی۔ کلونت
نے اِس موقع پر ایک ریشمی ساڑھی نفیس و خوبصورت پھولوں سے کاڑھی
ہوئی اپنی پیاری سہیلی کو پیش کی۔ غرض سب ایک بے پایاں مسرت میں غرق تھے۔
محبت نے دو اجنبی دلوں کو اس طرح جکڑ دیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ ازل سے

سرمایہ داری

خاص مست قلندر کیلئے

از جناب محمد وکیل اطہر اعظم گڈھی

ہوش میں آ ہوش میں تو اب ذرا سرمایہ دار
تیرے جبر و قہر سے برہم ہے دنیا کا نظام
ہے لگی دن رات تجھکو اپنی آسائش کی دھن
باعثِ ذلت ہے دنیا کیلئے تیرا وجود
زر پرستی نے تری - ثروت پسندی نے تری
نشۂ سرمایہ و دولت میں ہو کر بدحواس
تو نہیں دیتا کساں کی جانفشانی کا صلہ
تیرا مذہب زر پرستی - تیرا شیوہ خونِ خلق
اِس طرف مائل کبھی ہوتی نہیں تیری نظر
گھر میں تھا بیٹھا ہوا، کل تک جو اطمینان سے
اسقدر چھایا ہے تجھ پر جاہ و حشمت کا غرور
تیرے سر میں کارفرما ہے امارت کا جنوں
آرہا ہے تیری قسمت کے ستارے پر زوال
کیا ہوئیں - اُف کیا ہوئیں تیری مآل اندیشیاں
ہو چلا گو درہم و برہم نظامِ کائنات
اے امیرِ دولت و ثروت ذرا مجھکو بتا
اے جفا جوئے زمانہ اے طلبگارِ نشاط
تیرا عیشِ ناروا لینے نہیں دیتا کبھی
رنگ لائیں گی کسی دن یہ ستم آرائیاں
تو ستاتا ہے جلاتا ہے تو یہ بھی یاد رکھ،
راز میں کبتک رہیں گی - ہو ہی جائیں گی کبھی
سوزشِ پنہاں سے اب بنتا ہے مفلس کا دل
ہے زمانہ مضطرب کروٹ بدلنے کے لئے

تیری ہستی ہو رہی ہے سینۂ گیتی پہ بار
خاک میں تو نے ملا دی باغِ عالم کی بہار
بیکسوں کے حال سے واقف نہیں تو زینہار
تیری ہستی سے ہے آتا نوعِ انسانی کو عار
کردیا برپا فضائے پُرسکوں میں انتشار
سینۂ مزدور میں تو نے اُٹھائے ہیں شرار
تیرے اس برتاؤ سے عاجز ہے اسکی جانِ زار
تجھسے بندوں پر کرم کرتا نہیں پروردگار
ہو رہی ہے فاقہ کش دہقاں کی حالت سوگوار
آہ وہ ہے اب ترے جورِ مسلسل کا شکار
گر گیا ہے تیری نظروں سے غریبوں کا وقار
راس آسکتی نہیں تجھکو ہوائے روزگار
ہوشیار اے صاحبِ تمکین و نخوت ہوشیار
تجھکو کیوں اندھا کئے دیتا ہے تیرا اقتدار
تو سمجھتا ہے کہ باقی ہیں وہی لیل و نہار
ایک صورت پر کہیں رہتا ہے دنیا کو قرار
تیرے سر میں تا بکے یہ عیش و عشرت کا خمار
ایک لمحے کے لئے مردِ جفاکش کو قرار
جان لے اسکو بھی اے ناواقفِ انجامِ کار
سوزشِ پیہم سے تیرا دل بھی ہوگا بیقرار
تیری خوں آشامیاں مینائے مے سے آشکار
سینۂ مزدور میں اُٹھتے ہیں طوفانِ شرار
انقلاب آنے کو ہے اے مردِ غافل ہوشیار

چند روزہ گرمیٔ محفل پہ اتراتا ہے کیوں،
خاک میں مل جائے گی یہ جام و ساغر کی بہار،

یورپ کے عریاں پسند مردوں اور عورتوں کی مستی و قلندری کے بہت سے رنگا رنگ نمونے آپ کے ملاحظہ سے گذرے ہوں گے اب ایک بالکل چھوتا اور تازہ شاہکار ملاحظہ فرمایئے۔

کولوریڈو میں ایک ۱۸ سالہ حسین دوشیزہ اور ایک ۱۹ سالہ خوبصورت نوجوان ہے ان دونوں نے بالکل برہنہ حالت میں شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے، وہ اپنی شادی رچانے کے لئے ایک برفانی پہاڑی کی چوٹی پر جا رہے ہیں،

اس مستی و قلندری کے ساتھ ان کا نظریہ زہد ـــ بھی کافی دلچسپ ہے، ان کا خیال ہے کہ اس طریقہ سے وہ اپنے گناہوں سے پاک صاف ہو کر شادی کر سکیں گے۔

~~~

یورپ میں مقابلہ کرنے اور ریکارڈ توڑنے کا جو خبط پھیلا ہوا ہے، اسکے واقعات و حالات وقتاً فوقتاً آپ کے ملاحظے میں آتے رہتے ہیں، آج کل گلاسگو کا ایک منچلا سونے میں دنیا بھر سے بازی لے گیا ہے ـــ وہ روزانہ تقریباً ۶ بجے شام کو سوتا ہے اور دوسرے روز گیارہ بجے دن کو بیدار ہوتا ہے، بالفاظ دیگر یہ ۱۸ گھنٹے روزانہ سونے کا عادی ہے، ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ وہ کثرت خواب کی بیماری میں مبتلا ہے مگر اس شخص کو ہر طرح کی بیماری سے انکار ہے، وہ کہتا ہے "میں بالکل توانا اور تندرست ہوں، مجھے کسی قسم کا عارضہ نہیں ہے' البتہ میں دوسرے احمقوں کی طرح اپنی زندگی کام کاج میں گذار کر برباد نہیں کرنا چاہتا"

اس ۱۸ گھنٹہ روزانہ سو کر گذارنے والے کا ادعائے فہم و دانش بھی کچھ کم دلچسپ نہیں، کام کاج کرنا زندگی کو برباد کرنا ہے اور پڑے پڑے چارپائی کی چولیں ڈھیلی کرنا زندگی کا بہترین مصرف۔ چہ خوش،

~~~

بمبئی سے یہ عجیب خبر شائع ہوئی ہے کہ سیکنڈ ساؤتھ اسٹاف کے دو سپاہیوں نے بمبئی کے مئیر سے درخواست کی تھی کہ وہ ان کے لئے مناسب بیویاں مہیا کر دے چنانچہ مئیر نے اس مقصد کیلئے بمبئی کے ایک اخبار میں اشتہار شائع کرایا، جس کے متعلق درجنوں دوشیزاؤں کی جانب سے مئیر کو خطوط موصول ہوئے ہیں۔ لڑکیوں نے جو جوابات لکھے ہیں، ان کے کچھ نمونے قابل ملاحظہ ہیں ـــ ایک لڑکی نے لکھا "اگر کسی تنہا سپاہی سے میرا تعارف کرایا جائے تو مجھے یقین ہے کہ خدنگ محبت کا نشانہ خالی نہ جائے گا"

دوسری نازنین نے لکھا ـــ "میں عام چھوکریوں کی طرح لپ سٹک اور پوڈر نہیں استعمال کرتی اور بہت اچھی بیوی ثابت ہو سکتی ہوں"

تیسری نے اپنا فوٹو بھیجا جس میں اس نے نہانے کا لباس پہن رکھا تھا، خط میں لکھا تھا ـــ "مسٹر مئیر! مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے آوارہ خیال نہ فرمائیں گے، میرے پاس اسکے سوا میری اور کوئی تصویر نہیں ہے"

ان ڈیڑھ سو عورتوں کے ہنگامے میں سے سپاہیوں کو بیویوں کا انتخاب دشوار ہو گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ غریب سپاہی کس کو قبول کریں اور کسے رد؟ وہ جس دوشیزہ کی خصوصیات پر نظر ڈالتے ہیں تو

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

~~~

دہلی کی ایک عدالت میں ایک پر لطف مقدمہ چل رہا ہے، ملزم کا نام چندر پال ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ملزم نے مختلف قسم کے فریب اور دھوکے سے متعدد شادیاں کی ہیں سب سے پہلے اس نے ایک مالدار دوشیزہ سے شادی کی، اس کے بعد اپنے کو دوسرا تھرڈ وکیل ظاہر کر کے گورکھپور گورنمنٹ اسکول کی ہیڈ مسٹرس سے شادی کر لی، پھر چند روز کے بعد آئی سی ایس کا ایک امیدوار بن کر ایک دولتمند تاجر کی بیٹی سے شادی کی، اس کے بعد اس نے دہلی کے ایک بہت بڑے رئیس کو پھانسنا طے کیا، اور اپنے آپ کو شاہجہان پور کے ایک فوجی ٹھیکیدار کا بیٹا ظاہر کر کے اس سیٹھ کی لڑکی سے شادی کرنے کی درخواست کی، سیٹھ صاحب نوجوان کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے شاہجہان پور گئے۔ اس عرصے میں چندر پال نے ایک وکیل کی لڑکی سے شادی کر لی۔ شاہجہان پور پہنچ کر سیٹھ جی کو نوجوان کے فریب پیشہ ہونے کا پتہ چلا، چنانچہ وہ شاہجہان پور سے دہلی
~~~

واپس آکر ایک وکیل کے ہاں قانونی مشورہ کرنے گئے وہاں یہ دیکھ کر ان کی حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ وکیل صاحب کی صاحبزادی سے ملزم صاحب کی شادی رچی ہوئی ہے، اور وہ نوشہ بنے بیٹھے ہیں، سیٹھ صاحب نے وکیل کو نوجوان کے متعلق تمام واقعات سے آگاہ کر دیا، ملزم نے فرار ہونے کی کوشش کی، مگر گرفتار کر لیا گیا،

اب دیکھئے روز روز نوشہ بننے والے اور نئی نئی لڑکیوں کو دام تزویر میں پھانسنے والے صاحب کی عدالت سے کیا گت بنتی ہے۔

قارئین مستی و قلندری نے کوہ قاف کی پریوں کی تعریف تو بہت سنی ہوگی لیکن آپ میں سے بہت کم اصحاب کو اس طرح کا علم ہوگا کہ حسینانِ قاف بھیڑ بکریوں کی طرح بیچی اور خریدی جاتی ہیں،

کوہ قاف کی یہ پریاں کوہ قاف کی وہ حسین و جمیل لڑکیاں ہیں جن کے حسن و جمال کا جواب آج ساری دنیا میں نہیں ہے، یہ لڑکیاں بالکل اسیطرح فروخت کی جاتی ہیں، جس طرح ہندوستان میں پہاڑی علاقہ کی لڑکیوں کی فروخت کا کاروبار جاری ہے،

حال ہی میں ایک مصری سیاح نے ان لڑکیوں کے حسن و جمال پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ "میں شام، عراق، عرب کے جس خطہ میں بھی گیا وہاں میں نے دیکھا کہ کوہ قاف کی حسین و جمیل لڑکیوں کی فروخت کا سلسلہ ہر جگہ جاری ہے، ان حسین لڑکیوں کے تاجر پوشیدہ طور پر بردہ فروشی کر رہے ہیں، ایک بردہ فروش کے پاس میں نے سات آٹھ کوہ قاف کی لڑکیاں دیکھیں، یہ اسقدر حسین تھیں کہ میں نے کبھی کوئی عورت اتنی خوبصورت نہیں دیکھی، ان لڑکیوں کی قیمت گاہک کی حیثیت پر موقوف ہے۔ درمیانہ حیثیت کے لوگوں کو سو دو سو روپیہ میں یہ لڑکیاں مل جاتی ہیں، لیکن امراء سے ان لڑکیوں کی قیمت ہزاروں پونڈ وصول کی جاتی ہے۔

آپ نے حسن پرستی اور حسن فروشی کے تو بیشمار واقعات ملاحظہ فرمائے ہونگے اب ایک پروفیسر صاحب کا واقعہ ملاحظہ فرمائیے جنہوں نے محض حسن و جمال کی وجہ سے اپنی محبت کرنے والی رفیقۂ حیات کو طلاق دیدی، یہ پروفیسر صاحب ڈبلن یونیورسٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ بیوی کو طلاق دینے کے متعلق فرماتے ہیں،

"میں نے جب سے شادی کی ہے، اس وقت سے میری علمی ترقی رک گئی ہے اور علمی ترقی کے رکنے کا باعث یہ ہے کہ میری بیوی ضرورت سے زیادہ حسین ہے میرا ہر وقت یہی جی چاہتا ہے کہ اس کو دیکھے جاؤں اور کوئی دوسرا کام نہ کروں، چنانچہ میرا مطالعہ بالکل چھوٹ گیا، ان حالات سے مجبور ہو کر میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔"

پروفیسر صاحب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ شائد دنیا میں پہلے وہ علم دوست شخص ہیں جنہوں نے علم پر بیوی کو قربان کر دیا لیکن میں کہتا ہوں کہ آپ دنیا میں شائد پہلے وہ پاگل ہیں جنہوں نے ایسی مضحکہ خیز مثال قائم کی۔ صحیح الدماغ انسان نہ علم کا ایسا دیوانہ ہو سکتا ہے نہ حسن کا ایسا شیدائی، جس کا دونوں میں سے ایک کو چھوڑے بغیر کام ہی نہ چل سکے۔

آپ نے یورپ کی عصمت فروشی کے واقعات کوائف اوپر ملاحظہ فرمائے، بمبئی کے متعلق بھی ایک اخباری بیان ملاحظہ فرما لیجئے۔

گذشتہ مہینے سی آئی ڈی کے ڈپٹی انسپکٹر اور سب انسپکٹر نے بمبئی کے کارنک روڈ کے ایک ہوٹل پر سنسنی خیز چھاپہ مارا، اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا، جن میں سونے اور چاندی کے ایک سوداگر کی نئی شادی شدہ ۱۷ سالہ خوبصورت بیوی اور اسکول کا ایک گریجویٹ ماسٹر جیونی لال بھی شامل ہے،

بیان کیا جاتا ہے کہ جیونی لال معزز اور مجلسی ہندو عورتوں کو ہوٹلوں وغیرہ میں حرام کاری کے لئے سپلائی کیا کرتا تھا، یہ شخص پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا گیا،

جیونی لال کو پرائیویٹ اور معزز خاندانوں کی لڑکیاں لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا خاص ملکہ ہے، اس طرح جو لڑکیاں لائی جاتی ہیں، وہ اگر زیادہ وقت کے لئے نہیں تو تھوڑے وقت کے لئے ہی حرامکاری کا پیشہ اختیار کر لیتی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملزم اپنے گاہکوں سے ایک لڑکی کی سپلائی کا معاوضہ پانچ روپیہ سے دس روپیہ تک لیتا ہے، اور اس کا یہ کاروبار دن رات اور ہر موسم میں جاری رہتا ہے۔ عام طور پر دستور یہ ہے کہ گاہک پہلے اس ابتدائی بات چیت میں تمام معاملات طے کر لیتے ہیں۔ اور اس گفتگو میں ملاقات کی جگہ مقرر کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ملزم لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور جائے مقررہ پر پہنچ کر اسے گاہک کے حوالے کر دیتا ہے اور اپنا محنتانہ پہلے لے لیتا ہے،

جب محکمہ سی آئی ڈی کو ان حالات کی اطلاع ملی تو اس نے ملزم کے پاس ایک نقلی گاہک بھیجا اور اسے نشان لگا کر پانچ روپیہ کا ایک نوٹ دیا۔ اس سے کہا گیا کہ وہ لڑکی کو سیر کرانے کے لئے موٹر میں بٹھا کر ایک ہوٹل میں لے آئے، جہاں گواہ اور پولیس پارٹی منتظر ملے گی،

نقلی گاہک ہدایات کے مطابق لڑکی اور ملزم کو ہوٹل کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں لے آیا، ملزم، لڑکی، اور گاہک تینوں کمرے میں داخل ہو گئے

بقیہ صفحہ ۳۶ پر دیکھیے

ایک موتیوں اور جواہرات سے زیادہ قیمتی مضمون

از جناب محمد نسیم صاحب عراقی بہوروی

میں ہندوستانی ہوں، ہندوستانیوں کی خدمت میرا مذہب ہے۔

میں نفرت کرتا ہوں اُن مولویوں سے جو مذہب کے نام پر بغاوت کی آگ بھڑکاتے ہیں اور جن کی لمبی داڑھیوں کی ہر طوبت چھاؤں میں شیطان رات کا کھانا کھاتا ہے۔ یہ خدا کو بیچنے والے خوبصورت مہاجن اور رسُول کو نیلام کرنے والے قبا پوش کباڑیئے ہیں، حُوروں کے کمیشن ایجنٹ اور غلمانوں کے دلّال ہیں۔

ان کا وجُود مُلک کی تباہیوں کا ضامن، اور خونریزیوں کا ذمہ دار ہے۔

مجھے چڑھ ہے اُن ٹریڈ مارک پنڈتوں سے جو شیوجی کے نام پر ٹھاکرجی کے نام پر انسانی خون بہانے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

یہ دوسروں کی گاڑھی کمائی کے حلوے کھانے اور پرائی مٹھائیاں اُڑانے والے مقدس ڈاکو، غداری سے ساز باز رکھنے والے رُوحانی اوتار ہیں۔

ان کی ہستیاں ملک اور وطن کی دشمن ہیں۔

میں مولوی کا مذہب لیکر بغاوت کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا۔

پنڈت کا دھرم کیا کروں گا جہاں انسانی خون کی کوئی قیمت نہیں۔

کیا میرا مذہب ان دونوں کے خودساختہ مذہبوں سے اچھا نہیں ہے جہاں سکون ہے، امن ہے، اور "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" کی کھُلی ہوئی فضا ہے۔

(خاص) —— (غیر مطبوعہ)

اے سکونِ دلِ بیتاب کہاں ہے آجا — رونقِ محفلِ ارباب کہاں ہے آجا
زینتِ بسترِ کمخواب کہاں ہے آجا — اے عروسِ شبِ مہتاب کہاں ہے آجا
اے مری جنتِ آداب کہاں ہے آجا — آجا آجا مری شاداب کہاں ہے آجا

اب نہیں تابِ الم کاوشِ فرقت کی قسم — شامِ الفت ہے گراں صبحِ محبت کی قسم
بدلی بدلی تری انظارِ عنایت کی قسم — دل یہ مجبورِ شکایت ہے، شکایت کی قسم
اے سکونِ دلِ بیتاب کہاں ہے آجا — آجا آجا مری شاداب کہاں ہے آجا

ہر سعیِ صبر کی ناکام ہوئی جاتی ہے — ہر نفس مرکزِ آلام ہوئی جاتی ہے
داستانِ عشق کی اب عام ہوئی جاتی ہے — فطرتِ بندگی بدنام ہوئی جاتی ہے
اے سکونِ دلِ بے تاب کہاں ہے آجا — آجا آجا مری شاداب کہاں ہے آجا

یہ ستم ہائے جنونِ ناز کہاں تک آخر؟ — مشقِ بے مہری صد ناز کہاں تک آخر؟
نظرِ قہر یہ انداز کہاں تک آخر؟ — اے وفاسوز، جفاساز کہاں تک آخر؟
اے سکونِ دلِ بیتاب کہاں ہے آجا! — آجا آجا مری شاداب کہاں ہے آجا!

آکہ تجھ سے تری رو رو کے شکایت کرلوں — بے مروت تجھے مانوسِ مروت کرلوں
یعنی تجدیدِ رہ و رسمِ محبت کرلوں — اپنے ویرانے کو پھر غیرتِ جنت کرلوں

اے سکونِ دلِ بیتاب کہاں ہے، آجا! — آجا آجا مری شاداب کہاں ہے آجا!

جس طرح یورپ میں سیاسی بحران روز افزوں بڑھ رہا ہے، اسی طرح وہاں جاسوسی کی وبا بھی پھیل رہی ہے۔ مردوں کے علاوہ ماہر پرکالہ دوشیزاؤں کی بھی ایک بھاری تعداد اس خطرناک اور صبر آزما کام کو اپنے حسن و جمال کے ذریعہ حسن و خوبی انجام دے رہی ہے۔ ناظرین و ناظرات "مست قلندر" کی دلچسپی کے لئے چند شہرۂ آفاق جاسوس عورتوں کے معاشقے جو جاسوسی کے سلسلہ میں رونما ہوئے، درج ذیل کرتا ہوں۔

بیرونس بنیٹا

ماتا ہری کے بعد بیرونس بنیٹا جرمنی کی سب سے مشہور جاسوسہ گذری ہے۔ وہ ایک بےحد شاطر و عیار عورت تھی اور اپنے ہتھکنڈوں سے دل کی بات بھی معلوم کر لیتی تھی۔ خدا نے اسے ملکوتی حسن و جمال ودیعت کیا تھا۔ ناممکن تھا کہ کوئی جوان اسے دیکھے اور دل مسوس کر نہ رہ جائے۔ بیرونس بنیٹا بیرونس سسنوسکی کے دامِ محبت میں بُری طرح اسیر ہو گئی۔ شروع شروع بیرونس نے سسنوسکی کو فریب دینے کی کوشش کی مگر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور خود اس کی محبت کا دم بھرنے لگی۔ سسنوسکی ایک روسی جوان تھا ــــ نہایت شکیل و جمیل۔ اس میں تمام ایسی خصوصیات بیک وقت جمع ہو گئی تھیں جو ایک دوشیزہ کے دل کی تسخیر کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ ایک فوجی افسر تھا اور اس کی ماتحتی میں بہت سے خفیہ کام ہوتے تھے۔ بیرونس سسنوسکی کو سچے دل سے چاہتی تھی۔ اس کی محبت مکر و فریب سے پاک تھی۔ بیرونس کی مقدس محبت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ سسنوسکی کی خاطر خود اپنے وطن عزیز کے خلاف سازش کرنے پر اتر آئی۔ مگر سسنوسکی بیرونس کو نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ قبل ہی ایک روسی دلربا جاسوسہ کنجا بربرتین کو اپنا دل دے چکا تھا۔ سسنوسکی نے اپنی معذوری ظاہر کی مگر بیرونس کو اس کی باتوں پر یقین نہیں ہوا۔ اور وہ سسنوسکی کے عشق میں وارفتہ سے وارفتہ تر ہوتی گئی۔ بیرونس نے اپنے محبوب کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی اور اسے ہر طرح کی مدد پہنچانے لگی۔

بیرونس نے ایک چال چلی ــــ اپنے محبوب کے لئے ــــ اس نے کپڑوں کی ایک دوکان کھول دی۔ نوجوان لڑکیاں رنگین کپڑوں کی بڑی شوقین ہوتی ہیں۔ چنانچہ حکومت جرمنی کے سکریٹریوں کی نوخیز لڑکیاں بھی اس کی دوکان پر آنے لگیں۔ بیرونس ان سے بہت خوش اخلاقی سے ملتی اور اکثر اوقات انہیں کپڑے اُدھار بھی دیتی تھی۔ اس طرح بہت سی ناسمجھ لڑکیاں بیرونس کی مرہونِ احسان ہو گئیں۔ لہٰذا جب سسنوسکی حکومتِ جرمنی کے اسرار معلوم کرنے میں مصروف رہتا تو بیرونس ان لڑکیوں سے فائدہ اٹھاتی اور تمام خفیہ بھید معلوم کر لیتی تھی۔ ان ہی الھڑ اور فریب خوردہ لڑکیوں میں سے ایک کی ماں کو یہ شبہ گذرا کہ اس کی بیٹی پاتی تو ہے بہت قلیل تنخواہ لیکن وہ اتنے قیمتی کپڑے لاتی کہاں سے ہے۔ بنا بریں وہ اس معاملہ کی تفتیش کرنے لگی اور آخر میں بیرونس کی چالاکی طشت از بام ہو گئی۔

اسی سلسلہ کا ایک اور قصہ ہے جو ماسکو کی ایک عورت سے متعلق ہے۔ اس جاسوسہ کو NKVD نے گرفتار کیا تھا۔ یہ پُر فریب جاسوسہ بین الاقوامی تعلقات رکھتی تھی اور اس کی مہمان نوازی ضرب المثل تھی۔ وہ بڑے بڑے افسروں کو دعوت دیتی، اپنے حسن کی کہربائی قوت سے انہیں مسحور کرتی اور بالآخر انہیں پُراسرار طریق سے موت کے گھاٹ اتار دیتی تھی۔ اس سفاک جاسوسہ کا یہ ایک دلچسپ مشغلہ تھا، جس سے اس کی روح کو تسکین ہوتی تھی۔ جب اس جاسوسہ کی غارتگری حد سے تجاوز کر گئی تو NKVD جو OGPU کا جانشین تھا، اس کا تعاقب کرنے لگا۔ ایک روز معہ ایک فوجی دستہ کے اس نے اس بے رحم عورت کے گھر پر دفعۃً چھاپا مار دیا۔ پہلے تو وہ دوا کی چند شیشیوں اور شراب کی بوتلوں کے سوا کچھ نہ پا سکے لیکن سخت تلاش و جستجو کے بعد انہیں گھنٹی کی ایک رسی ملی جسے انہوں نے کھینچ دیا۔ یک بیک ایک دروازہ کھلا اور ایک چھوٹا سا کمرہ سامنے آ گیا۔ دروازہ کے ایک پٹ میں ایک زبردست کیمرہ آویزاں تھا۔ جب کوئی افسر جس سے وہ جاسوسہ کوئی راز معلوم کرنا چاہتی تھی، اسکے ساتھ "محوِ اختلاط" ہوتا، اس کی تصویر اسی حالت میں کیمرہ میں کھینچ جاتی۔

ننگ و ناموس کے خوف سے وہ حکومت کے تمام راز جاسوسہ کو بتا دیتا اور حکومت کی سزا سے بچنے کے لئے یا تو وہ کہیں روپوش ہو جاتا یا خودکشی کر لیتا۔

اصطلاحی خط و کتابت

اصطلاحی خط و کتابت جاسوسوں کا زبردست ہتھیار ہے۔ اس ضمن کا ایک عجیب قصہ سن لیجئے۔ جاپان میں ایک روسی افسر کی ملاقات ایک بےمثال جاپانی حسینہ سے ہوئی۔ جاپانی حسینہ اپنی دلکش اداؤں سے نوجوان روسی افسر کو "دعوتِ تعیش" دینے لگی۔ کچھ دنوں میں روسی افسر اور جاپانی حسینہ میں بڑی محبت ہو گئی اور دونوں شباب کی کیف آفرینیوں سے لطف اندوز ہونے لگے ایک دن جبکہ روسی افسر جاپانی حسینہ کی دوشیزگی کا دامن تار تار کر رہا تھا، ایک جاپانی افسر آ دھمکا۔ روسی افسر کو سخت حیرانی ہوئی اور وہ معاملہ کی تہ تک پہنچنے سے قاصر رہا۔ یہ اصطلاحی خط و کتابت ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں۔ "چور" "نقب زنی" کے وقت پکڑا گیا تھا۔ اس لئے روسی افسر کو تمام مطلوبہ بھید بتانا پڑے۔

ماتا ھری

ماتاہری کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس نے بڑے بڑے افسروں کے دل اپنے حسن سے موہ لئے اور حکومت کے رازہائے سربستہ معلوم کئے۔ ماتاہری کی رگ رگ میں مکر و عیاری مچلتی تھی۔ وہ فریب کاری میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ اس نے بڑے بڑے ہوشمند اور خوددار افسروں کو اپنے نازو ادا سے نگنی کا ناچ نچا دیا۔

ماتاہری کا شوہر بجید بدمزاج واقع ہوا تھا۔ مگر اس کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ گذارا۔ بالآخر وہ حکومت جرمنی کی جاسوسہ مقرر ہوئی اور اس نے اپنی عیاری سے دُنیا کے طول و عرض میں ایک تہلکہ مچا دیا۔

دورانِ جنگ میں پیرس کے علاوہ انگلینڈ اور امریکہ میں بھی اس نے بڑی بڑی پارٹیاں دیں اور اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنایا۔ ماتاہری ایک حسین و جمیل رقاصہ تھی وہ اپنے کولھوں کو اس طرح تھرکاتی اور اپنی کمر کو اس طرح جنبش دیتی کہ ہر وہ شخص جس کی رگ میں جوانی کے لہو کا ایک قطرہ بھی موجود ہوتا اس پر بے اختیار فریفتہ ہو جاتا تھا۔ بس اس میں ہی ایک ایسی صفت تھی جس سے اس نے بہت سے محیر العقول کارنامے انجام دیئے۔ اس کے عاشقوں کی تعداد بہت بڑی تھی اور وہ ان سے ہر قسم کا فائدہ اٹھاتی تھی۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں وہ گرفتار ہوئی اور اسے سزائے موت دی گئی۔ بعض لوگوں کا اب تک یہ خیال ہے کہ ماتاہری جاسوسہ نہ تھی بلکہ ایک حسین رقاصہ۔ وہ لوگ یقیناً غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جاسوس خصوصاً کس چیز کی ٹوہ میں رہتے ہیں۔ اس کا تفصیل میں جواب دینا ذرا دشوار ہے۔ کیونکہ مختلف جاسوس مختلف کاموں پر متعین کئے جاتے ہیں ——— بعض جاسوس معمولی خبریں بہم پہنچاتے ہیں

(بقیہ ص۲۱۳ مستی و قلندری) اور دروازہ بند ہو گیا، گاہک نے ملزم کو اس کا محنتانہ دیدیا۔ ملزم ان دونوں کو اکیلا چھوڑ کر کمرے سے چلا گیا، اور کہہ گیا کہ دس منٹ کے بعد واپس آؤں گا، پولیس پارٹی اور گواہ ایک ٹوٹے ہوئے روشندان سے یہ سارا واقعہ دیکھتے رہے، جب ملزم کمرے سے چلا تو پولیس پارٹی نے چھاپہ مارا اور ملزم کو زینے کے پاس گرفتار کر لیا گیا، اس کی جامہ تلاشی لی گئی۔ مگر اس کے پاس سے نشان لگا ہوا دس روپیہ کا نوٹ برآمد نہیں ہوا جس کے متعلق شبہ کیا گیا کہ نالی میں پھینک دیا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ لڑکیوں کو جو روپیہ ملتا تھا ملزم اس میں سے آدھا آدھا بانٹ لیا کرتا تھا۔

دیارِ حبیب میں

طویل اور وحشت خیز مفارقت کے بعد . . . پیاری
ایک بار پھر . . .
میں تمہارے رومان افسرده شہر کی راحت بخش
رعنائیوں میں کھو گیا۔
اسی ہوشربا سر زمین پر
جہاں تم ہو . . .
جہاں میرے فردوسِ آرزو کے حسین خدا بستے ہیں

جہاں میرے چمنستانِ تمنا کی سحر پاش بہاریں رقصاں ہیں
جہاں میرے زخمی و فگار دل کی تسکین جھلکتی ہے۔
جس کے ذرے ذرے میں میری زندگی کی تابشیں
چمکتی ہیں۔ پیاری
جہاں میرے گلستانِ حیات کی شیریں نوا بلبل کے
سحر طراز نغمے فضاؤں میں شراب و شعر کی دنیا
لٹا دیتے ہیں۔

ہاں ——— اسی شعرستانِ محبت پر ——— پیاری
میرا بیمار دل لطف و راحت میں ڈوب گیا۔
میری پیاسی آنکھوں میں مسرت و نشاط کے چشمے ابل پڑے
میری مدہوش تمنائیں تیرے قدموں پر لوٹ پوٹ گئیں
ہلکی ہلکی مسکراہٹ تبسم سے خروش لبوں پر تڑپ اٹھی
اور میری کائنات کا ذرہ ذرہ خوشیوں سے جگمگا اٹھا پیاری
آہ ——— میں کتنا خوش تھا ——— کتنا خوش

پری جمال عورتوں کے رخساروں سے تجلی

امریکہ کے ایک سائنسدان نے روشنی کے باب میں ایک جمیل ترین انکشاف کیا: اس کا بیان ہے کہ سرخ و سپید دوشیزاؤں کے رخسار میں برقی قوت ہوتی ہے، جسے کسی آلہ سے اخذ کیا جائے، تو دس آتشیں رخساروں سے ایک بجلی کا قمقمہ روشن کیا جا سکتا ہے۔

توالد و تناسل کی طب بسرعت تمام ترقی کر رہی ہے، اطبا صدیوں سے کوشاں تھے کہ ان کی پیدائش کے راز سربستہ سے واقفیت حاصل کر لیں، وہ جاننا چاہتے تھے کہ نر یا مادہ کی پیدائش کن حقائق پر مبنی ہے، اس سلسلے میں جانے کتنے تجربات ہوئے اور آئے دن کتنے جدید تجربات کئے جا رہے ہیں۔

امریکہ کے ڈاکٹر ونی حال ہی میں چوہوں پر اس کے متعلق تجربے کئے ہیں جن میں انہیں حوصلہ افزا کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

جن دنوں چوہوں کے پیٹ میں بچوں کی ساخت ہو رہی تھی، ڈاکٹر ونی نے چوہوں کی رگوں میں مادہ کے "ہارمون" رقیق کو سوئی کے ذریعہ داخل کر دیا۔ اس عمل کا اکثر نتیجہ مادہ... بچوں کی شکل میں نمودار ہوا۔ اس کے برعکس بعض تجربات کے نتیجے کے طور پر نر بچے پیدا ہوئے پھر بھی ان میں مادہ کے اکثر علامات موجود تھے۔

اسی طرح زمانۂ حمل میں چوہیوں کی رگوں میں نر کا "ہارمون" رقیق داخل کیا گیا تو اکثر و بیشتر حالتوں میں نر بچے پیدا ہوئے۔

اس میں شک نہیں کہ توالد و تناسل کی حقیقت کو بے نقاب کرنے کے سلسلے میں یہ تجربات کافی اہمیت رکھتے ہیں۔

اڈنبرا یونیورسٹی کے نامور سائنسدان پروفیسر کرو نے حال ہی میں ایک عجیب و غریب تحقیقات شائع کی ہے، ڈاکٹر مذکور کا بیان ہے کہ عورتوں کی جسمانی ساخت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ مرد عورت کی طرح امراض کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ عورت کی طرح مرد کے اندر تکلیف برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی، علم الابدان کے نقطۂ نظر کے اعتبار سے مرد کا درجہ عورت سے نیچے ہے۔

پروفیسر کرو نے اپنے مقالے میں دلائل و شواہد کے ساتھ اپنے دعوے کو ثابت کر دیا ہے، انگلستان میں ۱۰۵ بچوں کی پیدائش کے مقابلے میں بچیوں کا تناسب ۱۰۰ ہے، لیکن جہاں تک بیمار ہونے کا تعلق ہے لڑکیوں کے مقابلے میں امراض کا شکار ہونے والے اور موت کا لقمہ بننے والے لڑکوں کا تناسب زیادہ ہوتا ہے چنانچہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ۱۰ برس کی عمر کو پہنچتے پہنچتے لڑکے اور لڑکیوں کا اوسط برابر ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد بیماریوں کے باعث عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی موت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی پچاسی برس کی عمر تک پہنچکر تو عورتوں کا تناسب مردوں سے دگنا ہو جاتا ہے۔

اس طرح پروفیسر کرو نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ زندگی کی کشمکش میں عورتیں مردوں سے کہیں زیادہ سخت اور ثابت قدم پائی جاتی ہیں، اس لئے مردوں کو صنف قوی اور عورتوں کو صنف ضعیف کہنا سائنٹیفک تحقیقات کی رو سے قطعی غلط ہے۔

ڈاکٹر ڈبلیو ڈی کولج نے جو شعاعوں کے ایک بہت بڑے ماہر ہیں، ایک جدید قسم کی شعاعیں ایجاد کی ہیں جو جراثیم اور کیڑوں کے ہلاک کرنے میں نہایت کارآمد ثابت ہوتی ہیں، ان شعاعوں سے ایک دقیقہ کے بہت چھوٹے حصے میں ہزاروں کیڑے اور جراثیم تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر مذکور نے پھلوں کی مکھیوں پر اس کی آزمائش کی جونہی ان پر شعاعیں پڑیں وہ بیہوش ہو گئیں، اور چند ہی منٹ کے بعد فنا ہو گئیں، ایک دقیقہ کے دسویں حصہ میں طاقتور سے طاقتور جراثیم فنا ہو جاتے ہیں۔

جرمنی میں ایک جدید برقی پنکھا ایجاد ہوا ہے، جن میں ریشم کے تین پر

اخذ کر کے تجلی کا قمقمہ روشن کیا جا سکتا ہے

لئے ہوتے ہیں ان پردوں کو فریم کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ وہ گھومنے میں بالکل بے ضرر ہیں، یہ ریشمی پنکھے اتنی ہی ہوا نکالتے ہیں جتنی ۲۲ انچ والے دیہات کے پنکھوں سے نکلتی ہے، مزید برآں ان کی ہوا کے پھیلاؤ بھی زیادہ وسیع اور زوردار ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے مختلف سمتوں میں گردش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

~~~~~~~~

سین فرانسسکو کے ایک سائنسدان نے جس کا نام ایلمر ایچ باؤن ہے، ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعہ انسان نیند کی حالت میں بھی پڑھ سکتا ہے، باؤن کا قول ہے کہ وقت کا کوئی حصہ ضائع نہ کرنا چاہئے، اور سونے میں جو وقت صرف ہوتا ہے اسے بھی کام میں لانا چاہئے، وہ کہتا ہے کہ کام کی حالت میں تو دماغ کو آرام کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے، لیکن نیند کی حالت میں دماغ کو آرام کی ضرورت نہیں۔

مسٹر باؤن نے ایک گراموفون بنایا ہے، جو بجلیوں کے ذریعہ چلتا ہے اور ایک ٹوپی تیار کی ہے جس میں فون لگا رہتا ہے اس فون سے گراموفون تک ایک تار ہوتا ہے پڑھی جانے والی چیز خواہ وہ کسی کالج کا لیکچر ہو یا کوئی کتاب یا ریکارڈ گراموفون پر لگا دیا جاتا ہے تو اس تار کے ذریعہ جو گراموفون سے سر کی ٹوپی کے فون تک لگا رہتا ہے ریکارڈ کی ساری باتیں سونے والے آدمی کے دماغ میں پہنچتی رہتی ہیں یہ تمام باتیں اسی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہیں جس طرح لکھی ہوئی باتیں پڑھنے کے بعد دماغ میں محفوظ رہتی ہیں،

~~~~~~~~

ڈنمارک کا مشہور سائنسدان اورگسٹ کرگ... کرگ آج کل ممالک متحدہ میں "جانور اور آکسیجن" پر مختلف یونیورسٹیوں میں لیکچر دے رہا ہے کرگ کو ۱۹۲۰ء میں نوبل پرائز مل چکا ہے اس کی تحقیق تھی کہ پٹھے کے عروق شعریہ ایک سا تعدل کر کام کرتے ہیں اور جب پٹھے ساکت رہتے ہیں تو ان میں سے اکثر عروق شعریہ بند ہو جاتے ہیں، ۱۹۱۲ء میں اس کی ایک اہم کتاب تنفس پر شائع ہوئی جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ پھیپھڑوں میں سانس کے بجائے گیس بھی پہنچائی جا سکتی ہے کرگ.... امریکہ کے لوگوں کے سامنے یہ تحقیق پیش کر رہا ہے کہ آکسیجن کی کمی اور زیادتی کا پانی پر کیا اثر پڑتا ہے اس کا مشاہدہ ہے کہ جس پانی میں آکسیجن کی کمی رہتی ہے اس کے مینڈک خلاف معمول بہت بڑے ہوتے ہیں اور جس میں زیادتی ہوتی ہے اس کے مینڈک بہت چھوٹے ہوتے ہیں، جنوبی امریکہ کی شُشدار مچھلیاں جب انڈے سینے کے لئے پانی کے نیچے چلی جاتی ہیں تو آکسیجن کی کمی کے سبب سے ان کے گلپھڑے بہت بڑھ جاتے ہیں، وہیل مچھلی جب غوطہ لگاتی ہے تو آکسیجن صرف ان کے دماغ تک پہنچتا ہے جس سے ان کے دل کی حرکت کم ہو کر ہر منٹ میں اسی کے بجائے ۴ یا ۵ ہو جاتی ہے،

کرگ نے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ جانور کو آکسیجن کی کتنی ضرورت ہوتی ہے سیب کے ایک کیڑے کو ایک منٹ میں ۲۲ کیوبک سینٹی میٹر اور شہد کی مکھیوں کو ستر ہزار کیوبک سینٹی میٹر آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے، انسان دو سو سے تین سو سینٹی میٹر تک آکسیجن استعمال کرتا ہے،

~~~~~~~~

کیلیفورنیا کے ایک پہاڑ پر جو سمندر کی سطح سے ۶۱۲۵ فٹ بلند ہے دنیا کی سب سے بڑی دوربین نصب کی جا رہی ہے ماہرین نجوم بڑی بیتابی سے اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب انہیں اس دوربین کے ذریعہ ستاروں کا مطالعہ و معائنہ کا موقعہ ملے گا، اس دوربین میں جو شیشہ نصب ہے اس کا قطر ۱۲۰ انچ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ابھی آسمان میں پچاس کروڑ تارے ایسے ہیں جو اب تک بڑی سے بڑی اور بہتر سے بہتر دوربینوں کے ذریعے بھی دیکھے نہیں جا سکے ہیں، مگر اب اس جدید دوربین کی امداد سے یہ تمام ستارے بخوبی نظر آنے لگیں گے۔

جو ستارے زمین سے قریب تر ہیں ان کے متعلق نئے نئے انکشافات کی توقع کی جا رہی ہے۔ مشتری ستارے کے متعلق ایک تحقیق طلب امر یہ ہے کہ اس ستارے میں جو تیس ہزار میل لمبا اور سات ہزار میل چوڑا سرخ نشان نظر آتا ہے وہ کیا چیز ہے"

دوسرا تحقیق طلب سوال یہ ہے کہ مریخ میں نہروں کی طرح جو چیز دکھائی دیتی ہے وہ نہریں ہی ہیں یا کچھ اور؟

تیسرا مسئلہ جو تا ہنوز حل طلب ہے، یہ ہے کہ کیا دمدار ستارے واقعی چاند پر مسلسل بمباری کرتے رہتے ہیں؟۔

اس سلسلہ میں نمایاں ترین انکشاف چاند کے متعلق ہو سکیں گے، جو تمام ستاروں کی نسبت زمین سے قریب تر واقع ہے۔ اس وقت زمین اور چاند کے درمیان کے فاصلے کا تخمینہ... ۲۴۰ میل بتایا جاتا ہے مگر اس دوربین کی امداد سے یہ فاصلہ صرف ۲۵ میل رہ جائیگا یعنی اس دوربین کے ذریعہ چاند اس قدر صاف نظر آئے گا گویا وہ صرف ۲۵ میل کی دوری پر واقع ہے۔

~~~~~~~~

مزدور

شام کا غمگین منظر، مردنی چھائی ہوئی
روح دن کی رات کے حملے سے گھبرائی ہوئی

ٹمٹماتے سے ستارے، بجھتے بجھتے سے چراغ
سینۂ مظلوم کے جیسے ابھر آئے ہوں داغ

ایسے عالم میں کہ جب سرمایہ داروں کے مکاں
بن رہے تھے قمقموں کے نور سے جنت نشاں

ایک تنگ و تار اجڑی سی گلی کے موڑ پر
جا رہا تھا ایک بیوہ ماں کا محنت کش پسر

لڑکھڑاتا، ڈگمگاتا، ٹھوکریں کھاتا ہوا
ہر قدم پر اپنی مجبوری کو بہلاتا ہوا

چہرۂ مغموم سے ظاہر غریبی کے نشاں
مضطرب آنکھوں میں پنہاں بیکسی کی داستاں

آرزوئیں مضمحل اور روح گھبرائی ہوئی
خواہشِ دل خوفِ پامالی سے تھرائی ہوئی

چلتے چلتے رک گیا ہوٹل کے در کے سامنے
لوگ کچھ محوِ تبسم تھے نظر کے سامنے

پہلوئے زر میں تھے جلوے حسنِ خون آشام کے
سامنے رکھے تھے ساغر بادۂ گلفام کے

حسنِ عریاں نوجوانی اسپہ وہ تاریک رات
تھی کسے فرصت جو پوچھے آ کے اس بیکس کی بات

بھر کے ٹھنڈی آہ اک، وہ غم کا مارا چل دیا
ایک بیوہ کی امیدوں کا سہارا چل دیا

بیبیوں کے سامنے ڈالے "خدا کے واسطے"
کچھ نہ لیکن پا سکا ماں کی دوا کے واسطے

حوصلے، ارمان، ہمت، صبر، کھو کر رہ گیا
مٹ گئے سب ولولے خاموش ہو کر رہ گیا

دل میں سوچا، ہاتھ خالی گھر کو واپس جاؤں کیا
جا کے میں بیمار بیوہ ماں کو منہ دکھلاؤں کیا

فرطِ رنج و غم سے آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا
اک دھواں سا دل سے اٹھا سر میں چکر آ گیا

زہر کا ساغر غموں پر مسکرا کر پی گیا
زندگی کی کلفتوں سے تنگ آ کر پی گیا

قلب سے اٹھی صدا، دیکھ! اے امیرِ باوقار!
خاک میں ملتا ہے کیونکر ایک مزدورِ نزار

دیکھ آ کر بے کفن لاشہ کسی مزدور کا
سامنے ہے آئینہ کیفیتِ رنجور کا

"تھا تیری مانند ہی انساں، مگر مقہور تھا
آہ اے دولت کے اندھے سانپ! یہ مزدور تھا"

ہنسو اور موٹے ہو جاؤ

از بابو چندر بھان سنگھ صاحب بھٹناگر

لڑکا۔ ڈاکٹر صاحب میرے والد کی بیماری خطرناک تو نہیں ہے۔
ڈاکٹر۔ اگر ایسا ہوتا تو میں اپنا بل کبھی کا وصول کر لیتا۔

~~~~~~~~

"ڈاکٹر صاحب سُنا ہے کہ مریض لانیوالوں کو آپ کمیشن دیتے ہیں"
"جی ہاں۔ کیا آپ بھی کوئی مریض لائے ہیں"
"لایا ہوں جناب"
"تو وہ کہاں ہے؟"
"میں خود ہی مریض ہوں کمیشن دلوائیے"

~~~~~~~~

ڈاکٹر۔ جب تم اپنی عورت کا بخار دیکھنے لگو تو تھرما میٹر دو منٹ تک اُس کی زبان کے نیچے رکھنا۔
آدمی۔ کیا ڈاکٹر صاحب نصف گھنٹہ والا تھرما میٹر نہیں ہے۔
ڈاکٹر۔ کیوں؟
آدمی۔ تاکہ اسی ذریعہ سے تھوڑی دیر گھر میں خاموشی رہے۔

~~~~~~~~

دانت کے ڈاکٹر کی عورت۔ وہ ہماری آیا ہے جنم دن پر اُسے کچھ انعام دینا چاہیئے۔
ڈاکٹر۔ ضرور۔ بلا فیس اُس کے دو دانت اُکھاڑ دوں گا۔

~~~~~~~~

مریض۔ ڈاکٹر صاحب مجھے اُمید نہیں کہ اب میں زندہ رہوں۔
ڈاکٹر۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہی مرض مجھکو ہوا تھا۔
مریض۔ مگر آپ کو کوئی لائق ڈاکٹر مل گیا ہوگا۔

~~~~~~~~

ڈاکٹر (نبض دیکھکر) اوہ تمہارا جگر بہت خراب ہو گیا ہے
مریض۔ جی نہیں ڈاکٹر صاحب میرے تو کان میں درد ہے۔

کمپاؤنڈر (مریض سے) اُدھر مردانہ کھڑکی سے دوا لے لو۔
مریض۔ معاف کیجئے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ زنانہ ہیں۔

~~~~~~~~

ڈاکٹر (مریض کی آنکھ دیکھکر) اوہو تمہاری تو پُتلی بالکل ایک جگہ رُک گئی۔ چلتی پھرتی ہی نہیں۔
مریض۔ ڈاکٹر صاحب یہ تو شیشہ کی نقلی آنکھ ہے درد تو اس دوسری آنکھ میں ہے۔

~~~~~~~~

ایک میم صاحب کا بچہ بیمار تھا۔ ڈاکٹر نے اُسے گدھی کا دُودھ پلانے کو کہا
میم صاحب نے نوکر کو کہا "ویل بیرا! تم ایک گدھا لے آؤ"
نوکر جا کر ایک گدھا لے آیا
میم صاحب گدھے کو دیکھ کر نوکر پر برس پڑیں اور غصے میں آکر کہا۔
ہم کو صاحب کے مافق (موافق) گدھا نہیں چاہیئے ہمارے مافق (موافق) چاہیئے۔
نوکر ہنستا ہوا واپس لوٹ گیا اور گدھی لے آیا اور کہا،
"لو میم صاحب یہ آپکے مافق (موافق) گدھا ہے"،

~~~~~~~~

کسی ہوٹل میں ایک پنجابی اور ایک پٹھان ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ پنجابی دال روٹی کھا رہا تھا اور خان نان و گوشت۔
پنجابی نے پٹھان سے پوچھا "خان تمہارے ہاں کتنے کیا کھاتے ہیں"۔
پٹھان نے جواب دیا "دال روٹی"۔
خان تھا بیوقوف مُس نے بھی پُوچھ لیا۔ "اور تمہارے یہاں"
"گوشت روٹی" پنجابی نے منہ توڑ جواب دیا۔

~~~~~~~~

ڈاکٹر (سپاہی سے) تم اچھے تو ہو جاؤ گے لیکن کام کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔
سپاہی۔ ڈاکٹر صاحب! یہ خبر تو بڑے مزے کی ہے

شیطان کا پجاری تمام وہیلر بک سٹال پر بکتے ہیں
~~~~~~~~

بزمِ شعرائے مست قلندر

دورِ جدید کی شاعری کے چند اچھوتے نمونے

غزل

صدق اور کذب میں یوں فرق وہ کیا دیکھیں — بزم میں ہم ہوں تو رنگِ رخِ اعدا دیکھیں
قیس و فرہاد کا وہ روز تماشا دیکھیں — کیا غرض حال وہ کیوں آکے ہمارا دیکھیں
حسن اور عشق کی تخلیق کا باعث تھا یہی — خلق کی آنکھوں سے وہ اپنا تماشا دیکھیں
دیکھ کر ماہیِ بے آب ہوئے وہ بے چین — کاش اک لمحہ مرے دل کا تڑپنا دیکھیں
کسی محروم زیارت کا ہے اب اذنِ عام — آپ بھی ایک نظر اس کو خدارا دیکھیں
بے خودی میں نہیں کچھ منتِ اغیار سے ننگ — اب کہاں ہوش کہ ہم اپنا پرایا دیکھیں
طالبِ حسن ہے وہ اور وفا پر ہیں نثار — سمجھیں اور غیر ہیں وہ فرق تمنا دیکھیں

غزل

ہم جانتے ہیں اس کو مت مانے — چاہے مانے یا وہ نہ مانے
گیسو و رخ کے سنتے فسانے — شام و سحر کے گذرے زمانے
اب تو لگے ہیں آنے جانے — کام کیا یہ آہِ رسا نے
ہائے رے طفلی کے وہ زمانے — رہ گئے اب تو لکھے فسانے
ہو گئے اس سے گھائل لاکھوں — ایک نظر میں لاکھ نشانے
ان کے دہن میں دنداں اُن کے — سیپ میں جیسے موتی کے دانے
نور کا تڑکا ہے رخِ زیبا — رات دکھائی زلفِ رسا نے
آگ میں اپنی خود ہی جلی وہ — شمع لگی جب دل کو جلانے
زلفیں کھولے دام بچھائے — آئے تھے یوں وہ دل کو پھنسانے
ہنس کے تم نے ہم کو ہنسایا — بھول گئے سب غم کے فسانے
کوندگئی بجلی سی دیکھو — رو کے ہنسایا کس کو قضا نے

گذشتہ سال موافق مرے زمانہ تھا — چمن کا دل ہے جہاں میرا آشیانہ تھا
ابھی رقیب سے کرتے تھے تم جو سرگوشی — مرا خیال ہے شاید مرا فسانہ تھا
جلے ہوئے سے پڑے ہیں جہاں خس و خاشاک — گمان یہ ہے وہیں میرا آشیانہ تھا
خزاں نے ایسی کچھ ہیئت بدل دی گلشن کی — خبر نہیں کہ کہاں میرا آشیانہ تھا
بس اتنا یاد مجھے رہ گیا ہے اے ہمدم — اسی چمن میں کہیں میرا آشیانہ تھا
وہیں وہیں مجھے پہنچایا میرے قدموں نے — جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ تھا
بتادیں اتنا مجھے تازہ واردانِ قفس — وہ باغ بھی ہے جہاں میرا آشیانہ تھا
قفس سے چھوٹ کے آیا ہوں بعد مدت کے — کوئی بتادے کہاں میرا آشیانہ تھا
ہر ایک وحشتِ ناشاد میرا دشمن تھا — گلوں کے کنج میں جب میرا آشیانہ تھا

غزل

[illegible] از جناب [illegible]

ظالم نے آس توڑی میری، نظر پھرا کے
اپنا بنا لیا جب دل میں مرے سما کے

ان شوخیوں کے صدقے قربان اس ادا کے
شمع لحد بجھا دی خود شوق سے جلا کے

اُمیدیں دل کی توڑیں تیرِ نظر لگا کے
ظالم تجھے ملا کیا خونِ وفا بہا کے

پہلے سے کیوں نہ سمجھے انجام کو جفا کے
ملتے ہو ہاتھ مجھکو اب خاک میں ملا کے

اللہ رے جورِ گردوں اُف رے جفا فلک کی
پھونکا مرا نشیمن برقِ ستم گرا کے

سرمایہ زندگی کا ظالم ترے نچھاور
ہاں ہاں اسی ادا سے پھر دیکھ مسکرا کے

اب میں ہوں اور لحد ہے اور بیکسی کا عالم
گل ہو گیا چراغِ تربت بھی جھلملا کے

قسمت میں میری یارب کیا بس یہی لکھا تھا
دن زندگی کے کاٹوں آنسو بہا بہا کے

راز و نیاز

از جناب [illegible]

اللہ اللہ یہ انتخابِ عشق
میں ہوں تعبیرِ حسن و خوابِ عشق

جانے وہ کیا جواب دیتے ہیں
یوم پرسش ہے اور حسابِ عشق

ناز قائم ہے تا بہ حدِ نیاز
حسن منت کشِ حجابِ عشق

چھیڑتا ہوں میں نغمۂ بیتاب
غم ہے مضراب دل ربابِ عشق

میرا سرمایۂ حیات ہیں یہ
درد و غم گریہ اضطرابِ عشق

آج شرما رہی ہے صبحِ حسن
ہے بلندی پہ آفتابِ عشق

یہ سراپا ہے نورِ لم یزلی
دستِ فطرت اُٹھا نقابِ عشق

میں ہوں پروانہ شمعِ وحدت کا
میری ہستی ہے کامیابِ عشق

کر دیا ابتدا سے مستِ ایاز
کتنی پُر کیف تھی شرابِ عشق

آرزو

از جناب اختر [illegible]

دل کو ہوئی جراحتِ مژگاں کی آرزو
اور زخمِ دل کو اسپہ نمکداں کی آرزو

کیوں پوچھتے ہو داغہائے دل کا ماجرا
کیا پھر ہوئی ہے سیرِ چراغاں کی آرزو

اب پھر بہار میں پھڑک اُٹھی رگِ جنوں
پھر دل میں اُٹھ رہی ہے بیاباں کی آرزو

پھر خاک اپنی ہو گئی منت کشِ صبا
پھر ہے طوافِ کوچۂ خوباں کی آرزو

صیاد آج پھرتا ہے قینچی لئے ہوئے
کیا پھر ہوئی کسی کو گلستاں کی آرزو

پھر ضبطِ عشق مانعِ عقل و خرد ہوا
پھر ہو رہی ہے چاکِ گریباں کی آرزو

غزل

از جناب [illegible] صاحب [illegible]

پی تھی کب اور آج تک ہر با خبر مدہوش ہے
بادۂ حسنِ ازل میں کس غضب کا جوش ہے

میکشو! پینا اُسی کا ہے وہی مئے نوش ہے
جلوہ گر جس کی نظر میں وہ عدوئے ہوش ہے

کیا بتاؤں مجھ پہ کیا گذری سرِ بزمِ جمال
رُخ سے اُلٹی تھی نقاب اُس نے بس اتنا ہوش ہے

تیری مست آنکھوں کے عشوے دیکھ کر او مستِ ناز
میں تو کیا محفل کی محفل بیخود و مدہوش ہے

کیفِ غم سے رات دن کھویا ہوا رہتا ہوں میں
دل میں آنسو ہے کہ خم میں بادۂ سرجوش ہے

مختصر روداد ہے یہ عاشقِ ناشاد کی
حالِ تسکیں جو سر تھا، اب وبالِ دوش ہے

او نشیلی آنکھ والے ہے یہ تیرا فیضِ عام
جس طرف جاتا ہوں سامانِ وداعِ ہوش ہے

قلزمِ حسنِ ازل ہے میرے دل میں موجزن
یہ وہ قطرہ ہے حقیقت میں جو دریا نوش ہے

کچھ پتہ چلتا نہیں اے حشر تو با چشمِ تر
سر جھکائے صورتِ تصویر کیوں خاموش ہے

مغربی تہذیب کی روشنی میں پلے ہوئے آدمی بہت کم اس حقیقت کو تسلیم کرنے کو آمادہ ہوں گے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ مشرق کی پُر اسرار روحانی دنیا میں بہت سی دیکھی اور ان دیکھی ہوئی باتیں آج تک ایسی ہیں جن کا ان بیچاروں کو جو اپنی ہمہ دانی پر پھولے پھرا کرتے ہیں۔ کچھ بھی حال معلوم نہیں ۔ اگر ان میں سے کسی ایک کا بے حقیقت سا اثر بھی اُن کے دیکھنے میں آئے تو یقیناً اُن کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور اُن کو یہ ماننے پر مجبور ہونا پڑے کہ مغرب کی سائنس اپنی انتہائی ترقیوں کے باوجود ابھی اُس مقام کی ابتدائی حدود تک نہیں پہنچی جس کے آگے روحانیت کے گہرے راز شروع ہوتے ہیں جان ہیگنز کو اُن میں سے چند ایک باتیں معلوم تھیں لیکن شنگھائی میں جہاں وہ رہا کرتا تھا اتنے ہی سے لوگوں میں کچھ اس طرح کی دہشت اور بدحواسی پیدا ہو گئی کہ انجام کار ہیگنز کو اپنے بعض چینی دوستوں کے مشورہ پر مغرب بعید میں نقل مکان کر لینا پڑا۔

ادھر کچھ عرصے سے وہ سین فرانسسکو کے اُس حصہ میں رہا کرتا تھا جسے عرف عام میں ٹاؤن کہتے ہیں وہ اور اُس کی بیٹی دایوسٹ جو اس کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھی ۔ وہ ایک نہایت فریب خوش وضع شکر لب حسینہ تھی بلی کے بچہ کی طرح ملنسار ۔ رنگت سنولائی ہوئی ۔ سیاہ آنکھوں میں شراب کی سی مستی اور اُسکے گھنگریالے بال ہوا کے جھونکوں سے اس طرح لہرایا کرتے تھے گویا بحرِ ظلمات میں موجیں سی اُٹھ رہی ہوں ۔

سب سے بڑھکر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ایک ایسی پُر کیف حسینہ کا باپ دُنیا بھر میں سب سے زیادہ بدصورت آدمی تھا ۔ لیکن شاید وہ اپنی ماں پر گئی تھی ۔ جان ہیگنز اپنی عمر میں کبھی ملاح بھی رہ چکا تھا (اور خدا کو ہی بہتر معلوم ہے کہ اس کے علاوہ کیا کیا) اُس زمانہ میں اُس کی داشتہ ایک کنٹا کا عورت تھی جس کی رنگت سے بہت زیادہ اُس کی مخمور متوالی آنکھیں اس کی مستی افزوزی کا ذریعہ تھیں ۔ اُس کے بطن سے یہ ایک لڑکی دایولسٹ جزائر غرب کے کسی مقام پر پیدا ہوئی تھی لیکن اب وہ ایک ہوشربا دوشیزہ تھی ۔ موسم بہار کی صبح کی مانند خوبصورت ۔ اسکا حُسن ہیج پہاڑ کی چوٹی پر پڑی ہوئی برف کی طرح پاک تھا ۔ اور کچھ اس قسم کا بھولاپن اُس کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے ننھے بچے کی حالت میں ہوا کرتا ہے جو اپنی معصوم بھولی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے محبت اور پیار کے بوسے کے لئے التجا کرتا ہو۔

جان ہیگنز کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ایک نہایت بدنما بدصورت آدمی تھا جس کے چہرہ اور پیشانی پر وقت کے بیرحم ہاتھ نے اتنی زیادہ لکیریں کھینچ رکھی تھیں کہ اس کی حالت دیکھکر یہ اندازہ کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ غیر ممکن تھا کہ وہ مسکراتا ہے یا تیوری پر بل ڈالتا ؟ متعجب ہے یا مسرور؟ کبیدہ خاطر ہے یا کسی فکر عظیم میں مبتلا ؟ مطلب یہ کہ اُس کی صورت اس کے دل کی کیفیت کو قطعاً ظاہر نہ کرتی تھی مگر ہاں ایک بات خصوصیت سے اس کی بدنی ساخت میں قابلِ ذکر تھی کہ اسکے ہاتھوں کی انگلیاں جھلی دار تھیں ۔ یعنی اس کے ہاتھ کم و بیش کسی بطخ کے پنجہ سے ملتے جُلتے تھے ۔ اسکے علاوہ ایک خصوصیت اس میں اور تھی یعنی جب وہ ہنستا تھا تو اُس کی آواز میں کچھ اس طرح کا احمقانہ مجنونانہ اور جی کو پریشان کرنے والا اثر پایا جاتا تھا کہ اس کی ہنسی کی آواز سُنکر دل کو مسرت نہیں بلکہ اس قسم کی دہشت ہونے لگتی تھی جس کی حقیقت کو بصورتِ الفاظ واضح نہیں کیا جا سکتا۔

لوگ کہا کرتے تھے وہ کافی مالدار ہے ۔ شاید ایسا ہو یا نہ ہو ۔ لیکن اگر اُس نے کچھ دولت فراہم کی تو وہ پُر اسرار طریقوں سے ہی کی ہوگی کیونکہ ظاہراً اُس کی آمدنی کا ذریعہ فقط ان مرمت کے کاموں تک محدود تھا جو وہ

ایک بڑھئی کی صورت میں جہازوں یا کشتیوں پر کیا کرتا تھا۔ وہ اپنی بیٹی وائیولٹ کے ساتھ ایک بہت چھوٹے مکان میں ایک تنگ اور غیر آباد گلی کے اندر رہا کرتا تھا۔ اور وہ مکان ایک سود خوار کی دوکان اور ریسٹورانٹ کے بیچ میں اس طرح چھپا ہوا تھا کہ صرف متجسس نگاہ کے آدمی ہی اس کا پتہ معلوم کر سکتے تھے۔ وائیولٹ کو اس کے باپ نے پوری آزادی دے رکھی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی حفاظت آپ کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جس بستی میں اُن کی سکونت تھی۔ اسکے سب لوگ جان ہیگنز کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا کرتے تھے اسکے ٹولوں کی وجہ سے نہیں۔ اس کی خاندانی وجاہت کے لئے بھی نہیں۔ بلکہ کسی دوسری ہی نامعلوم وجوہ سے جن کا حال آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا۔

باپ بیٹی کی زندگی بڑی آرام و آسائش سے بسر ہو رہی تھی اور شاید اسی طرح ہوتی چلی جاتی اگر جہاز میری ایلن لیونارڈ سمتھ کو لئے ہوئے اس بندرگاہ میں لنگر انداز ہوتا۔ جہاز لیونارڈ سمتھ کے ایک دوست کی ملکیت تھا اور وہ تفریح طبع کے لئے اس پر سفر کرتا پھر رہا تھا۔ سین فرانسسکو پہنچکر یہ لوگ اس خیال سے ٹھہر گئے کہ جہاز کی جو تھوڑی سی مرمت ہونی ہے ہو جائے گی اور وہ کچھ عرصہ میں شہر کا گشت کر لیں گے۔

جان ہیگنز اس جہاز کی مرمت کیا کرتا تھا۔ ایک دن اسکی بیٹی وائیولٹ کسی کام کے لئے باپ سے ملنے وہاں آئی لیونارڈ سمتھ نے اُسے دیکھ لیا۔ وہ اُس سے ملا۔ اور کچھ عرصہ باتیں کیں۔ اس سے اگلے موقع پر جب وہ دوبارہ جہاز پر آئی تو سمتھ اسکے ساتھ ساتھ اس کو مکان تک پہنچانے گیا۔ جان ہیگنز جہاز کے زیریں حصہ میں آنے والے طوفان سے بے خبر مرمت کے کام میں مشغول تھا۔ سمتھ کو یہ بات بالکل معلوم نہ تھی کہ وہ اُسی مدہوش شوخ دوشیزہ کا باپ ہے جسکے جلوہ مستانہ کا وہ ایک ہی نظر میں شیدائی ہو چکا تھا لیکن اگر اس کو حقیقت حال کا علم بھی ہوتا تو شاید وہ اس تفصیل پر توجہ دینے کی چنداں ضرورت نہ سمجھتا۔

اس کے بعد واقعات نے ویسی ہی صورت اختیار کی جیسی اس طرح کی حالتوں میں عموماً ہوا کرتی ہے یعنی اُس نے چند چھوٹے چھوٹے تحائف وائیولٹ کو پیش کئے پھر اس سے ایک قدم آگے بڑھکر۔ مگر تفصیل کی کیا حاجت؟ دُنیا میں اب آدمی کون ہے جو اس سلسلہ کی کڑیوں سے پوری طرح واقف نہ ہو؟

مناسب عرصہ گذرنے کے بعد جہاز میری ایلن ہر طرح مکمل اور تیار ہوکر وکٹوریہ روانہ ہوگیا۔ لیونارڈ سمتھ امپیریس ہوٹل کے ایک کمرہ میں رہنے لگا جہاں سے گھاٹ کا اندرونی حصہ اچھی طرح دکھائی دیتا تھا۔

اسی کمرہ کی کھڑکی سے بندرگاہ کا منظر خوب دکھائی دیتا تھا۔ نیلگوں پانی میں ہلکی ہلکی موجوں کا اُٹھنا۔ بادبان دار ڈونگیوں کا لہروں پر خوش فعلیاں کرتے ہوئے پھرنا پتلی پتلی بھوؤں کا طفلانہ نغمہ کے ساتھ ساحل سے ہم آغوش ہونا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ امپیریس ہوٹل کے منتظم اس طرح کے چند کمرے صرف اُن مخصوص مہمانوں کو دیا کرتے تھے جو آسائش کے مقابلہ میں اخراجات کو بے حقیقت سمجھتے ہوں۔

ایک دن کا ذکر ہے شام ہونے لگی تھی۔ آفتاب نے منہ پر نقاب ڈال رکھی تھی۔ ہرے ہرے پودوں پر ... کا سا عالم چھایا ہوا تھا۔ حد نگاہ تک سبز رنگ کے ... کی فضا ... سے ... ملائے کھڑی تھی۔ لیونارڈ سمتھ اپنے کمرہ کی کھڑکی میں کھڑا مسرور نگاہوں سے اس خوشگوار منظر کو دیکھ رہا تھا۔ ہوا کے معطر جھونکے تھپتھپاتے ہوئے چہرہ کو خوشگوار معلوم دیتے تھے۔ وہ پیچھے مڑ کر رات کے کھانے کی تیاری میں لباس تبدیل کیا چاہتا تھا کہ اس کی نگاہ گھاٹ کے ایک ... حصہ میں کھڑے ہوئے ایک آدمی کی طرف گئی جو دیوار کا سہارا لئے پاؤں آگے بڑھائے بے ... کھڑا تھا۔ ممکن ہے لیونارڈ سمتھ اس کی موجودگی کو نظر انداز کر دیتا ... دیکھا کہ اس شخص کی نگاہ ٹکٹکی باندھے اس کھڑکی کی ... ہوئی تھی۔

لیونارڈ ... پہلے کچھ خیال نہ کیا اُس نے سوچا یا ... کہ ... اسکے بعد کھڑکی بند کرنے کے لئے اسی جگہ تمام پر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ آدمی اب بھی اُسی مقام پر کھڑا اس کھڑکی کی طرف دیکھے جاتا ہے!

اس کو اس واقعہ سے تعجب تو ضرور ہوا لیکن اُس نے اسے سرسری سمجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے کھڑکی بند کر دی اور رخصت ہونے کی تیاری میں کوٹ پہننے لگا عین اسی موقعہ پر کسی نے اسکے کمرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ لیونارڈ سمتھ نے سمجھا ہوٹل کا کوئی ملازم یا کبیرے یا کوئی دوست ملنے کے لئے آیا ہے اُس نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔

مگر جو شخص باہر کھڑا تھا وہ نہ تو ہوٹل کے ملازموں سے کوئی اور نہ اسکے شناساؤں میں سے ایک تھا۔ ایک پستہ قد بدنما بدصورت آدمی جس نے بھدا سا لباس پہنا ہوا اور اسکے کپڑوں سے کول تار۔ پانی میں بھیگی ہوئی رسیوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی بُو آتی تھی جیسی کسی گھاٹ یا صحن جہاز پر پائی جاتی ہے۔ سمتھ نے اس کو دیکھتے ہی جان لیا۔ وہی آدمی تھا جو سامنے کھڑا اس کے کمرہ کی کھڑکی کو تک رہا تھا۔ شخص مذکور نے اندر آکر دروازہ احتیاط سے بند کر لیا اور خود اس سے پیٹھ لگا کر کھڑا ہوگیا۔ سمتھ اسکے طریقہ عمل سے بے حد متعجب تھا فرط حیرت سے وہ تھوڑی دیر

چپ رہا اسکے بعد قدرے خشمناک لہجہ میں بولا۔

"تم کون ہو اور کس لئے یہاں آئے ہو؟"

"جان ہیگنز میرا نام ہے" شخص مذکور نے دبی ہوئی گلوگرفتہ آواز سے جواب دیا۔ "آپ نہ دیر مجھکو پہچانتے ہونگے میں ہی تھا جس نے آپکے جہاز میری ایلن کی مرمت کی تھی ایک دفعہ آپنے کوئی بات بھی مجھ سے کہی تھی"

اس موقعہ پر جان ہیگنز نے اہل مشرق کے انداز سے اشارہ کرتے ہوئے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے تو ہنتھ کو یہ دیکھ کر بڑی کراہت ہوئی کہ اسکی تمام انگلیاں کسی بطخ کے پنجہ کی طرح ایک جھلی کے ذریعہ ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔

"شاید ایسا ہوا ہو" ہنتھ نے لاپروائی سے جواب دیا "مگر اس سے کیا؟ تم نے جو کام کیا تھا اس کا معاوضہ یقیناً تم کو دے دیا گیا ہوگا۔ پھر اب بلا اجازت میرے کمرہ میں آنے اور یوں دروازہ روک کر کھڑے ہو جانے کا کیا مطلب؟ اگر تمہیں کام کی تلاش ہے۔ تو اس کا موزوں طریقہ اس طرح کا گستاخانہ رویہ نہیں ہو سکتا تاہم بیان کرو تم کیا چاہتے ہو؟"

عسرت زدہ آدمی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا وہی مخصوص قہقہہ جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے پھر بولا۔

"میں یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں آپ میری وایولٹ کی عصمت دری کرنے والے کون تھے؟"

ہنتھ کو اپنے سینہ میں کوئی چیز بیٹھتی معلوم ہوئی۔ "وایولٹ!" اس نے نیم بے خبری کی حالت میں کہا پھر اس خیال سے کہ اس کو جواب میں کچھ نہ کچھ ضرور کہنا چاہئے۔ بولا "آہ ٹھیک یاد آگیا وہ خوش اندام نازک طبع لڑکی شاید وایولٹ ہی اس کا نام تھا۔ وہ کیا تمہاری بیٹی تھی؟ کیا وہ اچھی تو ہے ---؟"

ہیگنز پھر ایک بار ہنسا اور ہنتھ کو اس کی ہنسی کسی شیطانی قہقہہ کی مانند سمع خراش معلوم ہوئی۔

"ہاں وہ اچھی ہے۔ فقط میں نے اس کو جان سے مار ڈالا ہے!"

"تم نے . . . کیا کہا!" ہنتھ نے جس کے چہرہ کی رنگت آن واحد میں سپید ہو گئی تھی رکتے ہوئے دہشت آمیز لہجہ میں پوچھا "او ظالم ملعون کیا تو نے اس کو مار ڈالا؟ کیوں کس لئے؟"

"کسی کو مجھ سے پوچھنے کا کیا حق؟ وہ میری چیز تھی میں نے جو سلوک مناسب سمجھا اس کے ساتھ کیا کم از کم اب وہ تم جیسے بد نہاد شہوت پرستوں کی دست برد سے محفوظ رہے گی۔ ہاں ٹھیک میں نے اس کو مار ڈالا اور اسی طرح کسی روز تم کو بھی مار ڈالوں گا . . . یا نہیں" اس نے پھر وہی خشک ہنسی کی مدہم آواز پیدا کی "اس لئے کہ جان سے مار دینا کوئی سزا نہیں مجھ کو اس سے بہت زیادہ ہیبت ناک طریقے سزا دہی کے یاد ہیں پس کان کھول کر سن لو میں وہ عذاب اذیت تم کو دوں گا میں تمہاری زندگی کو اتنا تلخ بناؤں گا کہ تم دو میں سے ایک بات ضرور کرو گے۔ یا تو مجھ سے کہو گے کہ میں تمہیں جان سے مار ڈالوں یا . . . اگر تم میں اس قدر حوصلہ باقی ہے تو خودکشی کر لو گے"

ہنتھ نے اپنا انگوٹھا بجلی کی گھنٹی کے بٹن پر رکھا ہوا تھا لیکن اس مرد پیراہن زبر . کائنات عالم کے اس ظاہری تحجیث کی ہولناک دھمکیوں کو سنکر اُن کی پوری اہمیت سے واقف ہوتے ہوئے کچھ اس طرح کی دہشت اس کے دل میں پیدا ہوئی کہ انگوٹھا گھنٹی کا بٹن نہ دبا سکا۔ بدن میں جیسے رعشہ پڑنے لگا۔ پیشانی عرق سرد سے تر ہو گئی۔ ہیگنز نے اس کی یہ بدلی ہوئی حالت دیکھی تو اسی تلخ آواز میں جو اس سے مخصوص تھی پھر ایک پُرشور قہقہہ لگایا اور اب کی مرتبہ وہ اتنے زور سے ہنسا کہ کمر میں خم پیدا ہونے لگا۔ پھر اس سے پہلے کہ ہنتھ اسے روکے یا کوئی بات کہنے کی جرأت کرتا۔ وہ چپکے سے دروازہ کھول کر رخصت ہو گیا۔ بعد ازاں وہ بڑی دیر تک سوچتا رہا کہ ایک ایسے عالیشان ہوٹل کے دروازہ میں اسے کیونکر قدم رکھنے کی اجازت دی گئی ہوگی؟ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ ہوٹل کے ملازموں کی زیادہ تعداد چینیوں اور مشرقی اقوام کے لوگوں کی ہے اور یہ لوگ اچھے برے کی تمیز نہیں رکھتے

ہنتھ کی اشتہا زائل ہو چکی تھی کھانے کی رغبت نہ ہوتے ہوئے بھی اس کو ظاہرداری کی غرض سے رسم ادا کرنی پڑی لیکن کچھ اس طرح کی دہشت اس کے جی پر سوار ہو چکی تھی کہ جب وہ دوبارہ اپنے کمرہ میں واپس آیا تو سب سے پہلے اس نے کھڑکی کھول کر گھاٹ کی طرف دیکھا۔ لیکن نہیں معلوم یہ اس کا واہمہ تھا یا کیا۔ مگر اس کا خیال ہے کہ برستے پانی میں اُس نے سڑک کے کونے پر لگے ہوئے گیس لیمپ کی غیر یقینی روشنی کی مدد سے جان ہیگنز کو اسی تمام پر دیوار سے کمر ٹیکے ہوٹل کی کھڑکی کی طرف گھورتے ہوئے دیکھا۔ صبح کو پھر وہ اسی جگہ موجود تھا۔ رات کو بھی میں کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ خدا کو ہی بہتر معلوم ہے کہ اس کمبخت کو بھوک اور پیاس کا احساس بھی ہوتا تھا یا نہیں؟

تنگ آ کر ہنتھ نے کمرہ تبدیل کر لیا اب وہ بڑے پھاٹک کو چھوڑ کر ایک پچھلی دروازہ کی راہ سے باہر آیا جایا کرتا تھا لیکن جب کبھی وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا تو خواہ وہ شہر کے کسی حصہ میں کیوں نہ ہو دس میں چھ بار ضرور اس کو جان ہیگنز کسی مقام پر کھڑا اپنی طرف گھورتا دکھائی دیتا تھا

اپنے کمرہ کی تنہائی میں اس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ غالباً میرا جوش میں آیا ہوا دماغ ہر وقت اس کی صورت آنکھوں میں پیدا کئے رکھتا ہے۔ لیکن اصل حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ بات یہ ہے کہ جان سنگنیز کی ہر وقت کی موجودگی نے اس کے اعصاب کو شکست کرنا شروع کر دیا تھا اور تنگ آ کر ہنیو نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے ونکوور چلے جانا چاہیئے چنانچہ اس تجویز پر عمل کیا گیا۔

ونکوور پہنچنے کے بعد چند روز ہنیو کے دل کو اطمینان کا سانس آیا اس نے سوچا بلا پیچھے رہ گئی۔ جان بچی لاکھوں پائے

مگر ایک دن رات کا وقت تھا ہنیو اور اس کا ایک دوست شمالی ونکوور سیر کرنے گئے واپسی کے موقعہ پر جب دریا کو عبور کرنے لگے تو آدھی رات ہو گئی تھی۔

یہ وقت چینی بستی کی سیر کے لئے خوب ہوگا۔ ہنیو کے دوست نے جو ان خطروں سے غیر آگاہ تھا جو امریکن شہروں کی ان مشرقی بستیوں میں چھپے رہتے ہیں۔ کہا "اعتراض نہ ہو تو آؤ ٹہلتے ہوئے چلیں"

دونوں پاپیادہ پنڈر سٹریٹ کی طرف ہو لئے۔ یہاں کی زندگی کا نقشہ ہی بدلا ہوا نظر آتا تھا نئی اور انوکھی بدبوئیں اور خوشبوئیں ایک دوسرے سے آمیز ہو کر قوت شامہ کو پریشان کرتی تھیں گلی سڑی ترکاری جلتی ہوئی افیون۔ جوش میں آئے ہوئے انسان عجب طرح کے ماکولات۔ ان میں سے ہر ایک چیز کی بد احدا تو مغربی سرزمین میں مشرق کا نظارہ پیش کرتی تھی، دوکانیں بند تھیں صرف ان مکانوں میں جہاں کھانا کھانے کا انتظام تھا بند دروازوں کے پیچھے شب بیدار لوگوں کی آوازیں اور روشنی کی مدھم کرنیں۔ کانوں میں یاد آتی یا دیکھی جاتی تھیں۔

کہیں کہیں کوئی مشتبہ چلن کا آدمی یا مشکوک پیشہ کی عورت اندھیرے میں سایہ کی طرح چلتی دکھائی دے جاتی تھی کھڑکیوں کی پشت پر پردیں پھینکنے کی آواز چینی راگ کی ہم آہنگی سے ملی ہوئی سنائی دیتی تھی۔

میں نے سنا ہے شہر کے اس حصہ میں پولیس کے سپاہی بھی رات کے وقت دو دو مل کر آتے ہیں ہنیو کے دوست نے کہا "ٹھہرو ذرا دیکھیں تو"۔

دیوار میں بنی ہوئی ایک چھوٹی سی کھڑکی ان کے داہنی طرف واقع تھی۔ قریباً ایک فٹ مربع اور ان کے گھٹنے کے برابر اونچی اس لئے ان کو نیچا ہو کر اس میں دیکھنا پڑا۔ ان کی توجہ خصوصیت کے ساتھ اس لئے اس طرف گئی تھی کہ یہ پہلی کھڑکی جو ان کو نظر آئی اس میں پردے یا شٹر لگے ہوئے نہ تھے۔ انہوں نے بند آئینہ کی راہ سے دیکھا تو معلوم ہوا کھڑکی کے برابر ایک میز پر ٹیبل لیمپ رکھا ہے اور دو آدمی سامنے بیٹھے فین ٹین کھیل رہے ہیں!

جیسا لکھا گیا ہے ہنیو اور اس کا دوست بغیر کسی خاص ارادہ کے اس کھڑکی کے قریب کھڑے ہوئے تھے لیکن جونہی انہوں نے شیشہ کی راہ سے اندر نظر ڈالی۔ ہنیو اس طرح پیچھے ہٹا گویا سانپ نے اس کو ڈس لیا ہو۔ کیونکہ اس کے عین بالمقابل اس مرد ملعون کا چہرہ تھا جس کو وہ اپنے خیال کے مطابق بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ وہی کینہ آلود آنکھیں۔ وہی سانپ کی سی تاکنی اور جب دو شخصوں کو باہر کھڑا دیکھ کر اس نے شیشہ کے سامنے پردہ

فہرست قوانین رسالہ مست قلندر لاہور

(۱) مست قلندر ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور دو تین بار پرچوں کا مقابلہ کر کے ڈاک میں ڈالا جاتا ہے اس لئے اگر کسی صاحب کے پاس ۱۰ تاریخ تک پرچہ نہ پہنچے تو اس کی شکایت مقامی ڈاک خانہ میں کی جائے اور ہمیں بھی لکھا جائے پرچہ نہ ملنے کی شکایت کا خط ۱۵ تاریخ تک پہنچ جانا چاہیئے کے جواب کیلئے تین آنہ کے ٹکٹ لفافہ میں آنے چاہئیں۔

(۲) مست قلندر کا مقصد صرف ظرافت، تہذیب اور عام دلچسپی کے مضامین کی اشاعت کرنا ہے ایسے مضامین جن سے اخلاق پر برا اثر پڑے ذاتیات پر بحث ہو یا سیاسی پہلو لئے ہوئے ہوں درج رسالہ نہیں ہو سکتے۔

(۳) لائق اور قابل مضمون نگاروں کو معقول معاوضے دیئے جاتے ہیں۔ ہندی گجراتی مرہٹی بنگالی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے والوں کی خاص ضرورت ہے

(۴) مضامین نظم و نثر ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک آنے چاہئیں

(۵) مست قلندر کے متعلق جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام ڈاکٹر ہری سنگھ صاحب ایڈیٹر مالک رسالہ مذکور ہونی چاہیئے۔

(۶) مست قلندر کی توسیع اشاعت میں حصہ لینے والے خاص طور پر شکریہ کے مستحق سمجھے جائیں گے۔

رسالہ کا سالانہ چندہ عہ ممالک غیر سے شلنگ اور انعامی اشیاء ہمراہ لینے والوں سے عہ اور ممالک غیر سے ۹ شلنگ ہے۔ چندہ برائے برما بھی روپے آٹھ آنہ ہے

مینیجر مست قلندر ۔ لاہور

پریم نگر کے رہنے والے پریمیوں کے

تڑپا دینے والے محبت بھرے خطوط

کتابی صورت میں ۵ مئی کو چھپ رہے ہیں۔ حقوق محفوظ

از حضرت ماہر القادری

پہلا خط

بے تاب تمناؤں کا سلام قبول کیجئے!

نوازش نامہ نے نوازا، نامحدود شکریہ۔ ! تمہارے اس جملہ نے کہ تم مجھ کو بھول گئی ہو گی" میرے جذبات میں تیز تیز نشتر چبھو دیئے تم نے، میں تم کو بھول سکتی ہوں ــــ تم کو ـــ ! ایسی باتوں سے دل ٹوٹتا ہے، جذبات پشیمان ہوتے ہیں، احساسات مجروح ہو جاتے ہیں۔ بالفرض محال میں تم کو بھلانا بھی چاہوں، تو میری کلائی کا "وہ" (؟) نشان کہیں تم کو بھولنے دے گا۔ لہو کی چند بوندوں نے ایک ایسی یادگار قائم کر دی، جو انمٹ اور غیر فانی نہیں تو بہت زیادہ پائدار ضرور ہے۔

تمہارے جانے کے بعد دل پہ کیا بیت گئی؟ اُسے الفاظ میں کس طرح ادا کروں۔ کاش میں دل کی دھڑکن حرفوں میں بند کر سکتی۔ دُنیا کو جس لٹریچر پہ ناز ہے، وہ محبت کی شرح کرنے میں ہمیشہ ناکام رہا ہے:۔

محبت معنی و الفاظ میں لائی نہیں جاتی
یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

میرے مکان کے در و دیوار وُہی ہیں مگر تمہارے جانے کے بعد گھر کا نقشہ ہی بدل گیا۔ گلاب کے پھول اب بھی مسکراتے ہیں، فوارے اب بھی لہریں لیتے ہیں، اور کویل آج بھی اُسی طرح کوکتی ہے لیکن نہ تو پھولوں کی ہنسی میں وہ شگفتگی ہے، اور نہ فواروں کی گہر افشانی میں وہ تازگی۔ ! تم اپنے ساتھ جانے کیا کیا، میرے گھر سے لے گئے ـــ ! تم مجسم بہار بن کر آئے تھے اور سراپا بہار بن کر چلے گئے، تمہاری مسکراہٹوں کے چند نقوش، جن کو میں بہار سمجھتی ہوں، میری لوحِ احساسات پہ باقی رہ گئے ہیں۔

اچھا! تو تم ستمبر کی تعطیلات میں ضرور آؤ گے! میں اسی اُمید میں انتظار کی روح فرسا گھڑیاں گذار رہی ہوں۔ ـ ـ سمجھے میں کیا کہہ رہی ہوں ـــ!

دُوسرا خط

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

مومن کے اس شعر کو کئی دن سے پڑھ رہی ہوں، محبت کی داستان کس قدر درد ناک اور پُر لطف ہے! کشمیر کا سفر مبارک! وہاں کی لہلہاتی ہوئی وادیوں کے پیچ و خم کو میرا سلام کہنا، نشاط و نسیم کی روشوں پر جب ٹہلو تو اس کو بھی یاد کرنا، جس نے تمہاری گردن میں پھولوں کے ہار ڈالے تھے، اور تم نے مسکرا کر کہا تھا، کہ ہماری محبت کے پھول خدا کرے کبھی نہ مرجھائیں ـــ!

اچھا! میرے لئے کشمیر سے کیا لاؤ گے؟ ناشپاتیاں، انار، سیب، تازہ زعفران ـــ شکریہ! مگر یہ سب چیزیں تو مٹنے والی اور فنا پذیر ہیں۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ جب تم کشمیر سے واپس ہو تو تمہارے دل و دماغ پہ میری محبت کے سوا، کوئی اور خیال چھایا ہوا نہ ہو مگر میں جانتی ہوں کہ مرد، اس معاملہ میں بہت کمزور اور عجلت پسند واقع ہوتا ہے اُسکے وعدے بہت کمزور ہوتے ہیں، وہ بہ یک وقت کئی عورتوں سے محبت کر سکتا ہے اور ایک نگاہ میں بہت سے حسین چہروں کا جائزہ لیکر بہت سی تمنائیں پیدا کر سکتا ہے۔ــ لیکن میں یہ کیا لکھ رہی ہوں، تم کو میں ایسا نہیں سمجھتی، تمہارے وہ الفاظ جو تم نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہے تھے، مجھے اب تک یاد ہیں۔ خط کا جواب جلد دیجئے بہت جلد۔ فوراً!

تیسرا خط

آداب و تسلیم۔ ! تمہاری نظم "رسالہ مست قلندر" میں نظر سے گذری۔ ابتدائی اشعار پڑھکر میں خوشی کے مارے بے تاب ہو گئی، لیکن آخری شعر والے نے مجھے کند چھری سے ذبح کر دیا۔ تم نے جن باتوں کو نظم کیا ہے، وہ میں نے کب کہی تھیں! اور میں ایسی بے تکلفی اور بے باکی کی جُرأت کر ہی نہیں سکتی! اگر یہ نظم خیالی نہیں ہے" تو پھر یہ کون ہے، جس نے تم سے نظم کہلوا کر چھوڑی ـــــ!

شاعر کو تو دوسرے کے جذبات کا بہت زیادہ پاس کرنا چاہئے ہیں تم کو اُن لوگوں میں سے نہیں سمجھتی جو تمناؤں کا کھلونا بنا کر خود ہی توڑ ڈالتے ہیں۔ میں اُن میں سے نہیں ہوں، جن کا یہ خیال ہو کہ:۔

بسایہ ترا نمی پسندم ؛ عشق است و ہزار بدگمانی

لیکن سینہ میں جوان دل، اور حساس تمنائیں رکھتی ہوں، کوئی ٹھیس لگے گا تو بے تاب ہو جاؤں گی۔ اس سے زیادہ کیا کہوں، تم مجھ سے زیادہ سمجھدار ہو ــــــ

بس ۔۔۔!

چوتھا خط

محبت کی کشش نے کیا دکھایا ہے اثر دیکھو
یہ آدھی رات دیکھو، اُن کو دیکھو، میرا گھر دیکھو

اس شعر کا آج تک لطف لے رہا ہوں، شبنم کی خنکی، سبزے کی ترادت اور چاند کی روشنی نے مل جل کر کیا قیامت برپا کر دی تھی، اور پھر تمہاری شرمگیں مسکراہٹ، کاش: وہ ساعتیں مجسم ہو سکتیں بہت عجلت میں خط لکھ رہا ہوں، اب پھر مفصل خط لکھوں گا۔ میرا خط اُسی انداز سے پڑھنا، اور یہ مصرعہ بھی گنگنانا:۔

"آج توبہ توڑ ڈالی جائے گی"

(باقی آئندہ)

آنکھوں کے دریچوں سے دل میں مرے آجاؤ

اثر خامہ حضرت ساغر چشتی اودھینی

حُسن کی نیرنگیاں دکھلائیے ؛ کارگاہِ عشق میں "آجائیے"!!
پردہ پردہ میں نہ اب تڑپائیے ؛ ہو سکے تو سامنے "آجائیے"!!
بخشئے جانِ زندگیٔ مستعار ؛ پھر ذرا آغوش میں "آجائیے"!!
دیکھئے ہنگامۂ محشر ذرا ؛ حجلۂ عشرت سے باہر آئیے؟
کیوں کھڑے ہیں اس طرف سہمے ہوئے ؛ بیٹھئے! تشریف! رکھیے! آئیے؟
ہم سے نادانوں سے کیا اقرارِ حشر ؛ جو سمجھتا ہو اُسے سمجھائیے!
میرے گھر کو اپنا ہی گھر جان کر ؛ بے تکلف آئیے آجائیے!
ذرہ ذرہ ہے عروسِ کائنات ؛ اپنی آنکھوں کو کہاں لیجائیے!
بجلیاں تو قلب پر برسا چکے ؛ اب لحد پر پھول بھی برسائیے!
مجھ پہ ہی الزامِ ناکامی تمام ؛ اپنے دل میں بھی ذرا شرمائیے!
پھر ذرا بن ٹھن کے "مہر نیمروز" ؛ منجمد خونِ وفا "گرمائیے"!!
جی میں آتا ہے کہ بنکر موجِ خوں ؛ ساحلِ رنگیں سے ٹکرا جائیے!

یادِ ساغر محو دل سے ہو نہ جائیے
جاتے جاتے اور بھی پی جائیے

(خاص)

پُراسرار تبت کے چشم دید حالات

ایک انگریز سیاح خود نوشت سفرنامہ سے ماخوذ جو حال ہی میں مکانِ دُنیا کی بلند ترین چھت یعنی "تبت" سے اُتر کر آیا ہے

جس واقع کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس کے قریباً ایک ہفتہ بعد ایک دوسری خانقاہ میں مجھکو ایک بھیانک تماشہ دیکھنے کا موقع نصیب ہوا۔ اسکی تیاری غیر معمولی اہتمام کے ساتھ کی گئی تھی اور میرے سننے میں یہ بات آئی تھی کہ لاما لوگ ایک سال تک اس کی ریہرسل کرتے رہے ہیں۔ اس موقعہ پر خانقاہ کے وسطی صحن میں لاماؤں کا ناچ ہوا۔ انہوں نے عجیب و غریب اور نہایت ڈراؤنے نقاب چہروں پر پہن رکھے تھے۔ اس طریقہ پر وہ اپنے آپ کو ارواح بد ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ اس سے جو نظارہ دیکھنے میں آیا وہ انتہا ہولناک اور اسکے ساتھ ہی زندگی کی ایسی جھلک لئے ہوئے تھا کہ تماشائیوں میں جتنے بھی اہلِ تبت تھے سب مارے دہشت کے کانپ رہے تھے۔ لاماؤں نے خونی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور جس نقاب سے چہرے انہوں نے سر پر باندھ رکھے تھے ویسے ہی ان کی چھاتیوں پر منقش تھے۔ صحن کے دوسری جانب سے گنہگاروں کا ایک جلوس آتا دکھایا گیا۔ سب آدمی دبلے پتلے مصیبت زدہ اور سہمے ہوئے تھے۔ قریب آنے کے بعد یہ جلوس منتشر ہوگیا اور ہر شخص نے خوف کی حرکات ظاہر کرنی شروع کیں اب ہر ایک گنہگار کا تعاقب بہت سے لاماؤں نے جنہوں نے دیوؤں کی صورتیں بنا رکھی تھیں کرنا شروع کیا۔ بدنصیب آدمی چیخیں مارتا ہوا آگے آگے دوڑتا تھا اور یہ لوگ اس کا پیچھا کرتے تھے۔ حتےٰ کہ آخر کار کئی دیو صورت لامے اس کو جا کر پکڑ لیتے اور وہ درد و اذیت سے تڑپنے اور پیچ و تاب کھانے لگتا۔

ان نظاروں کے ساتھ ساتھ ایک عجیب طرح کی بھیانک موسیقی بھی قائم رکھی جاتی تھی جو سریلی ہونے کی بجائے آہنگ دار تھی۔ سارا منظر بالکل حقیقی معلوم ہوتا تھا اور اس کا نہایت گہرا اثر نہ صرف تبتی تماشائیوں پر بلکہ اس مصنف پر بھی ہوا جو اس کارروائی کو ایک کونے میں چھپا ہوا بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ اگر لاما لوگ مغرب میں آ کر گوارا کریں تو اس نمائش کے ذریعہ سے وہ مغربی تماشائیوں پر گہرا اثر پیدا کر سکیں گے۔ ہر ایک سین اتنا حیرت انگیز اور ایکٹنگ اس خوبی سے ادا کیا جاتا تھا کہ میرا خیال ہے مغرب کی روشن خیال پبلک بھی اس سے لاپروا نہیں رہ سکتی۔

میں نے یہ واقعہ اس خیال سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ کس طریقہ پر لاما لوگ دوزخ کے خوف کو لوگوں کے دلوں میں قائم و دائم رکھتے ہیں۔

لیکن اہلِ تبت کا دوزخ گو بڑا تکلیف دہ ہے تاہم دائمی نہیں۔ لاما لوگ یہ نہیں بتلاتے کہ کسی شخص کے لئے دوزخ کی میعاد قیام کتنی ہے کیونکہ ان کا یہ کہنا ہے کہ وقت کا تعلق صرف مادی دُنیا کے ساتھ ہے اور رُوح کی دُنیا اس قسم کی پابندیوں سے بالاتر و آزاد ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہے تو اسکے دوبارہ پیدا ہونے سے پہلے اس کی رُوح کو دوزخ یا جنت میں رہ کر اسکے اچھے اعمال کی جزا یا بُرے کرموں کی سزا مل چکتی ہے تو پھر اس کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ بچے کی صورت میں دوبارہ اس دُنیا میں جنم لے اور پھر نئی زندگی میں آئے۔

بعض لاماؤں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ زندگی اور موت کے ان گہرے اسرار کو خوب سمجھتے ہیں جن لاماؤں کو میں نے ان معاملات کی نسبت اظہارِ خیال کرتے سُنا۔ ان کا بیان ہے کہ ہر ایک انسان کے وجود کے تین حصے ہوتے ہیں یعنی (۱) اس کا استھول (مادی) جسم (۲) اس کا سوکشم شریر (جسم لطیف) جو دکھائی نہیں دیتا لیکن استھول جسم کے ساتھ وابستہ ہے اور جس پر حواس کے ذریعہ سے ترمیمی یا اصلاحی اثرات پیدا ہوتے رہتے ہیں اور (۳) آدمی کی رُوح جو اس تمام رُوح کا ایک حصہ ہے جو کہ اس برہمانڈ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اپنی نوعیت کی وجہ سے جس میں نہ کوئی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ کوئی خرابی ظہور میں آ سکتی ہے ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ جب کوئی آدمی مرتا ہے تو اسکا سوکشم نظر نہ آنے والا بدن نیز اس کی رُوح دونوں چیزیں استھول بدن کو چھوڑ کر علیٰحدہ ہو جاتی ہیں۔ جتنا کوئی آدمی دنیاوی معاملات سے کم تعلق رکھتا ہو اس کیلئے استھول جسم کو چھوڑنے کا عمل اتنا ہی سہل واقع ہوتا ہے لیکن لاماؤں کا بیان ہے کہ قریباً سبھی آدمی تھوڑی بہت حد تک مادہ پرست ہوتے ہیں اس لئے جب کبھی آدمی مرنے لگے تو مناسب

کیا یہ سچ ہے کہ تبت کے لاما لوگ حظِ نفسانی کی خاطر پریمکال عورتوں کو اپنی خانقاہوں میں چھپا رکھتے ہیں

ہوتا ہے کسی لاما کو طلب کیا جائے۔ کیونکہ وہ اپنے پاکیزہ بھجنوں۔ دعاؤں منتروں نیز مرنے والے آدمی کے سر کی چوٹی پر ہلکی سی چوٹ لگانے کے ذریعہ سے رُوح اور جسم کی علیحدگی کے عمل کو آسان تر بنا سکتا ہے۔

ہر قسم کے خیالات و محسوسات زندگی میں انسان کے باطنی سوکھشم بدن پر اثرات پیدا کرتے رہتے ہیں اور جب آدمی مر جاتا ہے تو ان تمام بانوں کا نشان اس جسم پر قائم رہتا ہے۔ یہ نظر نہ آنے والا لطیف جسم رُوح کے ساتھ وابستہ ہو کر متوفی کے نیک یا بد کاموں کے مطابق جنّت یا دوزخ میں پہنچتا ہے۔ وہاں رفتہ رفتہ اس کے اجزائے ترکیبی منتشر ہونے شروع ہوتے ہیں۔ زندگی میں اس شخص نے جو اچھے یا بُرے خیالات سوچے ہوں یا جو اچھے یا بُرے کام کئے ہوں۔ ان تمام کا اثر اس نظر نہ آنے والے جسم پر موجود ہوتا ہے۔ اس اثر کو دُور کرنے کے لئے مرنے والے کو دوسرا جنم لینے سے پیشتر راحت یا تکلیف کی منزلوں سے گذرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ جوں جوں حساب کی صفائی کا یہ یہ عمل جاری رہتا ہے نظر نہ آنے والے لطیف جسم کے اجزائے ترکیبی منتشر ہوتے چلے جاتے ہیں حتّےٰ کہ انجام کار نہ مٹنے والی اور نہ بگڑنے والی روح باقی رہ جاتی ہے۔ یہ آتما چونکہ سارے برہمانڈ میں چھائے ہوئے پرماتما کا ایک حصّہ ہے اس لئے یہ جوں کی توں رہتی ہے اور یہی چیز نئے پیدا ہونے والے بچے کے جسم میں داخل ہو کر پھر اس دُنیا میں آتی ہے۔

مجھکو یہ بات معلوم کرنے کا بہت شوق تھا کہ اس نظر نہ آنے والے سوکھشم جسم کے بارہ میں لاما لوگ اُس کی ہیئت و ماہیت کے متعلق کیا خیالات رکھتے ہیں۔ چونکہ اس سوال کی نسبت میری بات چیت یا تو عام لوگوں سے یا تبت کے راہبوں کے ساتھ ہوئی ہے۔ جن کا حال میں اپنے سفرنامہ کے آخری حصّہ میں لکھوں گا اور میں نے کبھی لاماؤں سے تفصیلی خیالات کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے ہر قسم کے گرم و سرد دوزخوں کے تجربہ سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لئے مجھ کو زیادہ تر ایسی ہی معلومات حاصل ہوئی ہیں جیسی شاگردوں کو ہوا کرتی ہے یا اس کے علاوہ کبھی کبھی اس بات چیت کو سننے کا اتفاق ہوا ہے جو لاما لوگ اس سوال کے متعلق آپس میں کیا کرتے تھے۔

اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ جب لاماؤں میں اس نظر نہ آنے والے سوکھشم جسم کے متعلق صرف مبہم طور پر بات چیت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ تفصیلات میں داخل ہونا گوارا کرتے ہیں تو اس حصّہ بدن کی نسبت اُن کے خیالات میں اختلاف عظیم پایا جاتا ہے۔ ایک لاما کو میں نے گفتگو کرتے ہوئے سُنا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ سوکھشم جسم نظر نہ آنے والے ایتھر سے مرکب ہوتا ہے اور یہ ایتھر اسقدر تیزی رفتار کے ساتھ گردش کرتے ہیں کہ اگر کوئی غیب بیں اس گردشِ عظیم کو دیکھ لے۔ تو اس کے اپنے سر میں بھی چکر آنے لگے۔ یہ نظر نہ آنے والے ایتھر بیشمار چھوٹی چھوٹی نالیوں میں گردش کرتے پائے جاتے ہیں۔ جو ایک ہی مرکز سے مختلف اطراف کو خارج ہوتی ہیں ایک موقع پر جب کسی شاگرد نے نالیوں کی تعداد پوچھی تو لاما نے کہا وہ ۷۲۰۰۰ ہوتی ہیں لیکن مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب یہی سوال ایک اور لاما سے پوچھا گیا تو اس نے سوکھشم نالیوں کی تعداد ۷۲۷۲ بیان کی تھی۔ اور چونکہ ایک پر ایک لاکھ کا ہندسہ ہے اس لئے نالیوں کی کل تعداد ۷۲۷۲۰۰۰۰ ہوئی۔

شاگردوں نے جب اسکے متعلق سوالات پوچھے کہ نالیوں کا مرکز کہاں ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب مختلف خانقاہوں میں رہنے والے مختلف لاماؤں نے بالکل ہی مختلف دیا۔ ایک نے دل کا نام لیا ایک اور نے ناف کا ذکر کیا اور تیسرے نے بتایا کہ مرکز کی مقامیت کسی شخص کی انفرادی خصوصیات جسمانی کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

اس عظیم اختلاف سلئے کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو یہ امر چنداں تعجب خیز معلوم

ارشادات

از حضرت سید شاہ محمد حنیف صاحب فیض مرحوم فردوسی ابوالعلائی عظیم آبادی

جہاں میں یوں بہت ہیں اسکا عالم دیکھنے والے
ہماری طرح لیکن ہیں بہت کم دیکھنے والے
پسِ نقصاں ہوا کرتا ہے اکثر نفع اے ناصح!
خوشی بھی دیکھ لیں گے ایکدن غم دیکھنے والے
بیاں کرتے ہیں دن بھر کس طرح ہنس ہنس کے اک اک سے
کسی کا گریۂ شب ہائے ماتم دیکھنے والے
ضعیفانِ محبت رکھتے ہیں اُس سے سوا طاقت
کہاں ہیں قوتِ بازوئے رستم دیکھنے والے
تماشائے خزانِ دہر بھی اک روز دیکھیں گے
جو ہیں لطفِ بہارِ باغِ عالم دیکھنے والے
خدا کے واسطے اے بت! نہ کر تو ترکِ آرائش!!
ابھی زندہ ہیں تیرے حُسن کے ہم دیکھنے والے
رہیں گے کوئی بھی باقی نہ فیض اس دارِ فانی میں
مسرت دیکھنے والے نہ ماتم دیکھنے والے

نہیں ہوتا کہ جب لاماؤں سے ان کے شاگرد سیدھے اور صاف سوالات پوچھنے لگتے ہیں تو وہ اپنے خیالات کو اس طریقہ پر مبہم اور اُلجھے ہوئے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ معاملہ کی اصلیت کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی لیکن تبت کے داناؤں کی حالت اس سے مختلف ہے۔ ان کے جواب سیدھے اور صاف ہوتے ہیں اور وہ کبھی معاملات کو اُلجھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اکثر حالتوں میں آخری طریقہ صرف اُنہی لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے جو اپنی لاعلمی کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ یا جنکا مطلب دوسروں کو مبتلائے غلط فہمی کر کے کسی طرح کا شخصی فائدہ حاصل کرنے کا ہوتا ہے۔

ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ بیشتر لاما لوگ ان اسرار عمیق سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ فی الحقیقت اکثر لاما جاہل اور لاعلم پائے جاتے ہیں اور ان میں سے بہت ہی کم ایسے دقیق معاملات پر توجہ دیتے ہیں۔ عام لوگوں کو انکی طرف سے یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ جتنی مرتبہ دن بھر میں یا رات کو ممکن ہو تم یہ چار لفظ کا جملہ کہتے چلے جاؤ "اوم منی پدمنی ادم" کیونکہ ان کا بیان ہے کہ ہر بار اس منتر کے کہنے سے آدمی کے ایک ہزار پاپ دور ہو جاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اس منتر کو پڑھتے رہنے کے علاوہ لوگ تبت کی خانقاہوں میں جا کر اپنے گناہوں کا اقبال کراتے ہیں۔ لاما لوگوں کے عملی کاموں کے پیش نظر میں یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب کبھی زمانہ آئندہ میں تبت کے اندر ٹیلیفون کا رواج عام ہوا تو لاما لوگ اس بات کو بھی جائز قرار دیدیں گے کہ ٹیلیفون پر کیا ہوا اقبال گناہ قابل تسلیم ہے۔ اسوقت میرے خیال کے مطابق جو لوگ "مکھن پو" یعنی خانقاہ کے راہب اعلےٰ سے اقبال گناہ کرنا چاہیں گے اُنہیں نسبتاً زیادہ فیس ادا کرنی پڑیگی۔ کیونکہ اہل تبت کا عقیدہ ہے کہ اس طریقہ پر کیا ہوا اقبال زیادہ موثر ہوتا ہے۔

تبت کی خانقاہوں میں "مکھن پو" یعنی راہب اعلےٰ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پیشتر کاروباری آدمی رہ چکے ہوں یا جنکی عمر کا بیشتر حصہ سرکاری حیثیت سے گذرا ہو لیکن کبھی کبھی ایسے آدمی بھی اُن میں شامل پائے جاتے ہیں۔ جو پہلے ڈاکو کا پیشہ کرتے تھے۔ راہب اعلےٰ بننے کے بعد وہ نیک بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اس سے روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو جس طرح یہ لوگ دنیاوی زندگی بسر کرتے ہوئے مار دھاڑ کیا کرتے تھے اسی طریقہ پر روحانی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ اور یہ کیفیت اکثر آدمیوں میں جو اپنے آپکو روحانی ظاہر کرتے ہیں پائی جاتی ہے۔ ان لوگوں یعنی راہبان اعلےٰ کو وسیع ترین اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ انکی طرف سے خانقاہ کے مہنتوں کی پوری طرح نگرانی کی جاتی ہے۔ اور وہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ انکے چلن اچھے رہیں۔ اور اُن کا میل جول عورتوں کے ساتھ بالکل نہ ہو۔ جس جگہ کوئی خانقاہ واقع ہو اُسکے آس پاس کی آبادی کو اپنی آمدنی کا نصف حصہ بطور ٹیکس خانقاہ کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس طریقے پر خانقاہ کی جتنی آمدنی ہوتی ہے یا اُس آمدنی کی بدولت جو جائداد تیار کی جاتی ہے اُسکی تقسیم کا اختیار بھی فقط راہب اعلےٰ کو حاصل ہوتا ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ خانقاہوں کے اندر اُنہی لوگوں کی حکومت چلتی ہے اور وہ ملکی حکام کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ خانقاہ کے اندر تقسیم خوراک کا فرض بھی راہب اعلےٰ کے سپرد ہوتا ہے اور اس خوراک کا جزو اعظم خشک گوشت سمجھا جاتا ہے مخفی نہ رہے کہ تبت میں کسی خاص ترکیب عمل میں لانے کے بغیر خشک گوشت سالہا سال تک خراب نہیں ہوتا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ گو بدھ دھرم نے گوشت خوری کی مخالفت کی ہے تو بھی اکثر خانقاہوں میں جو بدھ دھرم کے اڈے ہیں۔ یہی چیز زیادہ تر بطور خوراک استعمال کی جاتی ہے۔

بات بظاہر خود غلط نظر آتی ہے لیکن تبت میں لاماؤں کی وسیع ترین اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ بات طے شدہ سمجھی گئی ہے کہ جو کچھ لاماؤں کی طرف سے ہو وہ درست ہے کوئی لاما کسی بھی حال میں غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کی مقدس کتابوں کی سب ملا کر ۱۰۸ جلدیں ہیں اور ہر ایک جلد کا وزن درجہ اوسط دس پونڈ کے قریب ہوتا ہے۔ اسلئے یہ لوگ بڑی آسانی کے ساتھ ان کتابوں کی بنا پر جنکی عبارت نہایت دقیق و پیچیدہ ہے یہ کہتے ہوئے کہ انکے الفاظ خواہ کچھ ہوں مطلب یہ ہے۔ ہر ایک کام کیلئے جسکو وہ کرنا چاہیں عذر پیدا کر لیتے ہیں۔

لاماؤں کو اس بات سے انکار نہیں کہ بدھ دھرم کی کتابوں میں بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ کوئی آدمی جیو ہتیا نہ کرے۔ نہ کوئی شخص گوشت کھائے لیکن اسکے باوجود وہ سب گوشت کھاتے ہیں۔ اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی خوراک کیلئے حیوانات کو مارنا چاہتا ہو تو جانور کو ہلاک کرتے وقت کسی لاما کو بلا کر پاس کھڑا کر لینا ضروری ہے۔ اسکے بعد اس کے ذمہ ہلاکت کا پاپ باقی نہیں رہتا۔

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تبت کے جانا گوشہ نشیں لوگ جو بالکل مسکین اور خاکساری کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ کسی بھی مذہبی کتاب کو پاس رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے البتہ بدھ کی تعلیم پر صحیح عمل کرتے ہوئے ہمیشہ سبزی خور رہتے ہیں لیکن یہ طریقہ صرف اُن گوشہ نشین

تبتیوں کی حالت میں ممکن سمجھے جاتے ہیں۔ جو نہایت قلیل غذا پر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔
اکثر خانقاہوں میں سوائے بوڑھی راہبہ عورتوں کے جن کے سر منڈے ہوئے ہوتے ہیں اور کسی عورت کو خانقاہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جاتی لاما لوگ اگر کسی موقعہ پر تھوڑے سفر کیلئے خانقاہ کی حدود سے باہر نکل کر کہیں جائیں بھی تو انکے لئے جنسی میل جول میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کر دی جاتی ہیں اس میں شک نہیں کہ بعض مستثنیات بھی موجود ہیں خصوصاً سرخ ٹوپی والے لاما اس بات کا اختیار رکھتے ہیں کہ شادیاں کر لیں۔ لیکن سب سے زبردست فرقہ جس کے پیرو کثیر التعداد ہیں۔ زرد ٹوپی والوں کا ہے۔ اور انکے ہاں لاماؤں کی عصمت کی حفاظت بڑی سختی سے کی جاتی ہے حتٰے کہ عورتوں سے انکا میل جول بالکل ہی ناممکن بنا دیا گیا ہے۔
تبت کی خانقاہوں کے اندر کئی ایسی باتیں عموماً ہوتی رہتی ہیں۔ جن کو اہل مغرب سخت حیا سوز اور خلاف فطرت قرار دیں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جن لوگوں کو مشرقی ملکوں کی سیر و سیاحت کا موقعہ ملا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں اہل مغرب کے مقابلہ میں اہل مشرق ایسی باتوں میں بہت زیادہ سہل پسند واقع ہوئے ہیں۔ کئی خانقاہوں میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ بہت سے لاما لوگ ایکدوسرے کے ساتھ ملکر کسی چھوٹے اور نوعمر لاما سے ناجائز تعلقات پیدا کر لیتے ہیں۔ اور یہ خرابی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اگر کسی موقعہ پر کوئی اکیلا آدمی یاترا کرتے ہوئے کسی خانقاہ میں شب باش ہو تو اس طرح کے کمسن لامے اُسے اپنے منہ سے ناجائز تعلق کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس قسم کی خرابیاں عام ہیں تو بھی اس میں شک نہیں کہ وہ بکثرت دیکھنے میں آتی ہیں۔
ایک مرتبہ جب میں بعض اور یاتریوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا تو لنگا مارکی پہنچنے تک ایک اس قسم کا واقعہ دیکھنے میں آیا جسے کوئی باشندہ مغرب ایک پل کیلئے گوارا نہ کریگا۔ بلکہ دیکھتے ہی کہنے لگے گا کہ یہ بات شرم و حیا کے خلاف اور اخلاق سوز ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ میرے ساتھی تبتیوں کے دل پر اسکا کچھ بھی اثر نہ ہوتا تھا لیکن اگرچہ وہ لوگ اس معاملہ کی نسبت کھلم کھلا تبادلہ خیالات کرتے تھے تاہم میں اُن کی باتوں میں حصہ نہ لیتا تھا کیونکہ یہ بات میری عادت میں داخل رہی ہے کہ کسی خانقاہ کی چاردیواری میں لب کشائی نہ کروں۔
بہر حال اس واقعہ کی نسبت میرے ساتھی اہل تبت میں جو بات چیت ہوئی اس کا خلاصہ میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس جگہ درج کرتا ہوں۔
"یہ تو کسی قدر غیر معمولی بات ہے" اُن میں سے ایک نے کہا۔
"مجھے کبھی خیال بھی نہ آسکتا تھا کہ لاما لوگ ایسا خیال کر سکتے ہیں" دوسرے نے رائے دی
اس پر تیسرا کہنے لگا "تم لوگ اس حقیقت کو فراموش کر رہے ہو کہ لاما لوگ ہر طرح سے دانا ہیں۔ اگر وہ کوئی ایسی بات بھی کرتے ہیں جو ہم کو عجیب معلوم ہوتی ہے تو سمجھ لینا چاہئیے کہ وہ خلقت کی بہتری کیلئے کرتے ہیں"۔
اسکے بعد پھر وہی پہلا یاتری کہنے لگا "بیشک میں اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں مجھے ہمیشہ سے اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ کبھی کسی لاما کے فعل پر نکتہ چینی نہ کرنی چاہیئے۔
تیسرے یاتری نے اسپر ایک بڑی انوکھی رائے پیش کی کہنے لگا "ممکن ہے یہ لوگ حد سے زیادہ پاکباز ہوں اور اپنے افعال نیک کی بدولت نروان کے قریب پہنچ چکے ہوں۔ لیکن وہ چونکہ ابھی اس دنیا میں رہ کر خلقت کی بھلائی کرنا چاہتے ہیں اسلئے انہوں نے قربانی و ایثار کے طور پر اس کام کو گناہ سمجھتے ہوئے بھی ایسا کیا ہے تاکہ ابھی نروان کی منزل کچھ اور پیچھے جا پڑے اور وہ دنیا کی بھلائی میں حصہ لے سکیں"۔
میں نے دیکھا ہے کہ اس قسم کی گفتگو کے بعد ان لوگوں میں گہری خاموشی چھا جاتی ہے اور تبت کے یاتری عجب طرح کی ہمدردی اور متین صورتیں بنا لیتے ہیں۔ مگر اس قسم کے موقعوں پر میرے لئے اپنی ہنسی کو ضبط کرنا سخت مشکل ہو جاتا تھا
کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تبت کی خانقاہوں کے اندر لاماؤں نے مغربی عورتیں چھپا رکھی ہیں لیکن میں اس بات کو سراسر غلط خیال کرتا ہوں کیونکہ یہ بات کسی طرح ماننے کے قابل نہیں کہ کوئی گوری عورت ایسے ناپاک بدن اور گندے لباس والے بہت سے لاماؤں کے ساتھ تعلق رکھنے پر آمادہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ میں تو بارہا یہ سوچکر حیران ہوا کرتا ہوں کہ اگر کسی تبتی خانقاہ میں کسی خوبصورت یورپین یا امریکن جوان گوری عورت کو جانے کا اتفاق ہو تو کیا یہ لوگ اُسے بھوت نہ سمجھنے لگیں گے؟
میں پیشتر بیان کر چکا ہوں اور اب پھر یہ بات لکھنا چاہتا ہوں کہ بیشتر اہل تبت بھوت پریت اور بد ارواح سے بہت خوف کھاتے ہیں۔ جو بات انکی سمجھ میں نہ آئے اُسے وہ جھٹ بھوتوں سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اسکے باوجود اگر بھوت کچھ خرابی پیدا کریں تو لاما لوگ ہی اس قابل سمجھے جاتے ہیں کہ اپنے جنتر منتر و دعا کے زور سے انکو دور رکھ سکیں ملک تبت کے اندر لاکھوں بد ارواح (ان لاماؤں کے خیال کے مطابق) پھیلی ہوئی ہیں انکی قسم بندی کی گئی ہے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ ۳۶ قسم کی بد ارواح ملک کے اندر موجود ہیں۔ ان بری روحوں کو جداگانہ جماعتوں میں تقسیم کرنا۔ اُن کے نام قرار دینا نیز اُن کی خصوصیات جاننا یہ سب باتیں تبت کے اکثر مذہبی پیشواؤں کے مطالعہ کا خاص مضمون بنی رہتی ہیں۔ کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ اس طریقہ پر اُن ارواح پر با آسانی قابو پایا جا سکتا ہے۔ اُن لوگوں نے بھوت اور روحوں کے علم کو بھی سائنس کا درجہ دے دیا ہے اور اس مضمون کو اتنا وسیع کیا ہے کہ جاہل و ان پڑھ لوگ اُن کا حال جان کر حیرت و پریشانی کے چکر میں پھنس جاتے ہیں۔
(باقی آئندہ ساتویں قسط ختم)

مست قلندر لاہور
ستمبر ۱۹۳۹ء
دلچسپ معمہ نمبر ۷
150
خریداران و غیر خریداران مست قلندر کیلئے
قسمت آزمائی کا
نادر موقع!
فیس داخلہ فی حل
چار آنے ۴؎
پہلا انعام
۷۵ روپے نقد!
اور ساتھ ہی ساتھ
بلا فیس کوپن
۱۵۰ روپیہ کے مختلف انعامات
آخری تاریخ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۹ء
ڈاک خانہ کی مہر ہونی چاہیئے
میعاد میں توسیع بالکل نہ کی جائیگی
مست قلندر کے دلچسپ معمہ جات کے سلسلہ میں مبلغ ۸۰۰ روپیہ نقد کے انعامات تقسیم کئے جائینگے
دلچسپ معمہ نمبر ۱۔۲۔۳۔۴ اور ۵ ـــــ کے انعامات حاصل کرنے والے حضرات کی فہرست دیکھ کر اور کچھ نہیں تو آپ ادارہ کی انصاف پسندی لاگ اور ایماندارانہ پالیسی کے قائل ضرور ہو گئے ہونگے۔ دلچسپ معمہ کی سکیم اگرچہ اردو میں بالکل نئی ہے لیکن ناظرین و ناظرات مست قلندر کی توجہ روز بروز بڑھ رہی ہے وجہ کیا کہ یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ اُن کے ذہن نشین ہوتی جارہی ہے کہ اوقاتِ فرصت میں یہ ایک بہترین قسم کی دماغی تفریح ہے "آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام" دلچسپ معمہ نمبر ۷ کے حل کرنے سے نہ صرف اُن کی ذہنی اور دماغی قوتوں میں اضافہ ہوگا۔ بلکہ انعامات بھی ملیں گے۔
دلچسپ معمہ نمبر ۷ میں شرکت فرما کر اپنی دلچسپیوں میں اضافہ کیجیے!
دلچسپ معمہ نمبر ۷ بالکل آسان ہے۔ کیونکہ اس میں اس بات کا امکانی طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ کوئی لفظ غیر مستعمل زبانِ اُردو استعمال نہ کیا جائے۔ آپ کوشش کیجیے محنت کبھی رائگاں نہیں جائیگی۔ کیا عجب کہ پہلا انعام آپ ہی کی راہ دیکھ رہا ہو اسلئے آج ہی بلکہ ابھی دلچسپ معمہ نمبر ۷ کو حل کرنا شروع کر دیجیے اشارات نیچے درج کئے جاتے ہیں
وہ دُور چوٹی پہ اک گھروندہ دکھائی جو دے رہا ہے کچھ کچھ،
وہی ہے منزل، وہی ٹھکانا، تمہاری قسمت وہیں لڑی ہے
کمندِ کوشش کو پھینک دیکھو، چڑھو بھی اوپر پہنچ بھی جاؤ،
کہ کامیابی، تمہاری خاطر بچھائے آنکھیں وہیں کھڑی ہے!

دلچسپ معمہ نمبر کے اشارات

اشارات دائیں سے بائیں جانب

(۱) ؎ بھیجد وہاں کسی کوئی پیغامِ اُلفت بھیجدو
یاس اور اُمید کی عمر ہی ...... کے لئے

(۵) شادی کے موقع پر اگر ... تجربہ کار اور عقلمند ہو تو مہمانوں کو تکلیف نہیں ہوتی

(۹) بعض اوقات اس کی خرابیاں حد درجہ الم انگیز ہوتی ہیں

(۱۰) ایک سیدھی گول لکڑی جس سے لکیریں کھینچی جاتی ہیں

(۱۱) اس کے بغیر آپ کنوئیں سے پانی نہیں کھینچ سکتے۔

(۱۳) یورپ کا ایک مشہور ملک۔

(۱۵) ہے تو یہ ایک چوپایہ کا نام مگر بیوقوف آدمی کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے

(۱۶) غریب عشاق ہزار بار وعدہ خلافی کے بعد بھی ... عہد پر ایمان لے آتے ہیں

(۱۷) عقیل و فہیم افسرانِ بالا اپنے ...... سے ماتحتین کے دلوں پر قبضہ کر لیتے ہیں

(۱۸) اسکے پاس بیٹھنے سے سوائے بُرائی کے اور کچھ نہ ملے گا۔

(۱۹) پانی کا وہ حصہ جو خشکی سے گھرا ہو۔

(۲۱) اگر یہ پھول نہ ہوتا تو حرماں نصیب عشاق اپنے دل کی تشبیہ ... دے پاتے۔

(۲۳) کبھی کبھی اس کا انجام حسرتناک ہوتا ہے۔

(۲۶) برات کی دولھنیں عموماً اپنے دولھا کے دل میں جگہ نہیں پیدا کرتیں اگر وہ ...... نہیں جاتیں

(۲۹) ...... کا کام کل پر نہ چھوڑنا بہترین اُصول ہے۔

(۳۰) دُوراندیش حضرات اپنی آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز ... لیتے ہیں

(۳۱) خود غرض حضرات کا ...... بغیر مطلب کے نہیں ہوتا

(۳۲) اپنی رُسوائی کا خیال حسینوں کو ...... پر مجبور کرتا ہے

(۳۳) مادی طور پر اس سے زیادہ کوئی میٹھی چیز نہیں ہوتی

(۳۵) صحنِ چمن میں اس کا جلوہ حد درجہ دلکش ہوتا ہے

(۳۶) بڑی باتوں کی یہ انسان کو تباہ کر دیتی ہے

(۳۸) کیا کرے لاچار ہو کر آدمی مصیبت میں ...... ہے

(۳۹) حسن پرست کے دل کو حسینوں کے ... مژگاں نخچیر کئے بغیر نہیں رہتے

(۴۱) حرفِ ندا اور عطف

(۴۲) حسینوں کی آنکھیں عشاق کے لئے ...... سے کم نہیں۔

(۴۳) ایک چوپایہ جو انسان کا بڑا رفیق ہے۔

اشارات بالائی سے زیریں جانب

(۱) سنجیدہ اور زمانہ شناس ہستیاں اس سے بہت گھبراتی ہیں۔

(۲) اس کی آنکھیں عشاق کے لئے لطف پرور ہوتی ہیں

(۳) کسی معمولی یا غیر معمولی کام کا انجام۔

(۴) جرمنی کے ڈکٹیٹر ہر ہٹلر نے اپنے علاقہ میں ان پر بڑے بڑے مظالم کئے ہیں

(۵) دُنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس کی یہ ہر ایک پُوری ہو جاتی ہو۔

(۶) یہ ہندی زبان کا لفظ ہے اسکی ذراسی کمی کھانے کو بدمزہ کر دیتی ہے۔

(۷) حسینوں کے خوبصورت چہرہ کا حُسن اس سے دوبالا ہو جاتا ہے۔

(۸) محکمہ پولیس کے ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھاری رقوم کی چوریاں بالعموم بغیر کسی چالاک ...... کے نہیں ہوتیں۔

(۱۲) اُردو کے مشہور شاعر مرزا محمد رفیع کا تخلص اور اسکے معنی جنون کے بھی ہیں

(۱۴) یہ ایک تگ اور مصر کے مشہور دریا کا نام ہے

(۱۵) شیخ و برہمن دونوں اس کو حاصل کرنے کی بہت کوشش کرتے ہیں

(۱۸) سچ ہے رسی جل جانے پر بھی یہ قائم رہتا ہے۔

(۲۰) یہ ایک فطرتی بات ہے کہ اس سے سر جھک جاتا ہے مگر دل نہیں جھکتا۔

(۲۲) عام طور پر اگر سوار اسے چھوڑ دے تو اُس کی خیر نہیں

(۲۳) ؎ یہ رہا ہے رات بھر کس شوخ کے زیبِ گلو
لطف پوچھے کوئی میرے دل سے باسی ... کا

(۲۴) "سلیس" کے بگڑے ہوئے ہجے۔

(۲۵) مسلسل کوشش ہر دشوار کام کو ...... کر دیتی ہے

(۲۷) شخصی رسوخ دوسری چیز ہے ورنہ دورِ حاضرہ میں یہ پیشہ بھی منفعت بخش نہیں رہا

(۲۸) بسلسلۂ شکار۔ وحشی بھڑکنے والے جانور ...... سے زد پر آجاتے ہیں۔

(۳۳) بہت کم ہیں وہ لوگ جو آجکل اس کا شکار نہیں ہیں

(۳۴) "نہار" کے معنی دن ہیں اور یہ اس کی ضد کے بگڑے ہوئے ہجے ہیں

(۳۵) "آیا" کے بگڑے ہوئے ہجے۔

(۳۷) جب تک یہ ٹھیک نہ ہو سارنگی کا لطف نہیں مل سکتا۔

(۴۰) "ایک"

نوٹ: اشارات معمہ ہذا کے حقوق طباعت بحق رسالہ "مست قلندر" محفوظ ہیں

دلچسپ معمہ نمبر (۷)

فیس ادا شدہ کوپن نمبر ۱

فیس ادا شدہ کوپن نمبر ۲

فیس ادا شدہ کوپن نمبر ۳

رعایتی کوپن نمبر

(بسلسلہ شرکت معمہ ہذا مجھے تمام شرائط منظور ہیں)

نام .... رسید نمبر منی آرڈر / پوسٹل آرڈر .... ٹکٹ مالیتی

پتہ .... نمبر سلسلہ .... تاریخ

ہدایت خاص تمام حل ہمارے مطبوعہ کوپن پر بھیجے جائیں۔ سادہ کاغذ پر بھیجے ہوئے حل مقابلہ میں شریک نہیں کئے جاتے خواہ ایک حل بھیجیں یا چار مگر ان چاروں کوپن کو یکجائی بھیجنا لازمی ہے۔ **ایڈیٹر دلچسپ معمے**

مندرجہ ذیل نقشوں پر اپنے بھیجے ہوئے حلوں کی نقلیں اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔

دلچسپ معمہ نمبر ۷ کو حل کرنے کی شرائط!

(۱) حل روشنائی سے صاف بھرا ہونا چاہئیے۔ پنسل وغیرہ کے لکھے ہوئے یا مشکوک حل یا قلمزد کئے ہوئے حل مقابلہ میں شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) تمام حل ماہ ستمبر ۱۹۳۹ء کی ۲۵ تاریخ کی آخری ڈاک سے روانہ کئے جا سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ڈاکخانہ کی ۲۵ تاریخ کی مہر لفافہ پر ثبت ہونا چاہئیے۔ مہر کی فیس گورنمنٹ پوسٹل کی صورت میں ادا کی جا سکتی ہے اس سے زیادہ کے لئے پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر کا بھیجنا لازمی ہے۔

(۳) ایک خاندان اور ایک ہی پتہ رکھنے والے حضرات اپنے حل ایک لفافہ میں بھیج سکتے ہیں اور اسی صورت سے منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر بھی روانہ کر سکتے ہیں۔ منی آرڈر و پوسٹل آرڈر (منیجر دلچسپ معمہ نمبر (۷) رسالہ مست قلندر) کے نام سے بھیجے جائیں۔ اور اسی نام سے حل ارسال کئے جائیں۔

(۴) پوسٹل آرڈر کا کراس CROSS ہونا ضروری ہے۔

(۵) صحیح حل بایڈیٹر معمہ کے پاس محفوظ ہے جو حل اس کے مطابق ہوگا وہ صحیح قرار پائے گا۔

(۶) ایک نام کے کوپن پر صرف ایک ہی انعام دیا جائیگا۔

(۷) اگر ایک لفظ سے دو لفظ بنتے ہیں اور وہ دونوں غلط ہیں تو دو غلطیاں شمار ہوں گی۔

(۸) اگر حل کا کوئی خانہ خالی رہ جائے گا تو پورا حل بیکار کر دیا جائے گا۔

(۹) اپنے حل کی ایک نقل اپنے پاس رکھنا لازمی ہے تاکہ بوقت اشاعت صحیح حل سے مقابلہ کیا جا سکے۔

(۱۰) صحیح حل ماہ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے رسالہ میں شائع کیا جائے گا اور اس سے اگلے ماہ فہرست انعام یافتگان شائع کی جائے گی۔

(۱۱) اور جملہ انعامات فہرست شائع کرنے کے دو ہفتہ بعد روانہ کئے جائیں گے۔

(۱۲) اگر کسی شخص کا نام فہرست انعام یافتگان میں نہ ہو اور وہ اپنے کو مستحق سمجھتا ہو تو تاریخ اعلان انعامات سے دو ہفتہ کے اندر اندر ایڈیٹر معمہ کے نام شکایت بھیجے لیکن شکایت کے ساتھ مبلغ ایک روپیہ فیس نظر ثانی بھیجنا لازمی ہوگا اگر اسکی شکایت درست ہے تو اسکو انعام دیا جائیگا اور رقم نظر ثانی واپس کر دی جائیگی۔ ورنہ فیس نظر ثانی ضبط ہو جائیگی۔

(۱۳) بسلسلہ صحیح حل معمہ کے کسی قسم کے بحث و مباحثہ خط و کتابت یا ملاقات شخصی کی اجازت نہیں۔

(۱۴) ایڈیٹر معمہ کا فیصلہ قطعی اور قانوناً قابل تسلیم ہوگا۔

(۱۵) فیس معمہ کسی صورت میں واپس نہ ہوگی تا آئندہ کے معمہ کی فیس کے سلسلہ میں محسوب کی جائے گی۔

(۱۶) جملہ حل ہمارے رسالہ کے مطبوعہ کوپن پر بھیجے جانا چاہئیں سادہ کاغذ پر بھیجے ہوئے ردی سمجھے جائینگے اور فیس ضبط کر لی جائیگی جو حل ان شرائط کے خلاف ہوگا ردی کر دیا جائیگا۔ اور فیس ضبط ہو جائے گی۔

(۱۷) ایک ہی نام سے تین فیس ادا شدہ کوپن بھیجنے پر ایک بلا فیس رعایتی کوپن بھی بھیجا جا سکتا ہے۔

(۱۸) حل کے فارموں کے وقت پر نہ پہنچنے یا راستہ میں گم ہو جانے وغیرہ کے متعلق دفتر پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

(۱۹) مرسلہ لفافہ کی پشت پر اپنا نام و تعداد کوپن ضرور لکھئے۔

گذارش شائقین حل معمہ — دلچسپ معمہ کی سکیم اگرچہ اُردو میں بالکل نئی ہے مگر ہم مشکل کے باوجود اسے کامیاب کر کے ہی دم لینگے جوں جوں اشتہاری معموں کے زخم خوردہ احباب کی توجہ مست قلندر کے کالموں میں ہر ماہ جدید فہرست تقسیم انعامات کو دیکھکر (کیونکہ ہم نہ صرف انعام پانیوالے حضرات کے مکمل پتے بلکہ بعض کی عکسی تصاویر بھی برابر شائع کر رہے ہیں) ہمارے تو فیصدی سچے دلچسپ معمہ کی جانب منعطف ہوگی اور جیسے جیسے وہ ادارہ کی انصاف پسندی بے لاگ اور دیانتدارانہ پالیسی کے قائل ہوتے جائینگے انکا جوش اور شوق ترقی کریگا۔ اور بتدریج زیادہ سے زیادہ حل ہمارے پاس بھیجے جائیں گے ہم انعامات کی رقم میں اضافہ کرتے جائینگے عجب نہیں کہ انگلش ڈیلی کی طرح اپنے Cross Word Puzzle کے صحیح حل کیلئے ہزاروں روپے اپنے خریداروں میں تقسیم کر سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک دن مست قلندر بھی کیوں نہ کر سکے گا۔ سر دست فیصلہ کیا گیا ہے کہ پہلے دلچسپ معموں کے لئے جو آئندہ سلسلہ وار مست قلندر کے کالموں میں شائع ہونگے

اٹھارہ سو روپیہ نقد کے متفرق انعامات خریداروں میں تقسیم کئے جائیں گے۔ **ایڈیٹر دلچسپ معمہ**

متفرق نوٹ

ہر شخص جتنے حل چاہے روانہ کر سکتا ہے۔ زبر۔ زیر۔ پیش۔ ہمزہ۔ جزم استعمال کرنا غیر ضروری ہے (د) اور (ڈ) کی شکل پورے طور پر نمایاں ہونی چاہئیے نون غنہ کی یہ پہچان ہے کہ اس پر نقطہ نہیں لگایا جائے گا (ی) اور (ے) اپنی اصلی صورت یا اسکے خلاف استعمال ہو سکتی ہیں۔ دو چشمی (ھ) اور ہائے ہوز (ہ) اپنی اصلی حالت یا اس کے برعکس استعمال ہو سکتی ہیں۔ اس معمہ میں ایک ہی لفظ متعدد بار استعمال ہو سکتا ہے انعامات صرف انہی پتوں پر روانہ کئے جائیں گے جو حل پر لکھے ہوں گے انعام یافتگان ہم کو اپنے جدید پتہ پر انعام روانہ کرنے کی ہدایت نہ کریں۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ اپنے مقامی ڈاکخانہ سے افسر یا بابو سے مراسلت کریں۔ اگر کوئی بھی حل ہمارے محفوظ صحیح حل کے مطابق نہ ہوگا تو انعام اول ایک غلطی والوں میں تقسیم کر دیا جائیگا اور ایک غلطی والوں کا انعام دو غلطی والوں کو دیدیا جائے گا اگر دو سے زیادہ کا حل صحیح ہوگا تو رقم انعام بحصہ مساوی تقسیم کر دی جائیگی بسلسلہ منی آرڈر کوپن کے ہمراہ رسید منی آرڈر کا بھیجنا لازمی ہے رسالہ مست قلندر اور اُسکے متعلقہ پریس کے عملہ و دیگر متعلقین کو معمہ میں شرکت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ مست قلندر کی قریبی اشاعت میں انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب حضرات کے نام اور مکمل پتے شائع کر دیئے جائینگے۔

ایڈیٹر دلچسپ معمہ

حرامزادے کی سرگذشت

یعنی ایک شریف بدمعاش کی آپ بیتی

اٹھائیسویں قسط

اس کی گناہوں سے لبریز زندگی کے ستر نہایت دلچسپ عجیب و غریب اور عبرتناک واقعات اسی کی زبانی سنئے

اردو میں اپنی قسم کا پہلا اور سو فیصدی سچا افسانہ

نئے پڑھنے والے یہاں سے شروع کریں ۔ جیفری جیسپر انگلستان کا مشہور بدمعاش اس وقت جیل میں ہے۔ اس کو پادری فنس کے قتل کی پاداش میں پھانسی کا حکم مل چکا ہے صرف چند دن کی میعاد باقی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ مرنے سے قبل اپنے حالاتِ زندگی دنیا والوں کے لئے چھوڑ جائے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ میرے والد نے مجھے جس سکول میں بھیجا وہاں کا انچارج پادری فنس کی صحبت میں رہ کر میرے چلن حد سے زیادہ خراب ہوگئے۔ جس کے نتیجے کے طور پر میں نے سرٹ بورڈنگ ہاؤس اور سکول سے نکال دیا گیا۔ بلکہ پرنسپل نے میری آوارگی کا کچا چٹھا میرے والد کو لکھ بھیجا۔ چونکہ گھر میں بھی میرے لئے کوئی ٹھکانا نہ تھا اس لئے میں نے جہازی نوکری اختیار کر لی۔ لورلوا پر شہر میں ایک بے حیا لڑکی ڈوروتھی کی جان بچانے کے صلہ میں اس کا باپ سٹین ہوپ بسلسلۂ ملازمت مجھے اپنی اسٹیٹ میں لے گیا۔ مگر وہاں میری شیطانی سیرت رنگ لائی اور ایک رات ڈوروتھی کے دامنِ عصمت کو تار تار کر کے میں وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور لنگٹن پہنچ کر ایک تھیٹریکل کمپنی میں ملازم ہو گیا جو چند دن بعد سڈنی جا رہی تھی۔ سڈنی میں پہلی مرتبہ اس ملکۂ حسن سے میری ملاقات ہوئی۔ جس کا نام کلیرس تھا۔ کلیرس عورت نہیں آسمانی حور تھی۔ وہ فانی پتلی تھی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی تیر عشق دونوں کے دل میں پیوست ہو گیا۔ کلیرس کی شادی کو اگرچہ ۲ سال ہو چکے تھے مگر اسکا شوہر فلپ مرد شرابی اور خود نما انسان تھا۔ اس نے کلیرس کے ساتھ شوہرانہ سلوک کا اظہار محبت کبھی نہ کیا۔ کلیرس کو پا کر مجھے گویا کھوئی ہوئی دولت مل گئی۔ میں نے کوشش کر کے اپنی کمپنی میں بطور رقاصہ اس کو ملازم کرا دیا۔ چونکہ کمپنی دوسرے شہر جا رہی تھی۔ اس لئے وہ اپنے نام شوہر سے اجازت لے کر میرے ساتھ چلی آئی۔ اور اگلے چند مہینے ہم نے بڑی مسرت سے بسر کئے مگر حمل گر جانے کے باعث کلیرس جانبر نہ ہو سکی۔ اور چند دن بیمار رہ کر اس نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ کلیرس کی ناگہانی موت کا صدمہ میرے لئے ناقابلِ برداشت تھا اور عین ممکن تھا کہ میں پاگل ہو جاتا۔ مگر خوبیٔ تقدیر سے انہی دنوں ایک عجیب و غریب شخص جیمسن سے میری ملاقات ہوگئی جو ہاتھ کی صفائی سے جو اکے بہانہ دوسروں کی جیبیں خالی کرانے کے فن میں مشاق تھا۔ اس نے مجھے شریک کار بنا کر میرا غم غلط کر دیا۔ ایک مرتبہ جہازی سفر کے دوران میں جبکہ جیمسن کنڈی میں میرا منتظر تھا۔ ایک حسین جمیل عورت ایڈنا سے میری ملاقات ہوئی جو گھر سے فرار ہو کر تن تنہا سفر کر رہی تھی۔ میں نے محبت کا رنگ دے کر اپنے فریب کا جال اس پر پھینکا تو وہ جھٹ پھنس گئی۔ اور اپنی خوشی سے میرے ساتھ رہنے کو آمادہ ہو گئی۔ جیمسن ایڈنا اور میں پہلے جینوا گئے اور وہاں کے سب سے بڑے قمار خانہ میں ایک ہی رات میں دو لاکھ ڈالر ہم نے جیت لئے۔ اس کے بعد ہم ٹی کارلو کے قریب جا رہیں پہنچے اور لاٹری کے دامن میں ایک کوٹھی کرائے پر لیکر رہنے لگے۔ شہرہ نمود ایڈنا کی بدولت اچھے اچھے گھرانوں سے ہمارا میل جول ہو گیا۔ اور دعوتوں کے بہانے جوا بھی چلنے لگا۔ لاٹری کی سب سے بڑی ٹریجڈی مشہور خاتون میڈم ڈابران کی ایڈنا کے ہاتھ سے اتفاقیہ موت اور سنسنی خیز واقعہ برنس وان ہریل کے بیش قیمت الماس کے سیٹ کی چوری کا تھا۔ اوّل الذکر کی لاش کو ہم نے اس خوبی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچایا کہ پولیس کو کبھی بھی اصل مجرم کا پتہ نہ لگ سکا اور مؤخر الذکر کو چوری کا مال خرید کرنے والے جوہری پیری ہشیر ٹن کے ہاتھ فروخت کر کے میں نے معقول رقم حاصل کر لی تھی۔ ریورا اور لاٹری کے قیام میں ہم میں سے ہر ایک نے کم و بیش ستر ہزار پونڈ کی زریں فصل کاٹی تھی۔ ہمیں روپے پیسے کی تنگی کسی کو نہ تھی جیمسن آسٹریا چلا گیا اور میں اور ایڈنا جینوا کو روانہ ہو گئے۔ مگر کچھ عرصہ سے ایڈنا کو بدخوابی کی شکایت رہنے لگی تھی اور میں رات رات بھر گھر سے غائب رہ کر داد عیش و نشاط دیا کرتا تھا۔ ایک دن گھر آیا تو ایڈنا کو اسباب سفر باندھے ہوئے بالکل تیار پایا۔ وہ میرے طرز زندگی سے دل برداشتہ اور بیزار ہو کر میکے جا رہی تھی۔ میں نے مُہت ریل پر سوار کرا دیا۔ ایڈنا کا آخری خط مجھے پیرس میں ملا جو جینوا ہو کر آیا تھا۔ وہ شادی کی خواہشمند تھی۔ بشرطیکہ میں اپنی موجودہ طرز زندگی کو خیرباد کہہ کر شریفوں کی طرح رہنے لگوں۔ مگر یہ بات میرے بس کی نہ رہی تھی اس لئے خاموش ہو رہا۔ پیرس آنے سے قبل میں چند یوم کے لئے چوری کے زیورات کی فروختگی کے لئے ایمسٹرڈیم گیا تھا۔ وہاں پیری ہشیر ٹن سے ملا اور ۲۵ ہزار پونڈ میں معاملہ طے ہوا۔ یعنی ۲ لاکھ ۵۰ ہزار فرانک کے مالیتی نوٹ میرے حوالے کر دیئے نیز اپنے ایک کارکن ساکن پیرس کا نام و پتہ

بھی زبانی حفظ کرا دیا۔ جو اتفاق سے وہاں آیا ہوا تھا۔ پیرس پہنچکر میں نے اپنا زرِ نقد تین مختلف بنکوں میں جمع کرا دیا اور حسن کی تلاش میں وہاں کے گلی کوچوں کی خاک چھاننے لگا۔ چونکہ میرا حسن انتخاب پہلے کی نسبت بہت بلند ہوگیا تھا (ورنہ پیرس میں عورتوں کی کمی نہ تھی) اس لئے "خاص چیز" کی تلاش میں مجھے کئی دن لگ گئے مگر آخرکار وہ گوہرِ نایاب رشکِ حور مہ جبین وائلے کی شکل میں مجھے دستیاب ہوگیا اور جین کے ساتھ بڑے مزے سے زندگی کٹنے لگی۔ ہر دن ہمارے لئے یوم عید ہوتا تھا اور ہر شب شبِ برات۔ یہاں تک کہ ایک دن تماشہ گاہ کے درجۂ خاص میں میں نے جین کو ایک غیر مرد کی ہمراہی میں دیکھا اور جوشِ رقابت کی آگ میرے تن بدن میں لگ گئی۔ اختتام تماشہ پر میں نے ایک ٹیکسی کے ذریعہ اُن کا ہوٹل تک تعاقب کیا۔ اس وقت میں سخت نشہ کی حالت میں تھا۔ ہوٹل میں دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ جین کا نیا عاشق کونٹ ریمنڈ ڈی کسالس نام کا کوئی امیرزادہ ہے۔ میں نشہ کی حالت میں بلاتکلف اُن کے کمرے میں گھس گیا۔ اور جین کو گھر چلنے کے لئے کہا۔ لیکن کونٹ نے فوراً تمکنت سے جواب دیا۔ صاحب! آپ کو مغالطہ ہوا۔ یہ تو میری منگیتر ہے۔ میں نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ تمہاری منگیتر؟ یہ عورت جسے تم اپنی منگیتر بیان کرتے ہو۔ میری جھوٹی رکابی میری چھوڑی ہوئی ہڈی ہے۔ اتنا سُنکر کونٹ نے جوشِ غضب میں دو مکے میرے منہ پر اس زور سے مارے کہ میں دھڑام سے فرشِ زمین پر گر پڑا۔ دو ماہ کے عرصہ میں ہزار پونڈ سے زیادہ جین پر ضائع کرکے میں نے جو ثمر حاصل کیا وہ رقیبِ روسیاہ کے دو مکے اور ہوٹل سے میرا نکالا جانا تھا۔ گھر پہنچکر میں نے طے کیا کہ اس طرح کی عورت ڈھونڈنے کی بجائے آئندہ کوئی سستی آسامی تلاش کرونگا جب کرایہ ہی ادا کرنا ہے تو کفایت کیوں کی جائے اس کے بعد میں نے سوسائٹی کے لوگوں سے میل جول بڑھانے کی ٹھانی۔ میں ناٹک دیکھنے جاتا۔ گھوڑدوڑ میں حصہ لیتا اور اس طرح پیرس کی سوسائٹی میں کافی مشہور ہوگیا۔ مگر جہاں کہیں جاتا میری نگاہ لیڈیوں کے زیورات پر اکثر لگی رہتی۔ یہاں تک کہ ایک رات کسی جلسۂ رقص میں میڈم لادینو سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جس کے زیورات نہایت ہی قیمتی اور نایاب تھے۔ علاوہ ازیں اس رات اس نے ایک لمبوترے موتیوں کی مالا پہن رکھی تھی جس کی قیمت کا صحیح اندازہ شاید کوئی ماہرفن جوہری ہی کر سکتا۔ میرا دل اس مالا کو اُڑانے کے لئے بیتاب ہوگیا۔ میڈم لادینو کھائی کھیلی عورت تھی جب میں نے اس کے ساتھ ناچنے کی درخواست کی تو وہ فوراً رضامند ہوگئی۔ ہم نے مل کر جلسۂ رقص میں تین مرتبہ ناچ کیا اور تینوں مرتبہ اس نے بعض ایسی حرکات کیں جن سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھ پر بےطرح عاشق ہوگئی ہے۔ میرا اس کے گھر آنا جانا ہوگیا اور ہوتے ہوتے اتنی بے تکلفی بڑھی کہ اس کی محبت میں درِ گنج محبت کے قفل مجھ پر کھل گئے آخر وہ موقع بھی آگیا جس کی مجھ کو تلاش تھی۔ اس رات اس نے ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا تھا اور مجھ کو پیش از وقت آنے کی تاکید کی تھی۔ چنانچہ میں آدھ گھنٹہ پہلے پہنچ گیا۔ وہ مجھے اپنی جلوہ گاہِ خاص میں لے گئی۔ کمرہ کی دیوار میں اس نے چھوٹی سی آہنی تجوری لگوا رکھی تھی۔ میری موجودگی میں اس نے کھولا۔ زیورات کے ڈبہ میں سے کچھ نئے زیورات نکالے اور وہ موتیوں کی مالا معہ دیگر زیورات کے وہیں رکھدی۔ پھر کنجیوں کو سرسری طور پر میز پر ڈال دینے کے بعد اور کاموں میں مشغول ہوگئی۔ میں بظاہر اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس کی آڑ میں کمال صفائی سے میڈم لادینو کی آنکھ بچاکر میں نے کنجیوں کا گچھا اپنی طرف سرکا لیا اور تجوری کی کنجی چپکے سے باہر نکال کر جیب کا نوٹ رکھ دیا۔ میں اس وقت جبکہ میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں اور فتح کے امکانات پر مسرور تھا ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے میرے دل کو بھاری صدمہ پہونچا کیونکہ اس موقع پر داروغہ نے آکر اطلاع دی کہ کونٹ ریمنڈ ڈی کسالس اور میڈم وائلے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ کونٹ ریمنڈ ڈی کسالس اور میڈم وائلے سے میری ملاقات ہوئی مگر رسمی طور پر ہم نے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ اُدھر کونٹ مجھ سے کشیدہ تھا اِدھر جین وائلے کو اس کے ساتھ دیکھ کر میرے سینہ پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ کھانا بڑی دیر میں ختم ہوا۔ اس دوران میں ایک مُسن خوبصورت آدمی جس کے سر کے بال سفید اور چھوٹی چھوٹی نکیلی داڑھی تھی۔ میرے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ آخر ایک گھنٹے کے بعد مجھ کو وہ موقع نصیب ہوا جس کا میں سرِ شام ہی سے منتظر تھا میں بےپروائی سے ٹہلتا ہوا ہال کی طرف جا نکلا۔ پھر جب دیکھا کہ آس پاس کوئی متنفس نہیں ہے تو بعجلت چلتا ہوا میڈم لادینو کے خلوتخانہ کے دروازہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد اندر جاکر تجوری کو کھولنا چند لمحوں کا کام تھا۔ موتیوں کی مالا جس کی خاطر میں نے یہ دردِ سر خریدا تھا سب سے پہلے میری جیب میں پہنچی۔ اس کے بعد کوئی آدھی درجن کے قریب مختلف چیزیں باقی کے زیورات جوں کے توں رکھ کر میں نے تجوری کو تالا لگایا اور بلاتامل چلکر دروازہ کے پاس پہنچا۔ اور اُسے کھولا مگر یہ کیا میں دیکھتا ہوں میرے اللہ! ایک آدمی تیز چلتا میری سمت کو آرہا تھا اور وہ کونٹ ڈی کسالس تھا۔ پہلے تو مجھے شک گذرا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہوگا۔ اور اب پکڑ کر حوالہ پولیس کر دے گا۔ میں فوراً چھپ گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سیدھا تجوری کی طرف گیا اور اسکا قفل کھولنے کی تیاری کرنے لگا۔ عین اس وقت جبکہ کونٹ ریمنڈ ڈی کسالس (جو کہ دراصل پیشہ ور چور تھا) کے ایک ہاتھ میں ڈبہ اور دوسرے میں زیورات تھے۔ ایک کرخت آواز سنائی دی "خبردار ہاتھ کھڑے کردو ورنہ گولی ماردونگا" اور کمرے میں ایک دم روشنی ہوگئی۔ وہ آواز اسی سپید مو شریف صورت مُسن آدمی کی تھی جو کھانے کے دوران میں مجھ سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اتنے میں اور لوگ بھی جمع ہوگئے۔ ریمنڈ گرفتار کرلیا گیا۔ لافورو نے باوازِ بلند کہا صاحبو! آپ تشریف لیجائیں میں کونٹ اور جین وائلے سے تخلیہ میں بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ دیگر مہمانوں کے ساتھ رخصت ہونے سے پیشتر میں نے جین کے قریب جاکر دبی آواز میں اس سے کہا۔ اب تم نے دیکھ لیا کہ مجھ کو چھوڑ کر اس مردِ ناہنجار کے پاس جانے سے کیا حاصل ہوا۔ کاش تم اتنی بےوفا ثابت نہ ہوتیں ؟

وہاں سے رخصت ہو کر میں ہوٹل پہنچا مگر پھر خیال ہوا کہ جو کھوں کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے اگر اسی وقت اشاٹن بروڈن کے پاس جاؤں اور اسے دیکھاؤنی پونے دام کھرے کروں تو کوئی فکر باقی نہ رہے گی میں نے ٹیکسی کرایہ پہلی اور راستے دوکان سے کافی دور پرے ہی چھوڑ دیا اور پیدل چلکر وہاں پہنچا اسکے تھوڑی دیر بعد جب میں دوکان سے رخصت ہوا تو وہ لاکھ فرانک مالیت کے نوٹ میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں پڑے تھے مگر ہوٹل پہنچکر ایک نیا اچنبھا دیکھنے میں آیا۔ نشست کا دروازہ کھلا اور برقی لیمپ روشن تھا۔ ایک آدمی مجھے اندر آتا دیکھ کر کرسی سے اٹھا۔ میری آنکھیں اس سے چار ہوئیں۔ نظروں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ہوٹل کی عمارت میرے سمیت تحت الثریٰ میں گری جاتی ہے یہ آدمی موسیو لافوور تھا۔ وہ میری آمد پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا کہ موسیو لادینو کے مکان پر جو افسوسناک واقعہ پیش آیا اسکے بارے میں کچھ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں" میں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے بیٹھنے کو کہا اور خود سوڈا ملی ہوئی وہسکی کا گلاس غٹاغٹ چڑھا گیا۔ میں اپنی پریشانی کو چہرہ کی سنجیدگی میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ موسیو لافوور نے مجھ سے کئی سوالات پوچھے جن سے ظاہر ہوا کہ مجھے بھی وہ کونٹ ڈی کلس اور جین والٹلے کا ساتھی سمجھتا ہے۔ کیونکہ رخصت ہونے سے قبل میں جین والٹلے کے پاس گیا تھا اور میری روانگی کے بعد جب انکی جامہ تلاشی لی گئی تو موتیوں کی مالا برآمد نہ ہوئی تھی۔ اس وجہ سے پولیس مجھ پر شک کرنے میں حق بجانب تھی تو کیا پولیس کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ میں اشاٹن بروڈن کے مکان پر گیا تھا؟ عین ممکن ہے کہ پولیس پہلے سے ہی اس آدمی کو جانتی ہو کہ وہ چوری کا مال خرید اکرتا ہے۔ میرے خدا اگر موتیوں کی مالا اس سے برآمد ہو گئی ہو تو۔ موسیو لافوور کے رخصت ہونے پر میں نے تمام رات اپنی وسوسوں میں نہایت بے چینی سے بسر کی۔ کبھی خیال ہوتا تھا کہ میں راتوں رات کہیں فرار ہو جاؤں لیکن پھر یہ سوچکر کہ فرار کی کوشش میرے خلاف بدترین شبہات پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ نتیجہ خواہ کچھ ہو مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ میں اپنے مقام کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں۔ اگلے دن جین والٹلے نقاب پہن کر مجھ سے ملاقات کرنے آئی۔ اس کی حرکات و سکنات اس کا لب و لہجہ اور انداز تکلم مجھ سے اس کی نفرت و بیزاری کے مظہر تھے۔ دورانِ بات چیت میں ایک مرتبہ ایسا معلوم ہوا کہ اگر بس چلے تو وہ میری جان لینے سے بھی دریغ نہ کرے گی۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ میری مخبری سے موسیو لافوور نے اس کے عاشق کو گرفتار کیا تھا۔ میں یہیں تک سوچنے پایا تھا کہ ظالم نے پستول نکال کر مجھ پر فائر کر دیا۔ کئی دن تک زندگی اور موت کے درمیان لٹکتے رہنے کے بعد میں اس قابل سمجھا گیا کہ موسیو لافوور کے سوالات کا جواب دے سکوں مگر میں نے قاتلہ کا نام صرف اس شرط پر بتایا کہ اس کے خلاف کسی قسم کی قانونی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ جین والٹلے کا نام سُنکر موسیو لافوور کے منہ سے کلمۂ حیرت نکل گیا۔ کیونکہ اسے دوسرے جرم کی پاداش میں پیرس کی پولیس ملک بدر کر کے واپس امریکہ بھیج چکی تھی اور اب وہ اس کی دسترس سے باہر تھی۔ میری خوش قسمتی سے موسیو اور میڈم لادینو بخیال ہمدردی مجھے اپنے دیہاتی کوٹھی اورانجز میں لے گئے۔ میڈم لادینو کے دل میں میری محبت ذرہ برابر بھی کم نہ ہوئی تھی۔ میڈم لادینو کی صحبت میں کچھ دن میں نے کمال عیش و آرام کے ساتھ بسر کئے یہاں تک کہ جنگ عظیم شروع ہو گئی اور موسیو لادینو کو بھی رجمنٹ سے بلاوا آ گیا۔ ان دنوں ملکی خدمت کا جذبہ زوروں پر تھا میں نے اسی خیال کے زیر اثر اپنا نام بھی بھرتی کرا لیا۔ لگا تار دنوں ہفتوں۔ بلکہ مہینوں مجھ کو فوجی قواعد کی کڑی آزمائش سے گذرنا پڑا اور اس کے بعد میدان جنگ میں بھیجا گیا۔ میدان جنگ میں میں نے جو کارہائے نمایاں کئے تھے ان کی بدولت مجھے اعلیٰ فوجی درجہ دیا گیا۔ مگر ماں کے انتقال کی خبر سُنکر میں بالکل ہی دل برداشتہ ہو گیا۔ اس لئے چند یوم کی رخصت لیکر میڈم لادینو کے یہاں اورانجز چلا گیا۔ وہاں چند دن تو بڑے لطف سے کٹے۔ مگر روانگی سے ایک دن قبل خلاف امید اسکا شوہر واپس آ گیا۔ اور ظالم نے ہمیں خلوت میں محوِ اختلاط دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا ہمارے تعلقات ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گئے۔ لنڈھرسٹ کے مقام پر ہم پھینکنے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں دوبارہ میدانِ جنگ میں بھیجا گیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد اچانک ان بے طرح زخمی ہو کر عالم بے ہوشی میں ہسپتال بھیجا گیا۔

اٹھائیسواں باب ۲۸

جب میں خواب و تصور کی دنیا سے نکل کر پھر ایک بار اس عالم کے موجودات کو دیکھنے اور سمجھنے کے قابل ہوا یا دوسرے الفاظ میں جب مجھکو ہوش آیا۔ تو دیکھا کوئی شخص عجیب طرح کا لباس پہنے میری طرف پیٹھ کئے کھڑا ہے۔ اس پُر اسرار صورت کو دیکھکر پہلے میرے ذہن میں تحیر و تلاطم پیدا ہوا اور میں کچھ عرصہ تک حقیقتِ حال کو سمجھنے کے ناقابل اس کی سمت میں دیکھا کیا۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ یہ معلوم کرنے کے قابل ہوا کہ صورت بے شک و شبہ کسی عورت کی ہے جس نے سیاہی مائل نیلے کپڑے کی ڈھیلی پوشاک پہن رکھی تھی اور جس کی کمر میں پٹکا بندھا تھا گلے میں چوڑا سپید کالر اور سر پر سپید ہی رومال جس کے ہر دو اطراف میں کوئی ایسی چیز بنی تھی گویا بڑے بڑے دو پرندے سختی کے ساتھ اوپر کو اُٹھے ہوئے ہوں مجھ کو تسلیم کرنا پڑا کہ اس فیشن کا لباس پیشتر کبھی میرے دیکھنے میں

نہیں آیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ بھی میں نے معلوم کیا کہ اُس میں کوئی بات جانی ہوئی معلوم پڑتی تھی۔ سخت پریشانی کے عالم میں تیوری پر بل ڈال کر اس معمے کے حل کرنے کی کوشش کرنے لگا بات ظاہرا بے حقیقت تھی۔ لیکن آدمی پر ایسی حالتیں اور کیفیتیں اس طرح کی بھی آتی ہیں۔ جب چھوٹے چھوٹے معاملات اسکی نظروں میں غیر معمولی اہمیت حاصل کرنے لگتے ہیں۔ اسکے بعد میں نے سوچا کہ میں کہاں ہوں اور کیا بات ہے کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا؟ مجھے اپنی موجودہ حالت نیز اُس نیلی پوش عورت کی موجودگی میں جو میری طرف پیٹھ پھیرے کسی کام میں مشغول تھی۔ کوئی بھیانک اثر محسوس ہونے لگا۔ اتنا میں نے جلد ہی معلوم کر لیا تھا کہ وہ کسی کام میں مشغول ہے کیونکہ جانب پشت سے دیکھتے ہوئے میں اس کے بازوؤں کی کہنیوں تک بخوبی دیکھ سکتا تھا، اور وہ مجھے مصروف کار نظر آتے تھے۔ اسقدر معلوم ہو جانے پر میرے دل کو ایک طرح کی ڈھارس ہونے لگی اس کا مطلب تھا کہ میں رفتہ رفتہ معاملات کو اُن کی صحیح حالت میں سمجھنے کے قابل ہوتا جا رہا ہوں۔ یاد آیا میں خود بھی تو کسی کام میں مشغول تھا لیکن ۔۔۔۔ وہ اس عورت کے کام سے کتنا مختلف و جداگانہ تھا! میری نگاہ تخیل نے ایک ہیبت ناک بدصورت کل کو دیکھا جو حیرت انگیز تیزی اور آسانی سے بخنہ چبوتروں کو توڑتی بدنصیب پا پیول کو کچل کر اُن کے مردہ جسموں کو بھیانک حالتوں میں چھوڑتی اور کئی جرمنوں سے جن کے چہروں پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں ہاتھ ملاتی چلی جاتی تھی۔ اس کے آگے یہ بھی یاد آیا کہ ایک بڑے زور کا ہیبت ناک دھماکا ہوا تھا جس نے میرے دماغ کے پرخچے اُڑا دیئے تھے۔ اس حد تک پہنچنے کے بعد میرا حافظہ زیادہ روشن ہونے لگا۔ اور میں نے سوچا اس موقعہ پر شاید میں زخمی ہو گیا تھا۔ یہ جاننے کے لئے کہ میری موجودہ حالت کیسی ہے۔ میں نے اپنے سر کو گھمایا۔ مگر یہ جان کر تسکین حاصل ہوئی کہ میں اُسے حرکت دے سکتا ہوں۔ جس بستر پر میں لیٹا ہوا تھا اس کے گرد سُرخ پردہ لپٹا نظر آیا۔ ایک اس قسم کا پردہ جس کو دیکھتے ہی مجھکو معلوم ہو گیا کہ میں ہسپتال میں پڑا ہوں اس کا مطلب ہوا کہ نیلی پوش عورت نرس تھی تاہم کتنی عجیب بات تھی کہ اس فیصلہ تک پہنچنے میں مجھکو اتنا عرصہ لگ گیا۔ بہرحال اب نتیجہ پر پہنچ جانے کے بعد مجھکو خوشی بھی ہوئی اور میں نے پھر ایک مرتبہ اس کی مشغول صورت کو دیکھا۔ اسکی پوشاک غیر معمولی اور کسی نرس کے لئے بوجھل معلوم ہوتی تھی۔ اس موقعہ پہ اس نے بھی گردن پھیر کر میری طرف دیکھا اور یہ جان کر کہ میں پوری طرح ہوشمند ہوں اسکے منہ سے مسرت و استعجاب کی ہلکی آواز نکلی پھر وہ تیز چلکر میرے بستر کے قریب آئی۔ لیا کہ معلوم ہوتے اس کے سر پر بندھے ہوئے رومال سے نکلے ہوئے دو بہ عجب انداز سے ہلتے ہوئے معلوم ہوئے۔ اس کا زرد چہرہ کسی ریاضت کیش عابد کے چہرے سے ملتا جلتا تھا۔ مگر آنکھیں دردِ انسانیت اور جذبۂ رحم لئے تھیں۔

"کہو موسیو اب کیا حال ہے؟" اس نے فرانسیسی زبان میں پوچھا۔

"اچھا ہوں" میں نے اس طرح کی آواز میں جواب دیا جس کی غیر معمولی نقاہت میرے اپنے کانوں کو عجیب معلوم ہوتی تھی "خیال ہے میں زخمی ہو گیا تھا"

اُس نے بصورتِ اثبات سر ہلایا۔

"آپ کو سخت زخم آیا تھا" اس کے بعد اس نے کہا "لیکن اب آپ کو چاہیئے کسی طرح کی نقل و حرکت نہ کریں"

"لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ایسا کر ہی نہیں سکتا" میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"آپ کوشش بھی نہ کیجئے" اس نے جواب دیا۔

ایک نئی طرح کی دہشت کا احساس مجھکو ہونے لگا۔ کیا میرا کوئی عضو یا کئی اعضائے بدنی اس حادثہ کی نذر ہو چکے تھے؟ اُف میرے خدا۔ اگر سچ مچ ایسا ہوا تو میں زندہ رہنے کو بھی ایک مصیبت سمجھوں گا۔ لولا لنگڑا ہو کر زندگی بسر کرنے کے بدلے موت کئی درجہ بہتر نظر آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے میرے خیالات محسوس کر لئے کیونکہ نرم لہجہ میں بولی۔

"اطمینان رکھئے آپکے تمام اعضا صحیح ہیں۔ البتہ پیٹ میں گہرا گھاؤ آیا ہے اور بائیں شانہ پر ہڈی کو سخت چوٹ پہنچی ہے"

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ تکلیف کسی طرح کی ہو موجب تسکین نہیں ہوتی۔ تاہم اتنا غنیمت ہے کہ میرے بدترین اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اُس نے جواب میں تبسم نہ کیا۔ اس کے برعکس وہ رحم آمیز نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی اس سے میں نے سوچا شاید کوئی خطرناک مرحلہ ابھی مجھ کو درپیش ہے چنانچہ میں نے پوچھا۔

"نرس کیا میں مرنے لگا ہوں؟"

اُس نے جواب دینے سے پہلے ذرا تامل کیا۔ اس کے بعد بولی۔

"خدا نہ کرے۔ لیکن موسیو ہر ایک بات کا دارومدار آپ کی اپنی کوشش پر ہے اگر آپ بالکل خاموش و بے حرکت رہیں گے تو ممکن ہے بچ جائیں۔ اتنی دیر بھی جو باتیں آپ نے کی ہیں۔ نہ کرنی چاہئے تھیں۔ ٹھہریئے میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں"

وہ جا رہی تھی کہ میں نے پیچھے سے آواز دی "نرس ایک منٹ کے لئے میری بات سُنکر جانا۔ اگر میں زندہ رہ گیا تو کیا تمہاری رائے میں عمر بھر کے لئے اپنی صحیح حالت کو نہ پہنچ سکوں گا؟"

"موسیو اسکا جواب بھی ڈاکٹر ہی آکر دے گا"

وہ کمرہ سے گذر کر اُس میز کے پاس گئی جس پر وہ کچھ کام کر رہی تھی میری آنکھوں نے بھی اس کا پیچھا کر کے دیکھا کہ میز پر کئی جالی دار پٹیاں اور

زخموں پہ باندھنے کا دوسرا سامان بھرا پڑا تھا۔ اُس کے ایک لمحہ بعد وہ باہر جاکر اپنے ساتھ رائل آرمی میڈیکل کور کے ایک میجر ڈاکٹر کو لائی۔ اب اُس کے ہمراہ ایک سن رسیدہ نرس اور بھی تھی جس نے فوجی نرسوں کی پوشاک پہن رکھی تھی۔ ڈاکٹر نے میں نے جانا کہ میرے بچاؤ کے امکانات بحد قلیل ہیں لیکن اگر جان بچ گئی تو پھر جسم میں کوئی نقص باقی نہ رہے گا۔ اور میں اپنی معمولی صحت حاصل کر سکوں گا۔

"آپ کا بایاں بازو پوری طرح کار آمد نہ ہوگا" اُس نے خاتمہ پر کہا اور پیٹ میں بھی کمزوری باقی رہ جائے گی اسکے باوجود آپ تام المریض نہ ہونگے۔

"چلئے اتنا بھی غنیمت ہے" میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ اس طرح کی حالت میں میں زندگی اور موت دونوں میں سے اول الذکر ہی کو ترجیح دیتا ہوں۔"

"بس تو حوصلہ رکھئے" اسنے بشاشت کے لہجہ میں کہا۔

اس واقعہ کے ایک یا دو دن بعد مجھ کو اس ڈاکٹر کی زبانی اس عجیب و غریب پوشاک کا حال بھی معلوم ہوا جو اس جگہ کی نرسیں اور دوسری مددگار عورتیں پہنا کرتی تھیں۔ معلوم ہوا یہ جگہ ایک طرح کی خانقاہ ہے جس میں رہنے والی عورتوں کو سسٹرز آف چیرٹی (Sisters of Charity) کہتے ہیں۔ وقتی ضروریات کے لئے اس خانقاہ کو ہسپتال بنا لیا گیا تھا۔ بیشتر نرسیں اس خانقاہ میں رہنے والی راہبہ عورتیں ہی تھیں صرف چند ایک عورتیں اور اُن میں شامل تھیں جو فوجی محکمہ کی نرسوں کے صیغہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہرحال ڈاکٹر سب کے سب انگریز تھے۔ اس دریافت سے میرے دل کو ایک عجب طرح کی دلچسپی ہوئی۔ کتنی عجیب بات تھی کہ مجھ ایسا وارفتہ مزاج آوارہ شخص جس نے دنیا کا کوئی بُرا کام نہ چھوڑا تھا۔ زخم خوردہ ہو کر علاج کے لئے ایک ایسے پاک اور مقدس مقام پر لایا گیا!

رفتہ رفتہ میری صحت بحال ہونی شروع ہوگئی۔ لیکن پھر بھی بعض اوقات تکلیف اتنی شدید ہوتی تھی کہ میں موت کے لئے دُعا کرنے لگتا تھا۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر میں اسی حالت میں گذر جاتا۔ اب جس طریقہ پر میری موت واقع ہوتی ہے اسکے مقابلہ میں وہ موت لاکھ درجہ قابل ترجیح ہوتی۔ لیکن یہ سب باتیں آدمی کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں۔ وہ اپنی قسمت کو بگاڑنے یا بنانے میں کچھ بھی حصہ نہیں لے سکتا جس طرح کوئی غیبی طاقت چاہتی ہے اُسی طرح ہوتا ہے۔

تین بار مجھ پر عمل جراحی کیا گیا! اور آخر تیسرے آپریشن کے بعد ڈاکٹروں نے رائے دی کہ اب خطرہ کا امکان باقی نہیں ہے۔ سب سے بڑا اندیشہ اس طرح کی حالتوں میں مرض گنگرین کا ہوتا ہے جس میں بدن کا ماس گلنا شروع ہو جاتا ہے۔ غنیمت ہے کہ میں اس موذی مرض سے بچ گیا۔ اگر یہ لاحق ہو جاتا تو پھر ڈاکٹر لاکھ سر پٹکتے مجھکو زندہ بچانے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ میں نے بارہا سنا تھا کہ جو لوگ شیطان کے سہارے جیتے ہیں اُن کی مشکلات کو وہ خود آسان کرتا ہے۔ کم از کم اپنے بارہ میں میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ کوئی زبردست شیطانی طاقت تھی جس نے اس مقدس خانقاہ میں آکر میری حفاظت کی۔

اس اثنا میں یورپ کا محاربہ عظیم بڑی شدومد سے جاری تھا۔ بیشمار زخمی افسر اور سپاہی ہر روز وہاں لائے جاتے تھے۔ ہسپتال میں کئی بیڈ موجود تھے۔ جن پر مریضوں کو رکھا جاتا تھا۔ لیکن اُن میں سے آئے دن کئی خالی بھی ہوتے رہتے تھے۔ کیونکہ کچھ لوگ گاہ بگاہ مرتے رہتے تھے اور بعض کو صحت یاب ہونے کے بعد انگلستان بھیج دیا جاتا تھا۔ لگاتار ڈیڑھ مہینہ مجھے اپنے بستر پر پڑا رہنا پڑا اور آخر اس وقت ڈاکٹروں نے میری نقل و حرکت کی اجازت دی لیکن اس ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں اس خانقاہ میں رہتے ہوئے ایک نہایت عجیب واقعہ مجھ کو پیش آیا جس کا حال اس جگہ بیان طلب ہے۔ جس کمرہ میں مجھ کو رکھا گیا اس میں چار بیڈ تھے اور نہایت خطرناک طور پر زخمی شخصوں کو اس جگہ لایا جاتا۔ میری نظر کے سامنے پانچ آدمی اس کمرہ کے مریضوں میں سے یکے بعد دیگرے فوت ہوئے اور مزے داری یہ ہے کہ جتنے بھی مرے ان سب کو ایک ہی بیڈ پر رکھا گیا تھا جو میرے عین بالمقابل واقع تھا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لوگ اس کمرہ کے باقی ماندہ مریض جب اس قابل ہوئے کہ غیر متعلقہ معاملات پر غور و فکر کر سکیں۔ نیز جب ہمیں باتوں کی اجازت دی گئی تو ہمیں اتفاق رائے سے اس نتیجہ پر پہنچنا پڑا کہ وہ ایک بیڈ جس کا ذکر ہو چکا ہے مریضوں کے حق میں خاص طور پر خطرناک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتۂ اجل خود اُس کی نگرانی کر رہا ہے۔

میں رفتہ رفتہ صحت یاب ہوتا جا رہا تھا اور میرے انگلستان بھیجے جانے میں صرف تین دن کا عرصہ باقی تھا کہ کچھ لوگ ایک نئے زخمی آدمی کو اُس کمرہ میں لے کر آئے اور اُسے اس مہلک بیڈ پر لٹا دیا۔ معلوم ہوا وہ آسٹریلیا کا رہنے والا ہے اُس کو میدانِ جنگ میں خطرناک زخم آئے تھے اور اسکے زندہ بچنے کی بہت زیادہ اُمید نہ تھی۔ اور اگر کوئی اُمید دوسروں کے دلوں میں باقی تھی بھی۔ تو میرے لئے اس وجہ سے نہ رہی کہ اس کو اُسی مہلک بستر پر لٹایا گیا تھا جس سے کبھی کوئی مریض اچھا ہو کر رخصت نہ ہوا تھا ہم سب آدمی اس کمرہ کے رہنے والے نئے مریض کو اس جگہ لا کر رکھے جانے کے ساتھ ہی اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے۔ آپ جو میری اس داستان کو پڑھ رہے

ہیں شاید ان باتوں کو وہم پر محمول کریں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس دنیا میں ایسا کون ہے جو کسی نہ کسی طریقہ پر وہم کے جال میں پھنسا ہوا نہ ہو؟ لیکن ذکر اس شخص کے زندہ رہنے یا مر جانے کا نہیں۔ میں جس بات پر ناظرین کی توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ تقدیر نے اس موقعہ پر ایک عجیب از بعید از فہم واقعہ پیش کر کے دکھایا جس کو عام لوگ اتفاق حسنہ کا نام دیا کرتے ہیں لیکن جس کے بارہ میں میرا اپنا عقیدہ کچھ اور ہے۔ جس وقت مریض کو لا کر اس بستر پر لٹایا گیا تھا ایک راہبہ عورت جسے پیشتر میں نے اس جگہ نہ دیکھا تھا نرس کے بھیس میں اس کی خدمت گذاری کے لئے کمرہ میں آئی۔ اس کا قامت متوسط تھا۔ اور گو اس خانقاہ کی باقی بہنوں کی طرح اس کو بھی عجیب طرح کی بھدی پوشاک پہننے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ تاہم میں لباس کے بھدے پن کے باوجود یہ جاننے میں کامیاب ہو گیا۔ کہ وہ کوئی چھریرے بدن کی نازک اندام عورت ہے۔ اتنا تو خیر میں نے اندازہ سے معلوم کر لیا تھا کہ ابھی اس کا عہد شباب ہے۔ لیکن کیا اس کا چہرہ بھی اس کے قد و قامت کی طرح خوشنما و دلفریب ہے؟ اس کا حال یقینی طور پر جاننا میرے لئے سخت مشکل ثابت ہوا۔ کیونکہ جب وہ میرے سامنے سے گذری تو انتہائی تجسس کے باوجود میں اس کے چہرہ کا صرف تھوڑا سا حصہ دیکھ سکا۔ ہر ایک بیڈ کے سامنے پردہ لٹکا دیا جاتا تھا۔ اور جب وہ اس پردہ کے پیچھے چھپ گئی تو میرے لئے اسکی شکل و صورت کا اندازہ کرنا غیر ممکن ہو گیا۔

بہرحال اس عورت کی ذات سے جو نرس کے بھیس میں نئے مریض کے لئے کمرہ میں آئی تھی میری دلچسپی اس درجہ بڑھی کہ عارضی طور پر یہ وہم بھی میرے دماغ سے نکل گیا کہ یہ وہی مہلک بستر ہے جس پر کوئی لیٹنے والا صحت یاب ہو کر نہیں اُٹھا۔ ایک بار مجھے اپنے خیالات سے کچھ شرم بھی محسوس ہوئی۔ اور میں نے اپنے شوق تجسس کو یہ کہہ کر روکنا چاہا کہ یہ عورت خواہ کوئی ہو مذہب کی دلدادہ اور اپنی زندگی تکلیف زدہ انسانوں کی خدمت گذاری کے لئے وقف کر چکی ہے اس لئے مجھ کو اسکے بارہ میں کوئی برا خیال دل میں نہ لانا چاہئے۔ لیکن اس حُسن پرستی کے عارضہ کو کیا کروں؟ بہت روکنے پر بھی شوق دل آنکھوں کو دامن کشاں اس طرف لئے جاتا تھا اور میں اس وقت کا منتظر تھا کہ وہ پردہ کی پشت سے نکلے اور میں اس کی صورت بخوبی دیکھ سکوں۔ دفعتاً مجھکو کسی عورت کے منہ سے نکلی ہوئی تیز چیخ سُنائی دی۔ لیکن اسکو فوراً ہی دبا لیا گیا۔ چونکہ اس وقت کمرہ میں اور کوئی نرس موجود نہ تھی۔ اس لئے مجھ کو یہی نتیجہ اخذ کرنا پڑا کہ آواز اسی عورت کی ہوگی جس پر میری توجہ غائبانہ [illegible] پس میں سوچنے لگا کہ ایسی کون سی بات ہے جسکی وجہ سے وہ چیخ مارنے پر مجبور ہوئی؟

آخر بڑی دیر کے بعد وہ ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ پردے سے نکلی۔ لیکن اب کی مرتبہ وہ ڈاکٹر کے پہلو میں چلتے ہوئے میری نظروں سے اس طرح پوشیدہ رہی کہ میں اس کے چہرہ کو پھر بھی نہ دیکھ سکا۔ اسی حالت میں دونوں کمرے سے رخصت ہو گئے۔ اسکے تھوڑی دیر بعد وہ پھر اکیلی آئی لیکن اُن ادھر کو نکلے ہوئے پردوں کے باعث جن کا حال میں پیشتر بیان کر چکا ہوں۔ میں پھر بھی اس کی صورت دیکھنے سے قاصر رہا۔ مجھ ایسے مردوں کا قاعدہ ہے کہ عارضی رُکاوٹیں ان کے جوش کو اور زیادہ تیز کر دیتی ہیں۔ جتنا زیادہ میرے لئے اس کی صورت کو دیکھنا ناممکن ہوا اتنا ہی شوق دید میرے سینہ میں بڑھتا گیا۔ دوبارہ پس پردہ جا کر وہ بڑی دیر تک مریض کے پاس رہی اور اس اثنا میں میں ٹکٹکی لگائے اُس طرف کو دیکھتا رہا۔ جدھر سے اُسے آنا تھا لیکن انجام کار وہ باہر نکلی اور میرے قریب ہو کر چلی جا رہی تھی کہ خود بخود میری طرف منہ پھیر کر دیکھنے لگی۔

عام حالات میں میں نہیں جانتا اس موقع پر میری کیا کیفیت ہوتی۔ لیکن میں کمزور و نحیف بے بسی کے عالم میں بستر پر پڑا تھا۔ میرے منہ سے ایک لمبا سانس نکلا جو حیرت و سراسیمگی کا مظہر تھا مجھکو ایسے معلوم ہوا کہ یا تو خواب دیکھ رہا ہوں یا دنیا کا انتظام ہی تہ و بالا ہو گیا ہے۔ خود اسکی حیرت مجھ سے کسی طرح کم نہ تھی۔ وہ اپنی جگہ پر اس طرح کھڑی کی کھڑی رہ گئی گویا پاؤں فرش زمین پر گڑ گئے۔ اسکے چہرہ کی رنگت اور بھی پیلی پڑ گئی۔ ہونٹ جو کبھی عنابی ہوا کرتے تھے۔ بے رنگ نظر آنے لگے۔ البتہ اسکی خوشنما بادام کی شکل کی آنکھیں اس کے سپید بیضوی چہرے سے مشتعل نظروں سے مجھ کو گھور رہی تھیں۔ میں نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا یہ ایڈنا تھی۔

ایسی حالتوں میں انسان کے لئے وقت کا اندازہ کرنا غیر ممکن ہو جایا کرتا ہے۔ میں نہیں جانتا کتنا عرصہ ہم اس طرح چپ چاپ ایک دوسرے کے منہ کو تکتے رہے۔ لیکن انجام کار وہی مجھ سے پہلے اپنی بدحواسی پر غالب آئی۔ اس طرح لڑکھڑا کر گویا فرش زمین پر گرنے لگی ہو۔ اس نے میرے بستر کی پائنتی کو سہارے کے لئے پکڑا اور مجھ کو اس کے دہن سے یہ الفاظ بڑی آہستگی سے نکلتے سُنائی دیئے "کیا خوبی قسمت ہے! سچ مچ تقدیر نے ہم بچھڑوں کو اس جگہ لا کر ملا دیا"

اس وقت میں بڑی مشکل سے بولنے کے قابل ہوا۔

"ایڈنا" میں نے گلوگرفتہ آواز سے کہا "تم اس جگہ .... اس مکان میں کیسے آئیں؟ اور یہ پوشاک کیا معنی رکھتی ہے؟"

"اسکی داستان لمبی ہے" اس نے جواب دیا "جو فی الحال میں بیان نہیں کر سکتی پھر کسی وقت جب فرصت ہوگی تو میں تمہارے پاس آکر باتیں کروں گی"

اُس نے یہ الفاظ دبی آواز میں رُکتے ہوئے کہے تھے۔ گویا اُسے ابھی تک اس بات کا شک تھا کہ اسکی آنکھیں صحیح دیکھ رہی ہیں۔ کسی نشہ باز شرابی کی طرح وہ رُکتی ہوئی چل کر دروازہ کی طرف گئی لیکن وہاں تک پہنچکر رستہ ہی سے پلٹ آئی اور کہنے لگی۔

"کیا جانتے ہو کسے اُس بستر پہ لاکر رکھا گیا ہے؟" اور جب میں نے بصورتِ انکار سر ہلایا تو کہنے لگی "جعفری وہ ہے مسٹر......! اور فی الحال آخری موں پر ہے"

"اُف میرے خدا!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہ کہہ سکا۔ اس نے بھی سسکی سے ملتی ہوئی آواز پیدا کی اور رخصت ہو گئی۔

اس دُنیا میں جو بے شمار عجیب و حیرت انگیز واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں اُن سب میں یہ واقعہ سب سے بڑھ کر عجیب تھا کہ تقدیر کے نادیدہ ہاتھ نے ہم تینوں کو اس مقام پہ اس طرح کے بعید از فہم حالات میں لاکر جمع کر دیا۔ اس سے میرے دل پہ اتنا گہرا اثر ہوا کہ دن بھر میں خدائی طاقت کے حیرت انگیز کرشموں پہ غور کرتا رہا میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ان واقعات کو عام حالات کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کروں لیکن کامیاب نہ ہو سکا میری نظریں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس سُرخ پردہ کی طرف جاتیں جس کی پشت پہ ایک شخص نزع کی حالت میں بستر پہ پڑا تھا اور وہ شخص کون؟ جو جرم و گناہ کی زندگی میں میرا برابر کا حصہ دار تھا! کتنی عجیب بات تھی کہ قدرت کے غیبی ہاتھ نے دُنیا جہان کے لوگوں میں سے اُس کو ڈھونڈ کر نکالا اور اُس بستر پہ لاکر ڈال دیا جس کی نسبت ہم اُس کمرہ کے رہنے والے فیصلہ کن طریق پہ اس نتیجہ پہ پہنچ چکے تھے کہ بسترِ مرگ ہے اور کبھی کوئی شخص جیتا اس سے نہیں اُٹھتا دوسری عجیب اور بعید از فہم بات یہ تھی کہ ایڈنا اس ہسپتال میں نرس بنکر آئی اور اسکے ذمہ جس کی خدمت گذاری اور حالتِ نزع میں اسکی تیمار داری کا کام سپرد ہوا۔ جبکہ عین بالمقابل میں اُسی کمرہ کے اندر دوسرے بستر پہ پڑا تھا! کمرہ کے باقی دو مریضوں نے وہ حیرت انگیز نظارہ جو میرے اور ایڈنا کے درمیان پیش آیا دیکھا تھا۔ قدرتی طور پہ اُن کو بڑا تعجب ہوا اور وہ مجھ سے سوالات پوچھنے لگے۔

"یہ آدمی جو ابھی زخمی ہو کر آیا ہے" میں نے بات ٹالنے کے لئے رسمی لہجہ میں کہا میرا ایک پُرانا دوست ہے۔ اور یہ نرس ہم دونوں کو جانتی ہے۔ کسی زمانہ میں ہم تینوں اکٹھے رہا کرتے تھے۔ اس کے بعد حالات ایسے پیش آئے کہ ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ وہ تو انگلستان چلی گئی۔ میرا دوست آسٹریلیا جا پہنچا اور میں فرانس میں رہ گیا۔ یہ آج سے کوئی تین سال پہلے کا واقعہ ہے اس کے بعد کسی کو معلوم نہ تھا کہ اسکے ساتھی کہاں ہیں حتّٰے کہ آج یہ ناگہانی ملاقات ہو گئی"

لازمی طور پہ اُن لوگوں کو میری اس حکایت پر بڑا تعجب ہوا۔ عین ممکن ہے انہوں نے اپنے طور پر اندازہ کر لیا ہو کہ بات دراصل کچھ اور تھی۔ یعنی اس سے بہت زیادہ۔ جتنی کہ میں نے بیان کی اور اسکی بنا پر وہ کچھ کچھ خیال کرنے لگے ہوں۔ بہرحال مجھے ان باتوں کی پروا نہ تھی آئندہ دو دن کے عرصہ میں مجھکو کئی بار انہیں اس معاملہ کے نفسیاتی پہلو پر بحث کرتے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مگر اس طرح کے موقعوں پر میں قصداً آنکھیں بند کر لیتا تھا۔

اُس رات جب باقی سب آدمی سو گئے تو ایڈنا میرے پاس آکر بیٹھ گئی اب اسکے چہرہ پر پھر تازگی پائی جاتی تھی مگر آنکھوں میں حسرت و یاس کی وہ جھلک تھی جسے دیکھ کر میرے دل کو بڑی دہشت ہوئی۔

"لازم تو یہی تھا کہ میں تمہارے پاس نہ آتی" وہ بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگی "لیکن مجبوراً آنا پڑا! جعفری میں خدا سے دُعا مانگتی ہوں کہ یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ خدا جانے میری سزا میں کونسی کمی باقی تھی کہ اب اس ذریعہ سے پُوری ہو رہی ہے۔ میں رفتہ رفتہ تم کو بھلانے لگی تھی۔ لیکن اب لازمی طور پر مجھکو نئے سر سے دردِ اذیت سہنا پڑے گا۔" پھر ایک گہری آہ کھینچکر اس نے کہا، "لیکن مجھکو شکایت نہ کرنی چاہئے۔ میں خیال کرتی ہوں کہ یہ میرے گناہوں کی سزا ہے جو اس وقت مجھے مل رہی ہے۔ اور میرا فرض ہے کہ جس طرح میں نے ماضی میں اپنی ذہنی تکلیفوں کو برداشت کیا ہے اسی طرح آئندہ کی اذیتوں کو بھی قبول کر لوں"

"ایڈنا کیا تم مجھکو بھول جانے کی غرض سے تارک الدنیا ہو کر اس جگہ آئی تھیں؟" میں نے نرم لہجہ میں پوچھا۔

"میں چاہتی تھی کہ تم کو بھول جانے کے ساتھ ساتھ جو کچھ میں نے کیا تھا اسکی یاد بھی اپنے ذہن سے نکال دوں" وہ افسوسناک لہجہ میں کہنے لگی۔ "میری ماں کیتھولک عقیدہ کی عورت ہے۔ جس وقت میں نے دیکھا کہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی اپنی خواہشوں کو دبا اور اپنے اندوہ و حسرت کو چھپا نہیں سکتی۔ تو میں بھی اس کی ہم خیال ہو گئی اور اسجگہ آکر رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی"

"تمہارے ماں باپ نے اس موقعہ پر کیا کیا؟"

"شروع میں ان کو سخت تکلیف ہوئی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اب وہ میرے خیال میں حالات پہ صابر و شاکر ہو گئے ہیں۔ میں نے اُن کو یہی بتایا تھا کہ میں جعفری سے علیحدہ ہو گئی ہوں۔ لیکن اس کی وجہ ظاہر نہ کی تھی البتہ میں نے اپنے طرزِ عمل سے ان کو یہ جتلانے کی کوشش کی تھی کہ اس معاملہ میں قصور سراسر میرا ہے"

"تم نے ناحق معاملہ ان سے چھپایا" میں نے گلوگرفتہ آواز سے کہا۔

"درحقیقت تم کو صاف کہہ دینا لازم تھا کہ وہ ایک عادی مجرم اور چور تھا اور ہماری شادی نہ ہوئی تھی۔ جب تم نے دیکھا کہ اس قسم کی زندگی میں میری شریک کار بن کر نہیں رہ سکتی ہو۔ تو مجھے چھوڑ کر چلی آئیں یہ میرے خیالات میں بہترین عذر ہوتا"

"لیکن اس کے ساتھ ہی سر بسر غلط بھی" وہ دبی آواز سے کہنے لگی "کم از کم اس کا آخری حصہ۔ آہ جعفری اگر تم مجھ سے صادق بھی رہتے۔ تو میں اس حال میں خوشی کی زندگی بسر کرتی چلی جاتی۔ نہ وہ فرانسیس ہماری زندگی میں مزاحم ہوتی نہ تم اُسے دیکھتے۔ نہ میں اُسے قتل کرتی"

"چپ! خاموش" میں نے فکر مند نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا "ایڈنا یہ تم کس طرح کی باتیں کرتی ہو؟ ذکر تو بڑی چیز ہے۔ تم کو اس کا خیال تک نہ کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ میں نہیں مانتا کہ وہ حقیقی معنوں میں قتل کی واردات تھی بھی۔ اس عورت نے تمہیں ایک ایسا فعل کرنے پر مجبور کیا جس کا تم بعید ترارادہ نہ رکھتی تھیں۔ اگر تم اپنے آپ کو حوالہ پولیس بھی کر دیتیں۔ اور تم پر مقدمہ چلایا جاتا۔ تب بھی مجھ کو یقین ہے کہ تم انجام کار بری ہو جاتیں"

"ممکن ہے میں بری ہو جاتی۔ لیکن اس صورت میں بھی میرے ضمیر کا اطمینان نہ ہوتا"

"ضمیر۔ ایڈنا! آج کون ایسی باتوں کا خیال کرتا ہے؟" میں نے بے صبری کے لہجہ میں کہا۔

"کم از کم میں کرتی ہوں" اُس نے پُرسکون لہجہ میں جواب دیا۔

اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ لیکن اس عرصہ میں بھی میری آنکھیں گرسنگی کے انداز سے اسکے چہرہ کی ہر ایک تفصیل کو جذب کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ہر چند اپنی موجودہ بھدی پوشاک میں اسکے خوشنما بال بالکل ہی چھپے ہوئے تھے۔ تاہم چہرہ کی خوبصورتی اور دلکشی بدستور قائم تھی چاند اگر گہن میں بھی آجائے تو اُس کی خوشنمائی میں فرق نہیں آتا۔ اس کے علاوہ میں نے دیکھا کہ اس زمانہ کے مقابلہ میں اس کے اندر بہت زیادہ تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ صرف اس کے دہانہ کے قریب درد و فکر کی ڈھلکن دکھائی دیتی تھی۔ یا اُداسی کی ایک دو لکیریں۔ جو پیشتر موجود نہ تھیں بس اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

"ایڈنا" آخر کار میں نے جی کڑا کر کے پوچھا "کیوں تم نے یہ سخت تدبیر اختیار کی؟"

"اس لئے کہ مجھ کو امن و سکون کی تلاش تھی" وہ آہستگی سے بولی "اور مجھے رہبانیت کی زندگی کے سوا اس کو حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نظر نہ آتا تھا"

"پھر کیا وہ امن و سکون تم کو یہاں آ کر مل گیا؟"

"ہاں مل تو گیا تھا۔ لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ پھر ایک بار مجھ سے چھنتا جا رہا ہے"

"کیا مطلب؟"

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ونسنٹ دی پال کی اس خانقاہ میں رہنے والی بہنوں کی زندگی دوسروں کی امداد و خاطر مدارات کے لئے وقف ہوتی ہے۔ اس مشقت اور ترحم ہی کی زندگی میں میں اپنے جذبات کو دبانے اور خیالات کو دوسری طرف لگانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ ایسا کرنے کے بعد میں نے ایک طرح کی قناعت آمیز خوشی بھی حاصل کر لی تھی۔ لیکن اب یہ نیا واقعہ پیش آ گیا"

"تم بھولی اور نادان ہو" میں نے دبی آواز مگر پُر زور لہجہ میں کہا "تم نے ناحق اپنی جان پر اتنی سختیاں سہیں ایڈنا قدرت نے تم کو عیش و نشاط کے لئے پیدا کیا تھا۔ اس ریاضت و جفاکشی کی زندگی کے لئے نہیں۔ اگر تم تارک الدنیا نہ ہو کر اپنے گھر پر رہتیں تو کچھ عرصہ کے بعد کسی مرد شریف سے تمہاری شادی ہو جاتی۔ اور اس کے ساتھ رہتے ہوئے تم وہ خوشی حاصل کر لیتیں جس کی تم حقدار تھیں"

"افسوس یہ سب دل کو سمجھانے کی باتیں ہیں" وہ مایوسانہ کہنے لگی "درحقیقت میرے لئے شادی کرنا اب غیر ممکن ہو گیا تھا"

"کس لئے؟"

"اس لئے کہ شادی نام ہے اُس رسم کا جس میں ایک عورت اپنا سرمایہ محبت مرد کو پیش کرتی ہے اور میرے پاس کسی کو دینے کے لئے یہ چیز ہی باقی نہ تھی۔ میں تو اپنا سب کچھ تم پر نثار کر چکی اور تم ..." وہ سخت پریشانی کے عالم میں کہتے کہتے رک گئی۔ پھر بولی "افسوس یہ میں کیا کہہ رہی ہوں! جعفری میرا اس جگہ رہنا ہی گناہ میں داخل تھا اب میں جاتی ہوں۔ مجھے تمہارے پاس زیادہ عرصہ نہ ٹھہرنا چاہئے"

وہ رخصت ہونے کے خیال سے اُٹھنے لگی تھی لیکن میری منت سماجت پر تھوڑی دیر کے لئے اور بیٹھ گئی۔

"سنو ایڈنا" میں نے دبی آواز میں فہمائش کی "جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب اس معاملہ کو یہیں ختم کر دینا چاہئے یہ زندگی تمہارے لائق نہیں ہے۔ اس کو چھوڑ کر میرے پاس آ جاؤ۔ میں تم کو خوش رکھنے کی کوشش کروں گا، تمہاری خاطر میں اس زندگی کو بھی خیرباد کہہ دوں گا۔ جو میں نے آج تک بسر کی ہے۔ اس میں یہ بہتری ہو گی کہ تمہاری اپنی زندگی اور میری عاقبت دونوں سنور جائیں گے۔ بولو۔ جواب دو۔ کیا تم میرے پاس رہنا اور میری اصلاح کی نگرانی کرنا قبول کرو گی؟"

میں نے دیکھا اس کی خوشنما آنکھوں میں حسرت و دہشت کی آمیزش تھی تھوڑی دیر تک وہ بالکل چپ رہی۔ معلوم ہوتا تھا کوئی عظیم ذہنی کشمکش اسکے

سینے میں جاری ہے۔ بعد ازاں اُس نے کہا۔

"جعفری خدا کے لئے ایسی باتیں کر کے میرے استقلال میں خلل پیدا نہ کرو کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں ایک تارک الدنیا گوشہ نشین عورت ہوں اور تم مجھے اس بات کے لئے اکسا رہے ہو کہ جو قول و قرار میں نے اس خانقاہ میں قدم رکھنے کے وقت کئے تھے ان سب کو خاک میں ملا دوں؟"

"میں سب کچھ جانتا ہوں ابھی تم کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں" میں نے اصرار کر کے کہا اور یہ امر واقعہ ہے کہ اُس وقت میں یہی محسوس کرتا تھا کہ میری زندگی اسکے بغیر کسی حال میں بسر نہ ہو سکے گی میری سرزمین محبت میں کبھی اسکی حکومت تھی اب پھر اس کو اُسی تخت پر متمکن کرنا چاہتا تھا۔ اسکے حسن و دلفریبی کو دیکھ کر مجھ پر نئے سرے سے وہی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔

"خدا کے لئے ایسا نہ کہو" وہ منت آمیز لہجہ میں بولی "نہ کہو جعفری۔ کیونکہ آخر میں ایک کمزور عورت ہوں اور تم کو میرے حال پر رحم کرنا چاہئے"۔

جواب کے طور پر میں نے ٹٹول کر اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اسے اپنے ہونٹوں تک لیجانا چاہتا تھا۔ مگر اس نے جلدی سے اسکو ہٹا لیا اور اسکے بعد دونوں ہاتھوں سے اپنی چھاتی دبانے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اس کے سینہ میں طوفان کا جوش اٹھا ہوا ہے اور وہ اس طریقہ پر اس میں سکون پیدا کرنا چاہتی ہے۔ ایک لمحہ کے بعد جب اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں دہشت سے چوڑی ہو گئی تھیں۔

"او جعفری" وہ درد سے کراہتے ہوئے بولی "کیا تم مجھکو ذلیل کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس مقدس پوشاک کی بے حرمتی کروں جو میں نے اس جگہ آکر پہنی ہے؟ - جعفری میرا کہا مانو۔ بھول جاؤ کہ ایڈنا نام کی کوئی عورت کبھی تمہاری زندگی میں آئی تھی - اور بالفرض تم ایسا نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ میں وہ عورت نہیں ہوں جس سے کبھی تم نے محبت کی تھی۔ بلکہ ایک گوشہ گیر تارک الدنیا ریاضت کیش عورت ہوں جس کا جسم و روح مذہب کی ملکیت ہیں"۔

"ایڈنا تم میرے ایک سوال کا جواب دو۔ کیا تم اب بھی مجھ سے محبت کرتی ہو یا نہیں؟" میں نے فیصلہ کن لہجہ میں پوچھا۔

"یہ سوال تمہیں مجھ سے پوچھنا ہی نہ چاہئے" وہ جلدی سے کہنے لگی۔

"لیکن میں ضرور پوچھنا چاہتا ہوں" میں نے بضد ہو کر کہا۔

خدا میرے حال پر رحم کرے۔ بے شک میں کرتی ہوں!" اس نے تھوڑی دیر کے بعد مری ہوئی آواز سے کہا اور ساتھ ہی اس طرح گردن جھکا لی گویا بار غم اس کو سر اٹھانے نہ دیتا تھا۔

"تو جس طرح میں کہتا ہوں کرو" میں نے زور دے کر کہا۔ "یہ خلاف فطرت زندگی تمہارے لئے نہیں تھی اسے چھوڑ دو - اور خدا میرا گواہ ہے کہ میں اپنے طریق عمل سے واقعات گذشتہ کی ہر ایک تلخ یاد تمہارے ذہن سے مٹا دوں گا۔ اس کے بعد ہم دونو . . ."

اس نے اپنا ہاتھ میرا منہ بند کرنے کے لئے میرے ہونٹوں پر رکھ دیا لیکن جب میں نے اس پنجۂ نازک کو پُرشوق اور جوش آمیز لمبا بوسہ دیا۔ تو اُس نے اس طرح کی چیخ مارتے ہوئے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا گویا میرے ہونٹوں سے لگ کر اُس کی انگلیاں جل گئی ہوں۔ اس کے ایک لمحہ بعد وہ تیز چلتی کمرہ سے رخصت ہو گئی اور میں دبی آواز سے بستر پر پڑا ہوا اس شومی تقدیر کو کوسنے لگا جس نے ہمیں ایک دوسرے سے اتنا قریب لا کر بھی ہمارے درمیان بُعد عظیم قائم رکھا تھا۔ ہم ایک دوسرے کے پاس ہوتے ہوئے بھی کتنی دُور تھے۔

میں نے وہ رات آنکھوں میں بسر کی۔ سینہ میں خیالات و کیفیات کا ہیجان تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پاس والے بستر سے کراہنے کی جو مبہم آواز کانوں میں آرہی تھی۔ اس پر خیالات جما کر آخرکار میں اپنے محسوسات کو دبانے کے قابل ہُوا۔ ایک بار رات کو جب ایک سسٹر مریضوں کی حالت دیکھنے کے لئے وہاں آئی تو میں نے اس سے پوچھا اس بدنصیب کے بچنے کی کوئی امید باقی ہے یا نہیں؟ مگر اُس نے مایوسانہ سر ہلایا۔

"افسوس بالکل نہیں!" ساتھ ہی اُس نے کہا "اس غریب کے سر کا ایک حصہ بالکل اُڑ گیا ہے۔ اب اُس کو ہوش بھی نہیں آسکتا۔ غالباً وہ اسی حالت میں مر جائے گا"

"کیا میں اس کو دیکھ سکتا ہوں؟ وہ کسی زمانہ میں میرا دوست ہوا کرتا تھا"

دن کے وقت جو سسٹر یہاں آتی ہے میں اُس سے یہ بات کہہ دوں گی۔ اگر اُس نے منظور کیا تو انتظام ہو سکتا ہے کہ تمہارے بستر کو تھوڑی دیر کیلئے سرکا کر اسکے قریب رکھ دیا جائے۔ لیکن بہتر ہے کہ تم فی الحال سو جاؤ"

صبح کو جو عورت جمین کے پاس گئی۔ وہ کوئی دوسری ہی تھی۔ اور میرے دل کو یہ سوچ کر بڑی فکر ہوئی کہ شاید اب مجھے ایڈنا کی صورت دیکھنے کا موقعہ نہ ملے گا۔ آخر کوئی ایک یا سوا گھنٹہ کے بعد میرے بستر کو کھسکا کر نو وارد مریض کے بستر کے قریب رکھ دیا گیا۔ اور مجھے سہارا دے کر اتنا اُٹھا دیا کہ میں اس آدمی کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جو کسی زمانہ میں میرے زندگی کا شریک تھا۔ چہرہ کے بائیں حصہ کو چھوڑ کر اسکے سر کے تمام حصے پٹیوں سے بند ھے ہوئے تھے تاہم میں نے اتنا معلوم کر لیا کہ وہ جمین ہی ہے! اس وقت اس حال میں پڑا دیکھ کر میرے سینہ میں بے اختیار تعریف کا احساس پیدا ہوا۔ ہر چند وہ ایک ادنےٰ چور تھا۔ اور جہاں تک مجھ کو معلوم تھا۔ اسکے اندر فوجی قابلیت

کی قسم سے کوئی وصف بھی نہ پایا جاتا تھا۔ تاہم اسکی فرض شناسی و حب الوطنی کی داد دینا پڑتی ہے کہ ضرورت پیش آنے پر اس نے اپنی ہستی کو ملک کی خاطر قربان کر دیا۔ حالانکہ یہ زندگی جو ہر شخص کو عزیز ہوتی ہے اس کو حد سے زیادہ پیاری تھی۔ اور وہ اُسے ہر ممکن طریقہ پر آرام دہ بنانے کی سعی کیا کرتا تھا۔

دوپہر کے قریب مجھکو دیکھکر اطمینان ہوا کہ ایڈنا آگئی اور خوشی کی بات ہے کہ جس وقت جیمس نے جان دی تو ہم دونوں اس کے قریب تھے۔

اس سے تھوڑی دیر پیشتر میں نے اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا میرے دل کو اس سے بے حد تسکین ہوئی کہ اس نے اس طرح جان دی۔ تاہم میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس مہلک بستر کی نسبت جو دہم ہم لوگوں میں پھیلا ہوا تھا آج اس کا ایک نازہ اور فیصلہ کن ثبوت ادرمہیا ہوگیا

میں نے دیکھا ایڈنا کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں شاید وہ رات کو روتی رہی تھی اس روز وہ صرف تھوڑی سی دیر کے لئے میرے پاس آئی اور اس وقت بھی کوئی ایسی گفتگو جو ہمارے زیادہ قریبی تعلقات سے وابستہ ہوتی شروع نہ کرنے دی۔ اُس نے میرے زخموں کی نوعیت پر اظہار تشویش کیا اور اسکے ساتھ ہی منت آمیز لہجہ میں کہا کہ جب اُٹھ کر چلنے لگو گے تو محتاط رہنا۔ اُس رات جب وہ ڈیوٹی سے فارغ تھی تو مجھکو الوداع کہنے آئی۔ رات کا فرض ادا کرنے والی سسٹر اس کے ساتھ تھی جب وہ تھوڑی دیر کے لئے ایڈنا کو چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی تو میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پھر ایک بار اس سے درخواست کی کہ جس طرح ممکن ہو تم اپنے قول و قرار کو ترک کر کے یہ رہبانیت کی زندگی چھوڑ دو اور میرے پاس رہنے لگو۔

مگر میں نے دیکھا وہ اپنی ضد پر قائم تھی اور یہ بھی میرے دیکھنے میں آیا کہ وہ آج شب گزشتہ کے مقابلہ میں زیادہ مستقل مزاج اور قانع تھی۔

آخرکار جب مجھکو مجبوراً اپنی درخواستوں کا سلسلہ بند کر دینا پڑا تو وہ بولی میں چاہتی ہوں ایک کام میری خاطر سے کرو۔ اور اسی وقت مجھ سے وعدہ کرلو کہ آئندہ نیکی اور ایمانداری کی زندگی بسر کرو گے۔

"میں یہ وعدہ بڑے شوق سے کرنے کو تیار ہوں" میں نے فوراً جواب دیا "لیکن اس شرط پر کہ تم میرے پاس رہ کر اس کام میں میری مدد کرو"

"افسوس یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں اس معاملہ میں بے بس ہوں" وہ افسوسناک لہجہ میں کہنے لگی "ہاں اگر تم مجھ سے وعدہ کرلو تو میرے دل کو اطمینان ہو جائے گا"

"میں اس کا آخری جواب سوچکر ہی دے سکتا ہوں" میں نے آخرکار کہا "عین ممکن ہے یہ زخم مندمل ہونے کے بعد مجھے کسی کام کے لائق ہی نہ رہنے دیں اور مجھے حالت مجبوری میں ایماندار رہنا پڑے"

اسکے بعد ایک آخری کوشش کے طور پر میں نے کہا۔

"ایڈنا پیاری میری بات رد نہ کرو۔ اور میری خاطر یہ زندگی چھوڑ دو"

"جعفری" اس نے حسرت ناک لہجہ میں جواب دیا "میں ہمیشہ اپنی عبادت میں تم کو یاد کیا کروں گی۔ اور ہر موقع پر میرے منہ سے تمہارے حق میں دعائے خیر نکلے گی لیکن گو ایسا کہتے ہوئے میرا دل پاش پاش ہوتا ہے۔ تاہم فرض مجبور کرتا ہے کہ میں سمجھ لوں کہ اس زندگی میں ہمارے تعلقات باہمی کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے ہوگیا"

"الوداع۔ پیارے!" اُس نے جھک کر میرے منہ سے منہ ملا دیا۔ اور ہمارے ہونٹ ایک لمبے پُرجوش بوسہ کی صورت میں پیوست ہوگئے۔

اس کے بعد وہ بیرہلکی رخصت ہوگئی۔

اس سے اگلی صبح کو مجھے ایمبولینس کار پر سوار کر کے ریل کے اسٹیشن پر بھیج دیا گیا۔ لیکن جب مجھکو خانقاہ سے باہر لیجا رہے تھے۔ تو میں نے دیکھا۔ ایک کھڑکی کی راہ سے کوئی سفید سی چیز ہلائی جا رہی تھی اور ایک پیلا سا خوبصورت چہرہ میری طرف حسرت آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایڈنا کی آخری الوداع تھی۔

کیا خوبی تقدیر ہے کہ ہم تینوں جو کبھی مل کر رہا کرتے تھے حالات کی بہتی ہوئی رَو میں ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کے بعد خلاف امید علیحدہ علیحدہ مقام پر پل گئے لیکن فوراً ہی علیحدہ ہو جانے کے لئے اور اب کی مرتبہ ہماری علیحدگی اس قسم کی تھی جس کے خاتمہ کی کوئی صورت ہی نظر نہ آتی تھی (باقی آئندہ)

چلو آج سـتبد استارے چرائیں
زمانے میں اک آگ سی جو لگا دیں
اے سلمیٰ شفق کی حسیں وادیوں سے
ثریا کے ماتھے سے جھومر کو چھینیں
محبت کی دیوی جہاں جھولتی ہے

فلک کے حسیں ماہ پارے چرائیں
محبت کے ہم وہ شرارے چرائیں
چلو آج رنگیں نظارے چرائیں
کسی کی نگاہوں کے نالے چرائیں
تصور کے وہ گاہ وارے چرائیں

سفید پانی کی بیمار عورت

جو عورتیں سفید پانی کی بیماری میں مبتلا ہیں یعنی وقت بے وقت زردی مائل یا سفید رطوبت اُن کے خفیہ جسم سے نکلتی رہتی ہے۔ وہ اپنی ہری بھری جوانی کو چند روز میں خاک کر دیتی ہیں۔ کیونکہ سفید پانی کی بیماری سے غفلت برتنا اور اس کا علاج نہ کرنا بے حد خطرناک ہوتا ہے۔ یہی سفید رطوبت دراصل جوانی اور شباب کا جوہر ہوتا ہے جو رفتہ رفتہ بدن سے خارج ہوجاتا ہے۔ اور عورت کو بیکار کر دیتا ہے۔ اس بیماری کے شروع میں عورت کے تمام بدن میں بے کلی اور پنڈلیوں۔ کمر ناف کے نیچے میٹھا میٹھا درد ہوتا ہے پھر سر چکرانے لگتا ہے۔ کام کی زیادتی یا چلنے پھرنے سے بے حد تکان اور کمزوری محسوس ہونے لگتی ہے۔ اُس کے بعد ماہواری ایام میں کچھ ایسی گڑبڑ پڑتی ہے۔ جو بعض اوقات عورت کی صحت کا بالکل ہی خاتمہ کر ڈالتی ہے۔ پس ایسی حالت میں اس سفید بیماری (یعنی سیلان الرحم) سے عورت کو غفلت ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔

سفید پانی کو روکنے کی ترکیب اگر کوئی عورت سیلان رحم کی مریض ہے اور اس کے خفیہ جسم سے سفید پانی یا رطوبت نکلتی رہتی ہے تو اس کو روکنے اور اس کا علاج کرنے کی سب سے آسان اور سب سے سستی ترکیب یہ ہے کہ وہ ایک شیشی دوا "روک" استعمال کرے یہ دوا تقریباً بارہ سال سے تجربہ میں آ رہی ہے اور سیلان رحم کی بیماری کو تیسرے دن ختم کر دیتی ہے۔ ہزارہا عورتوں نے اس دوا کے ذریعہ اس بیماری سے نجات حاصل کی ہے۔ دوا شروع کرنے کے تیسرے دن ہی مریضہ بول اٹھتی ہے کہ دوا روک نے کتنی جلدی اُسے صحت کا یقین دلا دیا۔ کیونکہ استعمال شروع کرنے کے تیسرے روز سفید رطوبت کا خارج ہونا بند ہوجاتا ہے۔ اور پھر پوری شیشی ختم ہونے تک مرض کی بنیاد ختم ہوجاتی ہے۔ پس جن عورتوں کو سفید پانی کی بیماری ہو انہیں چاہیئے کہ اپنی جوانی کی حفاظت کریں اور **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کے پتہ پر خط لکھ کر دوا روک کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا کر استعمال کریں۔ سفید رطوبت سے نجات مل جائے گی ایک شیشی دوا روک کی قیمت صرف تین روپے ہے۔ اور سات آنے محصول پارسل لگتا ہے۔

عورت کا سینہ

بچوں کو زیادہ دودھ پلانے سے یا اور کسی بیماری یا بے احتیاطی کی بعض اوقات عورت کا سینہ (یعنی پستان) بہت نرم اور ڈھیلے پڑ کر نیچے کو ڈھلک جاتے ہیں۔ اور اس طرح عورت کی ظاہری جوانی ختم ہوجاتی ہے۔ عورت کے ظاہری حسن کیلئے اس کے سینہ کو بھی جوان ہونا ضروری ہے۔ اگر نرم اور نیچے کو ڈھلکے ہوئے پستان پر مشہور دوا **پرسٹین** کا استعمال کیا جائے تو یہ ثمر شباب (یعنی پستان) پھر از سر نو گول اور سخت ہوجاتے ہیں اور عورت پھر نوجوان لڑکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر گود میں بچہ ہو۔ اور وہ دودھ پیتا ہو تب بھی کوئی حرج نہیں۔ دوا نقصان نہیں کرتی۔ اس زمانہ میں بھی دوا "پرسٹین" استعمال ہوسکتی ہے۔ پستان کو دوبارہ سخت اور گول کرنے کے لئے یہ دوا سالہا سال سے مشہور ہے۔ (ایک شیشی کی قیمت چار روپے پندرہ آنے (محصول ڈاک سات آنے)

منگانے کا پتہ۔ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی**

ماہواری ایام کی خرابیاں

عورت ذات کو ماہواری ایام کا باقاعدہ آنا بہت ضروری ہے۔ اگر کسی باعث ایام کم آتے ہوں یا درد اور سخت تکلیف دیکر آتے ہوں یا بند ہوگئے ہوں یا مہینہ میں دوبارہ رک رک کر آتے ہوں یا ایام ماہواری کی اور کوئی خرابی ہو اور دورے وغیرہ پڑتے ہوں تو یقین کیجئے کہ ماہواری ایام کو درست اور باقاعدہ اور ہر ماہ وقت مقررہ پر لانے کے لئے سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ مریضہ کو ایک شیشی دوا **کورس** استعمال کروائی جائے۔ دوا کورس کا حیرت انگیز اثر دیکھ کر ہر شخص خوش ہوجاتا ہے۔ اس دوا کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ ماہواری ایام کو باقاعدہ کر دیتی ہے۔ اور پھر بغیر تکلیف کے ہر ماہ ایام ماہواری آتے ہیں۔ اور پھر ایام کے دنوں میں درد وغیرہ کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بڑی معرکہ کی دوا ہے اور سالہا سال سے ہندوستان میں شہرت حاصل کر رہی ہے۔ ایک شیشی کورس کی قیمت دو روپے آٹھ آنے ہے۔ اور سات آنے محصول پارسل پر لگتے ہیں۔ آج ہی **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔

اولاد پیدا کرنے کی ترکیب

جو لوگ اولاد سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور جو لوگ اولاد کی تمنا میں سارے جتن کر چکے ہیں۔ ان کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔ کہ نئے زمانہ کی سائنس نے اس مشکل کو بھی آسان کر دیا ہے اور اب ایک ایسا مرکب تیار ہو گیا ہے جو عورت کو حمل قائم کرنے میں حیرت انگیز کام کرتا ہے یہ ایک دوا ہے جس کا نام "محافظ اولاد" ہے اس دوا کو مسلسل سات رات تک عورت استعمال کرتی ہے اور ان ایام میں اُسے مرد سے بالکل علیٰحدہ رہنا پڑتا ہے۔ ٹھیک آٹھویں رات عورت....... اس پرہیز کو توڑتی ہے (یعنی مرد کے پاس جاتی ہے) تو اسی شب حمل رہ جاتا ہے یہ اتنا تعجب خیز تجربہ ہوا ہے کہ خود ڈاکٹر بھی حیران ہیں کہ محافظ اولاد کی سات خوراک دوا استعمال کرنے کے بعد عورت کا اندرونی جسم بالکل قدرتی حالت میں آجاتا ہے اور جب آٹھویں رات میاں بیوی...... ہوتے ہیں تو اسی رات یقیناً حمل ٹھہر جاتا ہے ——— مست قلندر کے ناظرین میں سے بھی سینکڑوں نے اس دوا کا تجربہ کیا۔ اور بعض جگہ تو ایسی ایسی عورتوں کے ہاں اولاد ہونی شروع ہو گئی جن کی شادی کو تیس سال ہو چکے تھے۔ آج دوا "محافظ اولاد" کی بدولت سینکڑوں بے اولاد عورتوں کی گود میں بچے کھیل رہے ہیں۔ اور وہ اس دوا کی ہر جگہ تعریف کرتی رہتی ہیں۔ اگر آپ میں سے بھی کوئی صاحب اولاد سے محروم ہوں۔ یا شادی کو عرصہ گزر چکا ہو اور حمل نہ ٹھہرتا ہو۔ یا حمل گر جاتا ہو تو آپ کو چاہئے کہ **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کے پتہ پر ایک خط لکھ کر دوا "محافظ اولاد" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ ایک شیشی میں ایک عورت کے لئے پوری سات خوراک دوا ہوتی ہے۔ اس شیشی کی قیمت دو روپے آٹھ آنے (۲/۸) ہے۔ اور پارسل پر صرف سات آنے خرچ ہوتے ہیں۔

آپ کو دمہ کا مرض ہے

مگر آپ ناحق تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں۔ کہ دوا "سالنسول" نے ہزاروں مریضوں کو تندرست کر دیا۔ دمہ کا دورہ سانس کی پریشان کن تکلیف اور بلغم اور کھانسی کی زیادتی سے آپکو یہ دوا بہت جلد چھٹکارا دلا سکتی ہے اس دوا کے ہزارہا سارٹیفکٹ ہمارے پاس موجود ہیں اور ملک میں سالہا سال سے ڈاکٹر اور طبیب دمہ کے مریضوں کو اکثر یہی دوا استعمال کرا کے مکمل تندرست کر دیتے ہیں۔ ایک شیشی سالنسول کی قیمت صرف ایک روپیہ چھ آنے ہے۔ اور اس پر محصول ڈاک سات آنے لگتا ہے تین شیشی ایک ساتھ منگانے پر محصولڈاک معاف **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کے پتہ پر ایک خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی۔ پارسل منگا لیجئے۔ اور ترکیب کے مطابق استعمال کیجئے۔ دمہ کا مرض اس دوا کے استعمال سے دیکھتے دیکھتے ختم ہو جائے گا۔

اولاد مت ہونے دو

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ بچوں کی کثرت سے مرد پریشان ہو جاتا ہے یا عورت کی تندرستی زیادہ بچے پیدا کرنے سے خراب ہو جاتی ہے تو ایسی حالت میں عورت کو چاہئے کہ کچھ عرصہ کے لئے اولاد کا پیدا کرنا بند کر دے تاکہ اس کی تندرستی پھر ٹھیک ہو جائے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ ایک شیشی دوا "روہیل" منگا کر عورت اپنے پاس رکھ لے اور "خاص وقت" سے پہلے اس دوا کی ایک خوراک کھالے۔ حمل نہ ٹھہر سکے گا۔ چنانچہ جب تک یہ عمل رہے گا۔ عورت کو حمل نہیں ٹھہر سکتا۔ اور جب اس دوا کا استعمال ترک کر دے گی۔ حمل ٹھہر جانا ممکن ہے۔ اس دوا سے عورت کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ ایک شیشی میں اسی مرتبہ استعمال کے لائق دوا ہوتی ہے۔ اس کی قیمت چار روپے آٹھ آنے ہے اور محصولڈاک گیارہ آنے لگتا ہے **لیڈی ڈاکٹر زنانہ دواخانہ پی بکس ۳۴ دہلی** کو خط لکھ کر بذریعہ وی۔ پی منگا لیجئے۔

بس ہیں نہ جب ہوئے جان و دل لطفِ بہار آئے کیوں
شکوۂ آہِ نارسا اپنے لبوں پہ آئے کیوں
صرصرِ شعلہ بار کا باغ میں جبکہ ہو گذر
اب وہ شگفتگی نہیں زیست کی وہ خوشی نہیں
پھیر لی تم نے جب نظر رسم وفا مٹا چکے
غم کا ہے مستحق وہی جس کو نصیب ہو خوشی
دل میں جو گھر بنا چکا آنکھوں میں جو سما چکا
شیوۂ ناز ہے اُدھر رسم نیاز ہے اِدھر
جو ہے مزاج داں ترا ہے وہی راز داں مرا
تو جو سُنے نہ التجا دست نگر ہو کیوں ترا
لطف تو اس ستم میں ہے جو ہو تمہارے ہاتھ سے
جس کی رضا قضا پہ ہو جس کی بقا فنا پہ ہو

آتشِ صبر سوز میں ضبط و قرار آئے کیوں
سُن نہ سکے جو دردِ دل کوئی اسے سنائے کیوں
فصلِ خزاں میں اے گلو تم پہ نکھار آئے کیوں
دل ہی نہیں نہ دل رہا لطفِ بہار آئے کیوں
عاشقِ خستہ حال کو صبر و قرار آئے کیوں
جو نہ ہنسا ہو عمر بھر کوئی اُسے رُلائے کیوں
نقشِ خیال کی طرح عشق اُسے مٹائے کیوں
بس میں ہے انکے جب جہاں سر نہ کوئی جھکائے کیوں
رمز یہ حسن و عشق کے اور کوئی بتائے کیوں
جب نہ قبول ہو دعا ہاتھ کوئی اُٹھائے کیوں
بخت ہمیں رُلائے کیوں چرخ ہمیں ستائے کیوں
جینے پہ کیوں وہ جان دے مرنے سے جی چرائے کیوں

یار کی بزمِ ناز ہے سب تو بھرے خوشی خوشی
تم یہ بتاؤ اے ضمیر سینہ فگار آئے کیوں

میرا دیوانہ پن

از جناب محمد نسیم صاحب عراقی بہودری

دُنیا مجھے پاگل کہتی ہے، سنسار والے مجھے دیوانہ سمجھتے ہیں، مگر کیا سچ مچ، میں پاگل ہوں، واقعی دیوانہ ہوں؟ ~~~

جھوٹ! غلط!! بالکل غلط۔ سنسار والے جھوٹے ہیں۔ مجھے دیوانہ کہنے والے خود دیوانے ہیں۔ مکار۔ دُنیا خود پاگل ہے۔ ~~~

کیا اُس ناپاک نظام کو جسے "سماج" کہا جاتا ہے نفرت کی نگاہ سے دیکھنے والا دیوانہ ہے؟ کیا ظالم سماج کے کباڑیوں سے جنگ کرنے والا پاگل؟ ———— اندھی اور دیوانی دُنیا مجھے پاگل کہتی ہے۔ اس سے کیا ہوتا ہے ———— میں مسرور ہوں بے انتہا مسرور۔ ~~~

میں نے سماج کے نام پر روٹی کمانے والے چودھریوں سے بغاوت کی ہے۔ ان کے فولادی پنجوں کو موڑ کر بیکار کر دیا ہے ——

میرے دوست! ~~~

آج ہم آزاد ہیں اس تیتری کی طرح جو کھلی فضا میں ناچتی پھرتی ہے۔ اس شوخ و شریر بھونرے کی طرح جو کلیوں کا رس چوستا پھرتا ہے اور جسے نہ باغ کا مالی روک سکتا ہے۔ نہ گل چیں کی گرفت۔ ~~~

آؤ میرے دوست! پریم ساگر میں نہائیں اور من مندر میں وہ دیا جلائیں جو کبھی بجھ نہ سکے۔

میں نے تمہارے لئے اور صرف تمہارے لئے دُنیا کی رنگینیوں سے منہ موڑ کر سماج سے جنگ کی ہے اسی لئے میرے دوست! دنیا مجھے دیوانہ کہتی ہے اور یہی ہے

"میرا دیوانہ پن"

(خاص) ———— غیر مطبوعہ

ہندوستانی سنیاسیوں کے جگر پارے

آتشک سوزاک اور نامردی کا سو فیصدی کامیاب علاج

(خاص مست قلندر کیلئے)

ایک ٹب میں چاہیے وہ مٹی کا ہو یا ٹین کا ۔کنوئیں کا تازہ پانی اتنا بھر دو کہ جس میں اُس ٹب میں بیٹھنے سے پانی جانگھوں سے لیکر ناف تک آجائے اب جانگھوں سے لیکر ناف تک یعنی بدن کا وہ حصہ جو پانی میں بیٹھنے سے بھیگ جائیگا برہنہ کر دو اسکے علاوہ بدن کے وہ بقیہ حصے جو پانی سے باہر رہینگے یعنی جانگھ سے لیکر پیر کی اُنگلیوں تک اور ناف سے اُوپر کا حصہ کسی اُونی کپڑے سے خوب اچھی طرح ڈھک لو اور پانی سے بھرے ٹب میں نصف بیٹھ کر اور نصف لیٹ کر ناف سے نیچے داہنے سے بائیں اور بائیں سے داہنے بغیر ہاتھ روکے یا ٹھہرے کے کھردرے انگوچھے یا تولیا سے دھیرے دھیرے پیڑو کو ملو ۔شروع میں یہ ہاتھ ۱۰ منٹ تک لو ۔بعد ازاں بڑھا کر آدھ گھنٹہ تک کر دو ۔ ہاتھ لے چکنے کے بعد یہ ضروری ہے کہ تمام بدن کو یکساں گرم کر دیا جائے اور کچھ پسینہ اگر ممکن ہو تو نکل آئے ۔ اسکے لئے مریض کو یا تو تھوڑا کوئی ورزش کرنی چاہیئے یا خوب گرم کپڑے بدن میں لپیٹ کر پلنگ پر لیٹ رہنا چاہیئے ۔یہ ہاتھ صبح کو ایک بار لینا ہوگا ۔اسکو ہپ باتھ کہتے ہیں ۔

پھر شام کو اسی ٹب میں ایک تپائی یا لکڑی کا تختہ رکھکر پانی اتنا بھرو کہ تپائی کے کناروں تک پانی پہونچ جائے لیکن اُس پر بیٹھنے سے چوتڑ نہ بھیگنے پائیں ۔اب مریض اُسپر مادر زاد ننگا بیٹھ جائے اور اُسی موٹے کپڑے کو پانی میں بھگو بھگو کر اُس سے دھیرے دھیرے حشفہ کے اُوپر جو چمڑی ہوتی ہے اُسکے آگے کا سرا ذرا سا آگے کھینچ کر اُسی کو بڑی ملائمیت کے ساتھ اپنے بائیں ہاتھ کی دو اُنگلیوں سے پکڑ کر دھوئے ۔بقیہ تمام باتیں اسی طرح کریں جیسے اُوپر کے ہاتھ میں بتایا گیا ہے یعنی ہاتھ کے بعد گرمی لانا ۔ہاتھ ۱۰ منٹ سے ۲۰ منٹ تک کرنا ۔مگر اس ہاتھ میں تمام بدن ننگا ضروری ہے دونوں ہاتھ بند کمرے میں جسمیں دو ایک کھڑکیاں ہوا آنے جانے کیلئے ہوں ۔کرنا چاہیئے ۔یہ ہاتھ خاص کر عورتوں کے لئے مجرب المجرب ہے کیونکہ اُنکے اس حصہ کی بناوٹ ہی قدرتاً ایسی ہوتی ہے کہ یہ ہاتھ اُن کیلئے موافق پڑتا ہے ۔اسکو سٹز باتھ کہتے ہیں ۔

نوٹ ۱ ۔مسلمانوں نیز اُن مریضوں کو جنہیں حشفہ کے اُوپر کی چمڑی نہ رہنے کی وجہ سے دوسرے ہاتھ میں دقت محسوس ہوتی ہے ۔ جب دواء ہے کہ یا تو شام و صبح دونو وقت ہپ ہاتھ ہی کریں یا اگر سٹز ہاتھ کریں تو کپڑے سے اُس جگہ کو جو ٹانگوں اور ہیضہ کے بیچ میں ہے اور جس کو سیون کہتے ہیں دھیرے دھیرے مالش کریں اور کمر کے نیچے کے حصہ کو بھی اسٹول کے اندر تک تین انگل پانی میں ڈوبا ہوئے رکھنا چاہیئے ۔

نوٹ ۲ ۔ دوران معالجہ میں گھی ۔تیل ۔اچار کھٹائی ۔مصالحہ جات ۔مرچ نہ کھائیں ۔اگر نمک چھوڑ سکیں تو بہت اچھا ورنہ سیندھا نمک لے سکتے ہیں ۔آدھ پکے پھل ۔ترکاریاں اور سبزیاں گیہوں کا آٹا معہ بھوسی کے خوب کھانے چاہئیں کچا اور دوہا ہوا دودھ لینا مناسب ہے ۔خوراک زیادہ تر قدرتی اور بغیر پکائی ہوئی بہتر ہوگی مصنوعی اشیاء یکلخت ترک کر دینی چاہئیں ۔

نوٹ ۳ ۔ان ہاتھوں سے نہ صرف متذکرہ بالا امراض کی ہی بیخ کنی ہو جائیگی بلکہ تمام زہر جو اُسوقت بدن کے اندر موجود ہونگے ۔یکے بعد دیگرے خارج ہوتے چلے جائینگے اور رفتہ رفتہ مریض ایسا محسوس کرنے لگیگا گویا کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا ۔ان ہاتھوں سے زہریلے مواد جسم سے خارج ہو جاتے ہیں ۔اور اسکے خلاف دواؤں سے امراض دب جاتے ہیں جو کچھ دنوں تک تو دبے رہتے ہیں مگر دوا کا اثر زائل ہوتے ہی پھر اُبھر آتے ہیں یہی سلسلہ لگا رہتا ہے اور خاصکر آتشک سوزاک وغیرہ کے معاملہ میں تو یہ بات سولہ آنے درست ہے ۔

نوٹ ۴ ۔یہ نسخہ کم خرچ ہی نہیں بلکہ آب حیات ہے اگر سوچا جائے تو اس میں کوئی خرچ ہی نہیں ہے اور ہر غریب و امیر اس سے مستفید ہو سکتا ہے ۔ہر موسم میں استعمال کے لائق ہے ۔ہر جگہ کیا جا سکتا ہے پانی ہی اُس کا علاج ہے جو سب جگہ دستیاب ہو سکتا ہے ۔ہر طبیعت سے موافقت رکھنے والا نسخہ ہے کوئی جھنجھٹ نہیں ۔کوئی تردد نہیں ۔اس سے بالا نشین اور مجرب المجرب نسخہ جو ہر جگہ فوراً دستیاب و سہولت کے ساتھ ہو سکے ۔میرے تجربہ میں تو نہیں آیا ۔

راقم ۔گنگا پرشاد گوڑ نامہ نگار ویدیہ

حفظانِ صحت

کیا تو ۹۰ فیصدی آدمی بے موت مر جاتے ہیں؟

بقائے صحت اور درازی عمر کیلئے ہمیں کیا خوراک کھانا چاہیئے

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان جیسا کھاتا ہے اُسی کے مطابق بن جاتا ہے۔ یہ بات صرف جسمانی طور پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ اخلاقی اور رُوحانی طور پر بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اس لئے ہر شخص کی بہترین کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے لئے کھانے کی چیزوں کا صحیح انتخاب کرکے اُنکو مناسب طریقہ اور مناسب وقفوں کے ساتھ استعمال کرے اسی پر اُس کی صحت۔ درازی عمر اور اخلاقی اور روحانی بہتری کا دارومدار ہے۔ نیز ہر شخص کو معلوم ہے کہ عمدہ صاف اور مقوی خوراک انسان کو طاقتور بناتی اور اُسکی صحت کو قائم رکھتی ہے۔ لیکن واقعہ میں یہ قول صرف نصف حد تک صحیح ہے غذا کی عمدگی اور قوت بخشی سے قطع نظر اسکے طریق استعمال اور مقدار کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ ہوتی کہ آج ہم امیر اور فارغ البال لوگوں میں بھی بیشمار ایسے آدمی دیکھ سکتے جو اچھے سے اچھا کھانے اور پینے کے باوجود کمزور، نقیہ اور دائم المریض رہتے ہیں۔ اُس کا مطلب صریح لفظوں میں یہی ہو سکتا ہے۔ کہ کسی کھانے کی چیز سے بہترین فائدہ حاصل کرنے کیلئے اُسکے طریق استعمال اور صحیح مقدار سے واقف ہونا بھی ضروری ہے اگر مناسب قسم کا کھانا مناسب طریقہ پر تیار کرنے کے بعد مناسب اوقات میں کھایا جائے تو اسی صورت میں آدمی کی صحت قائم رہ سکتی ہے ورنہ عمدہ سے عمدہ چیز اور نہایت مقوی کھانے بھی فائدہ بخش ہونے کی بجائے اُلٹا مضر اثرات پیدا کرنے لگتے ہیں۔

مغربی ملکوں میں گذشتہ پچیس (۲۵) سال کے عرصہ میں ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کی توجہ پھر ایک بار اسی سوال پر مبذول ہونے لگی ہے۔ کہ انسان غذا سے بہترین فائدہ حاصل کرنے کیلئے کون کونسی چیزیں کھائے اور کس طریقہ پر کھائے اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ خوراک کا علم سائنس کی ایک بڑی زبردست شاخ ہے دوائیں انسان کو صحت وربنانے یا اُسکی بگڑی ہوئی صحت کو اصلی حالت میں لانے میں کچھ بھی مدد نہیں دے سکتیں۔ ان کا استعمال ایک انتہائی چارہ کار ہے جس طرح ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کا سہارا پکڑنا چاہتا ہے ورنہ سچ پوچھئے تو یہ روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہی ہیں جنکی صحیح اہمیت سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کیجاتی انسان کو صحت مند اور قوی بنانے اور اُسے عمر طبعی تک پہنچانے کا اصلی ذریعہ ہیں۔

اگر کوئی شخص دن میں تین بار کھانا کھاتا ہے تو حساب لگانے سے معلوم ہوگا کہ وہ سال میں ۱۰۹۰ مرتبہ کھانا کھاتا ہے جو لوگ صبح کو چائے پینے کے عادی ہیں اُنکی حالت میں ۳۶۵ چائیں بھی شامل کی جاسکتی ہیں۔ اور جو لوگ چائے کیساتھ ناشتہ بھی کیا کرتے ہیں۔ اُنکی حالت میں ۳۶۵ کھانے اور شامل کئے جاسکتے ہیں اُن کھانوں کے درمیان مٹھائی وغیرہ کو تفریحاً استعمال کرنیکا جو دستور چلا آتا ہے وہ اُن سب سے متزاد ہے غرض حساب لگا کر اوسط نکالی جائے تو معلوم ہوگا کہ آدمی سال بھر میں ۱۳۴۲ گھنٹے صرف کھانا کھانے میں بسر کرتا ہے اس سے بہت زیادہ وقت ان کھانوں کو ہضم کرنے کیلئے درکار ہوتا ہے اب اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ آدمی کی اوسط قابلیت چھ گھنٹے کام کرنے کی ہے۔ تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ آدھا وقت تو پیٹ کے دھندوں میں ہی گزر جاتا ہے اگر کسی اور دلیل سے نہیں تو کم از کم ان عادات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہو جائیگا کہ کھانے کی چیزیں اور اُنکے استعمال کے طریقے ہماری صحت کو بنانے یا بگاڑنے میں کس حد تک حصہ لیتے ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر ہی ہمیں اس مضمون پر اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

ہم کیا کھائیں

سب سے پہلے غالباً سر ولیم آسلر نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا تھا کہ صرف دس فیصدی آدمی متعدی بیماریوں یا اتفاقی حادثوں سے مرتے ہیں۔ باقی ماندہ نوّے (۹۰) فیصدی کی حالت میں بیماری اور موت ان نقصوں کا نتیجہ ہوتی ہے جو خوراک کے صحیح انتخاب اور صحیح طریق استعمال میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس نہایت موٹے سوال کا جواب دینے سے پہلے کہ ہمیں کیا کھانا چاہیئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سر رابرٹ میکیریسن کی رائے پیش کر دی جائے جو معاملات خوراک میں ایک قانون کا درجہ رکھتی ہے اور جسے آجتک جھٹلایا نہیں جاسکا وہ رائے یہ ہے "برقراری صحت کیلئے سب سے زبردست واحد ذریعہ تحریک صحیح قسم کی خوراک ہے اور بیماریوں

کی ترقی کا سب سے بڑا باعث واحد ذریعہ تحریک غلط قسم کی خوراک ہے"۔

جوں جوں دُنیا میں تہذیب اور تمدن ترقی کرتا چلا جاتا ہے ایک بڑی خرابی یہ واقع ہو رہی ہے کہ ہماری خوراک کی چیزیں براہ راست اپنی اصلی صورت میں جس طرح قدرت نے اُن کو بنایا تھا اور جن میں انکو استعمال کرنا چاہیئے کھیتوں اور باغوں سے ہمارے دسترخوان تک نہیں پہنچتیں موجودہ طریقہ یہ ہے کہ اُن چیزوں کو جمع کر کے پہلے بڑی مقدار میں منڈیوں میں لیجاتے ہیں وہاں ان کی تازگی مٹ جانے کے بعد وہ کئی کئی ہاتھوں سے گزر کر کھانیوالے تک پہنچتی ہیں اور جن ملکوں میں تہذیب نے اور بھی زیادہ ترقی کر لی ہے وہاں ان چیزوں میں کئی کئی طرح کی تبدیلیاں اور رنگ آمیزیاں کی جاتی ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ غذائی جوہر جو قدرت نے اُنکے اندر پیدا کئے تھے بڑی حد تک تلف ہو جاتے ہیں اور جو باقی رہ جاتے ہیں وہ بھی زیادہ تر ہمارے غلط طریق استعمال سے ضائع یا بیکار ہو جاتے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ اچھے سے اچھے پھل [illegible] اور بہترین اناج بھی جب اُن بیشمار مدارج سے گزر چکتے ہیں جن میں فی زمانہ اُن کو گزرنا پڑتا ہے تو ہرگز اس قابل نہیں رہتے کہ انسان کی اُن غذائی ضرورتوں کو پورا کر سکیں جو قدرت نے اُنکے اندر پیدا کی تھیں۔

اس سے دوسرے درجہ پر اہمیت رکھنے والا سوال ان چیزوں کے طریق استعمال سے تعلق رکھتا ہے۔ درحقیقت انسان کے اندر قدرت نے جو اشتہا پیدا کی تھی اسکا صحیح مقصد یہ تھا کہ جسمانی کل کے مسلسل چلتے رہنے سے بدن میں جن مادوں کی کمی واقع ہو انکو روزمرہ تناسب کے لحاظ سے بذریعہ خوراک پورا کیا جائے۔ بس کھانا کھانے سے پیشتر ہمارے لئے اس حقیقت سے واقف ہونا ضروری ہے کہ ہمارے بدن کے گھس گھسا سے کیا کیا چیزیں روزمرہ کم ہوتی ہیں اور اس کمی کو کس طریقہ پر پورا کیا جاسکتا ہے؟ صحیح معنوں میں فائدہ بخش غذا وہی ہے جو ان ضرورتوں کو پورا کر سکے

اس سوال کو بخوبی سمجھنے کے لئے ہمارے واسطے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمارا بدن کن کن اجزاء سے مرکب ہے۔ اگر ہم کسی کیمیا دان کے نقطہ نظر سے دیکھیں اور یہ معلوم کرنیکی کوشش کریں کہ مختلف اجزاء کس کس تناسب سے آدمی کے بدن میں موجود ہیں تو غالباً ہم اُس نتیجہ تک پہنچیں گے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

آٹھ پونڈ چونا یا کیلشیم چار پونڈ کوئلہ یا کاربن ایک چھوٹا چمچہ بھر نمک۔ ایک چھوٹا چمچہ بھر ملے جلے معدنی اجزا مثلاً فاسفورس پوٹاشیم۔ گندھک کلورین میگنیشیم مینگنیز وغیرہ۔ ذراسی مقدار فولاد کی چند قطرے آیوڈین کے خفیف سی جھلک سونے چاندی۔ ایلومینیم اور بعض دوسری نادر دھاتوں کی۔ اور چار گیلن پانی کے۔ بس یہ چیزیں ہیں جنکو ایک دوسرے کیساتھ ملا کر ایک اوسط درجے کے آدمی کا بدن تیار ہوتا ہے۔

غور کر کے دیکھا جائے تو آدمی کی ذات کے وسیع امکانات کے سامنے اُسکے اجزائے طبعی بالکل بے حقیقت ہیں۔ کہاں تو وہ حیرت انگیز ہستی جو قدرت پر فتح پانے اور دُنیا کی ساری مخلوقات کو رام کرنے کی دعوے دار ہے۔ اور کہاں چند بیہودہ چیزیں جو اُسکے اجزائے ترکیبی ہیں۔ اور اگر ان چیزوں کو اسی مقدار میں لے کر ہم پانی میں ملادیں تو ایک نہایت میلا اور گدلا مرکب تیار ہو جائیگا جسکا مطلب یہ ہوا کہ آدمی [illegible] کتنا غلیظ ہے۔ لیکن خیر۔

جس طرح تجارتی زندگی قائم رکھنے کے لئے سونے اور چاندی کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے اسی طرح جسم انسانی کی بناوٹ کو صحیح حالت میں رکھنے کیلئے سونا۔ تانبا کیلشیم فاسفورس آیوڈین اور بعض دوسرے معدنی عناصر درکار ہیں [illegible] کے علاوہ آدمی کے جسم کو بعض تیزابی مادوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جن کو قدرت نے کھلی حالت میں مہیا نہیں کیا۔ اور نہیں ہم اُن چیزوں سے اخذ کر سکتے ہیں جن میں قدرت نے مادہ پردے میں پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ مثلاً پتوں والی سبزیوں میں سے۔ انکے علاوہ کچھ چیزیں اور بھی درکار ہوتی ہیں جنکا نام وٹامن مشہور ہے۔ اور جنکا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ کسی اور موقعہ پر کیا جائے گا۔

ان چیزوں کے علاوہ آدمی کے بدن کی ہڈی اور پوست کے درمیان ایک طرح کا سہارا یا تکیہ پیدا کرنے کے لئے چربی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح حرارت پیدا کرنے اور انسانی جسم کی کل کو چلانے کے لئے کاربوہائیڈریٹ مادے درکار ہیں۔ جو ہمیں نشاستہ اور شکر کی صورت میں ملتے ہیں۔

غرض یہ وہ چیزیں ہیں جن کی مدد سے آدمی کا بدن تیار ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس جاندار مشین کے ہر وقت چالو رہنے سے یہ چیزیں تھوڑی بہت مقدار میں گھٹتی بڑھتی چلی جاتی ہیں اس لئے جسم انسانی کو صحت کی حالت میں رکھنے اور اسکو بگڑنے سے محفوظ کرنے کے لئے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ یہ چیزیں جس جس مقدار میں صرف ہوں۔ اسی مقدار میں ازسرنو جسم میں داخل کر لی جائیں۔

مست قلندر کی آئندہ اشاعت میں ہم یہ بتانے کی کوشش کریں گے۔ کہ جسم انسانی کے ضروری عناصر روزانہ گھس گھساؤ کے ذریعہ سے کس حد تک صرف ہوتے ہیں اور اس کمی کو پورا کرنے کیلئے ہمیں ان مادوں کو کہاں سے کس مقدار میں حاصل کرنا چاہیئے؟ :: (جملہ حقوق محفوظ)

سات دن میں نئی جوانی

ایک محقق کا کمال جس نے ہزارہا نامردوں کو جواں مرد بنا دیا

جوان بنانے کے کتنے ہی اشتہار شائع ہو رہے ہیں جن کی گنتی مشکل ہے مشاہدات نے ثابت کیا ہے کہ کوئی دوا یا علاج اس مقصد کیلئے کامیاب نہیں ہو سکا۔ محققین مدت سے اس تگ و دو میں لگے ہوئے تھے کہ آخر نامردی کے علاج میں کونسا طریقہ مفید اور کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور ہم کیونکر اس کے علاج میں فتح یابی حاصل کر سکتے ہیں چنانچہ چند سال کی لگاتار اور لاانتہا کوششوں اور تجارب کے بعد **"ری جووین"** ایک ایسا نایاب علاج دریافت کر لیا گیا جو حقیقت میں نامرد کو مرد بنا دیتا ہے گیا گزرا مرد عیش و بری باتوں میں مبتلا رہ کر اپنے جوہر حیات کو برباد کر چکا ہو پورے سات دن میں تعجب انگیز طریقہ پر مکمل مردمی حاصل کر لیتا ہے۔ اگر اس کو وقت پر شرمندگی ہوتی ہو، جوانی میں بڑھاپے کے آثار نظر آنے لگے ہوں غرضیکہ جوہر حیات کو برباد کرنے کے بعد جو بری علامات ظاہری و اندرونی پیدا ہو گئی ہوں ان سب کو دور کر دیتا ہے۔ اس علاج کا کمال یہ ہے کہ مریض آدھ گھنٹہ میں دوا کا اثر محسوس کرنے لگتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ کامل سات دن تک اپنے پر قابو رکھنا پڑے گا۔ اگر بے صبری سے کام لیا تو اصول علاج میں خرابی آ جائیگی اس لئے اس کورس کو صرف وہی حضرات منگائیں جو سات دن تک ضبط سے کام لینے کا اقرار کریں۔

آپ مرد بننا چاہتے ہیں

تو میدان میں آیئے اور "ری جووین" کا کرشمہ دیکھیئے۔ نہیں بتایا جا سکتا کہ طاقت کا کیا حال ہو گا۔ آپ خود ہی دیکھ لیں گے کہ "ری جووین" "یقیناً" جادو کی طرح اثر کرتا ہے۔ تیر کی طرح لگتا ہے۔ اور ساری شرمندگی اور ندامت جو بوقت خاص اٹھانی پڑتی تھی، ختم ہو جاتی ہے اور حیرت ہونے لگتی ہے کہ ہم کیا تھے۔ اور کیا بن گئے تجربہ کر لیجیئے۔ سچائی کو آزما لیجیئے۔ آپ کی کمزوری طاقت میں تبدیل ہو کر آپ کو مجبور کر دے گی کہ شادی اور کی جائے۔ ہر خوراک جسم میں خون ہی خون بنائے گی مردہ اعصاب کو جگائے گی بس ان ہی دنوں میں ضبط سے کام لیا جائے گا۔ اعضاء تناسل کی جملہ خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ اس علاج کے موجد نے دو دواؤں کا کورس تیار کیا ہے۔ ایک کھانے کی دوا **"وبلڈرن"** اور دوسری لگانے کی دوا **"فاسفورس آئیل"** ہے اس کورس میں دونوں دوائیں پوری مقدار میں ہوتی ہیں جو ایک مریض کے لئے بالکل کافی ہوتی ہیں یہ طاقت مردمی اور دوبارہ جوانی کا طلسمی بکس کہلاتا ہے۔ خدا کی ذات پر یقین کیجئے "ری جووین" اس صدی کا کمزوری کا انمول علاج ہے۔ ہر عمر اور ہر مزاج کا انسان اس سے ہر موسم میں فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

مکمل کورس کی قیمت پانچ روپے (۵) ڈاک کے محصول پر سات آنے خرچ ہوں گے (اگر فائدہ نہ ہو تو قیمت واپس یا دوبارہ دوا مفت اور مشورہ مفت (جھوٹ بولنا حرام ہے)

ملنے کا پتہ:- **سعید برادرس اینڈ کو کلاں محل نمبر ۲ دہلی**

دنیائے فلم کی تازہ ترین خبریں!

مست قلندر کے فلمی نامہ نگار مقیم بمبئی کے قلم سے!

بمبئی ٹاکیز (بمبئی) اشوک کمار جس کی نسبت یہ یقین کیا گیا تھا کہ وہ بمبئی ٹاکیز سے علیحدہ ہو چکا ہے۔ پھر واپس آگیا ہے اور ان کے نئے فلم میں لیلا چٹنس کے ساتھ بطور ہیرو کے کام کرے گا۔ ہمیں اُمید ہے کہ اسے لیلا کے ساتھ کام کرنے میں وہی کامیابی حاصل ہوگی جیسی کہ دیویکا رانی کے ساتھ ہوئی تھی

شری رنجیت مووی ٹون بمبئی اس کمپنی نے اور تین پکچروں کے تیار کرنے کا اعلان کیا ہے جس کے نام یہ ہیں ڈاکٹر۔ بیوی اور اسکی آرزو۔ "ادھوری کہانی" کی شوٹنگ ختم ہونے کے قریب ہے۔

ساگر اور جنرل فلمز دونوں کمپنیوں کی مشترکہ جدوجہد سے جو نیشنل سٹوڈیو لمیٹڈ جاری کیا گیا ہے اس کی پہلی فلم کا نام "خیال" تجویز کیا گیا ہے لیکن اداکاروں سے متعلق اعلان ابھی تک نہیں کیا گیا۔

منروا کمپنی۔ اس کی فلم "پکار" بالکل مکمل ہوگئی جس کو بمبئی میں ریلیز کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ "پکار" میں "جیلر" والی شیل نئے انداز سے نمودار ہوئی ہے۔ ڈائرکٹر سہراب مودی ہیں

فلم کارپوریشن آف انڈیا: شانتا آپٹے نے فلم کارپوریشن سے معاہدہ کر لیا ہے۔ پربھات کے ساتھ معاہدہ ختم ہونے کے بعد وہ کارپوریشن میں چلی جائے گی۔

نیو تھیٹرز کی نئی فلم۔ اس کا نام "مسافر" ہے اسے دیوکی بوس تیار کر رہے ہیں۔ نصف تیار ہو چکی ہے۔ ہیرو اشوک کمار ہے اور ہیروئن لیلا ڈیسائی۔

نیو تھیٹرز کی پنجابی فلم۔ اس فلم میں ملک کے مایۂ ناز پنجابی اداکار مسٹر سہگل کام کریں گے اور ان کے ساتھ مس کانن دیوی اور پنجاب کے ممتاز ترین اداکار ہوں گے۔ اس فلم کی تیاری کا کام مسٹر نتین بوس کے سپرد کیا گیا ہے جو اس سے پہلے دھوپ چھاؤں اور دھرتی ماتا جیسی مایۂ ناز فلمیں ملک کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ اُمید ہے کہ یہ فلم گذشتہ تمام پنجابی فلموں سے زیادہ کامیاب رہیگی اس فلم کی ڈسٹری بیوشن انڈیا فلم بیورو لاہور کے سپرد ہوئی ہے۔ مسٹر کے ایل قاضی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اندرا مووی ٹون کلکتہ:۔ یہ کمپنی اپنی آئندہ پکچر "پورن بھگت" کی پبلسٹی کے سلسلہ میں زبردست تیاریاں کر رہی ہے جسے آئندہ ماہ کے وسط میں بیک وقت کئی شہروں میں ریلیز کیا جائے گا۔

فلم کارپوریشن آف انڈیا کلکتہ کی فلم "قیدی" کی شوٹنگ شروع ہو رہی ہے جسے کدار شرما ڈائرکٹ کریں گے یہ فلم بنگالی اور ہندی دونوں زبانوں میں تیار ہوگی۔

کملا مووی ٹون:۔ اس کی نئی فلم کا شوٹنگ شروع ہو گیا کاسٹ کا انتظام بھی ہو چکا ہے۔ گو فلم کا نام ابھی ظاہر نہیں کیا گیا مگر اتنا پتہ لگ گیا کہ وہ پنجابی زبان کا شاہکار ہے۔

بیسٹ فلم ایکسچینج لاہور۔ کمپنی کے مالکوں نے ساگر کمپنی کی فلم "اس دھرتی پر" خرید لی ہے۔ ان کی نظر انتخاب ہمیشہ اچھی فلموں پر پڑتی ہے فلم کے اداکاروں کے نام یہ ہیں۔ سوبھانا۔ پریم ادیب۔ بیو۔ ہریش اور "بدھو" والی۔

بمبئی کاشن پکچرز۔ "بجلی" یہ فلم تین چوتھائی سے زیادہ تیار ہو چکی ہے۔ اسے بلونت بھٹ ڈائرکٹ کر رہے ہیں۔

بھونانی پروڈکشن بمبئی۔ یہ کمپنی فلم "زمبو کا بیٹا" کو فلمی صورت دے رہی ہے۔ اس میں جنگل کی زندگی اور سنسنی پیدا کرنے والے واقعات پیش کئے گئے ہیں اور اس میں قابل اور نامور اداکار کام کر رہے ہیں۔

موتی محل تھیٹرز لمیٹڈ کلکتہ۔ اس کے سٹوڈیو میں فلم "بھگت سورداس" تیار ہو رہی ہے جس میں پنجابی زبان کے مشہور آرٹسٹ اور ماہرین کام کر رہے ہیں۔

ناظرین کرام خط و کتابت کے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔

ریحانہ کے حضور میں

ازجناب صہبا لکھنوی

خط دیر سے بھیجنے کی شکایت

سلامِ شوق مرا بارگاہ تک پہنچے ! — دھڑکتے دل کا فسانہ نگاہ تک پہنچے !

"قلم" "زبان درازی" سے شرمسار ہے اب ! — "سکوت" سے مری گویائی ہم کنار ہے اب !

"تری جناب میں" کچھ کہہ سکوں مجال نہیں ! — مرے خیالوں میں اب وسعتِ خیال نہیں !

یہ خط کی دیر نے گویائی بخش دی مجھ کو ! — اس انتظار نے دیدی تھی خستگی مجھکو !

اسی خلش میں ترا نامہ آج پایا ہے ! — ہزار شوق میں سینہ سے پھر لگایا ہے !

کلیجہ تھام کے نامہ شروع کیا میں نے ! — وہ اختتام پہ پہنچا کہ پھر پڑھا میں نے !

وہ تیرا عذر کہ مجبوریاں ستاتی ہیں ! — سہیلیاں مری ہر وقت جان کو لپٹی ہیں !

انھیں [illegible] پیر ہوتی پیارے ! — اگر قصور ہیں میرے تو بخش دو سارے !

ترے خیالوں کی گہرائی میں سمائی ہوئی ! — وہ بھولی بھالی سی صورت نظر میں آئی ہوئی !

یہ تیرے عذر تو معقول کچھ نہیں پیاری ! — یہ کیوں نہ کہہ دو کہ اب یاد ہی نہیں باقی !

یہ صاف کہہ دو کہ دلچسپیاں بہت ہیں مری — نیا شباب ہے رنگینیاں بہت ہیں بھری !

نہیں ہے فرصتِ تحریرِ خط ذرا مجھکو — نہیں رہا ہے اب احساس مدعا مجھکو !

شکیب و صبر و قرارِ حیات ہے معدوم ! — "ترے بغیر" "بہارِ حیات" ہے معدوم !

وہ اک کہانی تھی جو لبریز دل کا پیمانہ ! — اسی نگاہ سے پھر دیکھ جاؤ ریحانہ !

پانچ روپے میں نئی شادی ہوسکتی ہے

لذتین — وقت سے پہلے ذراسی دوا لگانے سے لذت سے بیتاب کردیتی ہیں کیسی ہی مغرور عورت ہو اس کے استعمال کے بعد گرویدہ ہوجاتی ہے اور پیچھا نہیں چھوڑتی ہے۔ اس دوا کو لذت کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔

کیف پرور — اِمساک کی لاجواب گولیاں۔ ایک گولی کھائی . . . . . . گئے اور خوب داد عیش دی۔ امساک کا پورا لطف ان گولیوں میں موجود ہے۔ شیشی ایک درجن۔

پُرکیف — دوشیزگی کا صحیح لطف اٹھانے کیلئے وقت سے دو منٹ پہلے ذراسی دوا اندر رکھی جاتی ہے پھر معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نئی شادی کا کیف حاصل ہو رہا ہے۔

سہاگ — یہ خاص قسم کی خوشبو ہے وقت خاص پر اس کی ذراسی مہک بیحد فرحت اور انبساط و عیش کیلئے روح کو فرحت دیتی ہے۔ ایک قطرہ بھی کر محبوبہ کے نازک جسم پر مل دینے سے سرور ہی سرور پیدا ہوجاتا ہے۔

مذکورہ چار دواؤں کا بکس صرف شادی شدہ حضرات کیلئے کارآمد ہے۔ محبوب کو مسحور اور امساک ملطف و سرور کا سماں باندھنے کیلئے ان چار دواؤں کا بکس تیار کیا گیا ہے علیحدہ علیحدہ قیمت کے حساب سے دس روپے قیمت ہوتی ہے یک جائی بکس "کیف انگیز" کی قیمت پانچ روپے دے رہا ہے۔ ڈاک خرچ آٹھ آنے علاوہ

شرط۔ ایک بھی دوا ناکام ثابت ہو تو پوری قیمت معہ محصول ڈاک واپس کی جائے گی۔

پتہ:۔ سعید برادرس اینڈ کو کلاں محل نمبر ۲ دہلی

رات کی بات

"نائٹ سوٹ"

رات کو سوتے وقت استعمال کے لئے

جاپانی نائٹ سوٹ استعمال کریں۔ بہترین ڈیزائن۔ ریشمی کپڑہ باڈی اور چادر پر رنگ برنگ کے پھول بنے ہوئے۔ جاپان والوں نے کمال کیا ہے کہ نائٹ سوٹ مکمل طور پر ریشمی پھولوں سے سجا کر بھیجا ہے۔ جس کی دیدہ زیبی اور دلفریبی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا اپنے کپڑوں کی حفاظت کے لئے اس خوبصورت اور دلکش نائٹ سوٹ کو استعمال کیجئے مکمل سوٹ ایک ریشمی بیگ (تھیلہ) میں بند ہے۔ استعمال کے بعد بحفاظت تہ کرکے اس میں رکھ دیجئے۔ خراب نہیں ہوگا اصل قیمت بہت ہی سستی یعنی مکمل سوٹ آپکو دو روپے بارہ آنے میں ملے گا ڈاک خرچ فی ایک سوٹ پر آٹھ آنے ہوگا۔

[illegible] نمبر ۲ دہلی

نہ مرے نہ مرنے دے

ملٹری رسٹ واچ کا عجیب کرشمہ

ہندوستان میں پہلی بار یہ گھڑی آئی ہے دس فٹ اونچائی سے پھینکنے پر بند ہو تو قیمت واپس پکی گارنٹی وقت کی بہت پکی پرزے ضرورت سے زیادہ مضبوط اور قیمت ان تمام خوبیوں کے باوجود انتہائی تعجب خیز یعنی صرف ساڑھے گیارہ روپے فیکٹری نے ہندوستان پروپیگنڈہ کیلئے بارہ ہزار گھڑیاں ہندوستان کو دی ہیں اور ہدایت ہے کہ ان کو نصف قیمت پر فروخت کیا جائے تاکہ عوام اس فیکٹری کے عجیب و غریب مال کا تجربہ کرلیں ہو جائے اور لوگ معلوم کرسکیں کہ کم قیمت میں بھی بعض کمپنیاں اعلیٰ درجہ کی گھڑیاں سپلائی کرسکتی ہیں۔ لہٰذا عام اعلان کیا جاتا ہے کہ جن حضرات کو اس مفید اور پکی دستی گھڑی کی ضرورت ہو وہ ہم سے نصف قیمت۔ یعنی صرف پانچ روپے بارہ آنے میں منگا سکتے ہیں۔ بارہ ہزار کی تعداد پوری ہوچکنے کے بعد پوری قیمت ہوجائے گی۔ آج ہی پتہ ذیل پر خط لکھ کر یہ ملٹری گھڑی بذریعہ وی پی پارسل طلب کرلیجئے۔ سات آنے محصول ڈاک ہے۔

پتہ: ملک برادرس اینڈ کو نمبر ۲۲ فولاد خاں اسٹریٹ دہلی

چائے کی تباہ کاریاں!

مضرت کے لحاظ سے چائے اور شراب دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں فرق یہ ہے کہ ایک مستی اور دوسری مہنگی ایک حلال دوسری حرام، ایک کا پینے والا دنیا و آخرت میں مردود مگر دوسری کی چاہ میں مرنے والا دین و دنیا میں معصوم اور بے گناہ۔ ایک سے میخانہ آباد ہوتا ہے مگر دوسری سے مسجد مندر کلیسا پاٹ شالے میں مولوی پنڈت پادری جی بلاتے ہیں۔ اور زاہدان پاکباز شب بیداری کیلئے اس کو استعمال کرتے ہیں۔ شراب مست و بیخود بنا کر غم غلط کرتی ہے مگر چائے نیند کو اڑا کر وظیفہ و عبادت کیلئے چست و چالاک بنا دیتی ہے۔ لیکن زندگی کو تباہ کرنے اور صحت جسمانی کو قتل کرنے میں چائے شراب سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ یہ سستی ہے حلال ہے اور پھر اس کا پروپیگنڈا بھی گاؤں گاؤں ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ چائے کے خلاف بھی قسم کی سوسائٹیاں بنائی جائیں جس طرح شراب کی مخالفت کے لئے دنیا میں طول و عرض میں مجالس موجود ہیں۔ ذیل میں چائے کے مضر اثرات پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور یورپ کے مستند ڈاکٹروں کی آرا اسکے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں

ڈاکٹر شکروڈ کی رائے ہے کہ چائے اور کافی دونوں ہاضمہ پر برا اثر ڈالتی ہیں۔

ایک اور ڈاکٹر لکھتا ہے کہ چائے اشیا رنوشیدنی میں سے نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی محرک چیز ہے جسکے استعمال سے مصنوعی چستی اور چالاکی پیدا ہوتی ہے۔ عام طور پر جو لوگ چائے کے عادی ہیں انکی بھوک ماری جاتی ہے سوائے چائے کے کسی چیز کی خواہش باقی نہیں رہتی اُن لوگوں کو جب تک صبح چائے کا ایک پیالہ نہیں مل جاتا وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں آسکتے۔ وجہ یہ ہے کہ چائے نوش کا تمام نظام جسمانی چائے کی مصنوعی تحریک کا عادی ہو جاتا ہے۔ اسکے بغیر دل کی حرکت سست ہو جاتی ہے۔ طبیعت کسلمند اور دماغ بیکار سا معلوم ہوتا ہے اس کا کیف یا خمار بالکل شراب کے نشہ کی طرح ہے۔ جب چائے کا اثر جسم میں باقی نہیں رہتا تو نئے سرے چائے پینے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح چائے کے زہر کا اثر نظام عصبی پر غیر قدرتی اثر ڈال کر حرکت پیدا کرتا رہتا ہے اور انجام کار جسم کی مشین کے پرزے قبل از وقت خراب ہو جاتے ہیں۔

چائے ایک دوا ہے اور قدرت نے اسکو بھی دوسری دواؤں کی طرح اعصاب کو حرکت دینے کی خاصیت عطا فرمائی ہے اُسکے استعمال سے اعصاب بہت تیزی سے کام کرتے ہیں۔ اور غیر قدرتی طور پر قبل از وقت بیکار ہو جاتے ہیں۔ اور انکی سستی طرح طرح کے امراض پیدا کرنیکا سبب بنتی ہے۔

فرانس کے ایک مشہور ڈاکٹر موسیو الوی کہتے ہیں کہ جو لوگ کثرت سے چائے پیتے ہیں اُنکے دماغ کی نازک شریانیں کمزور ہو کر قوت سامعہ ضعیف ہو جاتی ہے اور کانوں میں سائیں سائیں کی آواز آنے لگتی ہے۔

عورتیں جو مردوں کی نسبت کمزور واقع ہوئی ہیں وہ چائے کی عادی بنکر ان امراض کا بہت جلد شکار ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ چائے نوشی سے ایک نیا مرض یہ پیدا ہوا ہے کہ پہلے دماغ میں ایک قسم کا اشتعال پیدا ہوتا ہے چہرے کا رنگ زرد ہوتا چلا جاتا ہے مگر چائے کا پینے والا اُسکی پرواہ نہیں کرتا۔ کچھ عرصہ کے بعد روحانی اور جسمانی تکالیف ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ مزاج خشک ہو جاتا ہے۔ چہرہ بہت ہی زرد ہو جاتا ہے۔ اختلاج قلب کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے ان علامات کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی چائے نوشی ترک نہیں کی جاتی بلکہ شرابیوں کی طرح چائے نوش بھی اپنی ہر تکلیف اور مرض کا علاج چائے خیال کرتا ہے۔ تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امراض ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ طرح طرح کے امراض قلب ضعف اعصاب وغیرہ زور پکڑ جاتے ہیں۔ اور زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔

ایک اور ڈاکٹر کی رائے ہے کہ چائے کے استعمال سے ایک بیماری پیدا ہوتی ہے جسکو (چائزم) کہتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی سخت بیہوشی ہوتی ہے۔ اعصاب میں ہیجان سے پسینہ بہت آتا ہے ہاتھ میں لرزہ اور معدہ میں درد پیدا ہو جاتا ہے جس کا انجام عام کمزوری کی صورت میں رونما ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر بلارڈ نے اپنے بہت سے مریضوں کا معائنہ کر کے چائے کے متعلق کہا ہے کہ۔

(۱) چائے کا زہر جسم میں جمع ہوتا رہتا ہے نوجوان اور کمزور جسم والوں پر اُس کا نہایت ہی برا اثر ہوتا ہے۔

(۲) جوان عورتوں میں زہر کی علامت پیدا کرنے کیلئے بالعموم پانچ پیالے چائے کے روزانہ کافی ہیں۔

(۳) چائے نوشی کی عادت کے خراب اثرات بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں اور اُسکے زہریلے اثر کی تمام علامتیں بھوک کا زائل ہوجانا۔ بدہضمی۔ اختلاج قلب، دردِ سر، متلی، اور قے ہوتا ہے اور اُسکے ساتھ ذکاوت حس مبتر یا اور عصبی درد کے دورے بھی ہونے لگتے ہیں جنکے ساتھ قبض اور مقام قلب پر درد کا احساس ہوتا ہے ڈاکٹر جے۔ ایچ کیلاگ کا بیان ہے کہ چائے چھوڑ دینے کے بعد انہوں نے بہت سے مریضوں کے خون کے دباؤ کو بیس سے چالیس درجوں تک گھٹ جاتے دیکھا۔ اور اسی کیساتھ ساتھ تمام جسمانی صحت

ایسے ان تمام نقصانات کا علم حاصل کرنے کے بعد اگر آپ چائے کی چاہ میں مبتلا رہنا پسند فرمائیں گے تو اُسکی تمام ذمہ داری آپ ہی پر ہے چائے کی موافقت میں جو وسیع پروپیگنڈا ہو رہا ہے اُس میں تجارتی مفاد مدِنظر ہے اور چائے تیار کرنیوالی کمپنیاں اپنی تجارت کے فروغ کے لئے گرم چائے ٹھنڈک پہونچاتی ہے' وغیرہ جیسے اشتہارات شائع کر رہے اُن کو ہندوستانی پبلک کی فلاح و بہبود سے کوئی واسطہ نہیں۔ ضرورت کہ چائے کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاوے اور حکومت بھی پبلک کی صحت خیال کرتے ہوئے اُسکے خلاف کوئی مناسب اقدام کرے اُمید ہے حکما رصاحبان بھی اس طرف توجہ فرما کر اپنی اپنی آراء سے پبلک کو مستفید